فغانِ رومی



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

فغانِ رومی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسب ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : فُغانِ رُومی
مؤلف : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مرتب : یکے از خدام حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ
اشاعتِ اوّل : جمادی الاوّل ۱۴۲۱ھ اگست ۲۰۰۰ء
اشاعتِ ثانی : ۴؍جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۲۰۱۶ء بروز پیر
زیرِ اہتمام : شعبہ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، 92.316.7771051
ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com
ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشرواشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

دروسِ مناجاتِ رُومی

از مناجات خاتمِ مثنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مرتب

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، اَمَّا بَعۡدُ

سات سو سال پہلے حضرت شمس الدین تبریزی کے سینے کی آگ جو حضرت جلال الدین رومی کے سینے میں منتقل ہوئی اور آتش فشاں بن کر مثنوی کی صورت میں زبانِ رومی سے بر آمد ہوئی، اس کی شرح سات سو برس بعد اس زبان مبارک سے ہوئی جس کو عصرِ حاضر کے بڑے بڑے علماء حتیٰ کہ ایران کے صاحبِ زبان اہلِ حق علماء نے بھی رُومی ثانی کا لقب دیا ہے اور جن کی آتشِ درد اورآہِ دل عصرِ حاضر کے شمس تبریزی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روشن کردہ وپروردہ ہے، جیسا کہ شارحِ مثنوی حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے خود فرمایا ہے کہ ؎

آہِ من پروردۂ آہِ شما
دردِ من پروردۂ دردِ شما

ترجمہ: اے شاہ عبد الغنی! میری آہ آپ کی آہوں کی تربیت یافتہ اور میرا درد آپ کے درد کا پروردہ ہے۔

پیش نظر کتاب "فُغانِ رُومی" مولانا جلال الدین رُومی کے مناجاتیہ اشعار کی درد بھری شرح ہے جو مُرشدی ومولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔ یہ خالی لفظی شرح نہیں ہے بلکہ حضرت والا کی وہ آتشِ دردِ دل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو خاص فرمایا اور جو اُمت میں خال خال ہی کو عطا ہوئی بلکہ بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس دردِ دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو منفرد فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناجاتِ رُومی کی ایسی شرح آج تک نظر سے نہیں گزری اور شاید ہی کسی زبان میں موجود ہو، کیوں کہ جب ایسے قلوب ہی نایاب ہیں تو زبان کہاں سے آئے گی۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ[1]

کسی کے دو شعر کیا خوب ہیں جو حضرت والا کے مقامِ عشق اور دردِ محبت کی انفرادی شان کے ترجمان ہیں ؎

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

راقم الحروف عرض رسا ہے کہ الحمد للہ تعالیٰ! حضرت والا سراپا محبت ہیں، عشق کا سمندر ہیں، نہ جانے کتنے دریائے محبت حضرتِ اقدس کے سینۂ مبارک میں موجزن ہیں، لیکن ہم جیسے کور باطن اس کا کیا ادراک کرسکتے ہیں۔ در حقیقت حضرت والا دامت برکاتہم مولانا رُومی کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
واندرونِ من نہ جست اسرارِ من

ترجمہ: ہر شخص اپنے گمان کے مطابق میرا دوست بنا ہوا ہے، لیکن میرے دل کے رازِ محبت سے کوئی واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ نظر عطا فرمائے جو حضرت والا کو پہچان سکے ؎

ترے صدقہ میں اسے چشمِ بصیرت ہو عطا
آہ عشرت نے بھی اب تک تجھے پہچانا نہیں

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت والا کی صحیح معنوں میں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں استفادہ کی توفیق دے اور حضرت کا سایۂ عاطفت ایک سو بیس سال تک مع صحت وعافیت ودین کی عظیم الشان وبے مثال خدمت اور شرفِ قبولیت کے ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

---

[1] سنن ابن ماجۃ:۲/۳۰۵، باب فضل الحامدین، المکتبۃ الرحمانیۃ

اس کتاب کے مطالعے سے ان شاء اللہ تعالیٰ صرف دُعا مانگنے کا طریقہ ہی نہیں آئے گا بلکہ دل میں اللہ کی محبت کی آگ بھی لگ جائے گی۔

مناجاتِ رُومی کے اس درس کا اکثر حصہ ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۹۹۱؁ء میں ری یونین سے تشریف لانے والے حضرت والا سے منسلک بعض علماء اور دیگر حضرات کی درخواست پر دیا گیا۔ یہ حضرات تقریباً آٹھ ماہ تک خانقاہ میں مقیم رہے، اس لیے وقتاً فوقتاً درس ہوتا رہا۔ اس کے بعد بقیہ حصہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۱۹۹۳؁ء میں مکمل ہوا جب یہ حضرات ری یونین سے دوبارہ تشریف لائے اور اب ۱۴۲۱؁ھ مطابق ۲۰۰۰؁ء میں الحمدللہ تعالیٰ! اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ حضرت والا کے بعض مضامینِ جدیدہ و علومِ نافعہ اور اشعار وغیرہ مضمون کی مناسبت کی وجہ سے بعض مقامات پر شامل کر دیے گئے ہیں جو دورانِ درس بیان نہ ہوئے تھے۔ بعض جگہ تو اس کی نشان دہی کر دی گئی کہ یہ مضمون بعد کا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اظہار نہیں کیا جاسکا، کیوں کہ مقصود نفع رسانی ہے نہ کہ تاریخی ریکارڈ کی درستگی۔

الحمد للہ! آج مؤرخہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۲۱؁ھ مطابق ۲۸/ جولائی ۲۰۰۰؁ء بروز جمعہ ''فغانِ رومی'' کی کمپوزنگ مکمل ہوئی اور طباعت کے لیے دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور قیامت تک اُمتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائیں، آمین۔

جامع و مرتب

یکے از خدّام

عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

دامَ ظلالهم علينا وعلىٰ سائر المسلمين

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فُغانِ رُومی

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۱؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدائے باعطا و باوفا
رحم کن بر عمرِ رفتہ بر جفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ باعطا بھی ہیں اور باوفا بھی ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ عطا کو وفا سے کیا نسبت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہر عطا کا سبب وفا اور محبت ہے۔ حق تعالیٰ کے جو بے پایاں عطا و انعامات ہیں ان کا سبب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے۔ اور دنیا کے جتنے باعطا لوگ ہیں کسی مرحلے پر وہ وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہو جاتے ہیں، مثلاً: کسی کا گہرا دوست مقروض ہو گیا اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے دوست کی مدد کرے لیکن اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ اس کا قرض ادا کر سکے یا دوست کی دشمن پٹائی کر رہے ہیں اور یہ دوست کی مدد کو آیا لیکن چار دشمنوں نے اسے بھی پکڑ لیا، یہ شخص باوفا ہونے کے باوجود باعطا ہونے پر قادر نہیں، وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہو گیا۔ لیکن اے اللہ! صرف آپ کی ذات ہے کہ کوئی چیز آپ کی عطا میں مانع نہیں ہو سکتی کیوں کہ آپ عَزِیۡز ہیں،

زبردست طاقت والے ہیں، اور عَزِیْزٌ کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَلَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِهٖ[۲] یعنی جو ہر چیز پر قادر ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی چیز اس کو عاجز نہ کرسکے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ[۳]

یہ لَا نفی جنس کا ہے کہ اے اللہ! جنس کی کوئی نوع یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ آپ عطا فرمانا چاہیں اور وہ اس میں مانع ہو جائے اور جس کو آپ اپنی عطا سے محروم کریں تو کوئی عطا کرنے والا اس کو عطا نہیں کرسکتا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہ تین اندھیروں میں تھے: رات کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور دریا کی تہہ کا اندھیرا اور فَھُوَ کَظِیْمٌ[۴] وہ گھٹ رہے تھے۔ وہاں کون تھا جو آپ کے پیغمبر کو اس امتحان سے نجات دیتا، لیکن آپ کی عطا میں کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور دریا کی تہہ میں آپ نے سنگ ریزوں سے پڑھوادیا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ[۵]

اور اشارہ دے دیا کہ یہ پڑھ لو تو نجات پاجاؤ گے۔ اور سُبْحٰنَكَ میں یہ علم پوشیدہ ہے کہ اس وقت بھی جبکہ مچھلی نے نگل لیا ہے آپ اس وقت بھی پاک ہیں ہر ظلم سے، آپ ظالم نہیں ہیں، میں ہی ظالم ہوں۔ تو آپ ایسے باعطا ہیں۔ اور باوفا کیسے کہ اپنے پیاروں اور وفاداروں کی سات پشت بلکہ دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا[۶]

اور وہ دیوار جس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا، گررہی تھی، آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کو بنوادیا تاکہ ظالم بادشاہ اس خزانے کو نہ چھین سکے اور اس عطا

---

[۲] مرقاة المفاتیح:۵/۴۶۳،باب قصة حجة الوداع،دارالکتب العلمیة،بیروت
[۳] صحیح البخاری:۱/۱۱۷(۸۴۸)،باب الذکر بعد الصلوٰة،المکتبة المظھریة
[۴] یوسف:۸۴
[۵] الانبیاء:۸۷
[۶] الکھف:۸۲

اور کرم کی وجہ آپ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمائی وَ کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا کہ ان دونوں بچوں کا باپ ہمارا وفادار اور پیارا تھا۔ اور یہ باپ کون تھا؟ روایت میں ہے کہ کَانَ الْاَبَ السَّابِعَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَلْاَبَ الْعَاشِرَ[۷] یہ ساتواں باپ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ دسواں باپ تھا۔ آہ! آپ کیسے باوفا ہیں کہ جو آپ کا ہو جاتا ہے آپ اس کی دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں۔ دنیا میں بھی ہمارے ساتھ ہیں، قبر میں بھی ہمارے ساتھ ہوں گے، میدانِ محشر میں بھی اور پل صراط پر بھی اللہ ہی ساتھ دے گا۔ ہمارا مالک دونوں جہاں کا مالک ہے اور دونوں جہاں میں صرف وہی باوفا ہے۔

اور دنیا کے باعطا بادشاہ اگر مجرموں کو معاف بھی کرتے ہیں تو عدالتِ عالیہ میں اس کا سابقہ ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اگر آیندہ کبھی وہ پھر بے وفائی کرے تو اس کا سابقہ ریکارڈ فردِ جرم عائد کرنے میں ثبوت فراہم کرے، لیکن اے اللہ! آپ ایسے باعطا ہیں کہ جس کو معاف کرتے ہیں اس کا سارا ریکارڈ ضایع کر دیتے ہیں، تاکہ میرا بندہ قیامت کے دن رُسوا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَی اللہُ الْحَفَظَۃَ ذُنُوْبَہٗ وَاَنْسٰی ذٰلِکَ جَوَارِحَہٗ وَمَعَالِمَہٗ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰی یَلْقَی اللہَ وَلَیْسَ عَلَیْہِ شَاھِدٌ مِّنَ اللہِ بِذَنْبٍ[۸]

جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہوں کو بھلا دیتے ہیں اور اس کے جوارح یعنی اعضائے جسم جو اس کے خلاف گواہی دیتے ان کو بھی بھلا دیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا (اور وہ زمین اس کے خلاف گواہ ہوتی) اس زمین سے بھی اس کے گناہوں کے نشانات کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہوں پر کوئی شہادت دینے والا نہ ہو گا۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ تو ایسے باعطا اور باوفا ہیں اور ہم اتنے ہی بے وفا اور پُر جفا ہیں۔

---

۷ روح المعانی: ۱۶/۱۱۳، الکھف (۸۲)، دار احیاء التراث، بیروت
۸ کنز العمال: ۴/۲۰۹ (۱۰۱۷۹)، باب فضل التوبۃ والترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

مجھ سے طغیانی و فسق و سرکشی
تجھ سے بندہ پروری ہوتی رہی

لہٰذا اے اللہ! ہماری جفاؤں پر اور ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمایئے کہ آپ کریم ہیں، آپ ہماری اس عمر پر جو گناہوں میں گزر گئی رحم فرما دیجیے۔

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہمیں ایسی زندگی بخشی ہے کہ جس کے ایک روز کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اس کی ایک سانس میں انسان کافر سے مومن، فاسق سے ولی، جہنمی سے جنتی بن سکتا ہے اور اگر اس کی قیمت نہ پہچانی اور زندگی کو ضایع کر دیا تو موت کے وقت حسرت ہوگی کہ آہ! جس سانس میں ہم اللہ کو راضی کر کے دائمی جنت حاصل کر سکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں ضایع کر دیا اور موت کے وقت وہ مہلت ختم ہوگئی۔

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا[۹]

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کی میعاد (عمر) ختم ہونے پر آجاتی ہے۔ اس وقت اس زندگی کی ایک سانس کی قیمت معلوم ہوگی کہ اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دے کہ مجھے ایک لمحے کی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لوں تو مہلت نہ ملے گی۔ یہ ایسی قیمتی زندگی ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں توفیق دے دیجیے کہ ہم آپ کو یاد کر کے اور آپ کو راضی کر کے اور مہلتِ حیات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر ابدی کامیابی حاصل کر لیں۔

خرچ کردم عمرِ خود را دمبدم
در دمیدم جملہ را در زیر و بم

اے خدا! ایسی قیمتی زندگی کو میں نے زیر و بم یعنی لہو و لعب میں پھونک ڈالا۔

---

۹ المنافقون:۱۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۲؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدا فریاد ازیں فریاد خواہ
داد خواہم نے زکس زیں داد خواہ

ارشاد فرمایا کہ یہاں فریاد سے پہلے بشنوید محذوف ہے یعنی اے خدا! اس شخص کی فریاد کو سن لیجیے جو اس وقت فریاد کر رہا ہے۔ میں کسی سے انصاف نہیں چاہتا مگر اس ذات سے جو انصاف عطا فرمانے والی ہے، یعنی اے داد خواہی کرنے والے! اپنے نفس ہی کے ظلم کی آپ سے داد خواہی کرتا ہوں اور آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ اور دوسرے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ میں بخشش چاہتا ہوں اس ذات سے جس کو بخشش کرنا محبوب ہے۔

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! آپ سے فریاد ہے کہ آپ نے آیت **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا**[۱] نازل فرما کر ہمیں دو قسم کا اختیار دیا ہے: تقویٰ کا بھی اور فسق و فجور کا بھی، جس سے ہم بہت بڑی آزمایش میں ہیں۔ فرشتے تو مجبورِ اطاعت ہیں، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، لیکن ہمارے اختیار کے درخت میں دو شاخیں ہیں: ایک شاخ اطاعت کی ہے اور دوسری شاخ نافرمانی کی ہے کہ اگر چاہو تو تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا میٹھا پھل حاصل کرلو اور اگر چاہو تو گناہ کرکے اللہ کے غضب کا کڑوا پھل لے لو، یعنی ہمیں اختیار ہے کہ چاہو تو اللہ کے فرماں بردار بن کر ولی اللہ اور رشک بایزید بن جاؤ اور چاہو تو نافرمانی کرکے ننگِ ابلیس اور ننگِ یزید بن جاؤ۔

اے خدا! فریاد ہے کہ اختیارِ خیر و شر کی کشمکش سے ہم سخت آزمایش میں ہیں کیوں کہ ہمارا نفس بہت نالائق ہے جس سے ہمیں سخت خطرہ ہے کہ آپ کے دیے ہوئے

---

[۱] الشمس:۸

اختیار کو غلط استعمال کرجائے گا یعنی اطاعت وفرماں برداری کی شاخ پر بیٹھنے کے بجائے فسق ونافرمانی کی شاخ پر بیٹھ جائے گا کیوں کہ اس کی فطرت آپ نے بیان فرمادی کہ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ[۱۱] ہے، لہٰذا اندیشہ ہے کہ نیکی اور بدی کے اختیار میں اپنی فطرت کے سبب یہ بدی کو ہی اختیار کرے گا، لہٰذا اپنے اس ظالم نفس کے خلاف آپ کی عدالتِ عالیہ میں فریاد داخل کررہاہوں کہ اس نفس نالائق کو آپ مجھ پر اختیار نہ دیجیے، اس کے اختیار سے مجھ کو خرید لیجیے اور اپنے خاص کرم اور خاص توفیق سے مجھے نیک کاموں پر مضطر کردیجیے۔

دراصل مولانا کا یہ شعر مشکوٰۃِ نبوت سے مستنیر ہے اور اس حدیثِ پاک کی شرح ہے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ، اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ، وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۱۲]

جب دشمن ستاتا ہے تو مظلوم سرکار کی عدالتِ عالیہ میں استغاثہ دائر کرتا ہے اور وہ مُدعی کہلاتا ہے اور جس کے خلاف استغاثہ دائر ہوتا ہے اس کو مدعیٰ علیہ کہتے ہیں اور فریاد کے مضمون کو استغاثہ کہتے ہیں۔

اس دُعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھادیا کہ جب تمہیں کوئی ستائے خواہ وہ تمہارا داخلی دشمن نفس ہو یا خارجی دشمن شیطان یا انسان ہو تو تم حیّ و قیّوم کی سرکارِ عالیہ میں اپنا استغاثہ وفریاد داخل کردو، کیوں کہ یہ وہ سرکارِ عالیہ ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں، حق تعالیٰ کی ذات حَیّ ہے: اَیْ اَزَلًا اَبَدًا وَحَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا یعنی اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی سے ہر شے کی حیات قائم ہے اور اللہ قَیُّوْمٌ بھی ہے یعنی قَایِمٌ بِذَاتِہٖ وَیُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاہِرَۃِ یعنی جو اپنی ذات سے قائم ہے اور دوسروں کو اپنی صفتِ قیومیت سے سنبھالے ہوئے ہے، یہ معنیٰ ہیں حَیٌّ وَقَیُّوْمٌ کے۔

اور جس عدالت میں یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ حق تعالیٰ کی رحمت کی

---

[۱۱] یوسف:۵۳

[۱۲] کنزالعمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸)،الباب الثامن: الدعاء،الفصل الخامس: أدعیۃ المؤقتۃ،الفرع الثالث: أدعیۃ الصباح والمساء،مؤسسۃ الرسالۃ

عدالت ہے بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی عدالت میں اپنی فریاد داخل کرتا ہوں۔ اور مضمونِ استغاثہ ہے:

اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

جس میں فریاد کا ایک مثبت اور ایک منفی مضمون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر حالت کی اصلاح کی مثبت فریاد ہے اور نفس کے حوالے نہ کرنے کی منفی فریاد ہے، اور دنیوی عدالتوں میں جب مظلوم فریاد کرتا ہے تو مضمونِ استغاثہ طویل ہوجاتا ہے اور پھر بھی کثرتِ الفاظ میں مفہوم قلیل ہوتا ہے لیکن کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ دو مختصر جملوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جہاں کی حاجتیں پیش فرمادیں، کیوں کہ آپ جَوَامِعُ الْكَلِمْ یعنی کلماتِ جامعہ سے نوازے گئے تھے۔ جَوَامِعُ الْكَلِمْ کے معنٰی ہیں کہ قلیل الفاظ میں کثیر معانی پنہاں ہوتے ہیں۔

فریاد کا مثبت مضمون اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ ہے، یعنی میری ہر حالت کو درست فرمادیجیے، خواہ وہ حالت دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ مثلاً: اگر کوئی دشمن ستارہا ہے تو اس کی ایذا رسانیوں سے نجات دے دیجیے، کوئی جسمانی خطرناک مرض پیدا ہورہا ہے تو اس کو شفا عطا فرمادیجیے۔ اسی طرح آخرت کے کاموں میں غفلت ہورہی ہو، نماز روزہ میں سستی ہورہی ہو تو اس کو دور فرمادیجیے، کسی گناہ کی عادت ہو تو اس سے توبہ کی توفیق دیجیے اور تقویٰ کی دولت عطا فرمادیجیے۔ یعنی جسمانی صحت بھی عطا فرمایئے اور رُوحانی صحت بھی عطا فرمایئے اور بگڑی کو بنادیجیے اور اپنے نام کی لذت اور عبادت کی مٹھاس اور ایمان کی حلاوت نصیب فرمادیجیے اور كُلَّهٗ تاکید ہے یعنی ہماری کوئی حالت ایسی نہ رہنے پائے جس پر آپ اپنی نگاہِ کرم نہ ڈالیں اور ہماری بگڑی کو نہ بنادیں۔ بس دنیا کی ہر حالت کی درستگی کی اور آخرت کی ہر حالت کی درستگی کی فریاد اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ کے اس مختصر سے جملے میں ہے۔ کلامِ نبوت کی جامعیّت کا یہ اعجاز ہے۔

اور استغاثہ کا منفی مضمون وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ ہے، اور جس

کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ مدعیٰ علیہ کون ہے ؟یعنی وہ کون دشمن ہے جس کے خلاف رحمتِ الٰہیہ کی عدالت میں یہ فریاد داخل کی جارہی ہے ؟ وہ نفس ہے جس کا ذکر استغاثہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ سب سے بڑادشمن میرا نفس ہے اور یہ اتنابڑادشمن ہے کہ پلک جھپکنے میں وار کرکے آدمی کو تباہ کرسکتا ہے۔ دیکھیے کتنا ہی بڑادشمن ہو، حملے کے لیے پہلے کچھ اسلحہ سنبھالے گا، کچھ خود سنبھلے گا،وار کے لیے کچھ نشانہ لگائے گا، پلک جھپکتے ہی وار نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ صرف نفس دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو ہلاک کرسکتا ہے، پلک جھپکی اور قصداً کفر کاعقیدہ دل میں ڈال دیااور اسی وقت کافر بنادیایاپلک جھپکنے میں کسی گناہ کاارادہ دل میں ڈال دیااور گناہ میں مبتلا کرکے فاسق بنادیا۔اسی لیے سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو سکھارہے ہیں کہ اے اللہ !پلک جھپکنے بھر کو مجھے میرے نفس دشمن کے حوالے نہ کیجیے کیوں کہ میرا سب سے بڑادشمن میرا نفس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ [۱۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے اور اس سے مراد نفس ہے جو پہلو میں چھپا بیٹھا ہے اور گھر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، شیطان توباہر کا دشمن ہے، وہ توایک بار وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس اتناوقت نہیں ہے کہ ایک ہی آدمی کے پیچھے لگارہے، لیکن نفس توہر وقت پہلو میں ہے لہٰذابار بار گناہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ میں یہی فرق ہے کہ اگر ایک بار گناہ کا تقاضا ہوا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جب بار بار گناہ کا تقاضا ہو تو ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ نفس کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی حقیقت بتادی کہ

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ

---

۱۳ روح المعانی:۵۷/۱،البقرة(۱۲۳)،ذکرہ فی باب الاشارات،دار احیاء التراث،بیروت/مرقاة المفاتیح:۳۷۲/۳، باب التطوع،دار الکتب العلمیة،بیروت

یعنی كَثِيْرُ الْأَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے، بہت زیادہ بُرائی پر اُکسانے والا ہے لہٰذا نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ جس پر حق تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ ما ظرفیہ زمانیہ مصدریہ ہے جس کا ترجمہ ہوگا أَيْ فِيْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّيْ[۱۴] کہ جس وقت میرے رب کی رحمت کا سایہ ہوگا تب نفس کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

پس اسی حدیثِ پاک کی روشنی میں مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے فریادیوں کے فریادرس! میری فریاد کو سن لیجیے کہ میں اپنے نفس کی بیداد کی آپ ہی سے دادرسی چاہتا ہوں کہ مجھے میرے اس نفسِ امّارہ کے اختیار کے حوالے نہ کیجیے ورنہ یہ نفس مجھ کو بدی کی راہ پر لے جائے گا، لہٰذا نفس کے ہاتھوں سے مجھے خرید کر اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے۔ اگر آپ کی رحمت کا سایہ اس نفس پر پڑ گیا تو یہ کرگس بھی پھر بازِ شاہی اور بازِ سلطانی کا کردار ادا کرسکتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں سجدہ ریز و اشکبار ہوسکتا ہے، اور میرے قلب و جاں آپ سے اس درجہ چپک سکتے ہیں کہ ساری کائنات مجھے آپ سے ایک بال کے برابر جدا نہیں کرسکتی، لہٰذا آپ ہمیشہ اور ہر لحمہ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے، ایک لمحے کے لیے مجھ کو میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے، ورنہ خوف ہے کہ یہ راہِ طاعت و سعادت کو چھوڑ کر راہِ شقاوت اختیار کرلے، کیوں کہ معصیت شقاوت کی راہ ہے اور ترکِ معصیت نزولِ رحمت کی دلیل ہے، اسی لیے ہمیں حدیثِ پاک میں یہ دُعا بھی سکھائی گئی:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ وَلَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ[۱۵]

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرمادے جس سے ہمیں گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو اور اپنی نافرمانی سے ہمیں شقی اور بدبخت نہ ہونے دیجیے وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اور ہمیں ایک پل کے لیے ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔ اس شعر میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہی فریاد کررہے ہیں جس کی تعلیم مذکورہ حدیثِ پاک میں دی گئی ہے۔

---

[۱۴] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۵] کنز العمال: ۱۷۶/۲ (۳۶۱۷)، باب جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

داد خود چو من ندادم در جہاں
عمر شد ہفتاد سال از من جہاں

میں نے دنیا میں خود اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا یعنی گناہ کر لیے اور اپنے اُوپر ظلم کیا یہاں تک کہ عمر کے ستر سال گزر گئے اور میں تن پروری و تن پرستی میں مشغول رہا۔ جسم کا جو گھوڑا مجھے اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے میں آخرت کا سفر طے کروں یعنی اپنے اعضاء سے نیک اعمال کرکے آخرت کی کامیابی حاصل کروں، لیکن میں جسم کی سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا اور اس کی آرائش و زیب و زینت میں مشغول ہو کر سفر سے غافل ہو گیا حالاں کہ یہ سواری مقصود نہ تھی، ذریعۂ مقصود تھی، منزلِ مقصود رضائے حق اور فلاحِ آخرت تھی، لیکن آہ! میں نے ظلم کیا کہ اپنے مقصود سے غافل ہو گیا اور آخرت کا سفر طے کرنے کے بجائے اس جسم کو حرام لذتیں دیتا رہا، یہاں تک کہ اب میں عمر کے آخری حصے میں پہنچ گیا اب سوائے رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا[۱۶] کے کوئی چارہ نہیں۔ پس آپ میری نالائقیوں کو معاف فرما دیجیے اور توبہ سے میرے ماضی کو معاف اور حال کو اصلاحِ اعمال سے درست اور مستقبل کو عزم علی التقویٰ سے روشن فرما دیجیے۔

دادِ خود از کس نیابم جز مگر
زانکہ ہست از من بمن نزدیک تر

میں کسی سے بخشش و رحم و انصاف نہیں پا سکتا حتّٰی کہ اپنے نفس اور اپنی جان سے بھی نہیں پا سکتا، بلکہ صرف اس ذات سے پا سکتا ہوں جو میری رُوح اور نفس سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے، یعنی اے اللہ! بخشش و انصاف میں صرف آپ سے پا سکتا ہوں، کیوں کہ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ[۱۷]

۱۶؎ الاعراف:۲۳

۱۷؎ قٓ:۱۶

ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ احقر کا ایک قطعہ اس مقام کے مناسب ہے اس لیے نقل کرتا ہوں۔

ایسا محبوب کوئی دکھلائے
ہو جو ہر دم دلِ حزیں کا حبیب
جو ہو موجود دل کی دھڑکن میں
رگِ جاں سے بھی ہو زیادہ قریب

پس جب میرا نفس اور میری رُوح آپ کے مقابلے میں مجھ سے دور ہیں اور آپ میرے نفس ورُوح سے بھی نزدیک تر ہیں، لہٰذا آپ ہی بخشش وعطا کے اہل ہیں، اس لیے میں آپ ہی سے فریاد رسی وداد خواہی کروں گا، فَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ البَلَاغُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کیوں کہ آپ ہی اس قابل ہیں جس سے مدد طلب کی جائے اور ہماری مدد کو پہنچنا آپ پر احساناً وتفضّلاً واجب ہے، اور ہم میں گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر آپ کی حفاظت سے اور نیکیوں کی قوت نہیں ہے مگر آپ کی مدد سے۔

ایں چہ غل است اے خدا بر گردنم
ورنہ غل باشد کہ گوید من منم

اے خدا! یہ کیسا طوق ہے جو مثل قیدیوں کے میری گردن میں پڑا ہوا ہے۔ دراصل یہ عُجب وکِبر کا طوق ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ طوق میری گردن میں نہ ہوتا یعنی عُجب وکِبر میں ابتلاء نہ ہوتا تو کون کہتا کہ میں میں ہوں۔ یہ میں میں کرنا دلیل ہے کہ یہ شخص عجب وکبر میں گرفتار ہے۔ عُجب نام ہے خود بینی وخود ستائی کا یعنی اپنے کو اچھا سمجھنا اور کسی خوبی اور صفت مثلاً اپنے علم وعمل یا حسن وجمال یا دولت ومال وغیرہ کو اپنا ذاتی کمال سمجھنا، عطاءِ حق نہ سمجھنا اور کبر یہ ہے کہ اپنے کو اچھا بھی سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو قبول نہ کرنا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں کبر کی علامت بیان فرمائی

گئی کہ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ[۱۸]۔اور عُجب و کِبر دونوں حرام ہیں اور اللہ کے قُرب سے محروم کرنے والے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عُجب و کبر کا یہ طوق اتنا خبیث ہے جو نفس کا قیدی بنادیتا ہے اور ایسا شخص اپنی ہی صفات پر نظر رکھتا ہے کہ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں اور یہ احمق نہیں جانتا کہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی طرف سے چند روز کے لیے امتحاناً مستعار عطا ہوئی ہیں جس وقت چاہے اللہ ان کو چھین سکتا ہے اور موت کے وقت تو یقیناً چھین لی جائیں گی، اسی لیے معجب (عُجب والا) اپنی ذات سے وابستہ اور حق تعالیٰ کی رحمت سے دور اُفتادہ ہوتا ہے۔ حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جس وقت اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں بُرا ہوتا ہے اور جس وقت اپنی نظر میں بُرا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھا ہوتا ہے، اسی لیے مستحقِ رحمت ہوتا ہے۔ اور اپنے کو اچھا سمجھنے والا مستحقِ لعنت ہوتا ہے۔ اور خود بینی کی ایک مثال میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ جیسے کوئی عشق کا دعویٰ کرنے والا محبوب کے سامنے ہو اور بجائے محبوب کو دیکھنے کے آئینے میں اپنے ہی خدوخال دیکھ رہا ہو تو بتائیے ایسے عاشق کو محبوب پسند کرے گا؟ یا جوتے مار کر بھگا دے گا؟ اسی طرح خود ستائی و خود بینی والا حق تعالیٰ کی نظر میں سخت مبغوض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قُرب سے محروم فرمادیتے ہیں۔ یہی مضمون احقر نے اپنی فارسی مثنوی میں بیان کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

ہمچنیں عاشق کہ معشوقے بدید
پیشِ آں معشوق روئے خود بدید

پس چرا غیرت نیاید دلبراں
ہمچنیں عشاق را چو خر براں

جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کے سامنے ہو، لیکن محبوب کو دیکھنے کے بجائے آئینے میں

---

۱۸ صحیح مسلم:۱/۶۵،باب تحریم الکبر و بیانہ،ایچ ایم سعید

اپنے چہرے کو دیکھ رہا ہو، تو کیا محبوب کو غیرت نہ آئے گی اور ایسے عاشق کو گدھے کی طرح ہانک کر اپنے پاس سے بھگا نہ دے گا؟

اور کِبر عُجب سے اشدّ ہے کہ متکبّر خود کو اچھا ہی نہیں سمجھتا دوسروں کو حقیر بھی سمجھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں اور مخلوق کی نظر میں بھی ذلیل کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَّفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِّنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ [۱۹]

جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کو خدا گرا دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے مگر اپنے دل میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

مولانا کا مقصد اس شعر سے یہ ہے کہ اے اللہ! عجب و کبر کا طوق ہماری گردن میں ہے اور ہم اس سے پاکی اور براءت کا اعلان کیسے کر سکتے ہیں جب کہ اس کی علامات واضح طور پر ہمارے اندر موجود ہیں کہ ہم خود بینی و خود ستائی میں مبتلا ہیں، پس آپ اس طوق کو ہماری گردن سے نکال دیجیے اور اپنی محبت کا طوق ہماری گردن میں ڈال دیجیے تا کہ ہم آپ کے نور میں غرق ہو جائیں، جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سر و بر گردنم مانندِ طوق

آپ کا نور میرے دائیں بائیں اُوپر نیچے ہو اور میرے سر اور گردن میں مانند طوق آجائے، یعنی آپ کے ذکر و طاعت کے نور میں ہم غرق ہو جائیں۔ مولانا کا یہ شعر دراصل مقتبس ہے اس حدیثِ پاک سے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ

[۱۹] مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّلَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا [20]

ترجمہ: اے اللہ! عطا فرما میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور میرے بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور عطا فرما میرے لیے ایک خاص نور اور میرے اعصاب میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور کر دے میری جان میں نور اور مجھے نورِ عظیم عطا فرما اور کر دے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور، یا اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

زانکہ خاصاں را تو مہ رو کردۂ
ماہِ جانم را سیہ رو کردۂ

مولانا رُومی حق تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ خاص بندوں کی جان کو بہ برکتِ تقویٰ آپ نے ماہ رو کر دیا یعنی چاند کی طرح روشن کر دیا اور ہماری جان کو بوجہ ہماری شامتِ اعمال سیاہ رو کر دیا۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مولانا نے سیاہ رو کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اس سے بظاہر بے ادبی لازم آتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں ہے بلکہ نسبت اپنی شامتِ اعمال اور معاصی پر استمرار کی نحوست کی طرف ہے جس پر بطورِ سزا یہ سوءِ قضا مسلّط کی گئی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[20] جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴/۲۱۳-۲۱۴، (۲۱۸۹)، الکتاب الاول فی الدعاء فی الصلٰوۃ مطلقا مشترکا، مکتبۃ الحلوانی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ‌ۚ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ [۲۱]

مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ جب اللہ نے مہر لگادی تو ایمان نہ لانے میں اہلِ کفر کا معذور ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب حکیم الاُمت نے ''بیان القرآن'' میں دیا کہ ان کے مسلسل کُفر و طغیان اور بُغض و عناد اور مخالفتِ حق کے سبب ان کے اندر قبولِ حق کی استعداد ہی ختم ہوگئی، حالاں کہ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر قبولِ حق کی استعداد رکھ کر دنیا میں بھیجا ہے، لیکن آدمی اپنی اغراضِ نفسانی وخود غرضی اور ضد اور سرکشی کے سبب حق کی مخالفت کرتا ہے جس سے وہ استعداد فنا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جب انہوں نے طے کرلیا کہ ہم تمام عمر کفر پر قائم رہیں گے اور کبھی ایمان نہ لائیں گے، ہمیشہ حق کی مخالفت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی کہ جب تم نے قبولِ حق کی اپنی استعداد ہی برباد کرلی تو جاؤ اب کفر ہی پر مرو، تو اس مہر لگانے کا سبب ان کا کفر ہے نہ کہ یہ مہر اُن کے کفر کا سبب ہے، یعنی ان کے مسلسل کفر کے سبب یہ مہر لگادی گئی، یہ نہیں کہ مہر لگانے سے کفر ان کا مقدّر ہوا۔ اور اس کی مثال حضرت حکیم الاُمت نے عجیب دی کہ جیسے کوئی کریم کسی مفلس کا ہزار روپے وظیفہ مقرر کردے، لیکن وہ نالائق بجائے قدر کرنے کے ہزار روپے کے نوٹوں کو جلا کر ضایع کردیتا ہے۔ اس کریم نے بارہا اس نامعقول حرکت سے منع بھی کیا لیکن وہ نالائق اپنی حرکت سے باز نہیں آتا، تب وہ کریم اعلان کرتا ہے کہ اس نے مسلسل ہمارے عطیہ کی ناقدری کی، لہٰذا اب ہم اس کا وظیفہ بند کرتے ہیں اور اب کبھی اس کو وظیفہ نہ دیں گے۔ بس یہی ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اور قرآنِ پاک کی ایک

[۲۱] البقرۃ:۷

آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، چناں چہ اس آیت کی تفسیر دوسری آیت میں ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر جو مہر لگائی ہے اس کا سبب ان کا کُفر ہے کہ ان کا ارادہ تاحیات اس طغیان وسرکشی پر قائم رہنے کا ہے، لہٰذا یہ مہر ان کے کُفر وسرکشی کا خمیازہ ہے۔

حکیم الاُمت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کافر مثلاً پچاس سال کفر کرتا ہے اور مومن پچاس سال ایمان پر رہتا ہے، تو عدل کا تقاضا یہ تھا کہ کافر کو پچاس سال دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور مومن کو پچاس سال کے لیے جنت دے دی جاتی، لیکن کافر کے لیے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ اور مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّۃِ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خُلُوْدٌ بوجہ ان کی نیت اور ارادہ کے ہے، چوں کہ کافر کا ارادہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہوں گا تو کفر پر ہی قائم رہوں گا لہٰذا اس کی اس نیت کی وجہ سے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ ہے اور مومن کی نیت چوں کہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہا تو ایمان پر ہی رہوں گا، اللہ ہی کا ہو کر رہوں گا، اس لیے مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّۃِ ہے۔

❖❖❖❖

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اختر

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۶/ رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۳/ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

خواجہ تاشانیم امّا تیشہ ات
می شگافد شاخ را در بیشہ ات

ارشاد فرمایا کہ ایک بادشاہ کے کئی غلام آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ ہمارے مالک ہیں اور ہم سب بندے آپس میں خواجہ تاش ہیں اور دنیا کے جنگل میں آپ کا تیشہ شاخوں کی تراش خراش اور اصلاح کرتا رہتا ہے، یعنی بندوں کے نفوس کے اصل مُزکّی آپ ہیں، اگر آپ نہ چاہیں تو کسی کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ جس طرح جس باغ کے درختوں کا کوئی مالی نہ ہو تو اس کی شاخیں بے ہنگم اور ٹیڑھی میڑھی ہوتی ہیں اور جن درختوں کا مالی ہوتا ہے تو وہ درخت نہایت موزوں، خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں، کیوں کہ بے ہنگم شاخوں کو مالی اور باغبان کاٹتا رہتا ہے، اسی طرح جو شیخ سے اپنی اصلاحِ نفس کا تعلق رکھتے ہیں ان کے اخلاق واعمال نہایت معتدل اور پیارے ہوتے ہیں کہ جو اُن کو دیکھتا ہے ان کے اخلاقِ حمیدہ سے متأثر ہوتا ہے، لیکن حقیقی مزکّی اور مصلح اللہ تعالیٰ ہیں، مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ تزکیہ کا دروازہ اور ظاہری وسیلہ رجال اللہ ہیں، اسی لیے قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ[۲۲]

اے موسیٰ! اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالیے۔ حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ مسائل

[۲۲] ابراھیم:۵

السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

إِسْنَادُ الْإِخْرَاجِ إِلَى النَّبِيِّ مَعَ كَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِيْقِيِّ هُوَ اللهُ فِيْهِ أَقْوٰى دَلِيْلٍ أَنَّ لِلشَّيْخِ مَدْخَلًا عَظِيْمًا فِيْ تَكْمِيْلِ الْمُرِيْدِ

ظلمتوں سے نور کی طرف اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا باوجود یہ کہ مُخرِجِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس میں نہایت قوی دلیل ہے کہ شیخ کو مُرید کی تکمیلِ اصلاح میں زبردست دخل ہے۔ بس اہل اللہ دروازۂ تزکیہ ہیں، وسیلۂ تزکیہ ہیں، اصل مُزکّی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [۲۳]

اللہ تعالیٰ ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ [۲۴]

اس آیت کے مخاطبِ اوّل صحابہ ہیں، صحابہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قیامت تک تم میں سے کوئی پاک نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ فرماتا ہے۔ تو جب صحابہ جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کی صحبت حاصل تھی، اُس آفتابِ نبوّت کی صحبت کہ ایسا آفتاب نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا، ان کا تزکیہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ومشیّت پر موقوف ہے تو پھر کس کا منہ ہے جو اس فضل ورحمت ومشیّت کا محتاج نہ ہو۔ پس اے اللہ! ہم آپ سے اس تیشۂ تزکیہ کی بھیک مانگتے ہیں جو بندوں کی اصلاح کا اصل سبب ہے، لہٰذا آپ اپنا وہ فضل اور وہ رحمت اور وہ مشیت ہمارے شاملِ حال کردیجیے جس پر تزکیہ موقوف ہے۔

---

[۲۳] البقرۃ:۲۵۷

[۲۴] النور:۲۱

باز شاخے را موصّل می کنی
شاخ دیگر را معطل می کنی

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ایک شاخ کو تو آپ درخت سے جوڑ دیتے ہیں اور دوسری شاخ کو قطع کر دیتے ہیں، یعنی جس پر آپ کا فضل ورحمت اور مشیت ہوتی ہے جو آیتِ پاک میں مذکور ہے، اس کو آپ اپنے سے ملا لیتے ہیں، اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں یعنی اس کا تزکیہ فرما دیتے ہیں اور جس پر آپ کا فضل اور آپ کی رحمت اور آپ کی مشیت نہیں ہوتی اس کا کبھی تزکیہ نہیں ہوتا اور مثل شاخ بُریدہ کے وہ آپ کے گلستانِ قُرب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی تکوینی مشیت ایک کو مقبول اور ایک کو مردود کرتی ہے۔ اسی کو صاحبِ گلزار ابراہیم فرماتے ہیں ؎

کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
لاوے بت خانے سے وہ صدیق کو
زادۂ آزر خلیل اللہ ہو
اور کنعاں نوح کا گمراہ ہو
اہلیہ لوط نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہو وے طاہرہ
دیر کو مسجد کرے مسجد کو دیر
غیر کو اپنا کرے اپنے کو غیر
فہم سے بالا خدائی ہے تری
عقل سے برتر خدائی ہے تری

شاخ را بر تیشہ دستی ہست نے
ہیچ شاخ از دستِ تیشہ رست نے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ شاخوں کو تیشہ پر کوئی قدرت نہیں کہ وہ تیشہ کو مجبور کر سکیں کہ

تراش خراش کرکے انہیں سنوار دے اور کوئی شاخ تیشہ کی دسترس سے باہر نہیں کہ تیشہ جس شاخ کی قطع وبُرید کرنا چاہے اور وہ شاخ اس کے قبضۂ قدرت سے بچ جائے۔ مراد یہ کہ بندے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے محتاج اور فقیر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ[۲۵]

اے دنیا بھر کے انسانو! تم سب میرے فقیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات صمد ہے جس کے معنیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں: اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ أَحَدٍ وَّالْمُحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ أَحَدٍ جو ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک جس کا محتاج ہے، لہٰذا ہر شے ان کے دستِ قدرت کے تحت ہے، پس وہ قادرِ مطلق جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے ارادے پر مراد کا ترتّب لازم اور تخلّف محال ہے۔

پس کوئی لاکھ چاہے کہ اپنے دست وبازو کے زور پر میں اپنا تزکیہ کرلوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت نہ ہو تو ہرگز اس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا اور اگر حق تعالیٰ ارادہ فرمالیں تو اس کا تزکیہ یقینی ہے چاہے وہ لاکھ خود کو برباد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت شاملِ حال ہوگئی۔ اسی کو میرے شیخ فرماتے تھے ؎

لاکھ ابھاگن مر گئیں جگت جگت بو رائے
پیا جا کو چاہے سوتت لیے جگائے

لاکھوں لوگ اپنے دست وبازو پر ناز کے سبب باوجود مجاہدہ ومحنت کے اللہ تک نہ پہنچ سکے اور جس کو اللہ اپنا بنانا چاہتے ہیں سوئے ہوئے کو جگادیتے ہیں۔

حقِ آں قدرت کہ آں تیشہ نماست
از کرم کن ایں کژی ہارا توراست

اے خدا! صدقے میں اپنی قدرت کے جو تیشہ نما ہے کہ جس طرح تیشہ درخت کی ٹیڑھی کبڑی شاخوں کو سیدھا اور ہموار کردیتا ہے آپ اپنے کرم سے میرے نفس کی

۲۵؎ الفاطر:۱۵

کجی کو بھی سیدھا کر دیجیے، یعنی میرے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنّہ بنادیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا[۲۶]

اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ اور پرہیز گاری دے دے اور اس کو پاک کر دے کہ تو ہی سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک ہے اور تو ہی اس کا مولیٰ ہے۔

اے خداوند ایں خم و کوزہ مرا
در پذیر از فضل اللہ اشتری

ارشاد فرمایا کہ خُم بضمِ خاء مٹکے کو کہتے ہیں اور کوزہ پیالے کو کہتے ہیں۔ کوز در عربی بمعنیٰ کوزہ وہر ظرف دستہ دار (غیاث اللغات) تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اے اللہ! میری چھوٹی بڑی طاعت، چھوٹی بڑی عبادت، چھوٹی بڑی دینی خدمت کو قبول فرمالیجیے۔ اور خَم بفتحِ خاء کجی اور ٹیڑھا پن۔ کوز در فارسی بمعنیٰ خمیدہ ودوتاشدہ وبمعنیٰ پشت خمیدہ (غیاث اللغات) تو شعر کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اے اللہ! میری کجی اور ٹیڑھے پن کو یعنی میرے نفسِ بد اور کج رو کو اپنے اس فضل کے صدقے میں خرید لیجیے، جو آپ نے قرآنِ پاک میں ظاہر فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ[۲۷]

اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اَنْفُسَھُمْ فرمایا قُلُوْبَھُمْ اور اَرْوَاحَھُمْ نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو کریم ہوتا ہے وہ بازار میں عیب دار سودے کو خریدتا ہے، تاکہ اس کا مالک جو سمجھتا ہے کہ میرے اس عیب دار مال کو کون خریدے گا، خوش ہو جائے[۲۸]

---

۲۶ کنزالعمال:۲/۱۷۷(۳۶۱۹)،الباب الثامن،الدعاء،مؤسسة الرسالة
۲۷ التوبة:۱۱۱
۲۸ روح المعانی:۱۱/۵۴،التوبة(۱۱۱)،دار احیاء التراث،بیروت

تو قلب اور رُوح کے مقابلے میں نفس کیوں کہ عیب دار سودا تھا، اس لیے اس کریم مالک نے اس کو خریدنے کی بشارت دے دی تاکہ بندے خوش ہو جائیں کہ ہمارا عیب دار سودا خرید لیا گیا۔

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں کے نفوس کو خرید لیا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، میرے نفس کو بھی آپ خرید لیجیے اور اس کی کجی اور بدخوئی پر نظر نہ فرمائیے۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندر و بے حرف می روید کلام

مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! میری جان کو تو وہ مقام دکھادے جہاں کلام حروف کا محتاج نہیں ہوتا۔ سلوک میں ایک عمر اہل اللہ کی مصاحبت اور ذکر اللہ پر مداومت اور گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنّت پر مواظبت کی برکت سے جب فنائیتِ کاملہ نصیب ہو جاتی ہے اور قلب کا رُخ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل پر الہامات وعلوم ومعارفِ غیبیہ کا ورود ہونے لگتا ہے، جیسے ریڈیو کی سوئی کا رُخ اگر ماسکو کی طرف ہو جائے تو گانا بجانا اور فسق وفجور کی خبریں آنے لگتی ہیں اور اگر مکہ شریف کی طرف ہو جائے تو لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اور اذان وتکبیر کی آوازیں آنے لگتی ہیں، اسی طرح جب دل کی سوئی کا رخ حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل میں عالمِ آخرت کی خبریں آنے لگتی ہیں، الہامات اور وارداتِ غیبیہ کا نزول ہونے لگتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ دنیا کے ریڈیو کی آواز تو الفاظ وحروف کی محتاج ہے لیکن یہ کلامِ غیبی حروف والفاظ سے مبرّا ہوتا ہے اور جس کو یہ نصیب ہوتا ہے وہی جان سکتا ہے دوسرا ان حالاتِ خاصّہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو یہ مقامِ قُرب نصیب فرمائے۔ اسی کو حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس حروف والفاظ نہیں ہوتے، لیکن دل میں ہر وقت آواز آتی رہتی ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اسی مقام کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

یہی وہ ربطِ خفی ہے جس کو حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اصحابِ کہف جو نہایت نادار اور غریب خاندان کے لڑکے تھے، جب کافر بادشاہ کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ[29]
ہم نے ان کے دلوں سے اپنا رابطہ قائم کرلیا، اپنے تعلّق و رابطے کا خاص فیضان ان کے قلوب پر ڈالا جس کے بعد وہ بادشاہ سے نہ ڈرے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ میرے پیارے مُرشد محبی و محبوبی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ طَالَتْ حَیَاتُہٗ اِلٰی مِأَۃٍ وَّعِشْرِیْنَ سَنَۃً مَعَ الصِّحَّۃِ وَالْعَافِیَۃِ وَدَامَتْ فُیُوْضُہُمْ وَاَنْوَارُہُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کے اشعار جو بحالت غلبۂ تجلیاتِ مقربات حضرت والا کے اس مقامِ قُرب کے ترجمان اور رُوح کو وجد میں لانے والے ہیں اور کیفِ رُوحانی کے ساتھ دنیا کے ادبِ عالیہ میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں، یہاں نقل کرتا ہوں، جو درسِ مناجاتِ مثنوی کے وقت حضرت والا نے نہیں سنائے کیوں کہ اس وقت وارد نہ ہوئے تھے، لیکن بعد میں حضرت والا دامت برکاتہم کے مجموعۂ کلام فیضانِ محبت میں شایع ہوچکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

سجدہ سے سر اُٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

۲۹؎ الکھف:۱۴

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہومِ قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

جلوے تو سامنے تھے مگر یہ جہاں نہ تھا
دردِ نہاں تو تھا مگر اشکِ رواں نہ تھا

مخفی تھا دل میں جو کبھی آتش فشاں نہ تھا
اک کیفِ پُر سکوں تھا کوئی ایں و آں نہ تھا

ہوش و خرد کا نظم بھی جیسے وہاں نہ تھا
لیکن وہاں نہاں جو تھا گویا نہاں نہ تھا

اس بے خودی میں پاس کوئی بوستاں نہ تھا
طائر نہ تھے اور ان کا کوئی آشیاں نہ تھا

اک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
ان کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

اے دردِ دل ہو تجھ کو مبارک ترا یہ فیض
دنیا سے لے کے باغ جناں تک نہاں نہ تھا

اس بزم کا اک عالم ہُو نام ہے اخترؔ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

تا کہ سازد جانِ پاک از سر قدم

سوئے عرصہ دورِ پہنائے عدم

تا کہ اپنے کو اس مقامِ قرب پر فائز دیکھ کر وہ جان پاک سراپا تشکّر بن جائے اور سر کے بل چلے عالمِ غیب کی وسعتوں کی طرف، یعنی امتثالِ اوامر اور اجتناب عَنِ النواہی میں اور سرگرم ہو جائے۔

اے محبِّ عفو از ما عفو کن

اے طبیبِ رنجِ ناسُورِ کہن

اے معافی کو محبوب رکھنے والے اللہ! ہمارے جرائم کو معاف فرما دیجیے اور اے رذائلِ نفسانیہ کے پُرانے ناسور کی تکلیف کو شفا دینے والے! اگرچہ پُرانا ناسور اطبّاء کے نزدیک لاعلاج ہے لیکن آپ کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں، پس آپ تمام رذائل اور امراضِ باطنیہ سے میرے نفس کو پاک فرما دیجیے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید

فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

مولانا کا یہ شعر اس حدیثِ پاک سے مقتبس ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[۳۰]

اولیاء اللہ کو جو کچھ عطا ہوتا ہے مشکوٰۃ نبوت سے عطا ہوتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مُنیر ہے اور یہ شعر مُستنیر ہے اور آپ کا کلام مُفید ہے اور یہ شعر مُستفید ہے آپ کے کلامِ نبوّت سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں، کثیر العفو ہیں، نالائقوں کو اور ناقابلِ معافی مجرموں

۳۰؎ جامع الترمذی: ۱۹۱/۲، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

اور خطاکاروں کو آپ صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ آپ کی ایک صفت اور بھی ہے کہ **تُحِبُّ الْعَفْوَ** بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے

تُحِبُّ الْعَفْوَ اَیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ[۳۱]

اپنے گناہ گار بندوں پر اپنی صفتِ عفو کا ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے، یعنی اپنے گناہ گاروں کو بخشنے کے عمل سے خود آپ کو پیار ہے۔ ہم جب اپنے کسی ستانے والے کو معاف کرتے ہیں تو بوجہ بشریت کے ہم کو مزہ نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ اُلوہیت اور شانِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کے مزاجِ عظیم الشّان کا عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب اور مقرّب ہیں کہ آپ کے صدقہ میں یہ کائنات پیدا کی گئی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ[۳۲]

اے محمد! اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی نہ پیدا کرتا۔ صاحبِ ”قصیدہ بردہ“ کا کیا پیارا شعر ہے۔

فَکَیْفَ تَدْعُوْ اِلَی الدُّنْیَا ضَرُوْرَۃُ مَنْ
لَوْلَاہُ لَمْ تُخْرَجِ الدُّنْیَا مِنَ الْعَدَمِ

دنیوی ضرورت آپ کو دنیا کی طرف کیسے بلاسکتی ہے جب کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود میں نہ آتی۔ دنیا اپنے وجود میں آپ کی محتاج تھی تو آپ کیسے دنیا کے محتاج ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مزاجِ مبارک وعالی شان کے سب سے بڑے مزاج شناس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لیے آپ اُمت کو آگاہ فرمارہے ہیں کہ تمہارے رب کا مزاج عظیم الشان یہ ہے کہ اپنے بندوں کو معاف کرنا ان کو بہت

۳۱؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۴، باب لیلۃ القدر، المکتبۃ الامدادیۃ

۳۲؎ کشف الخفاء للعجلونی: ۱۶۴/۲ (۲۱۲۳)، حرف اللام، مکتبۃ العلم الحدیث

زیادہ محبوب ہے، لہٰذا کہو فَاعْفُ عَنِّیْ ہم کو معاف فرمادیجیے اور کیوں کہ معاف کرنا آپ کو محبوب ہے لہٰذا آپ کے اس عمل کے لیے کوئی معمول، کوئی سبب، کوئی میدان، نزولِ رحمت کے لیے کوئی بہانہ تو ہونا چاہیے، لہٰذا ہم نالائق اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار اور توبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوگئے ہیں اور فَاعْفُ عَنِّیْ کی درخواست کررہے ہیں کہ معاف کرنے کا محبوب عمل ہم پر جاری کردیجیے اور لوگ جب دور دراز سے بادشاہوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے مزاج کے موافق قیمتی ہدایا وتحائف لے کر آتے ہیں، لیکن ہم تو ایسے بے مایہ و تہی دامن ہیں کہ ندامت کے چند آنسوؤں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے ؎

چند آنسو کے سوا کچھ مرے دامن میں نہیں
لوگ حیرت سے مرا زادِ سفر دیکھیں گے

لیکن آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا اور حدیثِ قدسی میں ہمیں خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ

گناہ گاروں کی آہ وزاری مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہی دلیل ہے کہ آپ ہمارے سچے اللہ ہیں، دنیوی بادشاہ تو اپنی تعریف کے محتاج ہیں کیوں کہ تعریف سے ان کی عزت بڑھتی ہے، چناں چہ اگر ان کو استقبالیہ دیا جارہا ہو اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہوں اس وقت اگر کوئی مصیبت زدہ آکر رو رو کر فریاد کرنے لگے، تو اس کو بھگادیتے ہیں کہ کہاں ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا، لیکن اے اللہ! آپ اپنی تعریف و تسبیح و تحمید سے بے نیاز ہیں، کیوں کہ اس سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کے بادشاہ ایمان لاکر سجدے میں گر جائیں اور دنیا میں ایک فرد بھی کافر نہ رہے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّے کا اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر ساری دنیا کافر اور آپ کی باغی ہوجائے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوگی۔ آپ مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ پس اگر آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ ہوتے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہم مایوس ہو جاتے، لیکن مزاج شناس اُلوہیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایوسیوں کے اندھیروں میں آفتابِ اُمید طلوع فرمادیا کہ اگر تم سے گناہ ہو گئے تو تمہارا رب معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا اس سے معافی مانگ لو اور کہو فَاعْفُ عَنِّیْ کہ معاف فرمانے کا محبوب عمل ہم پر جاری فرمادیجیے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا اور فَاعْفُ عَنِّیْ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاءِ تعقیبیہ لگادی کہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجیے، جلد معاف فرمادیجیے۔ معاف کرنا جب آپ کو خود محبوب ہے تو جلد کرم فرمائیے۔ سبحان اللہ! جلبِ رحمتِ حق کے لیے کلامِ نبوت کیا بلیغ وجامع ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

پردہ اے ستار از ما وا مگیر
باش اندر امتحاں ما را مجیر

اے ستّار العیوب! اے ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والے! آپ نے اپنے کرم سے ہماری پردہ پوشی فرمائی، آیندہ بھی پردہ پوشی فرمائیے اور بسبب ہماری شامتِ اعمال اپنا پردۂ ستّاریت نہ اُٹھائیے اور موقعِ امتحان میں ہمیں اپنی پناہ میں لے لیجیے، یعنی دنیا میں بوقت تقاضائے معصیت ہماری حفاظت فرمائیے اور آخرت کے امتحان قبر و حشر و نشر وغیرہ کے ہولناک حالات میں ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دیجیے۔

یارب ایں جرأت ز بندہ عفو کن
توبہ کردم من نگیرم زیں سخن

اے میرے رب! گناہوں پر میری دلیری کو معاف کردیجیے، میں نے توبہ کرلی ہے۔ اب کبھی ایسی بات نہ کروں گا، لہٰذا اس جرم پر میرا مواخذہ نہ فرمائیے۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کے فریاد رس! ہمیں ہدایت کے راستے پر چلائیے۔ کیوں کہ ہم اپنے علم کی وجہ سے آپ کے فضل و رحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتے، اس لیے اپنے علوم پر ہمیں کوئی فخر نہیں۔ ہمارا ہر سانس آپ کی ہدایت کا، آپ کی مدد و نصرت کا، آپ کے فضل و رحمت کا محتاج ہے، کیوں کہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو علم کے باوجود عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

لَا تُزِغْ قَلْبًا ھَدَیْتَ بِالْکَرَمْ
وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِیْ خُطَّ الْقَلَمْ

اے ہمارے رب! جس قلب کو آپ نے اپنے کرم سے ہدایت کا سیدھا راستہ دکھایا اس قلب کو گناہوں کی سزا میں ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے، یعنی گمراہی اور انحرافِ حق سے محفوظ فرمائیے اور صراطِ مستقیم پر قائم فرمائیے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہماری شامتِ عمل کے سبب جو سوءِ قضا لوحِ محفوظ میں ہمارے لیے لکھ دی گئی اسے حسنِ قضا سے بدل دیجیے یعنی جو فیصلے ہمارے لیے بُرے ہیں ان کو ہمارے حق میں اچھے فیصلوں سے بدل دیجیے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔ بندے جو عمل کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے لکھ دیا کہ فلاں بندہ فلاں فلاں عمل کرے گا، لہٰذا لکھے جانے کی وجہ سے بندہ عمل نہیں کر رہا ہے، بلکہ جو کچھ وہ کرنے والا تھا وہ لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی جن اعمال کا بندوں سے صدور ہو رہا ہے ان میں بندوں کو اللہ نے مجبور نہیں کیا کہ تم یہ اعمال کرو، بلکہ جو عمل وہ کرنے والے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے تقدیر میں لکھ دیے ہیں۔ اس کی مثال میرے موجودہ شیخ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی ہے کہ جیسے ریلوے کا ٹائم

ٹیبل ہوتا ہے جس میں تحریر ہوتا ہے کہ ریل فلاں وقت فلاں اسٹیشن پر پہنچے گی، تو ریل کا اسٹیشن پر پہنچنا ٹائم ٹیبل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ریل کے پہنچنے کا وقت اپنے علم کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل میں لکھ دیا گیا ہے، لیکن ہمارا علم چوں کہ ناقص ہے لہٰذا اس میں کبھی تخلّف بھی ہو جاتا ہے کہ ریل کبھی وقت پر نہیں پہنچتی، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے، ان کو علم ہے کہ فلاں وقت پر فلاں بندہ یہ عمل کرے گا اس میں تخلّف نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقدیر میں جو لکھا ہے اس کی وجہ سے بندے اعمال نہیں کر رہے ہیں، بلکہ جو اعمال وہ کرنے والے تھے وہ تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔

مولانا کی یہ دُعا بھی قرآنِ پاک کی اس دُعا سے مقتبس ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ [۳۳]

اس دُعا کا معمول دین پر استقامت اور حسنِ خاتمہ کا بہترین نسخہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے (حق سے منحرف نہ ہونے دیجیے) بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت دے چکے ہیں اور ہم کو آپ اپنے پاس سے رحمتِ خاصّہ عطا فرمائیے (راہِ حق پر استقامت عطا فرمائیے) بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ (از بیان القرآن)

علامہ آلوسی ''رُوح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ الْاِنْعَامُ الْخَاصُّ وَهُوَ التَّوْفِيْقُ لِلثَّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ

عدمِ ازاغت کے لیے جس رحمت کو طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اس رحمت سے مراد رحمتِ خاصّہ ہے اور وہ توفیق ہے حق پر قائم رہنے کی۔ اور لفظِ ''ہبہ'' سے مانگنے میں یہ تعلیم ہے:

۳۳؎ اٰل عمرٰن:۸

اِنَّ ذَالِكَ مِنْهُ تَفَضُّلٌ مَحْضٌ بِدُوْنِ شَائِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ تَعَالٰى شَانُهٗ

استقامت کی یہ نعمت فضلِ محض ہے، عطائے حق ہے، ہبہ ہے۔ جس طرح ہبہ بغیر معاوضہ ہوتا ہے، محض ہبہ کرنے والے کی عنایت سے ہوتا ہے اسی طرح دین پر استقامت کی نعمت ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہوسکتی، محض حق تعالیٰ کے فضل وعنایت سے ملتی ہے۔ اور اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے یعنی لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[۳۴] تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ہم آپ سے اس رحمتِ خاصّہ کو کیوں مانگتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ بہت بخشش کرنے والے، بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

بگزراں از جانِ ما سوء القضا
و امبر ما راز اخوان الصفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! اگر میری تقدیر میں کوئی سوءِ قضا، کوئی شقاوت اور بد بختی لکھ دی گئی ہو تو اس سُوءِ قَضا کو حُسنِ قَضا سے تبدیل فرمادیجیے یعنی شقاوت کو سعادت سے، بد نصیبی کو خوش نصیبی سے بدل دیجیے۔ حدیثِ پاک میں بھی سُوءِ قضا سے پناہ آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ
وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ[۳۵]

معلوم ہوا کہ اگر سُوءِ قضا کا حُسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا تو حدیثِ پاک میں اُمت کو یہ دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم نہ فرماتے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق نہیں بدل سکتی اللہ تعالیٰ تقدیر کو بدل سکتے ہیں جیسا کہ مولانا رُومی نے مثنوی میں فرمایا کہ اے اللہ! آپ کو اپنے فیصلوں پر بالادستی حاصل ہے، قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں، آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالادستی

۳۴؎ روح المعانی: ۹۰/۳، اٰل عمران (۸)، دار احیاء التراث، بیروت
۳۵؎ صحیح البخاری: ۹۳۹/۲ (۶۳۸۱)، باب التعوذ من جهد البلاء، المکتبة المظهرية

حاصل نہیں، لہٰذا جو فیصلے میرے حق میں بُرے ہیں ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرمادیجیے۔ کیوں کہ آپ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہے کہ وہ تو عینِ عدل وانصاف اور عینِ حکمت ہے، لیکن میری شامتِ عمل سے کیوں کہ وہ میرے حق میں برا ہے، اس لیے اس کو بدل دیجیے تاکہ میں تباہی وہلاکت سے بچ جاؤں، جیسے عادل جج کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سناتا ہے تو فی نفسہٖ یہ فیصلہ بُرا نہیں کیوں کہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ اس کے جرائم کی وجہ سے ہوا ہے اس مجرم کے لیے بُرا ہے۔ اسی لیے حضرت حکیم الاُمت تھانوی نے فرمایا کہ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے، یعنی بُرائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کی طرف ہے، فیصلہ بُرا نہیں لیکن جس کے خلاف ہے اس کے لیے بُرا ہے اور جس طرح جب مجرم عدلیہ سے مایوس ہوجاتا ہے تو بادشاہِ وقت یا صدر مملکت سے رحم کی اپیل کرتا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ دُعا تعلیم فرمادی کہ سوءِ قضا سے حفاظت مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیریں بدلو الو کہ عدل کے اعتبار سے تو ہم مستحقِ سزا ہیں، لیکن آپ سے آپ کے فضل اور آپ کے مراحم خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں کہ ہماری بُری تقدیر کو محض اپنے رحم شاہی کے صدقے میں اچھی تقدیر سے بدل دیجیے۔ مولانا کا یہ شعر بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیثِ پاک سے مستنیر ہے۔

اگلے مصرع میں مولانا حق تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اپنے خاص بندوں سے الگ نہ فرمائیے۔ سوال ہوتا ہے کہ سوءِ قضا سے پناہ مانگ کر مولانا عباد صالحین سے الگ نہ ہونے کی درخواست کیوں کررہے ہیں؟ اس لیے کہ اہل اللہ کی رفاقت اور ان سے محبتِ للّٰہی سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے، کیوں کہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ [۳۶] کا خطاب ان ہی کو سننا پڑے گا جو قلباً و قالباً واعتقاداً عبادِ صالحین سے نہ ہوں گے، وہی مجرمین ہوں گے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام

۳۶؎ یٰسٓ:۵۹

اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ[۳۷] کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کررہے ہیں تو پھر غیر نبی کا کیا منہ ہے جو اِلْحَاقْ بِالصَّالِحِیْنْ کی اہمیت کا منکر ہو۔

اہل اللہ کی رفاقت سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو صرف اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کرے اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوجائے گی۔ اور حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں نقل کرتے ہیں کہ ایمان کی حلاوت جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی نہیں نکلتی اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے، کیوں کہ جب ایمان قلب سے نکلے گا ہی نہیں تو خاتمہ ایمان ہی پر ہوگا۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت قلب میں حلاوتِ ایمانی پانے کا ذریعہ ہے اور حلاوتِ ایمانی کا قلب میں داخل ہونا سوءِ خاتمہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْہُ۔

اس لیے سوءِ قضا سے پناہ مانگنے کے ساتھ مولانا اہل اللہ کی معیت مانگ رہے ہیں تاکہ سوءِ قضا سے حفاظت رہے، اور ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اہل اللہ کا ساتھ نصیب نہ ہونا خود سوءِ قضا ہے جس سے پناہ مانگی جارہی ہے۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

[۳۷] یوسف:۱۰۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۴؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز جمعرات بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی جدائی کے غم سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں کڑوی نہیں ہے، اور آپ سے جدائی گناہوں سے ہوتی ہے اور گناہ کی تھوڑی دیر کی لذّت آپ کے قُرب کی حلاوت کو فراق کی کڑواہٹ میں تبدیل کردیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا[۳۸]

جو مجھے بھول جاتا ہے اس کی زندگی تلخ کردی جاتی ہے۔ جیسے مچھلی کو پانی سے نکال لو تو جس طرح وہ تڑپتی ہے اسی طرح ہماری روح آپ سے دور ہو کر تڑپتی رہتی ہے، کیوں کہ آپ سے دوری کا عذاب کس دوزخ سے کم ہے اور آپ کی خوشی کس جنت سے کم ہے، اسی لیے ہمارے پیارے نبی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خوشی اور رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور آپ کی ناراضگی کو جہنم پر مقدم فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ[۳۹]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رضا وخوشی کو طلب کرتا ہوں اور جنت کو درجۂ ثانوی میں طلب کرتا ہوں اور آپ کی

۳۸؎ طٰہٰ:۱۲۴

۳۹؎ المسند للامام الشافعی:۱۲۳/تفسیر اللباب لابن عادل:۵۱۹/۱۷،الفتح (۲۹)،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور دوزخ سے درجۂ ثانوی میں پناہ چاہتا ہوں۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ محبی و محبوبی عارف باللہ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے حال ہی میں یعنی شوال ۱۴۲۰؁ھ میں ایک الہامی مضمون بیان فرمایا جو موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہاں شامل کیا جاتا ہے)

ارشاد فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُكَ رِضَاكَ وَالۡجَنَّةَ سے معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ نعمت اللہ کی محبت، اللہ کی رضا ہے، ذاتِ حق ہے، جنت کی نعمت اور جنت کی لذّات درجۂ ثانوی میں ہیں۔ جنت تو معاوضہ ہے، بدلہ ہے، جو دراصل عطا ہے لیکن بصورتِ جزاء ہے، لیکن جنت اللہ کی ذات نہیں ہے، غیر ذات ہے، رضا کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے، رِضَاكَ سے مراد ہے کہ اے اللہ! آپ ہم سے خوش ہو جائیے یہ ہمارے لیے جنت سے عزیز تر ہے، آپ کی خوشی کے مقابلے میں جنت بھی کوئی چیز نہیں ہے، اسی لیے جان پاک نبوت جنت کو مقدم نہیں کر رہی ہے، آپ کی رضا اور آپ کی خوشی کو مقدم کر رہی ہے۔ جان پاک نبوت کا یہ اسلوبِ کلام خود دلیل ہے کہ نبی اللہ کا کتنا بڑا عاشق ہوتا ہے کہ جنت سے پہلے آپ کی رضا مانگ رہا ہے اور رِضَاكَ کے بعد وَالۡجَنَّةَ میں واؤ عاطفہ داخل فرمایا اور سارے علمائے نحو کا اس پر اجماع ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت لازم ہے، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ آپ کی رضا کی جو لذّت ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور جنت کی لذّت کچھ اور ہے۔ اللہ کی ذات کا، اللہ کی محبت، اللہ کے نام کا مزہ اور ہے اور جنت کا مزہ اور ہے۔ جنت مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے، لہٰذا لذّتِ مخلوق خالق کی لذّت کو کہاں پا سکتی ہے؟ اسی لیے میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل فرماتے تھے کہ جب جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا تو اہلِ جنت اتنا مزہ پائیں گے کہ اس وقت جنت ان کو یاد بھی نہ آئے گی کہ کہاں جنت ہے، کہاں حوریں ہیں اور کہاں نعمائے جنت ہیں ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرح وبیاں رکھ دی

زبان بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے اہلِ جنت کو جنت کا ہوش نہ رہے گا۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے

نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

جب اللہ کے مقابلے میں جنّت اور لذّاتِ جنّت کی کوئی حقیقت نہیں تو دنیا کیا بیچتی ہے، کیوں کہ دنیا کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے یعنی دنیا پہلے نہیں تھی پھر اللہ نے پیدا کی اور قیامت کے دن ہمیشہ کے لیے فنا کردی جائے گی۔ تو دنیا کی شراب غیر ازلی غیر ابدی ہے اور جنت کی شراب ابدی غیر ازلی ہے، یعنی جنت ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں ہے، یعنی پہلے نہیں تھی پھر پیدا کردی گئی اور کبھی فنا نہیں ہوگی لیکن ہمیشہ سے نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تو جنت کی شراب اللہ کی خاص ذات کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی محبت کے مزے کو کہاں پاسکتی ہے، کیوں کہ جنت ابدی سہی، لیکن شانِ ازلیّت اور لذتِ ازلیّت سے محروم ہے۔ اور جب اعلیٰ قسم کی چیز منہ کو لگ جاتی ہے تو ادنیٰ منہ کو نہیں لگتی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کے نام کی لذت کو پاگئے، اللہ کی محبت کا مزہ جن کے منہ کو لگ گیا، جن پر اللہ کی محبت چھاگئی تو دنیا کی لذتوں کی شراب ان کے منہ کو کیا لگے گی جبکہ جنت بھی ان کو ثانوی درجہ میں ہوجاتی ہے، لیکن جنت کو مانگتے ہیں کیوں کہ محلِّ دیدارِ الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے سوال کا حکم دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ [۴۰]

تم لوگ ہماری نعمتوں پر لالچ کرو۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں پر ہمیں لالچ کرنے کا حکم دیں تو وہ ظالم ہے جو قناعت کرے۔

---

[۴۰] المطففین:۲۶

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جب وہ سلطان دین ہم سے طمع چاہے تو قناعت کے سر پر خاک ڈالو۔ تو جس طرح اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، جس کی دلیل اس حدیثِ پاک کا دوسرا جزء ہے کہ **وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ** سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ مانگی اور دوزخ سے پناہ کو مؤخّر فرمایا۔ یہاں بھی واؤ عطف کا ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں مغایرت کو لازم کرتا ہے، یعنی آپ کی ناراضگی اور جہنم کی عقوبت برابر نہیں ہو سکتی، آپ کا ناراض ہو جانا عذابِ جہنم سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْهَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ[۴۱]

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیں۔ دیکھو اگر باپ، یا اُستاد، یا شیخ اپنا چہرہ ناراضگی سے پھیر لے تو لائق بیٹا اور لائق شاگرد اور لائق مُرید پر کیا گزر جائے گی؟ پٹائی کے ڈنڈے سے زیادہ اس پر اپنے باپ یا شیخ کی ناراضگی شاق ہوتی ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ناراضگی کو دوزخ پر مقدم فرمایا کہ عذابِ دوزخ کا سبب تو ان کی ناراضگی ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کو اپنی رؤیت سے محروم کرنے کو موقعِ سزا میں بیان فرمایا، جو حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی عظیم الشّان دلیل ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[۴۲]

ہرگز نہیں، یہ (فار) قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

---

[۴۱] المعجم الکبیر للطبرانی: ۷/۲۵۸- کنز العمال: ۷/۴۳۲ (۱۹۶۴۳)، فصل فی ارکان الصلٰوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

[۴۲] المطففین: ۱۵

بطور سزا کے مجوبی کا اعلان اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ دنیا میں کسی سلطانِ وقت نے کسی مجرم کو یہ سزا نہیں سنائی کہ ہم تجھے اپنے دیدار سے محروم کرتے ہیں، کیوں کہ دنیوی بادشاہ حاکم محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے۔ ان کے مجرمین تو صرف سزا سے بچنا چاہتے ہیں، بادشاہوں کے دیدار کے حریص نہیں ہوتے، لیکن موقعِ سزا میں حق تعالیٰ کے اس اعلان سے ثابت ہوا کہ ان کے دیدار سے محرومی کافروں کے لیے خود ایک عذاب ہوگی اور کفار سخت ضیق اور گھٹن میں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری اور ان کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اسی کو دوزخ میں ڈالے گا، اور دوزخ کا حاصل اللہ تعالیٰ سے جدائی ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ سے جدا ہو جاتا ہے، اور دوزخ میں دوزخیوں کا جو حال ہوگا کہ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی[۴۳]

نہ مرے گا نہ جیے گا، موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوگا اسی طرح گناہ گار کی زندگی اللہ تعالیٰ کی دوری کے عذاب سے دنیا ہی میں تلخ ہو جاتی ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اے اللہ! آپ سے دور ہو جانا دنیا میں اس سے زیادہ کڑوی کوئی اور چیز نہیں۔ پس جو گناہ کرتا ہے وہ کبھی آپ کا مقرّب نہیں ہو سکتا اور آپ کے قُرب کی لذّت سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی حفاظت اور آپ کی پناہ کے بغیر ہر طرف اُلجھن ہی اُلجھن اور پریشانی ہی پریشانی ہے، یعنی اگر آپ کی رحمت کا سایہ نہ ہو تو نفسِ امّارہ کے شر سے کوئی بچ نہیں سکتا اور آپ کی جدائی کی تلخی سے نجات نہیں پا سکتا۔

رختِ ماہم رختِ ما را راہزن
جسمِ ما مرجانِ ما را جامہ کن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارا سامان ہمارے ہی سامان پر ڈاکہ

---

[۴۳] الاعلیٰ:۱۳

ڈال رہا ہے، یعنی ہمارے مکسوباتِ سیئہ (بُرے اعمال) ہمارے مکسوباتِ حسنہ (نیک اعمال) کو ضایع کر رہے ہیں، مثلاً: ذکر و عبادت و تلاوت کر کے رُوح میں نور پیدا ہوا اور بعد میں بد نظری کرلی، جھوٹ بول دیا یا حرام مال کھالیا اور اس نور کو ضایع کر دیا۔ پس ہماری سیئات ہمارے حسنات کے لیے تباہ کن ہیں۔ اور ہمارا جسم خود ہماری جان کے لباسِ تجلیات کو چھین کر اسے برہنہ کرنا چاہتا ہے، یعنی ہماری خواہشاتِ نفس اور اعضا و جوارح کے خبیث اعمال ہماری رُوح کو انوارِ اعمالِ حسنہ اور جامۂ تجلّیاتِ الٰہیہ سے محروم کرنے والے ہیں۔ پس خواہشاتِ نفسانیہ اور اعمالِ سیئہ دولتِ باطنی کے لیے راہزن اور ڈاکو ہیں۔

دست ما چو پائے ما رامی خورد
بے امان تو کسے جاں کے برد

جب ہمارا ہاتھ ہمارے پاؤں کو کھانے کو تیار ہے تو آپ کی امان و حفاظت کے بغیر کون اپنی جان کو سلامتی سے لے جاسکتا ہے، یعنی جب ہمارے ہاتھوں کے کرتوت اور بُرے اعمال ہمیں تباہ کر رہے ہیں اور راہِ سلوک کے راہزن ہیں تو بغیر آپ کی مدد و نصرت کے کون اپنی جان کو منزلِ آخرت تک صحیح سلامت لے جاسکتا ہے۔

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں
مر ترا آں می رسد اے کامراں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اگر آپ اپنے بندوں کو طعنہ دیں کہ تم بڑے نالائق اور نااہل ہو اور اگر آپ فرمادیں **اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَھُوۡلًا**[۴۴] انسان بڑا ظالم جاہل ہے تو اے مالک! آپ کو اس کا حق ہے اور یہ آپ کو زیب دیتا ہے۔

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اور جیسا کہ مولانا منصور الحق ناصر صاحب سلمہٗ کے دو شعر ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں۔

۴۴؎ الاحزاب:۷۲

دل یہ کہتا ہے کہ ذکر اپنا میں مولیٰ سے سنوں
اپنا افسانۂ درد اپنے مسیحا سے سنوں
جو بھی ہو شکوہ شکایت اسی محبوب سے ہو
اور جواب اس لب شیرینِ شکر خا سے سنوں

شکوہ شکایت سے مراد اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ[۴۵] کی تعبیر عاشقانہ ہے۔

ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا
ور توقدِ سرو را گوئی دوتا

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ چاند اور سورج کو حقارت سے فرمادیں کہ تم بے نور ہو، مخفی مخلوق ہو، تم پر نور کی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ نور وہ ہے جو ظَاھِرٌ لِّنَفۡسِہٖ مُظۡھِرٌ لِّغَیۡرِہٖ ہو یعنی جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو اور تمہارا نور ذاتی نہیں، میری دی ہوئی بھیک ہے جس سے تم روشن ہو۔ پس تم تو ظَاھِرٌ لِّنَفۡسِہٖ بھی نہیں ہو تو مُظۡھِرٌ لِّغَیۡرِہٖ کیسے ہوسکتے ہو؟ اور غروب کے وقت روزانہ تم کو بے نور کرکے تمہاری حقارت کا تماشا کائنات کو دکھاتا ہوں کہ نہ تم خود روشن رہتے ہو نہ کائنات کو روشن کرنے کے قابل رہتے ہو اور تمہاری یہ بھیک بھی عارضی ہے کہ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ اور فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ایک دن میں تمہیں لپیٹ دوں گا اور ہمیشہ کے لیے فنا کردوں گا۔ پس اے اللہ! اگر آپ شمس و قمر کو طعنۂ خفا دیں کہ اے چاند اور سورج! میرے نورِ قدیم واجب الوجود کے سامنے تمہارا نور حادث و فانی کیا بیچتا ہے، تم تو مکمل خِفا اور استتار ہو، کہاں نورِ قدیم اور کہاں حادث و فانی، کہاں خالق کہاں مخلوق!

اور اے اللہ! اگر قدِ سرو کو جس سے حُسن پرَست اور دنیوی شعراء قدِ معشوقانِ مجازی کو تشبیہ دیتے ہیں آپ فرمادیں کہ اے سرو کے درختو! تم میں کجی اور انحنا ہے، تم

۴۵؎ یوسف:۸۶

عیب دار اور ٹیڑھے ہو، کیوں کہ تمہاری یہ رعنائی، قد تمہاری ذاتی صفت نہیں میرے حُسنِ ازلی کی ادنیٰ سی بھیک ہے۔

ور تُو کان و بحر را گوئی فقیر
ور تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اور اے اللہ! اگر سونے چاندی کی کانوں کو اور ساحلِ سمندر میں چھپے ہوئے موتیوں کے خزانوں کو اور معدنیات کے انمول ذخیروں کو آپ فرمادیں کہ تم سب میرے فقیر اور بھک منگے ہو اور اگر آپ ساتوں آسمانوں کو اور عرش اعظم جیسی عظیم مخلوق کو فرمادیں کہ تم سب انتہائی حقیر مخلوق ہو تو۔

آں بہ نسبت باکمالِ توروا ست
ملک و اقبال و غنا ہا مر تو راست

اپنی مخلوق کو ان عنوانات و تعبیرات سے مخاطب کرنا آپ کے کمالات کے پیشِ نظر آپ کو زیبا ہے، کیوں کہ ملک و سلطنت واقبال مندی وغنا صرف آپ کے لیے خاص ہے، کسی اور کا حصہ نہیں۔

کہ تو پاکی از خطر و ز نیستی
نیستاں را موجد و مُفنیستی

کیوں کہ آپ پاک ہیں اندیشۂ عیب ونقصان وفنائیت سے کہ آپ ”قُدُّوس“ ہیں یعنی وہ ذات جس کا ماضی عیب سے پاک ہو، اور آپ (سَلَام) بھی ہیں یعنی وہ ذات جس کے مستقبل میں اندیشۂ عیب نہ ہو۔ تو چوں کہ آپ عیب و نقص اور فناوزوال سے پاک ہیں پس آپ معدوم چیزوں کو ایجاد کرتے ہیں، عدم کو وجود بخشتے ہیں اور معدوم کو موجود کرکے پھر اس پر عدم وفنا طاری کردیتے ہیں، لہٰذا آپ موجد بھی ہیں اور مُفنی بھی ہیں یعنی معدوم کو موجود کرنے والے اور موجود کو پھر فنا کرنے والے ہیں اور فنا کرکے قیامت کے دن پھر

ان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا[۴۶]

آپ کی شان بے انتہا کو
کس طرح لائے اخترؔ بیاں میں

ما ہمہ نفسی و نفسی می زنیم
گر نخواہی ما ہمہ اہرمنیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وقت ہم **نفسی نفسی** کرتے رہتے ہیں یعنی نفس کے تقاضے ہر وقت ہمیں گناہوں پر اکساتے رہتے ہیں، پس اے خدا! اگر آپ کا فضل ورحمت ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم ان تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کرنے لگیں اور بالکل شیطان بن جائیں۔

زاں ز اہرمن رہید ستیم ما
کہ خریدی جانِ ما را از عمے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم شیطان کے کید اور مکّاریوں سے اس لیے بچے ہوئے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہماری جان کو اس اندھے نفس کے ہاتھوں سے خرید لیا ہے اور اپنے سایۂ رحمت میں لے رکھا ہے ورنہ اس اندھے کی لاٹھی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی۔ اور یہ اندھا نفس تو خود ظلمت پسند اور امّارہ بالسوء ہے، پھر اس کی عَصا کشی اور راہبری اگر شیطان کرتا تو نہ جانے کس چاہِ ضلالت اور قعرِ مذلّت میں ہلاک کر دیتا۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں اس نفس کے حوالے نہ فرمایئے۔ اس لیے ہم آپ سے وہی دُعا مانگتے ہیں جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوۡمُ بِرَحۡمَتِكَ اَسۡتَغِيۡثُ اَصۡلِحۡ لِيۡ شَاۡنِيۡ كُلَّهٗ
وَلَا تَكِلۡنِيۡ اِلٰى نَفۡسِيۡ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ[۴۷]

---

[۴۶] بنی اسرآءیل:۴۳

[۴۷] کنز العمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸)الباب الثامن: الدعاء، أدعية الصباح والمساء،مؤسسة الرسالة

اے اللہ! اے زندہ حقیقی! اور اپنے بندوں کو سنبھالنے والے! میری ہر حالت کی اصلاح فرمادیجیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ ہونے دیں ورنہ جو نفس کے سپرد ہو گیا اس کا شیطان کے قبضے میں آنا کیا مشکل ہے، کیوں کہ نفس تو شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے اور آپ کے نبی صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ[۴۸]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے۔ پس اے اللہ! پلک جھپکنے بھر کو یعنی ایک لمحہ کو بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ فرمایئے، کیوں کہ یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پل بھر میں وار کرتا ہے اور ولی کو فاسق اور مومن کو کافر بنا دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ[۴۹]

اے اللہ! مجھ کو رُشد وہدایت الہام کرتے رہیے اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچاتے رہیے۔

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگی ست
بے عصا و بے عصا کش کور چیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ حیاتِ ایمانی سے مشرف ہیں اور اہلِ صلاح واہلِ تقویٰ ہیں، وہ بھی ہمہ وقت جب آپ کی عصا کشی یعنی راہبری وہدایت والہاماتِ رشد کے محتاج ہیں تو وہ کورِ باطن جن کو آپ کی عصائے ہدایت وراہنمائی نصیب نہ ہو کہ نہ خود ہدایت کے راستے پر ہیں، نہ ہدایت کی توفیقات ونصرت کی لاٹھی نصیب ہے اور آپ ان کے عصا کش نہیں وہ کس طرح راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پاسکتے ہیں۔ ان کی مثال اس اندھے کی سی ہے جو راہ سے بھی بے خبر ہے اور جس کی لاٹھی پکڑ کر کوئی راہ پر چلانے والا بھی نہیں۔

---

۴۸ مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۰۳، باب التطوع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۴۹ جامع الترمذی: ۲/۱۸۶، باب ماجاء فی جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

غیرِ تو ہر چہ خوش است و ناخوش ست
آدمی سوز ست و عینِ آتش ست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے سوا جتنی چیزیں بھی ہیں چاہے وہ ہمارے دل کو کتنی ہی محبوب ہوں یا اس کے برعکس کتنی ہی ناپسندیدہ اور مکروہ ہوں، لیکن اگر آپ ان سے خوش نہیں ہیں تو اے اللہ! ہمارا ذوق بھی یہ ہے کہ ؎

جو ان کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

اسی کو مولانا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من
جاں فدائے یار و دل رنجانِ من

اے اللہ! جس چیز سے آپ ناخوش ہیں ہم بھی اس سے ناخوش ہیں اور اس سے ناخوش ہو کر خوش ہیں چاہے ہمارے دل کو وہ کتنی ہی خوش گوار ہو لیکن آپ کی خوشی پر ہم اپنی خوشی کو خوشی خوشی فدا کرنے پر خوش ہیں، کیوں کہ اپنی مرضی سے زیادہ آپ کی مرضی ہمیں عزیز ہے، لہٰذا ہماری جان بھی آپ پر فدا اور ہمارا دل بھی، جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا منصور الحق صاحب ناصر سلمہ کا شعر ہے ؎

عظیم جرم ہے قانونِ عشق میں ناصرؔ
کسی کی ان سے بغیر ان کے آرزو کرنا

کیوں کہ جو آپ کے عاشق ہیں اگر آپ کی ناخوشی کی راہوں سے ان کے دل میں کبھی کوئی خوشی آجاتی ہے، تو وہ غم سے رونے لگتے ہیں کہ آہ! میں نے اپنے مالک کو ناراض کر دیا، اور آپ کو راضی کرنے کے لیے جب اپنی خوشیوں کا خون کرتے ہیں تو دل کو

غمگین کر کے وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا دل تو غمگین ہوا لیکن ہمارا مالک تو خوش ہو گیا۔ اسی کو میں نے اس قطعہ میں بیان کیا ہے ؎

رضائے دوست کی خاطر یہ حوصلے ان کے
ہنسی لبوں پہ ہے گو دل پہ زخم کھاتے ہیں
عجیب جامع الاضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں

اور عزیزم تائب سلمہٗ کا شعر بھی اس مضمون پر نہایت عمدہ ہے کہ اہلِ دنیا اور اہل اللہ کے غم اور خوشیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اہلِ دنیا تو گناہوں کی لذت اُڑا کر خوش ہوتے ہیں اور گناہ ہاتھ سے نکل جانے سے غمگین ہو جاتے ہیں اور اہل اللہ کے دل میں اگر کبھی گناہ کی ایک ذرّہ خوشی داخل ہو جائے تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے اور ساری کائنات باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو جاتی ہے، جیسا کہ ہمارے میر صاحب کا شعر ہے ؎

شب صحرا مہیب سناٹا
موت ہو جیسے زندگی پہ محیط
یا صدورِ گناہ سے دل کی
تنگ ہونے لگے فضائے بسیط

اور اسی طرح گناہ سے بچنے میں ان کے دل کو جو غم ہوتا ہے اس غم پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ فرق ہے اہل اللہ اور اہلِ دنیا کے غم اور خوشیوں میں، جس کو تائب صاحب نے بہت عمدہ بیان کیا ہے ؎

غم اور طرح کے ہیں طرب اور طرح کے
عشاق کے جینے کے ہیں ڈھب اور طرح کے

تو مولانا فرماتے ہیں کہ جو چیزیں بھی خواہ ہمارے دل کو اچھی لگتی ہوں یا بُری، ہمارے دل

میں محبوب ہوں یا مکروہ، لیکن اے اللہ! اگر آپ ان سے راضی نہیں ہیں تو وہ انسانیت سوز ہیں، ظاہر و باطن کی تباہ کاری میں بالکل آگ ہیں اور انسانیت کے شرف و کرامت کو جلا کر خاکستر کرنے والی ہیں، کیوں کہ اے اللہ! جس سے آپ خوش نہیں ہیں وہ سور اور کتے سے بدتر ہے۔ آپ کو چھوڑ کر اور غیر کا ہو کر کوئی چین سے نہیں جی سکتا، نہ مر کے چین پا سکتا ہے، کیوں کہ ہماری جانوں کا مرکز اور محور اور سہارا صرف آپ ہیں۔

چھوڑ کر تجھ کو غیر کو چاہوں
مرے اللہ یہ پستی میری
غیر کو چھوڑ کر تجھے چاہوں
رشک جبرئیل یہ ہستی میری

ہر کرا آتش پناہ و پشت شد
ہم مجوسی گشت و ہم زردشت شد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جس کے لیے آگ اس کی پناہ، ٹھکانہ اور سہارا ہو جائے یعنی جو خواہشاتِ نفسانیہ کو اپنی جان کا سہارا بنا رہا ہے یہ گویا شہوت کی آگ کی پوجا بھی کر رہا ہے اور سکھا بھی رہا ہے، یہ ضالّ بھی ہے اور مُضِلّ بھی ہے، گمراہ بھی ہے اور گمراہ کرنے والا بھی ہے، اس کی معصیت لازمہ بھی ہے اور متعدّیہ بھی، یہ بانی ہو رہا ہے گناہوں کا، لہٰذا سب کے گناہوں کا بار اس کی گردن پر ہوگا۔

كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ غَيْمٌ هَاطِلٌ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہے یعنی جس کا مقصود اللہ نہیں اور جو مقصودِ حق کا ذریعہ بھی نہیں وہ باطل، مجاز اور فانی ہے اور حق تعالیٰ کا فضل ہی موسلادھار برسنے والا ابر ہے۔ پس اے باطل اور فانی چیزوں سے دل

لگانے والو! اس حماقت سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے ابر کے نیچے آجاؤ۔

اے خدائے پاک بے انباز و یار
دستگیر و جرمِ مارا در گزار

ارشاد فرمایا کہ انباز کے معنیٰ ہیں شریک، مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، آپ **لَا شَرِيْكَ لَكَ** ہیں اور ہمارے مولیٰ ہیں، پس ہماری دستگیری فرمائیے اور ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال کر ہمارے تمام جرائم کو معاف فرمادیجیے۔

یاد دہ مارا سخن ہائے رقیق
کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہی ہمارے ولی ہیں، لہٰذا آپ ایسے درد انگیز، دل گداز ورقّت آمیز مضامین دُعا ہمارے دل میں ڈال دیجیے کہ جو آپ کی رحمت کو جوش میں لائیں، آپ کی رحمت کو احساناً وفضلاً واجب کرنے والے ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ[۵۰]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کو واجب کردیں اور تیری مغفرت کو میرے لیے ضروری کردیں اور سوال کرتا ہوں ہر بھلائی میں اپنے حصے کا اور ہر گناہ سے حفاظت کا۔ اے اللہ! میرا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑ جس کو تو بخش نہ دے اور کوئی غم ایسا نہ رہنے دے جس کو تو دور نہ کردے اور کوئی حاجت جس

---

۵۰ جامع الترمذی: ۱/۱۰۸، باب ما جاء فی صلوۃ الحاجۃ، ایچ ایم سعید

میں تیری رضا شامل ہو پوری کیے بغیر نہ چھوڑ اے ارحم الراحمین!

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

اے اللہ! ہمارا دُعا مانگنا بھی آپ کے کرم سے ہے اور آپ کا قبول کرنا بھی آپ کی عنایت سے ہے، اُدْعُوْنِیْ کا حکم بھی آپ کے کرم سے ہے اور اَسْتَجِبْ لَکُمْ بھی آپ کا کرم وانعام ہے جس کا ہم کو کوئی استحقاق نہیں، اور امن وسکون بھی آپ ہی دیتے ہیں اور خوف وہیبت بھی آپ کی طرف سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ہے۔ پس یہ سکون واطمینان اور خوف وہیبت دونوں مطلوب ہیں، لہٰذا اے اللہ! یہ بھی آپ کا انعامِ عظیم ہے۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن
مصلحی تو اے تو سلطانِ سخن

اگر دُعا کے آداب و تعبیرات و عنوانات میں ہم سے خطا اور کوتاہی ہوگئی ہو اور ہماری کوئی تعبیر و عنوان آپ کو پسند نہ آیا ہو تو آپ تو سلطانِ سخن ہیں، کلام کے بادشاہ ہیں، اپنی رحمت سے ہماری اصلاح فرما دیجیے اور ہمارے دل میں وہ عنوان و تعبیر ڈال دیجیے جو آپ کو پسند ہو۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت عجیب کیمیا ہے جو ہمارے بُرے اخلاق واعمال اور سیئات ورذائل کے دریائے خون کو حسنات وفضائل کے دریائے نیل سے تبدیل کر سکتی ہے یعنی آپ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کرنے پر قادر ہیں۔ کیمیا اس کو کہتے ہیں جو قلب ماہیت کر دے، اور بیانِ قدرت کا مقصد ظہورِ قدرت کی درخواست ہے یعنی مولانا کے اس بیان میں یہ مضمونِ دُعا پوشیدہ ہے کہ اے اللہ! آپ بس ہمیں

تبدیل کرنے کا ارادہ فرمالیں پھر آپ کے ارادے پر مراد کا تخلّف محال ہے اور ترتّب لازم ہے، لہٰذا پھر ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ بننے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ کے ارادے کے بعد یہ قلب ماہیت لازم ہے جیسا کہ مولانا نے ایک اور مقام پر فرمایا۔

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود
خمرش از تبدیلِ یزداں خل شود

مولانا فرماتے ہیں کہ ابدال کون ہے ؟ جس کے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں، جیسے دنیوی شراب میں اگر تھوڑا سا سرکہ ڈال دیا جائے تو پوری شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ابدال وہ ہے جس کے رذائل وسیئات کی شراب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حسنات وفضائل سے تبدیل ہو جائے اور جب شراب سرکہ بن گئی تو پھر اس کو شراب کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح جب کوئی گناہ گار اللہ والا ہو گیا تو اب یہ کہنا جائز نہیں کہ پہلے یہ ایسے ویسے تھے۔

طعنہ نہیں ماضی کا دیا جائے کہ ہم لوگ
تب اور طرح کے تھے ہیں اب اور طرح کے

ایں چنیں میناگری ہا کارِ تست
ایں چنیں اکسیرہا ز اسرارِ تست

ایسی ایسی میناگری وصناعی اے خدا! آپ ہی کا کام ہے کہ مٹی سے کیسے کیسے خوبصورت نقش ونگار آپ پیدا فرماتے ہیں اور نطفہ کے ناپاک پانی پر صورت گری فرماکر مُردہ منی کو آپ حسین انسانی وجود بخشتے ہیں اور گنّے سے شکر اور لکڑی کی شاخوں سے پھل پیدا فرماتے ہیں۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ ست بر آب صورت گری

شکر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مردہ بت خوب آوری

اور اخلاقِ رذیلہ کے دریائے خون کو اخلاقِ حمیدہ کے دریائے نیل سے تبدیل فرماتے ہیں اور تمام ظاہری و باطنی امراضِ لادوا کی اکسیر آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

سینکڑوں کو تو کرے گا جنتی
ایک یہ نا اہل بھی ان میں سہی

❁ ❁ ❁ ❁

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاؒ
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

یارب ایں بخشش نہ حدِ کارِ ماست
لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزاست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کی بخششیں اور عنایات والطاف ہمارے اعمال وعبادات کا ثمرہ ومعاوضہ وجزا نہیں ہوسکتے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری نماز، روزہ، حج وعمرہ اور نوافل وتلاوت سبب ہیں آپ کے انعامات کا، کیوں کہ ہمارے ہر عمل میں فِیْہِ نَظَرٌ ہے اور ریا وعدمِ اخلاص وشہرت وجاہ وغیرہ نفس کی آمیزشوں کا احتمال ہے۔ ہمارا کوئی عمل آپ کی عظمت کے لائق نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہمارے اعمال محدود اور ناقص ہیں اور محدود وناقص غیر محدود کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا۔ پس حقوق عظمتِ غیر محدود کا ادا کرنا محال ہے، کیوں کہ اس سے غیر محدود کا محدود ہونا لازم آتا ہے کہ محدود ہی محدود کا احاطہ کرسکتا ہے۔ پس جب عظمتِ الٰہیہ غیر محدود ہے اور ہم محدود ہیں، ہمارے اعمال محدود ہیں، لہٰذا ادائے حقِ عظمتِ الٰہیہ کے لیے ہمارے اعمال کا ناکافی اور ناقابل ہونا عقلاً ثابت ہوگیا، لہٰذا مولانا رومی کی نظر کہاں تک پہنچ گئی کہ فرمایا: اے ہمارے رب! آپ کی یہ بخششیں اور مہربانیاں ہمارے اعمال کا نتیجہ وثمرہ وپھل نہیں ہیں، یعنی آپ کی عنایات اور نزولِ رحمت کا سبب ہماری عبادات نہیں ہیں، پھر کیا سبب ہے؟ فرماتے ہیں ؎

لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزا ست

آپ کی عنایاتِ ظاہرہ آپ کی عنایاتِ مخفیہ کے مظاہر ہیں، یعنی آپ کے جو الطاف وکرم ہمارے اُوپر ظاہر ہیں بصورت توفیقاتِ اعمالِ صالحہ، التزامِ طاعات واجتناب عن المعاصی

اور صحت وعافیت وغیرہ اس تمام رزقِ ظاہری وباطنی کے پیچھے آپ کا لطف پوشیدہ ہے، ان عنایاتِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ مخفی ہے، آپ کی ظاہری مہربانی کا سبب آپ کی پنہاں مہربانی ہے، ہمارے اعمال نہیں ہیں۔ میرا شعر ہے ؎

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

آپ کی یاد میں ہماری بے تابی واشکباری آپ کے جذبِ کرم ہی کی ممنونِ احسان ہے۔ غرض آپ کے جو الطاف وعنایات ہم پر ظاہر ہوتے ہیں وہ آپ کی مخفی عنایات کا عکس اور پرتو ہیں جیسے ہم لوگ کسی پر کوئی احسان اور شفقت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دل میں محبت کا ایک پوشیدہ احساس ہوتا ہے، پھر وہ شفقت کسی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ پہلے قلب میں محبت آتی ہے پھر اس کا ظہور قالب سے ہوتا ہے۔ تو جب مخلوق کے اندر یہ خاصیت ہے کہ ہمارا لطفِ ظاہر ہمارے لطفِ باطن کا نتیجہ ہوتا ہے تو اے اللہ! آپ کی جو ظاہری مہربانیاں اور انعامات ہم پر ہیں وہ آپ کے لطفِ مخفی اور پوشیدہ کرم کے عکاس کیوں نہ ہوں گے۔ پہلے اللہ کا ارادہ ہوتا ہے جو مخلوق سے مخفی ہوتا ہے، پھر ان کے انعامات وعنایات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب ہمارے اعمال وعبادات اس لیے نہیں ہوسکتے کیوں کہ اللہ کی عظمتِ غیر محدود کا حق ہمارے ناقص ومحدود اعمال سے ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا اللہ کی عطا کے لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے فلاں مجاہدے کی وجہ سے ملی ہے یا ہم نے اتنے سال بزرگوں کی صحبت اُٹھائی ہے یا ہم نے اتنی محنتیں کی ہیں تب ہمیں یہ سب ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات کو اپنے اعمال کی طرف منسوب کرنا ناشکری ہے جیسا کہ حکیم الاُمت نے تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ میں فرمایا:

فَاِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ الْمُعْجِبِیْنَ یُنْسِبُوْنَ
کَمَالَاتِهِمْ اِلٰی مُجَاهَدَاتِهِمْ وَهُوَ عَیْنُ الْکُفْرَانِ [۵۱]

بعض نادان صوفی اپنے کمالات کو اپنے مجاہدات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم نے

---

۵۱ بیان القرآن:۲/۶، ابراھیم، ایچ ایم سعید

اتنے دن شیخ کے ساتھ گزارے یا اتنے دن ہم نے محنت کی اس وجہ سے ہمیں یہ انعام ملا، حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ یہ عینِ کفرانِ نعمت ہے، عینِ ناشکری ہے۔ لہٰذا یوں مت کہو بلکہ یہی کہو کہ اے اللہ! ہمارے مجاہدات اس قابل نہیں تھے کہ آپ اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں یہ انعامات عطا فرماتے، بلکہ آپ کی عطا کا سبب صرف آپ کی عطا ہے، آپ کی رحمت کا سبب صرف آپ کی رحمت ہے، آپ کے کرم کا سبب صرف آپ کا کرم ہے، ہمارا عمل نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دو سو برس عبادت کی تھی اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ کی رحمت سے تمہاری مغفرت ہوگی، تو اس عابد نے کہا کہ نہیں، ہم نے تو دو سو سال عبادت کی ہے، عبادت سے ہم کو بخشش ملے گی، کیا ہماری دو سو برس کی عبادت ضایع ہوجائے گی؟ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے قریب سے گزاریں گے جس سے اس کو شدید پیاس لگ جائے گی، آگ کی لپٹ اور گرمی سے اس کی زبان باہر آجائے گی تو وہ فرشتے سے کہے گا کہ پانی پلادو، فرشتہ اس کو ایک پیالہ پانی پیش کرے گا اور کہے گا کہ پہلے اس کی قیمت ادا کردو۔ پوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو جواب ملے گا: اپنی دو سو برس کی عبادت دے دو تو ایک پیالہ پانی ملے گا، وہ ایک پیالہ پانی کے عوض دو سو برس کی عبادت دے دے گا۔ اس کے بعد اس کو پھر پیاس لگے گی تو وہ پھر پانی مانگے گا، فرشتہ کہے گا کہ اب اپنی عبادت لاؤ تو پانی ملے گا، تمہاری دو سو برس کی عبادت پیاس میں ایک پیالہ پانی کے برابر نہیں، بتاؤ تم نے دنیا میں کتنا پانی پیا ہے اللہ کا! لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم عبادت سے بخشے جائیں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے بخشے جائیں گے، کیوں کہ ہماری مجموعی عبادات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ نعمت کا سبب، معاوضہ اور بدلہ نہیں ہوسکتیں۔ اب یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ مجاہدات کی توفیق دے اور ان کو قبول فرمالے اور اس سے صلاحیت پیدا کردے، مجاہدات سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے اخذِ نُور کی، لیکن یہ سب اسباب ہیں۔ جیسے زمین پر محنت کی، ہل جوتا، کنکر پتھر ہٹائے تو غلہ پیدا ہوگیا۔ ایسے ہی دل کی زمین پر محنت کی، اخلاقِ رذیلہ کے کنکر پتھر نکالے، بُرائیوں سے توبہ کی، گناہوں کے تقاضوں کو

برداشت کیا اور ان پر عمل نہیں کیا، تو اس غم سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے جذبِ تجلیاتِ الٰہیہ کی، لیکن اس کو سبب مت کہو، بس یہ کہو کہ یہ توفیقِ مجاہدہ بھی ان ہی کے کرم سے ہے۔ اگر خدا توفیق نہ دیتا تو ہم گناہوں کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کر لیتے، لیکن گناہوں کے تقاضوں کے باوجود گناہوں سے بچنے کی اللہ نے جو ہم کو ہمت و توفیق عطا فرمائی یہ بھی ہمارا کمال نہیں، اللہ کا کرم ہے، لہٰذا ابتدا تا انتہا اللہ کی عطا ہی عطا ہے۔

مری طلب بھی ان ہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کے انعامات والطافِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ پنہاں ہے، ہمارے اعمال آپ کے لطفِ فراواں کے لائق نہیں، بلکہ آپ کا لطفِ خفی ہی ان الطافِ ظاہرہ کے لائق ہے، یعنی آپ کا پوشیدہ کرم ہی سبب ہے ان تمام انعامات کا جو ہم پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

دیکھو جیسے ایک پوشیدہ کرم اللہ نے مولانا حافظ داؤد اور ان کے رُفقاء پر کیا جو ری یونین سے آئے ہیں، ورنہ کہاں ری یونین اور کہاں کراچی۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مثنوی کا درس ہو جائے اور درسِ مثنوی شروع ہو گیا۔ بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ طلب دیتے ہیں اور اس طلب کی برکت سے دین کا کام شروع ہو جاتا ہے، لیکن یہ طلب بھی اللہ کے مخفی کرم ہی کا صدقہ ہوتی ہے، وہ نہ چاہیں تو طلب ہی نہ پیدا ہو۔ پس کام وہ بناتے ہیں، نام ہمارا ہوتا ہے۔

دست گیر از دستِ ما ما را بخر
پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ارشاد فرمایا کہ دست گیر کا معنیٰ ہے ہاتھ پکڑنے والا، مدد کرنے والا۔ خریدن معنیٰ خریدنا، بخر اس کا امر ہے یعنی خرید لیجیے۔ بردار بدار تھا، ضرورتِ شعری کی وجہ سے بر لگا دیا گیا جس کے معنیٰ ہیں قائم رکھیے۔

مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! میرے ہاتھ سے مجھ کو خرید لیجیے، یعنی ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمارے ہاتھ کی جو طاقتیں گناہوں میں ملوث ہو رہی ہیں تو گویا ہم اپنے ہاتھوں گناہوں کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں، لہٰذا آپ ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید لیجیے اور گناہوں سے ہم کو چھڑا لیجیے۔ بہت عبرت اور خوف کا مقام ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں اللہ کے غضب اور نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے اس کا ظاہر بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور باطن بھی ناپاک اور ستیاناس ہو جاتا ہے، قلب و قالب دونوں گناہوں سے برباد ہو جاتے ہیں، سکون بھی چھن جاتا ہے۔ کیا بتاؤں گناہ گار کی زندگی کس قدر تلخ ہوتی ہے۔ تو مولانا رُومی نے فرمایا کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! ہم کو ہمارے ہاتھوں کے حوالے نہ کیجیے اور ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید کر یعنی اپنی مدد خاص ہمارے شاملِ حال فرما کر گناہوں سے ہم کو نجات دلا دیجیے۔ اگر آپ نے ہمیں ہمارے نفس کے حوالے کر دیا تو ہم ایسے نالائق ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لیں گے، لہٰذا آپ ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنی نافرمانی نہ کرنے دیجیے، کیوں کہ ہمارا ہاتھ تو گندگی میں جاتا ہے، گندے گندے کاموں کی طرف بڑھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ اپنی امّاں سے کہہ دے کہ اے امّاں! میں نادان ہوں، میری تو فطرت ہی خراب ہے، میرے اندر بھلے بُرے کی بھی تمیز نہیں، پس اگر میں پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالوں تو قبل اس کے کہ وہ گندگی میں ملوث ہو اس وقت آپ میرا ہاتھ پکڑ لیا کیجیے۔ تو اے خدا! اس وقت ماں اس کی کیسی حفاظت کرے گی۔ اے اللہ! آپ تو ماؤں کی محبت اور مامتا کے خالق ہیں؎

مادراں را مہر من آموختم

ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے، لہٰذا ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں: **اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ**[۵۲] کہ آپ ہماری ایسی حفاظت کیجیے جیسے ماں

۵۲؎ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹)، باب الادعیۃ المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر/ مسند ابی یعلٰی: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

اپنے چھوٹے بچے کی کرتی ہے، کیوں کہ اے خدا! مومن کے لیے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل ترین کام نہیں کہ وہ آپ کی نافرمانی کرکے اپنے قلب اور قالب کو ناپاک کرلے اور آپ سے دور ہو جائے، لہٰذا اے اللہ! ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے اور اپنی خاص مدد شاملِ حال کرکے نفس کے ہاتھوں سے ہمیں چھڑا لیجیے۔

پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ہمارے اندر گناہوں کے جو تقاضے اور گناہوں کا جو خبیث ذوق ہے اس پر اپنی رحمت اور ستّاری کے پردے کو قائم رکھیے، اس پردے کو اُٹھنے نہ دیجیے، اپنی ستّاری اور پردہ پوشی کا پردہ نہ پھاڑیے یعنی ہمارے عیبوں کو ظاہر نہ کیجیے ورنہ ہم ذلیل و رُسوا ہو جائیں گے کیوں کہ اے اللہ! گناہوں پر مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ جس سے انتقام لیتے ہیں تو اس کا پردۂ ستّاریت پھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ سارے عالم میں رُسوا ہو جاتا ہے، لہٰذا۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے اللہ! اپنے اس بندے کو رسوا نہ کیجیے۔ اگرچہ میں انتہائی نالائق ہوں، لیکن میری نالائقیوں اور میرے عیبوں کو اپنے بندوں پر ظاہر نہ کیجیے۔

باز خر مارا ازیں نفسِ پلید
کاردش تا استخوانِ ما رسید

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میں اتنا نالائق ہوں کہ میں نے خود کو نفس کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے اور میں نفس کا غلام بن چکا ہوں، لیکن اے خدا! آپ ارحم الراحمین ہیں، اس ناپاک نفس سے مجھے دوبارہ خرید لیجیے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ ظالم نفس گوشت تو کاٹ کے کھا گیا، ہڈی رہ گئی تھی تو اب اس کی چھری ہڈی تک پہنچ رہی ہے۔ اگر ہڈی بھی کھا جائے گا تو پھر میں کیا رہوں گا؟ مراد یہ ہے کہ نفس کی بُری بُری خواہشات نے ہمارے دین کو تباہ کر دیا ہے، لہٰذا اے اللہ! میری مدد فرمائیے اور نفس کے چنگل سے مجھے رہائی دلائیے۔

از چو ما بیچارگاں ایں بندِ سخت
کہ کشاید جز تو اے سلطانِ بخت

نفس کے اس سخت قید وبند سے ہم جیسے عاجزوں کو سوائے آپ کے کون رہائی دلا سکتا ہے؟ ہم تو نفس کی سخت بندشوں اور بُرے بُرے تقاضوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف سے نفس نے ہمیں باندھ رکھا ہے لہٰذا ہم بے چاروں، عاجزوں کو نفس کی سخت بندشوں سے آزادی عنایت کرنا صرف آپ کی رحمت کا کام ہے۔ پس اے ہماری قسمتوں کے بادشاہ! نفس کے بُرے تقاضوں کی رسیوں سے ہمیں سوائے آپ کے کون کھول سکتا ہے؟ آپ ہمارے نصیبوں کے سلطان ہیں۔ اگر ایک بدمعاش، مجرم، کمینے اور ذلیل وخوار پر آپ اپنی ایک نگاہِ کرم ڈال دیں تو اسی وقت اس کا نصیب جاگ اٹھے گا اور اس کا کام بن جائے گا اور اسی لمحہ وہ نفس کے قید وبند سے رہائی پا جائے گا۔ وہ دل جو گناہوں کے شدید میلان میں مبتلا تھا آپ کی نگاہِ کرم کے بعد اس کو گناہوں کا وہ شدید میلان نہیں ہوتا جتنا عام لوگوں کو ہوتا ہے، بس ہلکا سا ایک طبعی میلان ہوگا، لیکن اے اللہ! آپ کی مہربانی سے اس کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ آپ کے کرم سے حُسنِ مجازی کی فنائیت اور فانی اجسام کے اندر کی گندگی اس کو نظر آجاتی ہے جس سے فانی جسموں سے ایک نفرتِ طبعیہ اے اللہ! آپ اس کو عطا فرما دیتے ہیں، کیوں کہ انسان عقل کے بل بوتے پر کب تک لڑے گا؟ عقلی استدلال کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں، اس لیے اے اللہ! ہمیں گناہوں سے طبعی کراہت نصیب فرما دیجیے تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے۔ ورنہ حُسنِ فانی کی ملمع سازی کا فریب بُرے بُرے تقاضوں کو اور شدید کر دیتا ہے، مگر جس پر اے خدا! آپ فضل فرما دیں تو اس کو نظر آجاتا ہے کہ ان فانی جسموں کی چمک دمک ظاہری ہے، اندر گُو بھرا ہوا ہے۔ جیسے کوئی پاخانہ پر سونے اور چاندی کا ورق لگا دے، جو ورق کی چمک دمک سے دھوکا کھائے گا وہ پاخانہ ہی پائے گا، لہٰذا اے نفس! بالوں اور گالوں سے اور رانوں سے دھوکا نہ کھا ورنہ پیشاب پاخانہ کی گندگی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ تو جسمانی اور حسّی بے عزتی ہوئی، لیکن اگر اے اللہ! آپ نے

ستّاری نہ فرمائی تو ہم مخلوق میں بھی ذلیل ہو جائیں گے، کیوں کہ ستّاریت ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ جب تک ہم چاہیں اپنے عیب کو چھپائیں، بلکہ پردۂ ستّاریت اے اللہ! آپ کے اختیار میں ہے، جب چاہیں ہٹادیں اور ساری دنیا ہماری رُسوائی کا تماشا دیکھ لے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ نفس کی چالوں اور مکّاریوں اور اس کے بُرے بُرے تقاضوں کی قید سے اے اللہ! آپ کے سوا کون نجات دلا سکتا ہے، کیوں کہ تقلیبِ ابصار سے گناہ حسین اور نیکیاں بُری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ حدیثِ پاک کی دُعا ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ اے اللہ! حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ [٥٣] اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب اور پرہیز کی توفیق کا رزق دے دے۔ یعنی رزقِ اتباعِ خیرات وحسنات نصیب فرما اور رزقِ اجتناب عن الباطل بھی نصیب فرما۔ اپنی رضا کے اعمال نصیب فرما اور ناراضگی کے اعمال سے حفاظت نصیب فرما۔

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودود
کہ تو اند جز کہ فضلِ تو کشود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارے نفس نے گناہوں کے اور بُری بُری خواہشات کے ایسے بھاری تالے لگائے ہوئے ہیں کہ اے محبت کرنے والے اللہ! ہم آپ کا راستہ چلنا چاہتے ہیں، اللہ والا بننا چاہتے ہیں لیکن خواہشات کے یہ تالے ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتے، لہٰذا سوائے آپ کے فضل کے کون ان تالوں کو کھول سکتا ہے؟ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ [٥٤] اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو اپنے ذکر سے کھول دے۔ اے اللہ! جب آپ کا فضل اپنی یاد اور ذکر کی توفیق دے گا تب ہی خواہشاتِ نفسانیہ کے دل پر لگے ہوئے یہ تالے کھلیں گے، ورنہ نفس کے ان بھاری تالوں کا کھلنا مشکل ہے، یعنی ان گندے تقاضوں اور گناہوں سے نجات ملنا مشکل

٥٣؎ التفسیر لابن کثیر: ۲۵۰/۱

٥٤؎ کنز العمال: ۶۹۹/۷ (۲۰۹۹۰)، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ...الخ، مؤسسۃ الرسالۃ

ہے جو اللہ کی راہ کی سب سے بڑی رُکاوٹ اور حجاب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی اُمّتی نے پوچھا کہ اللہ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی جواب عطا ہوا کہ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ نفس کی حرام خواہشوں کو چھوڑ دے اور میرے پاس چلا آ۔ بس یہی نفس اللہ کی راہ کا حجاب ہے ورنہ اللہ کا راستہ بالکل آسان اور صاف ہے۔ جب تک خواہشاتِ نفسانیہ سے نجات نہیں ملے گی اللہ کے راستے کے تالے نہیں کھل سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاہوا تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک خواہشاتِ نفسانیہ تازہ اور ہری بھری ہیں تب تک ایمان سرسبز و تازہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ خواہشات ہی بارگاہِ حق کے دروازے کا تالا ہیں۔ جب یہ تالا کھولو گے تب ہی بارگاہِ حق میں رسائی ہو سکتی ہے اور عموماً جوانی ان ہی چیزوں میں مشغول ہو جاتی ہے، اور جوانی کا وہ بہترین زمانہ جب خواہشات کا عالمِ شباب اللہ پر فدا کر کے انسان اپنی رُوح میں ایک غیر فانی عالمِ شباب اور غیر فانی بہار لا سکتا ہے، وہ زمانہ عموماً خواہشات کی فانی بہار کی فانی لذتوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! یہ جوان کچھ دن کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں رہ کر جوانی اللہ پر فدا کرتے اور خواہشات کے تالے توڑ دیتے، تو ایسی لذّتِ قُرب اور ایمان کی حلاوت ملتی جس کے سامنے دونوں جہاں کی لذتیں گرد معلوم ہوتیں، لیکن فانی لذتوں کا فریب اہل اللہ کے پاس نہیں رہنے دیتا، اور بعضے لوگ جو بزرگوں سے بھاگے ہیں وہ اپنے نفس کے گندے تقاضوں کی وجہ سے بھاگے ہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہاں رہیں گے تو گناہ کیسے کریں گے اور اسی لیے وہ ذکر اللہ بھی نہیں کرتے کہ کہیں نسبت مع اللہ زیادہ قوی نہ ہو جائے اور گناہ چھوٹ جائیں اور ان سے شیطان بھی یہی کہتا ہے کہ ذکر مت کرو، ذکر کرنے سے اللہ سے تعلق قوی ہو گا پھر گناہ کیسے کرو گے؟ اور ایسا شخص توبہ بھی نہیں کرتا کہ اگر توبہ کر لیں گے تو پھر دوبارہ گناہ کیسے کریں گے؟ کچھ دن پیٹ بھر کے گناہ کر لو اس کے بعد پھر توبہ

کر لینا اور مسجد سنبھال لینا، حالاں کہ کیا گارنٹی ہے کہ موت مسجد سنبھالنے بھی دے گی۔ بہر حال اگر مہلت مل بھی گئی تو ان کا یہ حال ہوتا ہے ؎

پاس جو کچھ تھا وہ صرف مے ہوا
اب نہ کیوں مسجد سنبھالی جائے گی

چلو آخری عمر کے سجدے بھی رائیگاں نہیں جاتے، یہ بھی نعمت ہیں۔ لیکن جنھوں نے اپنی جوانی اللہ پر فدا کی ہے جس کی برکت سے ان کی رُوح پر جو ایک غیر فانی عالمِ شباب طاری ہے اس کی لذت کو کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا، اس کے برعکس جو لوگ گناہ سے نہیں بچتے تو گناہوں کے ایٹم بم ان کی رُوحانیت کے شہر کو بالکل ہیروشیما کر دیتے ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

❖❖❖❖

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں
تجھ پہ رحمت کرے خالقِ دو جہاں

بجلیوں سے بچاتا ہے ربِّ جہاں
ایک تدبیرِ کمزور سے ہے آشیاں

چشمِ تر خوں فشاں آہ سُوئے سماں
ہیں مرے دردِ دل کے یہ ترجماں

کیا یہ شمس و قمر یہ زمیں آسماں
اپنے خالق کا دیتے نہیں ہیں نشاں

کیا جہاں میں نمودار خود ہو گئے؟
ہر وجود اپنے موجد کا خود ہے نشاں

ہستی انساں کی خالق پہ شاہد ہے خود
تیرے اندر ہے وہ خالقِ دو جہاں

ہو کے مخلوق خالق کا منکر بنے
اس حماقت پہ ہے لعنتِ دو جہاں

یہ صدا سُن لو اختؔر کی اے دوستو
خالقِ جاں پہ کر دو فدا اپنی جاں

درسِ مناجات رُومی

۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۶؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز شنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز خود سوئے تو گردانیم سر
چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے اپنی ذات سے بے زاری ظاہر کر کے اپنا رُخ آپ کی طرف کر لیا ہے، یعنی جو توجہ ہمیں اپنی ذات پر اور اپنے دست و بازو پر تھی کہ ہم گناہ سے بچیں گے، لیکن ہم اپنے آپ سے اب بالکل بے زار اور مایوس ہو چکے ہیں، لہٰذا اب آپ کی طرف آسرا لگا رہے ہیں، آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ ربّا ہماری مدد کو آئے، جیسے بچہ اپنی پوری طاقت سے اغوا کرنے والے غنڈے سے لڑا، لیکن آخر میں اس غنڈے نے کلائی مروڑی اور دبوچ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا، اس وقت بچہ اپنے ابّا ہی کا سہارا تلاش کرتا ہے کہ ابّا آئے اور اس کو جھولی سے چھین لے۔ آج کل بچّوں کو اغوا کرنے والے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتے ہیں اور کار میں بٹھا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح نفس و شیطان بھی آنکھوں پر شہوت اور بُری خواہشات کی پٹی باندھ دیتے ہیں پھر اس کو نظر ہی نہیں آتا کہ حق کس طرف ہے؟ اور آہ و فغاں، نالہ و فریاد اور دعا سے روکنے کے لیے معصیت و شہوت کا کپڑا اس کے دل میں ٹھونس دیتے ہیں تاکہ یہ دعا بھی نہ کرے، اللہ سے پناہ بھی نہ مانگے لیکن آپ کی توفیق سے ہم نے اپنا رُخ اے اللہ! آپ کی طرف کر لیا ہے، چوں کہ ہماری ذات سے زیادہ آپ ہم سے قریب ہیں اور مصیبت میں آدمی اپنے قریبی ہی کو مدد کے لیے بلاتا ہے۔ اے اللہ! آپ میرے نفس سے، میری رُوح سے،

میری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[۵۵]

میں تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اے اللہ! جب آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اقرب کا حق زیادہ ہوتا ہے، لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ پھر بھی آپ پر جان فدا نہیں کرتے اور گناہوں کے تقاضوں کو برداشت نہیں کرتے اور آپ کو ناخوش کر کے اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں جبکہ ہم سے زیادہ آپ ہمارے نزدیک ہیں، آپ کے مقابلے میں ہماری جان اور ہمارا نفس بھی ہم سے دور ہے، اس لیے ہم نے سارے جہاں سے رُخ پھیر کر اب آپ پر اپنی نظر جمالی ہے اور ہم آپ ہی کو پکارتے ہیں، کیوں کہ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے تحت آپ کا حق سب سے زیادہ ہے، اس لیے اگر ہم اپنی جان کو شہادت کے لیے پیش کر کے جان آپ پر فدا کر دیں تو یہ آپ کا حق ہے کہ جان اپنے قریبی مولیٰ پر فدا کی لیکن حق پھر بھی ادا نہ ہوگا کیوں کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

با چنیں نزدیکی دوریم دور
در چنیں تاریکئے بفرست نور

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں اے اللہ! آپ ہماری جان سے زیادہ ہمارے قریب ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ لیکن اس نزدیکی کے باوجود ہم آپ سے بے انتہا دور ہیں۔ دوریم دور کا مبالغہ ہے، تکرارِ لفظ بلاغت کے لیے آتا ہے۔ تو باوجود اس قُرب کے کہ آپ ہماری جان سے زیادہ قریب ہیں پھر ہم آپ سے اتنی دور کیوں ہیں؟ اس دوری کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ نفس ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے،

۵۵۔ قٓ:۱۶

جیسے زمین کا گولا چاند کو آفتاب کے نور سے محروم رکھتا ہے۔ جب کرۂ ارض سورج اور چاند کے درمیان میں پورا حائل ہو جاتا ہے تو پورا چاند بے نور ہو جاتا ہے اور پھر جب حرکت کرتے کرتے یہ زمین کا گولا تھوڑا ہٹتا ہے اور سورج کی تھوڑی سی شعاعیں پڑتی ہیں تو چاند تھوڑا سا روشن ہو جاتا ہے اور وہ چاند کی پہلی تاریخ بنتی ہے اس کے بعد زمین اور ہٹی تو دوسری تاریخ آگئی، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ زمین کا پورا گولا چاند اور سورج کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے، اس دن پورا چاند روشن ہو جاتا ہے۔ نفس کو مٹاتے مٹاتے جس دن خدائے تعالیٰ یہ مقامِ توفیق عطا فرمادیں کہ شہوت اور غضب کی کوئی حالت نفس کے تابع نہ رہے اور وہ کسی حالت میں استقامت سے الگ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہر وقت جان فدا کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس شخص کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کے قلب کا پورا دائرہ نسبت مع اللہ کے چاند سے روشن ہو گیا، پھر اس شخص کے الفاظ میں بھی فنائے نفس کے اثرات ہوتے ہیں۔ جس کا نفس جس قدر زندہ ہے اسی قدر تاریکیاں اس کے کلام میں پائی جائیں گی، چاہے وہ قرآن وحدیث ہی کیوں نہ بیان کر رہا ہو، اور جس کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کا پورا دائرۂ قلب نسبت مع اللہ سے روشن ہو گیا تو اس کا نور اس کے کلام میں بھی شامل ہو گا، چاہے وہ دنیا ہی کی باتیں کر رہا ہو۔ اسی وجہ سے اگر کوئی بد دین قرآن وحدیث بیان کرتا ہے تو اس سے گمراہی پھیلتی ہے، کیوں کہ اس کے دل میں گمراہی ہے، اور اگر کوئی اللہ والا انگریزی اور سائنس وغیرہ کی دنیوی تعلیم دیتا ہے تو اس کے شاگردوں میں دین آئے گا کیوں کہ اس کا دل اللہ والا ہے۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے۔

کفر گیرد ملتی ملت شود
دین گیرد علتی علت شود

کوئی اللہ والا اگر کفر کو ہاتھ میں لے تو وہ دین بن جاتا ہے اور کوئی بد دین اور گمراہ دین کو بھی گمراہی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی گمراہ اور بد دین شخص سے اپنے بچوں کو قرآن وحدیث نہ پڑھواؤ، ورنہ وہ بچے بھی گمراہ ہو جائیں

گے اور اگر دنیوی تعلیم دلوانی ہے تو کسی اللہ والے سے پڑھواؤ تو بچے بھی دین دار ہو جائیں گے۔ اسی لیے نفس کو مٹانے کا حکم دیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر مرنا جینا آجائے، اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں اور اخلاقِ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ تصوف نفس کو مٹانے کا نام ہے۔ ملفوظات یاد کر لینے کا اور دین کی کتابیں لکھ دینے کا اور وعظ و تقریر کر لینے کا نام تصوف نہیں ہے، ان سب کی کچھ حقیقت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے افنائے نفس اور افنائے خواہشاتِ غیر شرعیہ سے۔ کوئی کہے کہ صاحب! نفس کیا چیز ہے، ہم کیسے نفس کو مٹا دیں، نفس کی کیا ماہیت ہے؟ تو نفس کی تعریف حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے: مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ یعنی طبیعت کے وہ تقاضے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی اس کا نام نفس ہے۔ اور علامہ آلوسی نے کیا تعریف کی ہے اَلنَّفْسُ کُلُّھَا ظُلْمَۃٌ وَسِرَاجُھَا التَّوْفِیْقُ[۵۶] نفس سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اللہ کی توفیق ہے۔

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں ہم جو اللہ سے دور ہیں اس کی وجہ ہمارے گناہ ہیں، اور اس دور میں اللہ سے دوری کا سب سے بڑا سبب حسین شکلیں ہیں اور شیطان ان کو اور مزیّن کر دیتا ہے اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا[۵۷] کیا حال ہے اس شخص کا کہ بُرے عمل جس کے لیے مزیّن کر دیے گئے اور ان کو وہ حسین دیکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھو کہ ان حسینوں کا حسن جسمِ اعلیٰ میں ہوتا ہے یعنی آنکھوں میں اور چہرے میں لیکن جو حسنِ اعلیٰ انسان کو مقامِ اسفل کی طرف لے جائے، یہی دلیل ہے کہ یہ چیز خراب ہے، اور جو ناپاک کر دے یہ دلیل ہے کہ یہ محبت ناپاک ہے، مثلاً: ایک حسین کو ایک آدمی دیر تک دیکھتا رہتا ہے اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ مذی آگئی اور شیطان کہہ رہا تھا کہ ارے بھئی! خالی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو حُسن کے جلووں میں تجلیاتِ الٰہیہ

۵۶؎ روح المعانی:۱۳/۸، یوسف(۱۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

۵۷؎ فاطر:۸

دیکھتے ہیں۔ اگر آپ تجلیاتِ الٰہیہ دیکھ رہے تھے تو یہ مذی کیوں نکلی، آپ بے وضو کیوں ہو گئے ؟ وضو شکن چیز تو ناپاک ہوتی ہے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ ناپاک محبت ہے اور ناپاک نظر ہے۔ آپ کسی اللہ والے کو دس گھنٹہ دیکھیں مذی نہیں آئے گی، قرآن شریف کو تمام عمر دیکھو، کعبہ شریف دیکھو، لیکن یہ شیطان بہکاتا ہے کہ ارے خالی دیکھ لینے سے کیا ہوتا ہے، لیکن آپ بلڈ پریشر میں ذرا نمک کھایئے کہ واہ میرے اللہ! آپ نے کیا نمک پیدا کیا ہے! پھر دیکھیے پریشر ہائی ہو گا یا نہیں اور ڈاکٹر دو طمانچے لگائے گا۔ ہر حسن انسان کو اسفل کی طرف لے جاتا ہے۔ عشقِ مجازی اُوپر سے شروع ہوتا ہے یعنی آنکھوں سے اور گالوں سے اور کالے بالوں سے، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ ناف کے نیچے گندے مقامات پر لے جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بہت ہی دھوکے باز تاجر ہے کہ نمونہ اور سیمپل (Sample) دکھاتا ہے آنکھ اور گال کا اور مال دیتا ہے کتنے گندے مقام کا۔ دیکھو شیطان حُسن دکھا کر کس مقام پر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ اتنا ذلیل کرتا ہے کہ عاشق و معشوق دونوں ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتے ہیں کہ پھر کوئی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔ رحم آتا ہے ایسے ظالم پر جو اپنی اور دوسرے مومن کی آبرو کو ضایع کرتا ہے۔ یہ اللہ کا حلم ہے ورنہ ایسے خبیثوں کو بھوسہ بھروا کر دفن کر دیتا۔ اور نفس بھی ایسا احمق اور بدھو اور بے وقوف اور کمینہ ہے کہ بارہا تجربہ کر چکا کہ حسینوں سے کچھ نہیں ملتا سوائے بے چینی و اضطراب اور پریشانی کے، جیسے مچھلی چارے کی لالچ سے دریا سے نکل جاتی ہے لیکن ریت میں جا کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اللہ کے دریائے قُرب سے مت نکلو چاہے شیطان کتنی ہی گناہ کی لذّت پیش کرے کیوں کہ اس کا انجام اضطراب اور بے چینی ہے۔ لہٰذا اگر راحت چاہتے ہو تو دونوں جہاں کی راحتیں تقویٰ میں، اللہ کی رضا میں اور ان کی یاد میں ہیں، کیوں کہ اللہ خالقِ دو جہاں ہے، وہ دونوں جہاں کی لذتوں کا خالق ہے۔ تو جو اللہ پر عاشق ہوتا ہے، محبت سے اللہ کا نام لیتا ہے تو دونوں جہاں کی لذتیں بصورتِ کیپسول اس کی رُوح میں اُتر جاتی ہیں۔ حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں ہے جو اللہ

کے نام میں ہے۔ کیوں کہ حور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم واجب الوجود ہے اور قدیم غیر محدود ہوتا ہے تو غیر محدود اللہ کے نام کی لذّت کے مقابلے میں مخلوق اور حادث کی کیا حقیقت ہے؟ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ[۵۸] نکرہ تحت النفی واقع ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے، لہٰذا ان کے نام کی لذت کا بھی کوئی مثل نہیں۔ پس جو اللہ کا نام لیتا ہے وہ دونوں جہاں کی لذّتوں سے بڑھ کر مزہ پاتا ہے ؎

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

یہ انتہائی بے وقوفی اور نادانی ہے جو غیر اللہ کی طرف انسان بڑھتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! باوجود آپ کے نزدیک ہونے کے ہم آپ سے جو دور ہیں اس کی وجہ نفس کی سازشیں اور آویزشیں اور شہوات اور غصے کی بیماریاں ہیں جو ہمیں اللہ سے دور رکھتی ہیں۔ اس نزدیکی کے باوجود جو ہم اللہ سے دور ہیں اس کا سبب وہی ہے جو ہمارے اکابر نے فرمایا کہ اگر قلب میں نسبت مع اللہ کا چاند پورا روشن نہیں ہوا اور قلب کا تھوڑا سا کنارہ بھی بے نور ہے تو لطف ختم ہو جاتا ہے، اس لیے گناہ پر تھوڑی سی بھی جرأت مت کرو۔ جس طرح رِضۡوَانٌ مِّنَ اللہِ اَکۡبَرُ[۵۹] میں تنوین تقلیل کے لیے ہے کہ اللہ کا تھوڑا سا راضی ہو جانا اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ہے، اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ الۡعَالَمِ ہے، سارے جہانوں سے ان کی رضامندی بڑی ہے، اسی طرح ان کی تھوڑی سی ناراضگی بھی عظیم الشان ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت، کوئی پریشانی نہیں۔ لہٰذا یہ نہ سوچو کہ یہ بات تو مکروہ ہے، یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے، کیوں کہ اگر اللہ ذرّہ بھر ناراض ہو جائے تو سمجھ لو کہ ساری دنیا ہی اُجڑ گئی، کیوں کہ ان کا ذرّہ بھی بہت بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے شخص سے بڑھ کے ظالم اور کون ہو گا جو محبت کا نام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض بھی کرتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ محبت کے کیا حق ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ محبت کے دو حق ہیں: محبوب ہر وقت خوش

۵۸؎ الاخلاص:۴

۵۹؎ التوبۃ:۷۲

رہے اور محبوب کسی وقت ناراض نہ ہو۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو محبت حاصل ہے ورنہ یہ محبت نہیں، یہ تو محبت کا مذاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی فکر نہ ہو اور غیر اللہ میں بندہ مشغول ہو جائے حالاں کہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا ہمارے دل کو چین سے رکھنے والا کوئی نہیں۔ اللہ کے سوا پورے عالم اور پوری کائنات میں دل کو چین سے رکھنا اور کوئی جانتا بھی نہیں اور چین سے رکھنے پر قادر بھی نہیں۔ نہ جانتے ہیں، نہ قادر ہیں کہ وہ ہمارے دل کو چین سے رکھ سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ [۶۰]

اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اس میں حصر ہے تَقۡدِیۡمُ مَا حَقُّہُ التَّاخِیۡرُ یُفِیۡدُ الۡحَصۡرَ کے قاعدے سے۔ اصل عبارت یوں تھی اَلَا تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ بِذِکۡرِ اللّٰہِ فعل پہلے ہوتا ہے پھر فاعل ہوتا ہے، متعلقات بعد میں ہوتے ہیں، لیکن جب متعلقات کو مقدم کر دیا جائے تو معنیٰ حصر کے پیدا ہو جاتے ہیں جس کا ترجمہ ہوا کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اور اللہ جزائے خیر دے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو، وہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ کَمَا اَنَّ السَّمَکَۃَ تَطۡمَئِنُّ فِی الۡمَاءِ لَا بِالۡمَاءِ [۶۱] مچھلی پانی کے ساتھ نہیں چین پاتی، پانی میں جب غرق ہو جائے کہ اُوپر بھی پانی ہو نیچے بھی پانی ہو، دائیں بھی پانی ہو بائیں بھی پانی تب چین پاتی ہے۔ اور اگر بالماء ہے کہ مثال کے طور پر پورا جسم مچھلی کا پانی میں ہو، لیکن صرف سر کھلا ہوا ہو تو بتاؤ مچھلی چین پائے گی؟ بس سمجھ لو کہ اگر آنکھیں گناہ گار ہیں، کسی نامحرم یا اَمرد کو دیکھ رہی ہیں، اگر کان کسی حسین کی بات سن رہے ہیں، زبان سے اس سے باتیں چبا چبا کر کر رہے ہو، تو ساری زندگی عذاب میں مبتلا رہنے کا جس کا ارادہ ہو وہی یہ سب کام کرے گا۔ ایسے لوگ ساری زندگی عذاب میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کے قُرب کے دریا سے محروم رہتے

---

[۶۰] الرعد:۲۸

[۶۱] التفسیر المظہری:۲۶۱/۱۰، الفجر (۲۶)، المکتبۃ الرشیدیۃ

ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ باوجود اتنی نزدیکی کے کہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پھر بھی ہم اپنے نفس کی غلامی اور نفس کی شہوتوں کی اتباع سے آپ سے دور ہیں۔

در چنیں تاریکئے بفرست نور

اپنے نفس کی غلامی اور نفس کے غلبے سے ہم تاریکی میں ہیں۔ اے اللہ! آپ کے آفتابِ نور اور ہمارے قلب کے درمیان ہمارے نفس کا گولا آگیا ہے، جس سے ہمارا قلب آپ کے نور سے محروم ہو کر بالکل تاریک ہو گیا ہے۔ جس پر نفس غالب آجاتا ہے وہ گناہ پر جری ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے قلب کی دنیا میں اس وقت ایک ذرّہ نور نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے دوستوں اور رفیقوں کے لیے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایک سانس بھی اپنی ناراضگی اور نافرمانی میں نہ جینے دے، کیوں کہ حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کی سب سے بُری گھڑی وہ ہے کہ جس گھڑی وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، مومن کی وہ سانس نہایت ہی منحوس اور لعنتی ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کا غضب خریدتا ہے اور وہ سانس نہایت مبارک ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے۔

پس اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے، اپنی نالائقیوں سے اور اپنی بد اعمالیوں سے انتہائی شدید تاریکی میں ہیں اور آپ سے دور ہیں، لہٰذا آپ ہمارے دل کی تاریک دنیا میں اپنی رحمت سے نور بھیج دیجیے، گناہوں کے اندھیروں میں تقویٰ کا نور بھیج دیجیے (فرستادن معنیٰ بھیجنا، بفرست اس کا امر ہے) یعنی ہمارے اندھیروں میں اپنی رحمت سے آپ اپنی توفیق کا نور بھیج دیجیے، تاکہ ندامت کی برکت سے گناہوں کے اندھیروں سے ہم نجات پاجائیں۔

اور توفیق کی کیا تعریف ہے:

۱) **تَوْجِیْهُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ** اللہ تعالیٰ اسبابِ خیر پیدا کردیں۔ **توجیه وجه** سے ہے، اور **وجه** کا معنیٰ ہے چہرہ، باب تفعیل میں جاکر **توجیه** ہو گیا جس کے معنیٰ یہ ہو جاتے ہیں کہ چہرے کے سامنے کوئی چیز آجانا، لہٰذا توفیق

کے معنیٰ ہوئے کہ بھلائیوں کے اسباب سامنے آجائیں۔

۲) تَسْهِيْلُ طَرِيْقِ الْخَيْرِ۔ خیر کے راستے آسان ہوجائیں اور تَسْدِيْدُ طَرِيْقِ الشَّرِّ شر کے راستے مسدود ہوجائیں۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ۔[۶۲] عبادت واطاعت کی طاقت اللہ پیدا کردے۔ یہ نہیں کہ گناہوں کے اسباب دیکھ کر بھوسہ اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح ہوجائے کہ صاحب! ہم تو پاگل ہوجاتے ہیں گناہوں کے اسباب کو دیکھ کر۔ اس میں اتنی دفاعی قوت موجود ہو کہ وہ گناہ سے بچ جائے۔

نفس کے بندے

چین اِک پَل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کرکے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

۶۲؎ شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعۃ دیوبند

درسِ مناجاتِ رُومی

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۷؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، ۲ کراچی

این دعا ہم بخشش و تعلیمِ تست
ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

ارشاد فرمایا کہ رستن روئیدن کے معنیٰ ہیں اُگنا، اور گلخن کہتے ہیں بھٹی کو، آتش کدہ کو جس میں آگ جلتی ہے روٹی اور کھانا وغیرہ پکانے کے لیے یا لوہا اور سونا وغیرہ پگھلانے کے لیے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم جو یہ دُعا کر رہے ہیں اے خدا! یہ توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور آپ ہی کی بخشش اور انعام ہے اور آپ ہی کی تعلیم ہے۔ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو دُعا کی توفیق بھی نہ ہو، چناں چہ بعضے لوگ جب گناہ کے لیے چلے تو دُعا نہیں مانگی کہ اللہ! ہمیں بچانا، کیوں کہ وہ نیت کر کے چلے تھے کہ منہ کالا کرنا ہے، ایسا شخص پھر کہاں دُعا کرتا ہے۔

پس اے خدا! اگر آپ کا کرم نہ ہوتا اور آپ توفیقِ دُعا نہ دیتے تو ہم تو شہوت کی آگ میں جل جاتے۔ آگ میں پھول کیسے اُگ سکتا ہے؟ یا اللہ! جہاں آگ جل رہی ہو اس میں گلستان کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو آتش کدۂ شہوت میں آپ کی محبت کے پھل اور پھول اور آپ کی یاد کا گلستاں کہاں سے پیدا ہوتا؟ یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کے شدید تقاضوں کے باوجود تقویٰ پر عمل کے لیے دُعا کی یہ توفیق آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی بخشش اور کرم کا ثمرہ ہے، ورنہ شہوت کی آگ میں آپ کی محبت اور دُعا کے قُرب کا گلستاں پیدا ہونا محال تھا، لیکن اجتماعِ ضدّین ہمارے لیے

محال ہے آپ کی قدرتِ قاہرہ کے لیے محال نہیں۔ لٰہذا یہ آپ ہی کا کرم، آپ ہی کی بخشش اور آپ ہی کی تعلیم کا اثر ہے کہ نفس کے شدید تقاضوں کی آگ میں سلامتیٔ تقویٰ کے لیے توفیقِ دُعا نصیب فرما کر آپ نے آگ میں اپنی محبت کا گلستاں کھلا کر اجتماعِ ضدّین کو اپنی قدرتِ قاہرہ سے ممکن کردیا۔ پس یہ دُعا آپ کی عطا ہے، آپ ہی نئے نئے مضمون دل میں ڈال رہے ہیں۔ بعض جاہلوں کے دل میں اللہ تعالیٰ ایسا مضمون ڈالتے ہیں کہ علماء حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک اَن پڑھ بزرگ اللہ سے کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! آپ کا نام بہت بڑا نام ہے، جتنا بڑا آپ کا نام ہے اتنا ہی بڑا اہم پر رحم کردیجیے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ آپ سوچیے! کسی کریم کے پاس آدمی جائے اور کہے کہ صاحب! میں نے آپ کا بڑا نام سنا ہے، جتنا بڑا اہم نے آپ کا نام سنا ہے بس اتنا بڑا اہم پر کرم فرمادیجیے، تو بتاؤ اس کریم کے کرم میں کتنا جوش ہوگا!

تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دُعا آپ کی بخشش اور آپ کی تعلیم ہے ورنہ آگ کی بھٹی میں کہیں گلستاں اُگتا ہے؟ یہ آپ کا نام لینے کی توفیق ہے کہ دُعا کی برکت سے شہوت کی آگ میں آپ تقویٰ اور محبت کے پھول کھلاتے ہیں۔ حضرت اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

میں نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

زندگی کی فانی بہار کو قربان کرکے ہم نے اللہ کی محبت حاصل کی ہے، یعنی حرام خواہشات کے رنگین پھولوں کو فدا کرکے اللہ کے قُرب کی غیر فانی بہار حاصل ہوئی ہے اور تم زندگی کی فانی بہار کو بھی چاہتے ہو اور دردِ دل بھی چاہتے ہو، دونوں ناممکن ہیں۔ اللہ کے لیے جس نے کائنات کے چمن کو لٹا دیا پھر اس نے پایا سب سے زیادہ مزہ ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

یہ دنیا اپنی بہاروں اور اس کی رنگینیوں پر ناز کررہی تھی، لیکن تقویٰ کی برکت سے جب

دل میں اللہ تعالیٰ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوا تو دنیا کی فانی بہاریں نگاہوں سے گر گئیں۔ جس کو یہ دولتِ قُرب نصیب ہوگئی پھر وہ دنیا کے حسینوں پر فدا کر کے اپنی زندگی کو تباہ نہیں کرتا۔ ساری دنیا کے حسین اس کو مجموعۂ بول وبراز نظر آتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت کو ایسا لطیف کر دیتے ہیں کہ حسینوں پر اچانک نظر پڑتے ہی اس کو ان کے جسم کے گراؤنڈ فلور کی گٹر لائنیں نظر آجاتی ہیں۔ ساری دنیا مُردہ ہے، موت تو بعد میں آئے گی، ارے جیتے جی ان کی شکلیں ایسی بگڑ جاتی ہیں کہ حُسن کا سارا جغرافیہ ختم ہو جاتا ہے۔ ذکر کی لطافت سے اللہ والوں کی طبیعت اتنی لطیف ہو جاتی ہے کہ حسینوں کے عینِ عالمِ شباب میں ان کے بڑھاپے کا انجام نظر آجاتا ہے۔ الٰہ آباد کے ایک بزرگ تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، کسی زمانے میں بڑے پہلوان تھے، انہوں نے اتنا ذکر کیا تھا کہ جانور جب ان کے سامنے سے گزرتے تھے تو ان کی نظر آرپار ہو جاتی تھی، جانوروں کا دل گردہ آنتیں وغیرہ سب ان کو نظر آجاتی تھیں۔ تو یہ ذکر اللہ کا اثر تھا جو کمالات میں سے تو نہیں ہے، مگر حالات میں سے ہے۔

درمیانِ خوں وروده فہم و عقل
جز ز اکرامِ تو نتواں کرد نقل

ارشاد فرمایا کہ جس طرح بدبودار کھاد سے اللہ تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اسی طرح خواہشاتِ نفس کی گندی کھاد سے تقویٰ اور محبت کے پھول پیدا فرمادیے کہ مادّۂ فجور کو دبانے سے، خواہشاتِ نفس کو جلانے سے یعنی تقاضائے معصیت پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پیشاب اور خون کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ پیدا فرمادیا۔ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح اے خدا! آپ کی قدرت کا کمال ہے کہ خون کے اجزاء کے درمیان آپ نے عقل و فہم کو پیدا فرمادیا اور وہ عقل و فہم نظر بھی نہیں آتے۔ ہم سائنس دانوں سے کہتے ہیں کہ دماغ کا ایکسرے یا آپریشن کر کے دکھائیں کہ عقل و فہم کہاں ہے یا حافظِ قرآن کا قرآنِ پاک ہی تلاش کر لیں کہ دکھلاؤ کہاں ہے وہ قرآنِ پاک جو وہ محراب میں سناتا ہے؟ جسم

کے اندر روٹی سے خون بنا، کانوں میں جا کر وہی خون قوتِ سامعہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ دیکھنے لگے، آنکھوں میں جا کر وہی خون قوتِ باصرہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سامعہ بن جائے، زبان میں جا کر وہی خون قوتِ ذائقہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سونگھنے لگے، ناک میں وہی خون قوتِ شامہ بنا، مجال نہیں کہ وہ چکھنے لگے۔ وہی خون دماغ میں جا کر عقل و فہم بن گیا۔ جس مقام پر وہ خون جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ قاہرہ سے اسی مقام کی طاقت اس کو بنادیتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی غذا ہے، ایک ہرن میں وہ مینگنی بن جاتی ہے اور اسی غذا کو دوسرا ہرن کھاتا ہے تو وہی غذا مشک بن جاتی ہے۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ وہی کھانا کھا کر ایک ولی اللہ اشکبار آنکھوں سے سجدے میں خدا کو یاد کر رہا ہے اور وہی روٹی کھا کر ایک شخص بد معاشی کر رہا ہے، زنا کر رہا ہے، بد نظری کر رہا ہے، ذرا سوچو کہ روٹی وہی ہے لیکن ایک شخص کی روٹی اسے عرشِ اعظم تک لے جاتی ہے اور دوسرے کی روٹی اس کو اَسۡفَلُ السَّافِلِیۡنَ میں پہنچاتی ہے۔ ایک روٹی اس کو مقامِ عزّت پر لے جاتی ہے اور وہی روٹی کھا کر دوسرا ذلّت اُٹھاتا ہے۔ ایک شخص روٹی کھا کر نیک اعمال کی توفیق سے ولایتِ خاصّہ سے مشرف ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کے قدموں کو چومے اور دوسرا وہی روٹی کھا کر مادّۂ شہوت میں مبتلا ہو کر بازار میں جوتے کھا رہا ہے اور ہر شخص کہہ رہا ہے کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ میر صاحب کا چشم دید واقعہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ایک شخص کو پولیس پکڑ کے لے جا رہی تھی، ہر دوکاندار کہہ رہا تھا کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ تو دیکھیے روٹی وہی ہے، ایک روٹی کی طاقت سے اس پر جوتوں کی بارش ہو رہی ہے اور وہی روٹی کھا کر اہل اللہ پر اللہ کی رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک نے روٹی سے پیدا شدہ طاقت کو صحیح استعمال کیا اس پر رحمتوں کی بارش ہے اور ایک نے غلط استعمال کیا اس پر جوتوں کی بارش ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے کرم اور آپ کی مہربانی کے سوا خون کے درمیان عقل و فہم کی دولت کو کون پیدا کر سکتا ہے، کیوں کہ خون تو ناپاک ہے اور ناپاک چیز سے بُری اور مذموم شے مثلاً بے عقلی و بد فہمی کا پیدا ہونا تو قرینِ قیاس تھا، لیکن

اس سے عقلِ سلیم وخوش فہمی کا پیدا کرنا یہ عطا صرف آپ کا فضل ہے۔ پس کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو خون کے اندر عقل و فہم، محبت و تقویٰ، خوف و خشیت اور اعمالِ صالحہ کی توفیقات پیدا کر دے سوائے آپ کے اے پروردگار!

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار

عہدِ تو چوں کوہ ثابت برقرار

اے خدا! ہمارا عہدِ توبہ ہزاروں لاکھوں بار ٹوٹ گیا، ہزاروں بار ہم نے عہد کیا کہ اب ہم کبھی بد نظری نہیں کریں گے، کبھی کسی نامحرم لڑکی یا اَمرد کو نہیں دیکھیں گے، کبھی گناہ نہیں کریں گے، لیکن جب بازار گئے جہاں آج کل بے پردہ لڑکیاں پھرتی ہیں تو سارے بریک فیل ہو گئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ سے گناہ سے بچنے کا عہد کیا تھا اور ابھی توڑ دیا۔ اور کس سے توڑا اور کس سے جوڑا؟ اللہ سے توڑا اور شیطان سے جوڑا۔ ہمارا عہد تو ایسا بودا اور ضعیف ہے، لیکن یہ ہم نالائقوں کا حال ہے، اہل اللہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ میں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ راستے میں کبھی دائیں بائیں بھی نہیں دیکھتے تھے، سامنے زمین پر نظر کیے ہوئے تلاوت کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ حضرت جانتے ہی نہیں تھے کہ دنیا کہاں ہے۔ حضرت نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ حضرت! جب میں دنیا کی زمین پر چلتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں، مجھے دنیا کی زمین دنیا کی نہیں معلوم ہوتی بلکہ آخرت کی معلوم ہوتی ہے۔ حکیم الاُمت نے حضرت کا خط پڑھ کر فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا صدیق ہے، اولیائے صدّیقین کو ایسی نسبت دی جاتی ہے کہ یہ دنیا ان کے لیے حجاب نہیں رہتی۔

مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

یہ میرا شعر ہے، آسمانوں کے حجابات اللہ اپنی رحمت سے اُٹھا دیتا ہے۔

تو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے عہد کی شکستگی کا یہ حال ہے کہ

ہم سینکڑوں ہزاروں مرتبہ وعدہ کرتے ہیں کہ گناہ نہیں کریں گے اور ہزاروں دفعہ شکستِ توبہ کرتے ہیں اور اے اللہ! آپ کا عہد مثل پہاڑ کے ثابت وبر قرار ہے۔ یہ تو محض سمجھانے کے لیے مولانا فرماتے ہیں کہ آپ کا عہد بھی مثل پہاڑ کے ہے، ورنہ کہاں پہاڑ اور کہاں اللہ! پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہیں پہاڑوں کو ہلا دیں اور قیامت کے دن رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑادیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے ہمیشہ سے قائم ہیں اور قیامت تک اسی طرح قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۶۳]

آپ آپ ہیں آپ سب کچھ ہیں
اور اور ہے اور کچھ بھی نہیں

عہدِ ما کاہ و بہر بادے زبوں
عہد تو کوہ وز صد کہہ ہم فزوں

کاہ معنیٰ گھاس، تنکا۔ ہمارے عہد اور ہمارے وعدے گھاس اور تنکوں کی طرح ذلیل وخوار ہیں کہ جدھر کی ہوا ہوئی اُدھر کو اُڑ گئے۔ خواہشاتِ نفس کی آندھیوں کے سامنے اے اللہ! ہمارے تمام عہد و قرار مثل گھاس اور تنکوں کے اُڑ جاتے ہیں اور ہواؤں کے غلام بن جاتے ہیں۔ ابھی سجدے میں رو رہے ہیں اور آپ سے وفاداری کے عہد وپیمان کر رہے ہیں اور ذرا سی دیر میں خواہشِ نفس کی رو میں بہہ کر گناہ کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کی حفاظت نہ ہو تو ہم گھڑی میں اولیاء اور گھڑی میں بھوت ہو جاتے ہیں۔ پس ہمارے وعدوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے وعدے اور ہمارے عہد تو نہایت ضعیف اور بودے اور ذلیل وخوار ہیں اور آپ کا عہد سینکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے، کیوں کہ پہاڑوں کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہے، آپ تو ان کے خالق ہیں۔

---

[۶۳] الشوریٰ:۱۱

حق آں قدرت کہ بر تلوینِ ما
رحمتے کن اے تو میرِ لونہا

اے اللہ! ہم آپ کو آپ کی اس قدرت کا واسطہ دیتے ہیں جو ہماری تلوین پر آپ کو حاصل ہے کہ آپ اپنی وہ رحمت نازل فرمادیجیے کہ ہماری تلوین تمکین سے تبدیل ہو جائے، یعنی ہم جو رنگ بدلتے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ولی اور ذرا سی دیر میں شیطان، تو یہ ہماری تلوین اور رنگ بدلنا، یعنی استقامت پر نہ رہنا اس پر آپ کو قدرت حاصل ہے کہ آپ ہماری بے استقامتی کو نعمتِ استقامت سے تبدیل فرمادیں، کیوں کہ آپ ہماری تلوین پر پوری طرح قادر ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم تلوین سے نجات پاجائیں اور ہمارا مقامِ تلوین تمکین واستقامت سے مشرّف ہو جائے۔ اے اللہ! آپ تو خالقُ الالوَان ہیں، دنیا میں جتنے الوان اور رنگ ہیں سب کے خالق آپ ہیں اور آپ کو ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، پس میں آپ کی اس قدرت کا صدقہ مانگتا ہوں کہ میری تلوین وعدم استقامت کو تمکین واستقامت سے تبدیل فرمادیجیے، یہ رحمتِ خاص مجھ پر نازل فرمادیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ[۶۴]

اے اللہ! مجھ پر وہ خاص رحمت نازل فرما جس سے گناہ ترک ہو جائیں اور اپنی نافرمانی سے مجھے بدبخت نہ ہونے دیجیے۔

خویش را دیدیم و رُسوائی خویش
امتحانِ ما مکن اے شاہِ بیش

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! بارہا ہم نے اپنے دست وبازو کو آزمالیا اور بارہا اپنے دست وبازو کی شکست اور نفس سے اپنی مغلوبیت کی ذلّتیں اور رُسوائیاں بھی دیکھ لیں کہ ہزاروں بار ہم عہد شکنی اور توبہ شکنی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا اے اللہ! اگر آپ کا

[۶۴] جامع الترمذی: ۲/۱۹۷ (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایچ ایم سعید

فضل نہ ہو تو اپنے ارادوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ارادوں کی تکمیل بھی آپ کے فضل کی محتاج ہے، کیوں کہ ہمارے ارادے ناقص ہیں اور تقویٰ کی جو استطاعت آپ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کے استعمال میں ہم ہمّت چوری کے مجرم ہیں پس اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ذرا سی دیر میں سب پڑھا لکھا اور اللہ والوں کی صحبتیں اور ان کی نصیحتیں انسان فراموش کر دیتا ہے اور جو سالک تہجد پڑھ رہا ہے، رمضان مبارک میں روزے رکھ رہا ہے، یہی کبائر و فواحش میں مبتلا ہو کر رُسوا ہو جاتا ہے۔ پس اے مالک! اب آپ ہمارا مزید امتحان نہ لیجیے، کیوں کہ آپ کے امتحان میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تا فضیحت ہائے دیگر را نہاں

کردہ باشی اے کریم مستعاں

ارشاد فرمایا کہ مستعان اسمِ ظرف ہے، باب ثلاثی مزید فیہ کا مفعول ہی ظرف ہوتا ہے، یعنی مرکزِ اعانت، جس سے اعانت طلب کی جاتی ہے۔

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ ہماری بہت سی فضیحتیں اور رُسوائیاں جو ابھی پوشیدہ ہیں اور مستقبل میں ان کا ظہور ہونے والا ہے ان کو اے خدا! ظاہر نہ فرمائیے اور اپنے پردۂ ستّاریت میں ان کو چھپا رہنے دیجیے ورنہ ہم رُسوا ہو جائیں گے اور یہ سوال میں آپ سے کیوں کر رہا ہوں؟ کیوں کہ آپ کریم بھی ہیں اور مستعان بھی ہیں، یعنی آپ ہی کی وہ ذات ہے جو نالائقوں پر بدون استحقاق فضل فرماتی ہے اور ہماری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرماتی ہے اور آپ ہی کی ذات ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا میں آپ ہی سے مدد مانگ رہا ہوں کہ میری دوسری رُسوائیاں جن کو آپ نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے ان کو آپ ظاہر نہ فرمائیے۔ اپنے پردۂ ستّاریت میں ہمیشہ کے لیے چھپا لیجیے اور اس نالائق پر فضل فرما دیجیے جو آپ کے فضل کا مستحق نہیں۔ اور میری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرما دیجیے۔

بے حدی تو در جلال و در کمال

در کژی ما بے حدیم و در ضلال

اے خدا! آپ جلال اور کمال میں غیر متناہی ہیں اور ہم کجی، بُرائی اور گمراہی میں گویا غیر متناہی ہیں، یعنی بُرائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں، جس طرح آپ اپنی جلالتِ شان اور عظمتوں میں بے انتہا بالاتر اور غیر متناہی مقام رکھتے ہیں، ایسے ہی ہم نالائقی میں کمال اور انتہا کی حدوں کو پار کر گئے ہیں۔ یعنی ہم انتہائی نالائق، ٹیڑھے، کج رو اور بے حد گمراہی میں مبتلا ہیں۔ بندوں کی بدی اور گمراہی کو بے حد و غیر متناہی تعبیر کرنے سے مولانا کی مراد مبالغہ فی الرذائل ہے، یعنی ہم لوگ بُرائی اور کجی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

بے حدی خویش بگمار اے کریم

بر کژی بے حدِ مشتے لئیم

ارشاد فرمایا کہ گماشتن کے معنٰی ہیں مقرر کرنا اور بگمار اس کا امر ہے یعنی مقرر کر دیجیے۔

مولانا رُومی بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ جب ہم بُرائی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، لہٰذا اے کریم! اپنے جلال و کمال اور فضل ورحمت سے اپنے کرم کی غیر متناہی صفت کو ہماری اس کمینہ مشت خاک کی بے انتہا نالائقی و گمراہی وضلالت اور ٹیڑھے پن پر مقرر فرمادیجیے یعنی متوجہ فرمادیجیے۔ یعنی جتنے ہم نالائق ہیں اتنا ہی اپنا کرم بقدر ہماری نالائقی کے ہم پر مبذول فرمادیجیے، اس کمینہ مشت خاک کے انتہائی کمینہ پن پر اپنے بے انتہا کرم کی بارش فرمادیجیے۔

دیدۂ اشک باریدہ

لذتِ قربِ خدا مست گریۂ زاری میں ہے

قرب کیا جانے جو دیدۂ اشک باریدہ نہیں

اختر

درسِ مناجاتِ رُومی

۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۸؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ہیں کہ از تقطیع ما یک تار ماند
مصر بودیم و یکے دیوار ماند

ارشاد فرمایا کہ ہیں کا معنیٰ ہے خبر دار اور تقطیع باب تفعیل **قطعٌ** سے ہے معنیٰ پارہ پارہ کرنا۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری جلد خبر گیری فرمایئے کہ ہم نے شیطان کے کہنے میں آکر اپنے لباسِ دین، لباسِ تقویٰ اور **وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيٓ ءَادَمَ**[۶۵] کے لباسِ شرف کو گناہوں کی قینچی سے ایسا پارہ پارہ کیا ہے کہ بس اب ایک تار باقی رہ گیا ہے۔ اور ہم دین کے ایک شہر تھے، شرف و تکریم کے بلدِ عظیم تھے، لیکن اپنے گناہوں کی تباہ کاریوں سے اب صرف ایک دیوار رہ گئے ہیں، شیطان نے ہمارے گناہوں سے دین و تقویٰ کا سارا شہر تباہ کردیا، اب ایک دیوار رہ گئی ہے۔ جیسے جب زلزلہ آتا ہے تو ایک جھٹکے میں ایک محلّہ گر گیا، دوسرے جھٹکے میں دوسرا محلّہ گر گیا، پھر تیسرا گر گیا، اس طرح شہر کا شہر تباہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اے اللہ! کبھی بد نظری کرکے ہم نے اپنے دین کے شہر کا ایک محلّہ گرادیا، کبھی حسینوں سے باتیں بنا کے دوسرا محلّہ گرادیا، کبھی ان کو دل میں بسا کے تیسرا محلّہ گرادیا، یہاں تک کہ ہمارے دین اور تقویٰ کا شہر گناہوں کے زلزلوں اور بموں کی تباہ کاریوں سے کھنڈر بن گیا ہے۔ اے اللہ! ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو اس طرح تباہ کیا ہے کہ ہمارے شہر دین میں بس ایک دیوار باقی ہے اور ہمارے لباسِ دین میں صرف ایک تار باقی ہے۔

۶۵؎ بنی اسرآءیل:۷۰

البقیہ البقیہ اے خدیو
تانہ گردد شادِ کلّی جانِ دیو

ارشاد فرمایا کہ جب پورا شہر تباہ ہو جائے اور صرف ایک دیوار رہ جائے تو کیا حسرت ہوتی ہے۔ مولانا رُومی کتنے پیارے آدمی ہیں! کس ندامت وفنائیت ودرد سے دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے خدا! اب تو بچا لیجیے، اب تو بچا لیجیے، ہمارے دین کے تباہ شدہ شہر کی جو ایک دیوار باقی رہ گئی ہے، اس کو تو نہ گرنے دیجیے ورنہ تو ہم بالکل ہی تباہ ہو جائیں گے۔ ہماری نالائقیوں کے باوجود محض اپنے کرم سے اس دیوار کے سہارے کچھ تو اب شہر محبت میں ہمیں زندہ رہنے دیجیے، ورنہ اگر یہ سہارا بھی گر گیا تو ہمارا کہیں ٹھکانہ نہ ہو گا۔ یعنی جو تھوڑا سا دین رہ گیا ہے یہ ظالم شیطان چاہتا ہے کہ اس کو بھی گناہ کرا کے ہم سے چھین لے، لہٰذا ہمارے لباسِ دین کا جو ایک تار بچا ہے اور شہر دین کی جو ایک دیوار بچی ہے اس کو بچا لیجیے، ورنہ شیطان پورے طور سے خوش ہو جائے گا، لہٰذا اے اللہ! اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے اور ہماری نالائقیوں کی وجہ سے ہمیں اس کے حوالے نہ کیجیے۔ آہ! جس طرح ایک بدوی نے روضۂ مبارک پر دُعا مانگی تھی۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ دیہاتیوں کے دل میں ایسا مضمون عطا فرماتے ہیں کہ علماء عش عش کرتے ہیں۔

ایک دیہاتی روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے معاف کر دیا اور میرے گناہوں کو بخش دیا تو تیرا محبوب جو یہاں آرام فرما ہے خوش ہو جائے گا اور تیرا دشمن غمگین ہو جائے گا، اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو تیرا دشمن خوش ہو جائے گا اور تیرا محبوب غمگین ہو جائے گا، لہٰذا اب تو خود فیصلہ کر لے کہ تجھے اپنے محبوب کو خوش کرنا پسند ہے یا اپنے دشمن کو خوش کرنا پسند ہے۔ آہ! کیا مضمونِ دُعا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں مکمل تباہی سے بچا لیجیے اور ہمارے دین و تقویٰ کی بقیہ دیوار کو نہ گرنے دیجیے، اس کو سنوار دیجیے اور آفت زدہ علاقے کی جب ایک دیوار کو شاہ سنوارتا ہے تو پورا شہر پھر سے آباد کر دیتا ہے۔ اے اللہ! آپ تو شاہوں کے شاہ ہیں، سلطان السلاطین ہیں، ہمارا شہر دین آباد کرنا آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔ پس

ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیجیے اور اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے۔

بہرِ مانے بہر آں لطفِ نخُست
کہ تو کردی گمرہاں را باز جُست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہماری کسی لیاقت و قابلیت وصلاحیت کی وجہ سے ہم پر مہربانی و فضل نہیں فرماتے، کیوں کہ ہمارے اعمال تو ایسے نالائق ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم طرد و بُعد اور دوری کے مستحق ہیں کہ آپ ہمیں اپنی بارگاہ سے ٹھکرادیں۔ جس طرح ہم اپنے نافرمان ملازم کو نکال دیتے ہیں، تو ہم آپ کی نافرمانی کی وجہ سے اس قابل تھے کہ آپ کی بارگاہِ قُرب سے نکال دیے جاتے لہٰذا آپ کی مہربانی ولُطف ہماری وجہ سے نہیں ہے، بلکہ آپ کے لُطف کا سبب آپ کا لطفِ سابق، لطفِ مخفی اور احسان قدیم ہے جس نے بے شمار گمراہوں کو دوبارہ ڈھونڈلیا اور اپنا بنالیا۔ اگر آپ کا یہ فضل وکرم نہ ہوتا تو بھلا عازمِ قتلِ نبی اور قاتلِ عمِ نبی کو ہدایت ہو سکتی تھی؟ اگر ہمارا کوئی اکلوتا بیٹا ہو اور اتنا پیارا ہو کہ کائنات میں اس سے زیادہ ہمیں کوئی پیارا نہ ہو اور ہمیں پتا چل جائے کہ کوئی اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے، تو زندگی بھر ہم اس کی صورت دیکھنا پسند نہ کریں بلکہ اگر بس چلے تو اس کو نیست ونابود کردیں، لیکن اے اللہ! آپ کے فضل ورحمت بے پایاں اور حلم وکرم کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کائنات میں کوئی آپ کا پیارا نہیں جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں اور آپ نے فرمایا **لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ**۔[۲۶] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی پیدا نہ کرتا، تو ایسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو اے اللہ! آپ کے کرم نے ہدایت دے دی اور نہ صرف یہ کہ ان کو معاف کردیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا جاں نثار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا پیارا بنادیا کہ وہ خلیفۂ دوم ہیں۔ اسی

---

[۲۶] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۵۹/۱، (۹۱)، مکتبۃ العلم الحدیث

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو اے اللہ! آپ نے اپنا بنالیا۔ آپ کی رحمتِ غیر محدود کو وہم و قیاس میں نہیں لایا جاسکتا۔

اے بلند از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

اے اللہ! آپ ہمارے قیل و قال اور وہم وخیال سے بالاتر ہیں، آپ کی ذات وصفات کی عظمتوں کی کوئی تمثیل نہیں پیش کی جاسکتی، کیوں کہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۶۷] کوئی شئے آپ کے مثل نہیں۔ تو مولانا رُومی فرماتے ہیں: اے اللہ! آپ کی رحمت نے کتنے گمراہوں کو گمراہی کے بیابانوں سے دوبارہ ڈھونڈ لیا اور اپنا ولی بنالیا۔ کتنے ڈاکو آپ کی رحمت سے ولی اللہ ہوگئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض کتنے بڑے ڈاکو تھے کہ جن سے مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں کہ چپ ہوجا فضیل آرہا ہے اور آج وہ سید الطائفہ ہیں، شجرۂ چشتیہ میں ان کا نام آتا ہے۔ اے اللہ! آپ جو لُطف و کرم اپنے بندوں پر فرماتے ہیں، خصوصاً وہ بندے جو بے راہ ہوگئے تو اس کا سبب محض آپ کا لطف و کرم ہے، جیسے کوئی نالائق بیٹا باپ سے بھاگ جائے تو باپ کا کرم پھر اس کو تلاش کرکے اپنے گلے سے لگالیتا ہے، ایسے ہی وہ بندے جو نفس و شیطان سے مغلوب ہوکر آپ سے دور بھاگ گئے، آپ کا کرم ان کو تلاش کرکے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

باز آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

آپ سے بھاگا ہوا بندہ اپنی آبرو کو گناہوں سے برباد کرکے آپ کے جذبِ کرم کے صدقے میں پھر آپ کے پاس آگیا، اور اس کی وجہ ہمارے اعمال نہیں ہیں بلکہ آپ اپنے لطف وکرم سے گمراہوں کو دوبارہ تلاش کرلیتے ہیں اور توفیقِ ہدایت دے دیتے ہیں اور اپنا بنالیتے ہیں۔

---

[۶۷] الشوریٰ:۱۱

چوں نمودی قدرتت بنمائے رحم
اے نہادہ رحم ہا در لحم و شحم

اے اللہ! جب آپ نے اپنی قدرت کا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم کو عنایت فرمادیجیے۔ آپ کی قدرت تو ہر طرف ظاہر ہے، پس اگر آپ کا رحم بھی ظاہر ہو جائے تو ہمارا کام ہی بن جائے۔ رحم سے مراد وہ رحمتِ مخفیہ ہے جس سے بندوں کو آپ اپنا بناتے ہیں، ورنہ آپ کی رحمتِ عامہ تو ہر لحہ ہر آن بندوں پر ہے اور آپ کی قدرت نے ہمیں وجود بخشا، منی جیسی ناپاک چیز پر آپ نے کیا فٹنگ کی ہے کہ اس پر آنکھ کان ناک بنادیے، ورنہ ماں کے پیٹ میں ہم خونِ حیض اور باپ کا نطفۂ ناپاک تھے۔ اسی قطرۂ منی کو آپ نے بینا کردیا، گویا کردیا، جس سے آج ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، بول رہے ہیں، ہنس رہے ہیں، ایک دوسرے کی سن رہے ہیں، ایک دوسرے کی سمجھ رہے ہیں، ایک ناپاک قطرے کو آپ نے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ جب آپ نے اپنی قدرت کا اتنا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم پر ظاہر فرمادیجیے، کرم بھی فرمادیجیے۔ اے وہ ذات کامل القدرۃ جس نے لحم و شحم میں رحم رکھ دیا، مثلاً ماں باپ کے گوشت اور چربی میں ممتا اور رحمت و شفقت کا مادہ رکھ دیا۔ انسان کا پورا جسم لحم و شحم سے بنا ہوا ہے۔ اس لحم و شحم میں رحم کا مال آپ کا رکھا ہوا ہے، ماں باپ کے کلیجے میں اولاد کی ممتا اور شفقت اور محبت آپ کی رکھی ہوئی ہے، جس سے آپ کی مخلوق کا یہ حال ہے کہ ماں باپ اولاد پر اپنی جان قربان کرتے ہیں، تو جب آپ کی عطا فرمودہ مخلوق کی رحمت کا یہ حال ہے تو آپ تو رحمت کا سرچشمہ، مرکز اور منبع ہیں اور آپ رحم کرنے میں لحم و شحم سے بے نیاز ہیں، لہٰذا آپ ہم پر براہِ راست رحم فرمادیجیے۔

ایں دعا گر خشم افزاید ترا
تو دعا علیم فرما مہترا

اگر میری یہ دُعا بوجہ میرے نقصانِ فہم اور کوتاہیٔ تعبیر اور نقصِ عرض و معروض کے اپنے عنوان و مضمون کے اعتبار سے آپ کو ناپسند اور میرے لیے موجبِ غضب ہے تو اے

میرے پیارے اللہ! مجھے دُعا کا مضمون بھی تعلیم فرمائیے، مجھے مانگنا سکھا دیجیے، ایسی دُعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیے اور ایسے مضامینِ دُعا الہام فرمائیے جس سے آپ خوش ہو جائیں۔

اٰتنا فی دار دنیانا حسن

اٰتنا فی دار عقبانا حسن

اے اللہ! آپ ہم کو دنیا میں بھی بھلائیاں دیجیے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عنایت فرمائیے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر رُوح المعانی میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً[۶۸] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا کی بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دُعا میں مانگنے کا حکم دیا ہے یہ ہیں:

نیک بیوی، نیک اولاد، رزقِ حلال، علم و عمل، ثنائے خلق یعنی مخلوق میں تعریف اور نیک نامی، عافیت اور مخلوق کی محتاجی سے حفاظت، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت، کتاب اللہ کی فہم یعنی دین کی سمجھ اور نیک بندوں کی صحبت۔[۶۹]

حَسَنَةً کی جو تفسیر بیان ہوئی اس کو تو سب مانتے ہیں لیکن بعض لوگ صحبتِ صالحین کو حَسَنَةً فِي الدُّنْيَا نہیں سمجھتے، لیکن مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ جو اہل اللہ سے دور ہے وہ دنیا کی بہت بڑی بھلائی سے محروم ہے۔ اور آخرت کی حَسَنَة جنت ہے، محشر کی ہولناکیوں اور سوءِ حساب سے حفاظت اور دیدارِ الٰہی کی لذت ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے اور آخرت کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے، آمین۔

راہ رابر ماچوں بستاں کن لطیف

مقصدِ ما باش ہم تو اے شریف

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم پر اپنے راستے کو یعنی راہِ سلوک کو مثل باغ

۶۸ البقرة:۲۰۱

۶۹ روح المعانی:۲/۹۱، البقرة (۲۰۱)، دار احیاء التراث، بیروت

کے لطیف، لذیذ اور خوشگوار کر دیجیے جس طرح باغ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو لیے ہوئے آتی ہیں اسی طرح ہمارے لیے اپنے راستے کو مزے دار کر دیجیے۔ آپ کا راستہ تو اے اللہ! مزے دار ہے ہی لیکن ہم گناہ کر کے آپ کے راستے کو بے مزہ کرتے ہیں۔ جو لوگ گناہ کی عادت میں مبتلا ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ بوستان نہیں رہتا کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے وہ ہر وقت کشمکش میں مبتلا ہیں اور کثرتِ معصیت سے تقاضائے شہوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب تک نماز پڑھتے ہیں، جب تک تلاوت کرتے ہیں، جب تک ذکر میں مشغول ہوتے ہیں سکون سے رہتے ہیں اور جہاں فارغ ہوئے ان کو پھر پُرانا پاپ یاد آجاتا ہے اور پھر کشمکش اور دوزخی زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور جو گناہوں سے محفوظ ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ باغ ہی باغ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص جارہا ہے اور راستے کے دونوں طرف درخت ہی درخت اور باغ ہی باغ ہیں اور درختوں کے سائے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں چلا جارہا ہے، اس کا راستہ نہایت آسان، مزے دار اور خوشگوار ہے اور دوسرا شخص جو نماز روزہ اور ذکر و تلاوت بھی کرتا ہے لیکن گناہوں میں بھی مبتلا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جب تک ذکر و تلاوت میں مشغول ہے تو گویا درخت اور باغ کے سائے میں جارہا ہے، لیکن جیسے ہی گناہ کا مرتکب ہوا تو باغ کا سایہ دار راستہ ختم ہو گیا اور کڑاکے کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں آگیا۔ شہواتِ نفسانیہ اور تقاضائے معصیت کے ارتکاب کا راستہ اضطراب اور بے چینی کی شدید دھوپ اور گرم لُو کا راستہ ہے جہاں چین اور اطمینان کا خواب بھی نظر نہیں آتا۔ اگر احساسِ صحیح اور قلبِ سلیم ہے تو گناہ کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ ہی سے پریشانی اور بدحواسی شروع ہو جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص نے اپنے قلب کا رُخ نوے ڈگری اللہ کی طرف کیا ہوا ہے، لیکن جیسے ہی ذرا سا کسی حسین کی طرف جھکا تو قلب میں اسی وقت پریشانی کا آغاز ہو جائے گا۔ گناہ کے میلان اور تقاضوں پر عمل کا مبہم خیال اور نقطۂ آغاز اللہ کے قُرب سے اسی قدر دور کر دیتا ہے اور قلب کا سکون چھین لیتا ہے، کیوں کہ ہر گناہ منافی ذکر ہے اور ذکر پر اطمینانِ قلب موعود ہے، تو جس درجہ ذکر کا ضد ہو گا

اسی درجے کی بے اطمینانی عقلاً مستلزم ہونی چاہیے۔ یہ میں منطق کی عقلی دلیل پیش کررہا ہوں، کیوں کہ **اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ**[۷] میں حصر ہے، لہٰذا جب اطمینانِ قلب اللہ کے ذکر ہی پر موقوف ہے تو ذکر سے جتنے درجہ دوری ہوگی اتنے ہی درجہ بے اطمینانی مستلزم ہوئی۔ اگر اللہ کی یاد سے ایک اعشاریہ دوری ہوئی تو قلب میں ایک اعشاریہ بے اطمینانی پیدا ہونا لازم ہے۔ اور اگر گناہ کرلیا تو قلب مکمل طور سے بے چین ہوجائے گا، کیوں کہ گناہ خلافِ ذکر ہے بلکہ غفلت کا فردِ کامل ہے۔ محض غفلت سے باطن کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا گناہ سے پہنچتا ہے، مثلاً: تھوڑی دیر کھانے پینے میں ایسا مشغول ہوا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہوگیا یا کسی کے لطیفوں میں ایسا غرق ہوا کہ پیٹ کی گہرائی سے ہنسنا شروع کردیا یہاں تک کہ اس وقت اس کے دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی تو اس غفلت سے اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا کسی معصیت کی طرف ایک اعشاریہ قلب کا میلان ہوجائے تو دیوارِ استقامت کی بنیاد خطرے میں پڑجاتی ہے اور اگر خدانخواستہ معصیت کا ارتکاب کرلیا تو دیوارِ استقامت ہی گرجاتی ہے اور قلب بالکل بے چین ہوجاتا ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! تقاضائے معصیت کی کشمکش اور دوزخی زندگی اور مجاہدہ و مشقتِ شدیدہ اور جہدِ بلاء سے ہمیں بچالیجیے اور اپنی راہ کو ہم پر مثلِ بوستان و باغ کے لطیف فرمادیجیے اور یہ نعمت کب حاصل ہوگی ؎

مقصد ما باش ہم تو اے شریف

اے ربّ العزت! اے میرے معزز و مکرم اللہ! جب ہر سانس اور ہر لمحہ آپ ہمارے مقصود و مراد اور مقصدِ اعظم بن جائیں، ہمارا قصد و ارادہ صرف آپ کی طرف رہے، ہماری تمنّاؤں کا مرکز صرف آپ کی ذات ہو، جب یہ مقام آپ ہم کو عطا فرمائیں گے تب جاکر ہمیں آپ کا راستہ بوستان اور باغ کی طرح لطیف ہوجائے گا۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے کو باغ کی طرح لطیف اور پُرلطف بنانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہر سانس میں اپنا مقصود اور مراد بنالے۔ ''مقصد ما باش'' اگرچہ مولانا کا جملہ انشائیہ دُعائیہ ہے لیکن

---

[۷] الرعد:۲۸

ساتھ ساتھ انہوں نے اس کے اندر جملہ خبریہ بھی شامل کر دیا ہے کہ کبھی خبر بصورتِ امر اور کبھی امر بصورتِ خبر ہوتا ہے جیسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ[1]

جب تجھ سے حیا ختم ہوگئی تو پھر جو چاہے کر۔ تو کیا نعوذ باللہ! شریعت اجازت دے رہی ہے کہ شرم کو ختم کر کے جو چاہو کرو۔ نہیں! یہ صورتاً امر ہے حقیقتاً خبر ہے کہ اگر تجھ سے حیا جاتی رہی تو پھر تو ہر گناہ کرے گا کیوں کہ ہر گناہ کا سبب بے حیائی ہے۔ اگر بد نظری کر رہا ہے تو اس کا سبب بے حیائی ہے، زنا کر رہا ہے تو نہایت درجے کا بے حیا ہے کہ دوسروں کی ماں بہنوں کے ساتھ ایسا کر رہا ہے جو اپنی ماں بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتا اور اس کو پروا نہیں کہ اللہ نے اگر مخلوق پر ظاہر کر دیا تو کس قدر رُسوائی ہوگی۔ اس کے علاوہ خدا کے حکم کو توڑنا خود بے حیائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ بول رہا ہے تو وہ بے حیا ہے۔ حیا والا آدمی سوچے گا کہ اگر کبھی میرا جھوٹ ظاہر ہوگیا تو کیا منہ دکھاؤں گا۔ غرض ہر گناہ کی جڑ میں بے حیائی پوشیدہ ہے۔ گناہ بغیر بے حیائی و بے غیرتی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مولانا کے اس جملۂ انشائیہ میں جملۂ خبریہ پوشیدہ ہے کہ اللہ کو اپنا مراد بنالو۔

پس جس کی زندگی کی ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود و مراد ہو کہ ایک لمحہ بھی اس کا اللہ سے غافل نہ ہو تو ایسا شخص چاہے مسجد میں ہو، چاہے دوکان میں سودا بیچ رہا ہو، چاہے بیوی بچوں سے باتیں کر رہا ہو یا دوستوں سے خوش طبعی کر رہا ہو یہ ہر وقت باغِ قُرب میں ہے اور اللہ کا راستہ اس کے لیے گویا پھولوں کے جھرمٹ اور درختوں کے سائے میں نہایت سُکون و عافیت سے گزر جائے گا اور بہت مزے میں یہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ اسی لیے مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! صرف آپ ہی ہمارا مقصد، ہمارا مقصود، ہماری مراد، ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بن جائیں تاکہ آپ کا راستہ ہم پر نہایت آسان اور انتہائی لذیذ ہو جائے۔

تاچہ دارد ایں حسود اندر کدو
اے خدا فریاد ما را زیں عدو

---

[1] صحیح البخاری: ۹۰۴/۲، (۶۱۴۸)، باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت، المکتبۃ المظھریۃ، اخرجہ بلفظ: فاصنع

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حاسد اپنے اندر کس قدر کینہ رکھتا ہے۔ حاسد سے مراد شیطان ہے اور نفس بھی مراد ہو سکتا ہے کیوں کہ دونوں ہی کی دشمنی منصوص ہے۔ شیطان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ[۲]

شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور نفس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ[۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تو تیرے پہلو میں ہے۔ اور نفس و شیطان دونوں بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، لیکن شیطان کا یہاں مراد ہونا زیادہ اقرب الی القیاس ہے کیوں کہ دشمن ازلی اور مردودِ ازلی ہے، اس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی، اور نفس کا اگر تزکیہ ہو جائے تو یہ ولی اللہ بھی ہو جاتا ہے۔ "تاچہ" مبالغہ ہے، یعنی یہ ظالم ہم سے کتنا حسد رکھتا ہے۔ پس اے خدا! میں اس دشمن کے خلاف آپ سے فریاد کرتا ہوں۔ جیسے کوئی دشمن کسی بچے کو مار رہا ہو تو وہ بچہ اپنے ابّا کو پکارتا ہے، پس اے اللہ! اس دشمن شیطان اور دشمن نفس کے ستانے پر ہم آپ ہی کو پکار رہے ہیں کہ آپ سے ہماری فریاد ہے کہ اس دشمن کی پٹائی سے ہمیں بچا لیجیے۔

گر یکے فصلِ دگر در من دمد

بر دخواہد از من ایں راہزن نمد

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اعمالِ صالحہ کی کوئی دوسری فصل میرے اندر پیدا ہو جائے تو یہ ڈاکو اس کو بھی کاٹ کر اُٹھالے جائے گا۔ یعنی اگر آپ کی حفاظت نصیب نہ ہوگی تو جو کچھ تہجد و اشراق اور اوّابین کی کمائی ہوگی وہ سب کی سب شیطان لے جائے گا، مثلاً: دکھاوا کرادیا، یا دل میں بڑائی ڈال دی، یا کسی پر بے جا غصہ کرادیا، یا حسینوں پر بدنگاہی کرادی، یا غیبت کرادی تو نیک اعمال کا جو اسٹاک تھا اس طرح سب ختم ہو گیا اور اسے خبر بھی نہیں

۲؎ البقرۃ:١٦٨

۳؎ روح المعانی:١/٥٧، البقرۃ (١٢٣)، ذکرہ فی باب الاشارات، دار احیاء التراث، بیروت

کہ میرا سارا مال چلا گیا، یعنی اعمال ضایع ہو گئے۔

ایں حدیثش ہمچو دود است اے الٰہ
رحم کن ورنہ گلیمم شد سیاہ

اے خدا! نفس وشیطان کی گفتگو یعنی ان کی دعوۃ الی الباطل اور ترغیبات الی المعاصی مثل دھواں کے ہے، آپ مجھ پر رحم کیجیے اور مجھے تقویٰ پر استقامت عطا فرمائیے ورنہ میری دین کی کملی سیاہ ہو جائے گی۔ یعنی گناہوں سے میرے قلب وجاں بے نور اور سیاہ ہو جائیں گے اور گناہوں کی ظلمت اللہ کے قُرب سے مجھے محروم کر دے گی۔

من بہ حجت بر نیا یم با بلیس
کوست فتنہ ہر شریف وہر خسیس

یعنی میں حجت، بحث اور دلائل سے ابلیس پر غالب نہیں آسکتا، کیوں کہ وہ کمینوں اور گمراہوں کے لیے بھی فتنہ ہے اور بڑے بڑے شرفاء کے لیے بھی فتنہ ہے۔ ذرا سی دیر میں بڑے بڑے اتقیا، علماء وصوفیا کو فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا اے اللہ! اس پر غالب آنا آپ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

يَا غِيَاثِيْ عِنْدَ كُلِّ كُرْبَةٍ
يَا مَعَاذِيْ عِنْدَ كُلِّ شَهْوَةٍ

اے فریاد سننے والے ہمارے کرب وبے چینی کے وقت! اور اے ہماری پناہ گاہ ہماری شہوتِ نفس کے وقت! آپ مصیبت کے وقت ہمارے کرب اور بے چینی کو دور کر سکتے ہیں اور غلبۂ شہوت کے وقت آپ ہی کی پناہ ہمیں نفس کی مغلوبیت سے بچا سکتی ہے۔

يَا مُجِيْبِيْ عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ
يَا مَلَاذِيْ عِنْدَ كُلِّ مِحْنَةٍ

اے جواب دینے والے میری ہر پکار پر! یعنی اے سننے والے میری ہر دُعا کے اور اے ہر تکلیف میں میرے سہارے!

درسِ مناجاتِ رُومی

۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خداوندا اے قدیم احسانِ تو

آں کہ دانم واں کہ نے ہم آنِ تو

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کی شان قدیم ہے یعنی آپ ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ قدیم کے معنیٰ ہیں واجب الوجود، غیر حادث، غیر فانی، جس پر کبھی عدم و فنا طاری نہ ہوا ہو۔ اور ہم لوگ حادث ہیں، جنت بھی حادث ہے اور نعمائے جنت بھی حادث ہیں۔ حادث اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زمانہ عدم کا گزرا ہو، وہ چیز نہ رہی ہو، چاہے ہونے کے بعد پھر وہ ہمیشہ قائم رہے، جیسے جنت پہلے نہیں تھی پھر پیدا کی گئی لیکن اب ہمیشہ رہے گی، اور دنیا فانی ہے، ایک دن نہیں تھی، اب ہے اور ایک دن نہیں رہے گی۔ دنیا اور اس کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی، اس لیے یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کی شراب ازلی تو نہیں ہے لیکن ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے نہیں تھی، پھر اللہ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی اور اب کبھی فنا نہیں ہوگی، اور اللہ کی ذات قدیم واجب الوجود غیر حادث غیر فانی ہے، ازلاً ابداً ہے یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہیں، ان پر کوئی زمانہ عدم کا نہیں گزرا، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا اللہ کی محبت کے نشے کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی شرابِ ازلی ابدی کو جنت کی شراب ابدی بھی نہیں پاسکتی، تو دنیا کی فانی شراب کی کیا حقیقت ہے جو نہ ازلی ہے نہ ابدی، جنت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اور حادث کی لذت قدیم کی لذت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ قدیم غیر محدود ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی کفو نہیں وَلَمۡ یَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[۴۷] میں نکرہ تحت النفی واقع

[۴۷] الاخلاص:۴

ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے اور اس عموم میں جنت بھی داخل ہے، حوریں بھی داخل ہیں، جنت کی ساری نعمتیں بھی داخل ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے تو ان کے نام کے نشے کا، ان کے نام کی لذت کا، ان کے نام کی مٹھاس کا بھی مثل کیسے ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع اپنی صفات کے بے مثل ہے۔ چناں چہ اللہ کے نام کی لذت، ذکر کی لذت، سجدہ کی لذت، تلاوت کی لذت کو جنت کی حوریں بھی نہیں پاسکتیں، کیوں کہ اللہ کے نام کی تیز والی ازلی ابدی شراب جو پی لیتا ہے پھر کم تیز والی اس کے منہ کو نہیں لگتی، لہٰذا اللہ کے عاشقوں کو اللہ کے نام میں جنت سے زیادہ مزہ دنیا ہی میں آجاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض مجاذیب ایسے ہوں گے جو جنت کی حوروں کو دیکھیں گے بھی نہیں، بس ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے۔ اور اللہ میں کیا لذت ہے اور کیا کشش ہے یہ جب پتا چلے گا جب دیدارِ الٰہی ہو گا کہ اس وقت کسی جنتی کو جنت کی کوئی نعمت یاد بھی نہ آئے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنت سے ہم مستغنی ہیں، بلکہ ہم لالچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت پر لالچ کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ جنت محلِ دیدارِ الٰہی ہے، لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عاشق اللہ کو جنت سے زیادہ چاہتے ہیں۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اے قدیم ذات! آپ کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی وحادث ہیں اس لیے آپ ہی محبت کے قابل ہیں۔ آپ کے وہ تمام احسانات جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ تمام احسانات جن سے ہم واقف نہیں سب آپ ہی کی شان اور آپ ہی کی عطا ہیں۔ بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کا ہم کو علم ہے، مثلاً: انسان بنایا، کتّا اور سور اور جانور نہیں بنایا، مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا اور ایمان واسلام کی دولت عطا فرمائی اور اپنے نام کی لذّت عطا فرمائی، سچے اللہ والوں سے تعلق کی توفیق عطا فرمائی اور نماز روزہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشی، ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو اور جرائم کو معاف فرمایا اور ستّاری فرمائی، رُسوا نہیں فرمایا، اس کے علاوہ صحت وعافیت، بیوی بچے، نیک دوست احباب اور بے شمار انعامات عطا فرمائے جن کو ہم اگر شمار کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اے خدا! ہم ہر بُن مُو سے آپ کے احسانات کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن شکر

کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

اور بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے، جیسے ماں کے پیٹ میں جب ہم بن رہے تھے تو ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ کس طرح ہماری آنکھیں بن رہی تھیں اور کس طرح اللہ میاں ان میں روشنی رکھ رہے تھے اور کب ناک بنا رہے تھے اور کب اس میں سونگھنے کی طاقت رکھ رہے تھے، کب کان بنائے اور کانوں میں سننے کا خزانہ کب رکھا، کب زبان بنائی اور کب اس میں چکھنے کی قوت رکھی، جسم کے ایک ایک اعضا کو کب بنایا اور کب دل بنایا اور کب اس کو حرکت عطا فرمائی کہ وہ چلنے لگا اور جسم کے اندر ایک پورا کارخانہ چالو ہو گیا، رگوں اور شریانوں میں خون دوڑنے لگا وغیرہ بے شمار احسانات ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ اسی طرح ہمارے لیے پوری کائنات خلق فرمائی، کب سورج کو ساڑھے نو کروڑ میل پر لگایا، کب چاند بنایا، کب پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور کس طرح ہمارے رزق کا انتظام فرمایا، سورج کس طرح غلّہ پکاتا ہے اور سمندر سے بھاپ بنا کر بادل کیسے اُٹھاتا ہے اور کس طرح بارش برساتا ہے۔ اے اللہ! یہ آفتاب بھی آپ کا ہے، بادل بھی آپ کے ہیں، یہ سارا کارخانہ آپ نے ہماری تربیت اور پرورش میں مصروف کر رکھا ہے، لیکن ہم کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے، اپنی معرفت و عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے مگر افسوس! ہم آپ کے ہونے کے بجائے ان ہی چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو بھولے ہوئے ہیں، اور آپ کے احسانات جن کا ہم کو علم ہے اور جن کا علم نہیں، سب آپ کی عطا اور مہربانی ہے لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ آپ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے یعنی تقویٰ اختیار نہیں کرتے جو اصلی شکر ہے۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: فَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[۷۵]

ایں دعا بشنو ز بندہ کاے خدا
ثروتے بے رنج و روزی کن مرا

۷۵ے اٰل عمرٰن: ۱۲۳

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کر رہے ہیں کہ اے خدا! اس بندے کی یہ دُعا سن لیجیے کہ مجھے مال داری اور روزی بغیر رنج اور بغیر مشقت کے عطا فرمایئے، یعنی آسان رزق عطا فرمایئے اور مجھے مال بھی دیجیے مگر بغیر مشقت کے۔

مولانا رُومی نے مثنوی میں یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کئی سال سے یہی دُعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ! مجھے اپنی رحمت سے بغیر محنت و مشقت کے روزی عطا فرما۔ ایک دن ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے جھٹ اسے پٹکا اور چھری سے ذبح کر کے اس کا گوشت پورے گھر میں جگہ جگہ ٹانگ دیا اور روزانہ اس میں سے بھون بھون کر کھانے لگا، جس کی گائے تھی اس نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی، سی آئی ڈی نے تفتیش کرتے کرتے پتا لگایا کہ ایک آدمی بہت غریب تھا لیکن آج کل وہ روزانہ گوشت اُڑا رہا ہے، لہٰذا اس کے گھر کی تلاشی لی تو جگہ جگہ گائے کا گوشت لٹکا ہوا پایا۔ پولیس اس کو پکڑ کر تھانے لے گئی اور عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ جج نے پوچھا کہ یہ گائے تمہاری تھی؟ اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے اس کو کیوں ذبح کیا؟ کہا کہ میرے گھر میں گھس آئی تھی۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے پتا کیوں نہیں لگایا کہ یہ کس کی ہے؟ کہا کہ کیوں پتا لگاتا، میں تو دو سال سے اللہ میاں سے رو رہا تھا کہ مجھے بغیر محنت روزی دیجیے۔ جب اللہ نے روزی بھیج دی تو میں کیوں اِدھر اُدھر پوچھتا کہ یہ کس کی ہے۔ جج نے کہا کہ بھئی! یہ آدمی کوئی بھولا بھالا مجذوب ولی اللہ معلوم ہوتا ہے اور سی آئی ڈی کو حکم دیا کہ ذرا پتا تو لگاؤ کہ یہ کس کی گائے ہے؟ اس سے پہلے کس کے پاس تھی؟ تفصیلی رپورٹ پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ اس کے دادا کی گائے کسی نے چرالی تھی اور یہ گائے اس کو وراثت میں ملنی چاہیے تھی، اس کا شرعی حق بنتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بھولے بھالے مجذوبوں کا اس طرح انتظام فرماتے ہیں کیوں کہ مجذوب غیر مکلف ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ احکامِ شریعت کے مکلّف ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ بدون تحقیق کسی کا مال لے لیں۔

چوں مرا تو آفریدی کاہلے
زخم خوارے سست جنبے منبلے

ارشاد فرمایا کہ جنب عربی لفظ ہے بمعنی پہلو اور منبل معنیٰ ڈھیلا، پتھر۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا یعنی نہایت سست بلکہ ''بحر الکاہل'' اور میرا دل روزی میں اور دنیا کمانے میں نہیں لگ رہا ہے، میں آپ کی محبت کا زخم خوردہ، دنیا کے معاملے میں نہایت سست اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح بے کار ہوں، جیسے شیر کو کوئی زخمی کر دے اور وہ تکلیف میں پڑا ہوا سانس لے رہا ہو کہ جیسے مر رہا ہے تو اس وقت وہ کنکر پتھر سے بھی زیادہ بے کار ہوتا ہے۔ اسی لیے میں دنیاوی کاموں میں نہایت سست پہلو ہو رہا ہوں کہ کروٹ لینے میں بھی دشواری ہے، تو پھر کیسے دوکان کھولوں، کیسے تجارت کروں، کیسے دفتر جاؤں۔

جی اس کا کیا لگے گا کسی کاروبار میں
دل جس کا پھنس گیا ہو کسی زلفِ یار میں

سچی بات یہ ہے کہ جس کا دل اللہ سے لگ جاتا ہے پھر وہ دل کسی کاروبار میں نہیں لگتا، مجبوراً پیٹ کی روٹی کے لیے کام کرتا ہے، ورنہ اگر مفت کی مل جائے تو یہ کبھی کوئی کام نہ کرے۔ اسی لیے مولانا رُومی نے فرمایا۔

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند

خوب یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا بنانا چاہتا ہے سارے جہاں کے کاموں سے اسے بے کار کر دیتا ہے اور پھر اس کو اپنے دین کے لیے قبول کرتا ہے، کیوں کہ اگر دین کے کسی خادم کا جی ان چیزوں میں لگ جائے تو پھر وہ دین کا کام کیسے کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کا مزاج ہی بدل دیتے ہیں کہ اپنے کام کے علاوہ کسی کام میں لگنے ہی نہیں دیتے، ورنہ کون آدمی ہے جس کے لیے سازگار حالات پیدا ہو جائیں اور پھر بھی وہ دنیا کے کام میں نہ لگے۔ مثال کے طور پر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہے اور ایک ہزار مریضوں کی لائن صبح شام لگی رہے تو اس کے لیے کاروبار چھوڑنا بڑا مشکل ہو جائے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا انتظام ہوتا ہے کہ اس کا دل کسی کام میں لگتا ہی نہیں اور اگر وہ خود بھی کسی طرف

متوجہ ہونا چاہے تو ان اسباب ہی کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

جسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے نشیمن میں رکھنا چاہتے ہیں تو کسی شاخ نشیمن پر اس کا گزارہ نہیں ہونے دیتے، جس شاخ کو تلاش کرے گا کہ یہاں گھونسلہ بنالوں اسی شاخ کو کٹوا دیں گے۔ دیکھتا ہے کہ اتنی محنت سے گھونسلہ بنایا تھا لیکن دیکھا کہ شاخِ چمن کہیں پڑی ہوئی ہے، گھونسلہ کہیں پڑا ہوا ہے۔ آخر کار گھوم پھر کے وہ پھر اللہ کا بن جاتا ہے اور اللہ کے قرب کا وہ مزہ پاتا ہے کہ سارے دنیا کے غموں کو بھول جاتا ہے۔ میرا شعر ہے۔

وہ جلا اس کا نشیمن وہ اٹھا اس سے دھواں
یوں کیا صیاد نے طائر کا سامانِ وصال

صیّاد نے چڑیا کو شکار کرنے کے لیے اس کے نشیمن میں آگ لگوادی، اب چڑیا دیکھ کر پَر پھڑ پھڑا رہی ہے کہ نشیمن جل رہا ہے اور اس سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور مارے ڈر کے گھونسلے کے اندر بھی نہیں جارہی ہے، آس پاس، اِدھر اُدھر اڑ رہی ہے کہ اتنے میں شکاری نے اس کو پکڑ لیا۔ اس طرح بعض وقت مصائب اس لیے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، کیوں کہ بعض وقت یہ نفس آسانی سے اللہ والا نہیں بنتا۔ لہٰذا غیبی طور پر ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ہوتا چلا جاتا ہے، اور جس کو اللہ جذب کرتا ہے وہ خود بھی آثارِ جذب محسوس کرتا ہے کہ مجھ کو اللہ اپنا بنانا چاہ رہا ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

ہمہ تن ہستی خوابیدہ مری جاگ اُٹھی
ہر بُنِ مو سے مرے اُس نے پکارا مجھ کو

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغؔر
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم زراہِ کاہلی

اے غنی! اے خزانوں کے مالک اللہ! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو مجھ کو روزی بھی کاہلی کی راہ سے دیجیے یعنی آسان رزق عطا فرمائیے۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود
خفتم اندر سایۂ احسان وجود

اے خدا! میں کاہل وناتواں ہوں اور آپ کے سایۂ جود وکرم میں بے فکر سویا ہوا ہوں، آپ کی رحمت کے سائے میں جی رہا ہوں۔ کیوں کہ میں دنیا کے کسی کام کا نہیں، اس لیے آپ کی مہربانی کے سہارے، آپ کے احسان وکرم کے زیرِسایہ چین کی نیند سو رہا ہوں۔

کاہلاں و سایہ خسپاں را مگر
روزئے بنہادۂ نوعِ دگر

لیکن کاہلوں اور سایۂ رحمت میں سونے والوں کے لیے آپ نے روزی دوسرے طریقوں سے رکھی ہوئی ہے۔ یعنی ان کی روزی کے دوسرے ذرائع عام ذرائع سے ہٹ کر بنائے ہوئے ہیں، رزق کے عام ذرائع سے وہ مستثنٰی ہیں۔ آپ کی رحمت کے بھروسے پر جو دنیا کے کاموں سے کاہل بنے ہوئے ہیں، ان کا معاملہ عام لوگوں سے الگ تھلگ ہے کہ وہ کھاپی رہے ہیں لیکن بظاہر اسباب نظر نہیں آتے۔ کاہلی کی یہ اصطلاحات خاصہ ہیں، یہ مطلب نہیں کہ نفس کی کاہلی کی وجہ سے وہ کوئی کام نہیں کرتے اور سوئے ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کاموں سے وہ کاہل ہیں اور دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، بظاہر روزی کے ذرائع میں انہماک نہیں کرتے، نہ دوکانداری، نہ فیکٹری، اللہ تعالیٰ کی محبت کا ان پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ اللہ کے کام کے علاوہ وہ کسی اور کام کے قابل ہی نہیں رہے، اس لیے

دین کے کام میں منہمک ہیں اور دنیا سے مستغنی ہیں، اس لیے ان کی روزی کا انتظام اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کام سے بچنے کے لیے مکر کر کے بیٹھ گئے ہیں، جیسے نواب واجد علی کے یہاں کچھ کاہل لوگ آ کے لیٹ گئے تھے جب اس نے شہر میں اعلان کرا دیا کہ جو لوگ معذور ہیں، کچھ نہیں کر سکتے ان کو شاہی خزانے سے کھانا کھلایا جائے گا۔ کاہل خانہ کچھ دنوں میں کاہلوں سے بھر گیا تو منشی نے جا کر کہا کہ بادشاہ سلامت! کاہلوں کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے آپ کہاں تک ان کو کھلائیں گے؟ کہا کہ پھر کیا کیا جائے؟ منشی نے کہا کہ کاہل خانہ میں آگ لگوا دیجیے، جو اصلی کاہل ہو گا پڑا رہے گا اور جتنے نقلی ہیں سب بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب آگ لگائی گئی تو جتنے نقلی کاہل تھے نو دو گیارہ ہو گئے اور جو اصلی کاہل یعنی معذور تھے، پڑے رہے۔ بس ان کی روٹی باقی رکھی گئی اور سب کو بھگا دیا گیا۔

مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ایسے بندے جو اصلی کاہل ہیں یعنی جن پر آپ کی محبت ایسی غالب ہو گئی کہ آپ کے کام کے علاوہ کسی اور کام پر وہ قادر نہیں ان کے لیے آپ روزی کا انتظام فرمائیے ؎

عارفاں از کل جہاں کاہل ترند
در رہِ عقبیٰ زمہ گومی برند

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کو پہچان لیا وہ سارے عالم میں دنیاوی کام میں سب سے زیادہ کاہل ہیں اور اس کاہلی میں وہ سارے عالم میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے زیادہ ان کی رفتار تیز ہے۔ کبھی تہجد پڑھ رہے ہیں، کبھی اشراق پڑھ رہے ہیں، کبھی تلاوت کر رہے ہیں، کبھی دین کی محنت کے لیے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر شہروں شہروں، جنگل جنگل مارے مارے پھر رہے ہیں، لیکن دنیاوی کاموں میں ان کے قدم نہیں اُٹھتے۔ اگر یہ کاہل ہیں تو اے دنیا والو! جو محنت یہ کر رہے ہیں تم ذرا کر کے دکھا دو۔ تم ساری ساری رات اپنی فیکٹریوں کے لیے جاگ سکتے ہو لیکن دو رکعات تہجد نہیں پڑھ سکتے، تو تم جس طرح دین میں کاہل ہو یہ اللہ والے دنیا میں کاہل اور سایہ خسپاں ہیں، لیکن دین کے معاملات

میں یہ چاند سے زیادہ تیز رفتار رکھتے ہیں۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ دین میں تیز اور دنیا میں کاہل لوگوں کو اے خدا! آپ دوسری طرح سے روزی عطا کرتے ہیں، عالمِ غیب سے ان کے لیے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ہدایا اللہ تعالیٰ بھجواتے ہیں، کیوں کہ جب آدمی سرکاری ہوجاتا ہے تو سرکار سے اس کو وظیفہ ملتا ہے۔ حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ جس کو ہدیہ آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب اس سے سرکاری کام یعنی دین کا کام لیا جائے گا۔

ہر کہ را پاہست جوید روزئے
ہر کہ راپا نیست کن دل سوزئے

مولانا فرماتے ہیں کہ جس کے پیر ہیں وہ چل پھر کر روزی کمالیتا ہے اور جس کے پیر نہیں وہ اللہ تعالیٰ سے روئے اور نالہ وفریاد وآہ وفُغاں میں دل سوزی کرے۔ یعنی جس کو اللہ نے صلاحیت اور ہنر عطا فرمایا ہے وہ اپنے ہنر کو استعمال کرکے روزی کمالیتا ہے اور جس کو کچھ نہیں آتا، کوئی ہنر نہیں جانتا، دنیا کے کاموں میں جس کا دل نہیں لگتا، اس کو معلوم ہی نہیں کہ روزی کیسے کمائی جاتی ہے وہ اللہ ہی سے آہ وفغاں کرتا ہے، اشکبار آنکھوں سے اللہ سے مانگتا ہے۔ سوائے اللہ کے اس کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
اور عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے

بس وہ اللہ کے دروازے پر پڑا رہتا ہے، دین ہی میں لگا رہتا ہے کہ مالک! مجھے تو کمانا آتا نہیں، بے ہنر ہوں، تو جیسے ابا اپنے کسی کاہل بیٹے کے نام جس کے پاس کچھ ہنر نہیں لیکن باپ کو راضی رکھتا ہے تو کوئی مکان یا دوکان لکھ دیتا ہے کہ وہ کرایہ ہی کھاتا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے سرکاری بندوں کے لیے غیب سے روزی کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں کہ ان کو نہایت عزت کے ساتھ بے محنت ومشقت روزی ملتی ہے، ایسے بندوں پر وَیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ[۷۶] کا خاص فیضان ہوتا ہے۔

---

[۷۶] الطلاق:۳

رزق رامی راں بسوئے ایں حزیں
ابر را باراں بسوئے ہر زمیں

ارشاد فرمایا کہ راندن کے معنیٰ ہیں ہانکنا، می راں امر ہے یعنی ہانکیے۔

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا یہ بندہ روزی کے معاملے میں غمگین ہے لہٰذا رزق کو میری طرف بھیج دیجیے، کیوں کہ رزق چل سکتا ہے لیکن میں نہیں چل سکتا بوجہ کاہلی و بے ہنری کے، جیسے زمین نہیں چل سکتی بادل چل سکتے ہیں، لہٰذا بادلوں کو حکم دیجیے کہ پیاسی زمین پر برس جائیں۔

چوں زمیں را پا نباشد جودِ تو
ابر را راند بسوئے اود تو

ارشاد فرمایا کہ اود تو کے معنیٰ ہیں؟ متواضعاً یعنی جھکے ہوئے۔

مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کررہے ہیں چوں کہ زمین کے پیر نہیں ہوتے تو آپ کا کرم بادلوں کو حکم دیتا ہے کہ راکعاً متواضعاً اس زمین کی طرف چلے جائیں بارش برسانے کے لیے۔ جیسے اطاعت و فرماں برداری میں آدمی جھک جاتا ہے ایسے ہی اے خدا! آپ کے حکم پر بادل حاضر حضور کرتے ہوئے اس زمین پر جاتے ہیں جہاں بارش کا حکم ہوجاتا ہے۔

طفل راچوں پانہ باشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ برسرش

جب شیر خوار بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی ماں اس کے سر پر آکر اس کی خوراک کا وظیفہ اس کو پہنچاتی ہے، یعنی خود آکر اس کو دودھ پلاتی ہے۔

روزئے خواہم بہ ناگہ بے تعب
کہ ندارم من زکوشش جز طلب

اے اللہ! میں آپ سے ایسی روزی مانگتا ہوں جو اچانک، بے شان و گمان اور بغیر مشقت کے مل جائے کیوں کہ مجھے کوشش اور محنت کرنا نہیں آتا۔ مجھے تو بس آپ سے مانگنا اور

گڑ گڑانا آتا ہے، محنت اور مشقت ہم سے نہیں ہوتی، ہم تو بس آپ سے روتے ہیں اور مانگتے ہیں کہ ایسی جگہ سے بے مشقت رزق عطا فرما دیجیے کہ جہاں سے ہمارا وہم و گمان بھی نہ ہو۔ اس میں تقویٰ کی دعا بھی مولانا مانگ رہے ہیں کہ بے شان و گمان رزق کا وعدہ اہلِ تقویٰ کے لیے ہے وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ لہٰذا اس میں یہ دُعا شامل ہے کہ اے اللہ! آپ ہم کو متقی بنا دیجیے تا کہ بغیر وہم و گمان ہمیں رزق عطا ہو۔

اور کاہلی سے مولانا کی مراد شرعی کاہلی نہیں ہے، عرفی کاہلی مراد ہے، یعنی عرف میں دنیا اللہ والوں کو کاہل سمجھتی ہے، کیوں کہ یہ دنیا کے کاموں میں نہیں لگتے، لیکن اگر یہ شرعاً کاہل اور سست ہوتے تو نمازِ تہجد میں کیسے اُٹھتے؟ نماز روزہ حج زکوٰۃ کیسے ادا کرتے؟ دین کی خاطر بال بچوں کو چھوڑ کر سارے عالم میں کیوں مارے مارے پھرتے، اگر یہ آسان ہے تو ان دنیا دار سیٹھوں سے کہو کہ ذرا یہ کام کر کے دکھائیں جو یہ اہل اللہ کر رہے ہیں۔ سنتے ہی نانی مر جائے گی اور چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ تمہیں دنیا پر یقین ہے اس لیے تمہیں دنیا کے کام آسان لگتے ہیں اور ان اہل اللہ کو آخرت پر یقین ہے اس لیے ان کو آخرت کے کام آسان ہیں۔ تم آخرت کے باقی رہنے والے کاموں میں کاہل ہو اور اللہ والے دنیا کے فانی کاموں میں کاہل ہیں۔ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی پتا لگے گا کہ کون فائدے میں تھا اور کون گھاٹے میں۔

فَسَوْفَ تَرٰى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ
أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارُ

عن قریب دیکھ لو گے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

نقشِ قدم نبیؐ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ ﷻ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

درسِ مناجاتِ رُومی

۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۰؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اوّل و آخر توئی و منتہا

ارشادفرمایاکہ مولانارُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ میں تمام عالمِ اسباب سے نااُمید ہوچکاہوں اے خدا! آپ اوّل بھی ہیں اور آخر بھی ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا اور ہمارا آخری دروازہ ہیں۔ اگر آپ ہمیں مایوس کردیں تو پھر ہمارا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آپ ہماری آخری اُمید گاہ ہیں۔ جہاں سارے پردۂ اسباب جل جائیں اور دنیاکی ساری تدابیر ختم ہوجائیں تواے اللہ! آپ ہی سے ہماری اُمید قائم رہتی ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم سلطنتِ بلخ چھوڑ کر اللہ کی محبت میں دریائے دجلہ کے کنارے اشکبار آنکھوں سے اللہ اللہ کررہے تھے کہ ایک شخص پُل سے دریا میں جھانکتے ہوئے اچانک گرپڑا، دریامیں سیلاب تھا،بظاہر اس کے بچنے کا کوئی سامان نہ تھا کہ اچانک حضرت سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے نکل گیا کہ یااللہ! اس کو بچا۔ جانے کس خاص کیفیت کے ساتھ کہا۔ بس فوراًوہ اللہ کابندہ پُل اور دریا کے درمیان معلق ہوگیا،اللہ کی بے شمار غیر مرئی مخلوق ہے، فرشتوں کی اورجنات کی بے شمار فوج ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی، جس کوچاہیں حکم دے دیں،لوگوں نے جب دیکھا کہ اللہ کا ایک بندہ عجیب انداز سے ہوامیں معلق کھڑاہے تواُوپر سے رسی لٹکاکر اسے نکال لیا۔

اللہ کی غیبی مدد کا ایک اور واقعہ سن لیجیے اور یہ بمبئی کا واقعہ ہے جو حضرت مولاناشاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے سنایاکہ ایک مرتبہ حاجیوں کولے جانے والا آخری ہوائی جہاز بمبئی سے پرواز کرگیا اور تین حاجی تھوڑی سی تاخیر کے سبب رہ گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ فلائٹ نکل گئی تورونے لگے، حالتِ احرام میں تھے، بس مصلّی بچھایااور صلوٰۃِ حاجت پڑھ کر رونا شروع کردیاکیوں کہ وہ آخری جہاز تھا۔ اسی جہاز

میں میرے شیخ بھی تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جہاز کو کراچی سے ہوتے ہوئے جدہ جانا تھا اور بمبئی سے کراچی ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن پندرہ منٹ کے بعد ہی شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو سب حیران رہ گئے کہ اتنی جلدی کراچی کیسے آگیا! اتنے میں جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ ہم دوبارہ بمبئی پہنچ رہے ہیں کیوں کہ جہاز میں کچھ فنی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ خیر جیسے ہی جہاز زمین سے لگا تو ایئرپورٹ کے عملے نے رونے والوں سے کہا کہ جلدی سے جا کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ، کیوں کہ تمہارے ہی آہ و نالوں نے جہاز میں فنی خرابی پیدا کرادی اور جہاز کا رُخ بدل دیا۔ اسی لیے میرا ایک شعر ہے ؎

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تونے کمال کردیا

آہ کو کمزور مت سمجھو، یہ بڑی زبردست چیز ہے، ساتوں آسمان کو عبور کرلیتی ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم سارے عالم سے نااُمید ہوگئے لیکن آپ سے ہم نااُمید نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ہی اوّل ہیں اور آپ ہی آخر ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا ہیں۔ اور اس تعریف اور حمد و ثنا کی غرض یہ ہے کہ آپ کا وہ بندہ جو آپ کے ماسوا سے نااُمید ہے اب آپ اس کی نااُمیدی کے بادلوں سے اُمید کا چاند طلوع فرمادیجیے، ہم کو عالمِ اسباب کے سپرد نہ کیجیے بلکہ آپ ہماری مدد کیجیے، کیوں کہ آپ کے علاوہ ہم ہر ایک سے مایوس ہوچکے ہیں، اپنے ارادوں کو اور اپنے دست و بازو کو ہزاروں بار آزمالیا کہ ہم آپ کے بن جائیں، لیکن نفس و شیطان کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر ہم اپنے ارادوں کی شکست بارہا دیکھ چکے ہیں، جس سے اپنی پستی اور آپ کی عظمتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارے ارادے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ہم اپنے دست و بازو سے آپ تک نہیں پہنچ سکتے، ہمارے ارادوں کی شکست آپ کی عظمتوں کا ثبوت ہے ؎

تیری ہزار رفعتیں تیری ہزار برتری
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ[۲۷] میں

---

[۲۷] الایمان لابن تیمیۃ: ۳۱۶/۱، المکتب الاسلامی

نے اپنے ارادوں کی شکست سے اپنے رب کو پہچانا۔

کرد گارا منگر اندر فعل ما

دستِ ما گیر اے شہ ہر دو سرا

اے پروردگار! اے میرے پالنے والے! میرے فعل پر نظر نہ ڈالیے، میں ایک نالائق انسان ہوں، آپ کا ایک نالائق بندہ ہوں، اے دونوں جہاں کے بادشاہ اور دونوں جہاں کے مالک! میرا ہاتھ پکڑ لیجیے یعنی میری مدد کیجیے، میری دستگیری فرمائیے۔ دستگیری کے معنٰی مدد کرنے کے ہیں، میری کشتی پار کر دیجیے، نفس و شیطان کے طوفان میں ڈوبنے نہ دیجیے۔ اے اللہ! اگر آپ ہمارے اعمال پر نظر ڈالیں تو ہم میں سے کوئی بھی پار نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارے اعمال کے مطابق آپ فیصلہ کریں تو پھر ہمارے لیے جہنم تیار ہے۔ اس لیے مولانا اللہ میاں سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے فعل کو نہ دیکھیے، اپنے کرم کو دیکھیے، جیسے ایران کے ایک بادشاہ نے اپنے ملازم رمضانی سے کہا تھا کہ ''رمضانی! مگساں می آیند'' یعنی رمضانی! مکھیاں آرہی ہیں۔ تو اس ظالم نے کیا جواب دیا کہ ''حضور! ناکساں پیش کساں می آیند'' حضور! نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ مکھیاں تو نالائق ہیں لیکن آپ تو لائق ہیں اگر نالائق لائق کے پاس نہ آئیں گی تو یہ جائیں گی کہاں؟ اسی طرح مولانا رُومی عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم نالائق ہیں مگر آپ ہماری نالائقی پر نظر نہ کیجیے، اپنے کرم پر نظر کیجیے، نالائقوں کا ٹھکانہ لائق کے سوا کہاں ہے۔

خوش سلامت ما بہ ساحل باز بر

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اے خدا! مجھے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیجیے، میرے نفس کی خواہشات کے سمندر میں طوفان آرہا ہے اور اس کے اندر میری کشتی ایمان و تقویٰ کی چل رہی ہے۔ مجھے اپنا ایک بہت پرانا شعر یاد آیا ؎

ہٹو میری نظروں سے امواج رنگیں

یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے

یعنی اگر رنگین موجیں سامنے آجائیں اور یہ کشتی وہیں کھڑی ہو کر تماشا دیکھنے لگے تو

منزل طے ہو گی؟ اس لیے میں نے کہا ہے کہ اے رنگین موجوں! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ حسینوں کو رنگین موجوں سے میں نے تعبیر کیا ہے۔ یہ حسنِ فانی بڑے بڑوں کو اپنے چکر میں لے لیتا ہے اور بندہ اللہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد حسن بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سب سڑنے گلنے والی لاشیں ہیں۔ قبروں میں دیکھو کہ ان حسینوں کا کیا حال ہے۔ اسی لیے میں نے کہا کہ ؎

یہ کشتی پیا کے نگر جارہی ہے

یعنی یہ کشتی اللہ کی طرف جارہی ہے، ہمارے پیارے اللہ کے پاس جارہی ہے، اس لیے حسینوں سے صَرفِ نظر ضروری ہے، ورنہ اگر ان حسین موجوں کی رنگینیوں میں پھنس گئی تو میرے ایمان و تقویٰ کی کشتی اللہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ساحل تک مجھے سلامتی سے پار کر دیجیے۔ اور آپ سے ہم کیوں فریاد کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کا دستِ قدرت خشکی میں بھی پہنچا ہوا ہے اور سمندروں میں بھی پہنچا ہوا ہے، اس لیے بحر ہو یا بَر جہاں بھی کوئی آفت آئے گی ہم آپ ہی کو پکاریں گے کیوں کہ ہر جگہ آپ کی قدرت کام کر رہی ہے۔ کوئی سمندر کی گہرائی میں ڈوب جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو صحیح سلامت نکالنے پر قادر ہے، جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور ان کو لے کر بھاگی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے مچھلی! میرا بندہ یونس تیری خوراک نہیں ہے۔ میں نے تیرے پیٹ کو ان کے لیے قید خانہ بنایا ہے، وہ تیرے پاس امانت ہیں، ان کی حفاظت تیرے ذمہ واجب ہے۔ خبردار! ان کو پیینا مت۔ اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے معدے کا فعل روک دیا۔ چناں چہ وہ صحیح سلامت رہے اور سمندر کی تہہ میں جب مچھلی گئی تو سمندر کی کنکریوں کو حکم دیا کہ اے کنکریو! تم پڑھو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [۸۰]

تاکہ میرے پیغمبر کو پتا چل جائے کہ اس وقت مجھے یہ وظیفہ پڑھنا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ

[۸۰] الانبیاء: ۸۷

کی قدرتِ قاہرہ۔ پس اے اللہ! اپنی اس قدرت کے صدقے میں جو بحر و بَر پر محیط ہے آپ ہماری کشتی ایمان و تقویٰ کو سلامتی سے پار لگا دیجیے۔

اے کریم واے رحیم سرمدی
در گزر از بد سگالاں ایں بدی

اے کریم اور اے رحیم سرمدی، یعنی ہمیشہ رحم کرنے والے اے اللہ! آپ ہمیشہ کریم ہیں اور ہمیشہ رحیم ہیں، ایسا نہیں ہے کہ آپ کا کرم کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے اور آپ کی رحمت کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے، لہٰذا جتنے لوگ مجھے ستانا چاہتے ہیں اور میرے بارے میں بُرائی کی سوچ رکھنے والے ہیں ان کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی مجھ کو ان کے حوالے نہ فرما، کیوں کہ جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

اے بدادہ رائیگاں صد چشم و گوش
نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

ارشاد فرمایا کہ رائیگاں معنٰی میں مفت کے ہے۔ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے ہم کو آنکھیں اور کان مفت میں دے دیے اور آنکھوں کی بینائی اور کان کی شنوائی کی طاقتوں کے خزانے بھی آپ نے ہمیں مفت میں دیے ہیں اور عقل و ہوش بھی ہم کو مفت میں عطا فرما دیے جن کی بدولت ہم بھلے بُرے کی تمیز کرتے ہیں ورنہ اگر عقل صحیح نہ ہو تو آدمی جانور سے بدتر ہوتا ہے، اور آپ نے ان نعمتوں کا ہم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا، نہ ہمارے ماں باپ سے مانگا کہ تم ہمیں اتنا پیسہ دو یا اتنی عبادت کرو یا اتنا صدقہ خیرات کرو تب میں تمہیں اولاد دوں گا، اور ان کو آنکھیں اور کان دوں گا۔ اے کریم! آپ نے اپنی مخلوق پر بدون معاوضہ انعامات کی بارش فرمادی کیوں کہ آپ احتیاج سے پاک ہیں اور ساری مخلوق آپ کی محتاج ہے۔ آپ اپنی مخلوق پر کرم فرماتے ہیں اور مخلوق سے مستغنی ہیں۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا
دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

اے اللہ! آپ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے جانتے تھے کہ ہم کیا کیا کرنے والے ہیں، کیسی کیسی نالائقیاں اور کیسے کیسے گناہ ہم کریں گے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی عطاؤں سے ہمیں محروم نہیں فرمایا اور استحقاق کے بغیر ساری چیزیں عطا فرمادیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا یہ نوکر آئندہ ہم سے بے وفائی کرے گا یا خیانت کرے گا یا بغاوت کرے گا تو ہم اس کے ساتھ کوئی عنایت نہیں کرسکتے، لیکن اے اللہ! آپ کو ہماری تمام نالائقیوں کا علم تھا اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا تو سب کچھ علم کے ہوتے ہوئے کہ یہ جھوٹ بولے گا، عورتوں کو بُری نظر سے دیکھے گا، نماز میں سستی کرے گا آپ نے ہمیں بینائی، شنوائی وغیرہ بے شمار نعمتیں بخش دیں۔ آپ کا کتنا کرم ہے کہ ہماری تمام نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کرکے ایمان سے نوازا، ورنہ کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو کے ہاں پیدا کردیتے تو ہم کیا کرلیتے۔ رام پرشاد کے ہاں پیدا ہوتے تو ہم لوگ بتوں کو پوج رہے ہوتے اور کسی چمار کے یہاں ہوتے تو سور چرا رہے ہوتے۔ اے اللہ! آپ کے بے پایاں احسان وکرم کا صدقہ ہے کہ ہماری نالائقیوں کا علم ہوتے ہوئے بھی اپنے فضل وکرم کی ہم پر بارش فرمادی۔

اے عظیم از ما گناہانِ عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

اے اللہ! اگر ہمارے گناہ عظیم ہیں تو آپ ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ ہمارے گناہوں کی عظمتیں آپ کی عظمتوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ چاہے زمین وآسمان ہمارے گناہوں سے بھر جائیں لیکن آپ کی عظمتوں کے سامنے وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی نہیں کیوں کہ آپ کی عظمتیں غیر محدود اور ہمارے گناہ محدود ہیں اور کثیر محدود بھی غیر محدود کے سامنے ایک بے حقیقت اقلیت ہوتا ہے۔ پس اگر حرمِ کعبہ کے اندر بھی ہم سے کوئی گناہِ عظیم ہو جائے تو اے اللہ! آپ اس کو بھی معاف کرنے پر قادر ہیں، کیوں کہ بڑے سے بڑا گناہ بھی آپ کی رحمت سے بڑا نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ اس کو بھی معاف کرسکتے ہیں کیوں کہ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ سبحان اللہ! مولانا رُومی نے اللہ تعالیٰ کی کیا عظمت بیان کی۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۱؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز جمعرات، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز حرص و آز خود را سوختیم
ویں دعا را ہم ز تو آموختیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے حرص اور طمع اور شہوتوں سے خود کو سوختہ کر دیا، یعنی ہم نے لالچ اور شہوت اور نفسانیت سے اپنے کو جلا کے خاک کر دیا، کیوں کہ ہر گناہ سے آگ پیدا ہوتی ہے، ہر گناہ گار تڑپتا رہتا ہے، بے چین رہتا ہے۔ اسی لیے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے؎

اُف کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

گناہ گاروں کی دنیا کس قدر اندھیری ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی دنیا انوار سے بھری ہوئی ہے؎

شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سے دردسا اکثر رہتا ہے
اور اہلِ صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

اہلِ تقویٰ اور اہلِ معصیت دونوں کے چہروں سے پتا لگ جاتا ہے کہ اہلِ تقویٰ کے دلوں میں سکون واطمینان کی سلطنت ہے اور اہلِ معصیت کے دلوں میں بے سکونی اور بے چینی کا راج ہے۔ عاشقانِ خدا اللہ تعالیٰ کے نور میں غرق ہیں اور اہلِ رومانٹک بے چینی کے بحر اٹلانٹک میں غرق ہیں۔ جنھوں نے نفس کی بات مانی انہیں پل بھر کو چین نہیں ملتا۔ اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! نفس نے ہم کو جلا کے خاک کر دیا لیکن یہ دعا

بھی ہم نے آپ ہی سے سیکھی ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٩؎

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل ملفوظ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے جزیرہ ری یونین خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سینٹ پیر میں ۳۰/جون ۱۹۹۸ء کو بیان فرمایا۔ احبابِ ری یونین کی دعوت پر حضرت مُرشدی دامت برکاتہم کا یہ پانچواں سفر تھا۔ اس مضمون کو سن کر بعض بڑے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے وجد میں آگئے اور فرمایا کہ اس آیت کی ایسی تشریح نہ ہم نے کہیں دیکھی نہ سنی۔ لہٰذا موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہ مضمون یہاں شامل کیا جاتا ہے۔ جامع)

جب کوئی بادشاہ خود معافی کا مضمون بتائے تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے اور ہماری بگڑی کو بنانا چاہتا ہے۔ اے اللہ! آپ احکم الحاکمین ہیں، سلطان السلاطین ہیں، آپ کا یہ معافی کا مضمون نازل فرمانا گویا آپ کی طرف سے اعلان ہے کہ فکر نہ کرو، تمہاری بربادی کی منتہا کو یعنی تمہاری منتہائے تخریب اور منتہائے بربادی کو ہم اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست کرسکتے ہیں، ہم سو برس کے کافر اور ڈاکو کو پل بھر میں ولی اللہ بناسکتے ہیں ؎

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

پس رَبَّنَا ہی میں آپ نے اپنی محبت کا رس گھول دیا، رَبَّنَا کہلا کر اپنی محبت کی چھری سے ہمیں ذبح کردیا کہ اے ظالمو! میں تمہارا پالنے والا ہوں، کہیں اپنے پالنے والے کی بھی نافرمانی کی جاتی ہے اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا انتہائی بے وفائی، بے غیرتی اور کمینہ پن ہے، تم کتنے بے غیرت ہو کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کرتے ہو۔ اور رَبَّنَا کُلّی مشکک ہے اور کلی مشکک وہ کلی ہے جس کے افراد متفاوت المراتب ہوتے ہیں، لہٰذا ہر شخص کا رَبَّنَا الگ الگ ہے۔ اولیائے صدیقین کا رَبَّنَا الگ ہے، عام مؤمنین کا رَبَّنَا الگ ہے،

٩؎ الاعراف: ۲۳

گناہ گاروں کا رَبَّنَا الگ ہے، ہر ایک کا رَبَّنَا بقدر اس کی ندامت کے الگ الگ ہو گا اور ہر شخص کی ندامت بقدر اس کے تعلق اور محبت کے الگ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنا شدید تعلق ہو گا اتنی ہی شدید ندامت اس کو ہو گی اور جتنی شدید ندامت ہو گی قلب کی اتنی ہی گہرائی سے اس کا رَبَّنَا نکلے گا، لہٰذا رَبَّنَا کے افراد متفاوت المراتب ہیں۔

اور رَبَّنَا ظَلَمۡنَا اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ ملائکہ کے لیے نہیں ہے کیوں کہ ان سے خطا نہیں ہوتی، وہ معصوم الفطرت ہیں، لہٰذا یہ ہمارے لیے بذریعہ بابا آدم علیہ السلام عطا فرمایا۔ گناہ گاروں کے لیے معافی کا یہ سرکاری مضمون ہے جس کے ایک ایک لفظ میں پیار ہے، ورنہ مجرم کو سخت الفاظ میں ڈانٹتے ہیں کہ معافی مانگ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیار سے سمجھایا ہے کہ تم سے خطا ہو جائے تو کہو: رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے۔ ان کلماتِ استغفار میں ہی تمہیں ہمارا پیار مل جائے گا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا پیار نہیں ہے کہ رَبَّنَا سکھا کر اپنا رشتہ بتا دیا کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں ورنہ خالی اَللّٰھُمَّ بھی سکھا سکتے تھے، لیکن یہاں رَبَّنَا سکھایا تاکہ میرے بندوں کو معافی کی اُمید ہو جائے کیوں کہ پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے جیسے ماں باپ بچوں کو جلد معاف کر دیتے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُمید دلادی کہ گھبراؤ مت، ہم تمہارے پالنے والے ہیں، تمہاری جلد معافی ہو جائے گی، اگر ہمیں تم کو معاف کرنا نہ ہوتا تو ہم تم سے رَبَّنَا نہ کہلاتے۔ جب باپ اپنے بچے کو سکھائے کہ یوں کہو کہ اے میرے ابو! مجھے معاف کر دیجیے تو معلوم ہوا کہ باپ کا ارادہ معافی ہی دینے کا ہے ورنہ سزا کا یہ عنوان نہیں ہوتا۔ اگر باپ بیٹے کو ڈنڈے لگانا چاہتا ہے تو یہ نہیں سکھائے گا کہ کہو: یَا اَبَوِیَّ بلکہ دوڑا لے گا کہ ٹھہر نالائق! ابھی تیری پٹائی لگاتا ہوں۔ یا ابوی سکھانا دلیل ہے باپ کی شفقت کی اور رَبَّنَا سکھانا دلیل ہے حق تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے نزول کی۔ لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ سکھانا کہ مجھے صرف اللہ نہ کہو، خالی رب بھی نہ کہو بلکہ کہو رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے، یہ پیار کا جملہ دلیل ہے کہ باوجود تمہاری خطاؤں کے اب ہم تمہیں پیار کرنے والے ہیں، تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، اب تمہیں اپنا پیارا بنانے والے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر گناہوں سے معافی بھی دے دی اور رَبَّنَا کا مزہ اور نشہ بھی دے دیا۔ گناہ گاروں کو مزہ دے دے کر معافی دے رہے ہیں ورنہ مزہ دینا اللہ تعالیٰ

کے ذمہ واجب نہیں۔ فضلاً واحساناً گناہ گاروں کو معافی کا سرکاری مضمون ایسا دیا کہ میرے بندوں کو رَبَّنَا کہنے کا مزہ بھی آجائے۔ جب کوئی بچہ کہتا ہے کہ میرے ابّو، تو کیا اس بچے کو مزہ نہیں آتا؟ تو میرے ربّا کہنے میں کیا بندے کو مزہ نہیں آئے گا؟ رَبَّنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، ظَلَمْنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، اَنْفُسَنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، جو ابھی بیان کروں گا جو میرا مالک میرے دل کو عطا فرمارہا ہے۔ ہر ہر لفظ میں مزہ ہی مزہ ہے، مزے کا سمندر بھرا ہوا ہے، محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔ کیا کہوں کیسا کریم مالک ہے کہ اپنے گناہ گار بندوں کی معافی کا سخت مضمون نازل نہیں فرمایا بلکہ استغفار کے کلمات میں بھی لطف اور مہربانی اور کرم اور پیار اس ارحم الراحمین نے رکھ دیا۔

پہلے رَبَّنَا سے اور اس کے بعد ظَلَمْنَا سے ہمارے اعترافِ ظلم کو اور سنگین کردیا، ہماری ندامت کو اور زیادہ کردیا کہ تم اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرتے ہو، جس کی روٹی کھاتے ہو اسی کو ناراض کرتے ہو۔ جس کی روٹی سے تمہارے جسم میں خون بنتا ہے، خون تو لال تھا لیکن وہی خون تمہاری آنکھوں میں نور سے تبدیل ہوگیا، کانوں میں وہی خون قوتِ سامعہ سے تبدیل ہوگیا، ناک میں وہی خون قوتِ شامہ بن گیا، زبان میں وہی خون قوتِ ذائقہ بن گیا، سفید بالوں کو وہی خون سفیدی دیتا ہے اور کالے بالوں کو سیاہی دیتا ہے اور تمام اعضا میں جاکر ان اعضا کی قوت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ میری روٹیوں سے تمہارے جسم کے کارخانے میں قوتوں کا خزانہ پیدا ہورہا ہے اور میری روٹیاں کھاکر تم میری ہی نافرمانی کرتے ہو، لہٰذا کہو: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اے ہمارے پالنے والے! آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جیتے ہیں اور آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جینے کی طاقت پاتے ہیں۔ پس ہم ظالم ہیں، کتنے سخت ظالم ہیں کہ اپنے پالنے والے کی روٹیاں کھاکر اسی کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے پالنے والے سے اپنے ظلم کا اعتراف کرو۔ اس استغفار میں بھی ڈانٹ نہیں ہے، مزہ ہی مزہ ہے کہ پہلے رَبَّنَا کہنے کا مزہ لوٹو کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں اور تم نے کس کی نافرمانی کی ہے، پھر ظَلَمْنَا کا مزہ لوٹو کہ اس اعترافِ ظلم میں بھی مزہ ہے۔ کیا کہوں اہلِ عشق سے پوچھو کہ عاشقوں کو اپنی خطاؤں کے اعتراف میں اور محبوب سے معافی مانگنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو یہی مزہ عطا فرمارہے ہیں کہ کہو: ہم بڑے ظالم اور نالائق ہیں کہ آپ جیسے

پالنے والے مالک کو ناراض کررہے ہیں۔ ظَلَمْنَا سے پہلے اپنی صفتِ ربوبیت بیان کرکے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گناہوں کی ندامت کو اور زیادہ قوی کردیا کہ اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنانہایت غیر شریفانہ حرکت ہے۔ رَبَّنَا کی وجہ سے ہماراظَلَمْنَا بھی قوی ہوگیا، ہماری ندامت کو بڑھا کر قربِ ندامت کو بھی بڑھادیا، کیوں کہ قربِ ندامت بقدرِ ندامت اور نزولِ رحمت بقدرِ ندامت ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ ندامت ہوگی اتنا ہی زیادہ تجلیاتِ مغفرت اور تجلیاتِ رحمت کا نزول ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ ظَلَمْتُ کیوں نہیں سکھایا ظَلَمْنَا کیوں سکھایا؟ تو جواب یہ ہے کہ کبھی نگاہ نامحرموں کو دیکھ کر گناہ کرتی ہے، کبھی زبان ان سے باتیں کرکے یا حرام غذا چکھ کر گناہ گار ہوتی ہے، کبھی کان نامحرموں کی آواز سن کر یا گانے سن کر مزہ لیتے ہیں، کبھی ہاتھ حسینوں کو چھو کر مجرم ہوتے ہیں، کبھی پاؤں ان کی گلی میں جا کر حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں غرض بِجَمِيْعِ اَعْضَاءِ نَا ہم ظلم کرتے ہیں تو ظَلَمْنَا کا حکم اس لیے دیا کہ گویا ہمارے جمیع اعضا مل کر معافی مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے! ہمیں معاف کردیجیے۔

اور اَنْفُسَنَا میں ایک معرفت عطا فرمائی کہ گناہ کرکے تم نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، تمہارے ظلم اور تمہارے گناہ کا نقصان تم ہی کو پہنچا۔ اگر ساری دنیا کافر، سرکش اور نافرمان ہوجائے تو اللہ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں آسکتی اور ساری دنیا ایمان لا کر سجدے میں گر جائے تو اللہ کی عظمت میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہوسکتا۔ تمہارے گناہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتے، لہٰذا تمہیں معاف کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ معاف کرنا اس کو مشکل ہوتا ہے جس کو کوئی نقصان پہنچ جائے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یَامَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ اور ہمیں بخش دینے سے جس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی فَاغْفِرْلِيْ مَالَا يَضُرُّكَ لہٰذا میرے گناہوں کو جو آپ کو کچھ مضر نہیں معاف کردیجیے وَهَبْ لِيْ مَالَا يَنْقُصُكَ [۸۰]

۸۰؎ شعب الایمان للبیہقی: ۵/۴۶۵ (۳۰۵)، ھذا دعاء ابی بکر الساسی، فصل فی قراءة القراٰن بالتفخیم، دار الکتب العلمیة، بیروت

اور آپ کی مغفرت کا وہ خزانہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیں بخش دیجیے۔

پس اَنۡفُسَنَا سے ہماری ندامت کو اور بڑھادیا کہ گناہ سے تم نے اپنا ہی نقصان کیا لہٰذا اب کہو: وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا اگر آپ ہمیں نہیں معاف کریں گے تو ہم کہاں جائیں گے، ہمارا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے، آپ کے در کے سوا کوئی اور دروازہ بھی نہیں ہے۔

وَاِنۡ کَانَ لَا یَرۡجُوۡکَ اِلَّا مُحۡسِنٌ
فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَدۡعُوۡ وَیَرۡجُو الۡمُجۡرِمُ

اگر نیکو کار ہی آپ سے اُمید رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جس کو مجرم اور گناہ گار پکارے۔

نہ بخشے سوا نیک کاروں کے گر تو
کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

اس کے بعد وَتَرۡحَمۡنَا کا مزہ لوٹو کہ مغفرت کے بعد سزا سے تو بچ گئے لیکن سزا سے بچنا کافی نہیں، ہم آپ کی رحمتوں کے بھی محتاج ہیں، ہم پر عنایات بھی کیجیے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ جاؤ معاف کردیا لیکن خبردار اب کبھی میرے سامنے نہ آنا تو تَغۡفِرۡ لَنَا اس کا ہوگیا لیکن تَرۡحَمۡنَا نہیں ہوا۔ تَرۡحَمۡنَا کہلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا کہ تم میری عنایات کے بھی محتاج ہو۔ اگر میں خالی تمہاری سزاؤں کو معاف کردوں لیکن اپنی رحمتوں سے محروم رکھوں تو بھی تمہارا کام نہیں بنے گا۔

حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمت میں چار نعمتیں پوشیدہ ہیں:

۱) گناہوں کی وجہ سے ہماری توفیقِ طاعت کم ہوگئی تھی، عبادت کا مزہ چھن گیا تھا، لہٰذا اب توفیقِ طاعت کو دوبارہ جاری فرمادیجیے۔ اور ۲) فراخیٔ معیشت بھی عطا فرمائیے، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے روزی میں کمی آجاتی ہے، رزق میں برکت نہیں رہتی۔ اور ۳) بے حساب مغفرت فرمائیے۔ اور ۴) دخولِ جنت نصیب فرمائیے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''روح المعانی'' میں رحمت کی عجیب وغریب تفسیر کی ہے کہ جب گناہوں کی معافی ہوگئی اور ہمارے گناہ کے آثار وشواہد ختم کردیے گئے اور مغفرت بھی ہوگئی اور ہمارے گناہوں کو اللہ نے مخلوق سے چھپادیا اور نیکیوں کو ظاہر فرمادیا لہٰذا اب ہم پر اپنی رحمت کا نزول بھی فرمائیے:

تَفَضَّلۡ عَلَيۡنَا بِفُنُوۡنِ الۡاٰلَاۤءِ مَعَ اسۡتِحۡقَاقِنَا بِاَفَانِيۡنِ الۡعِقَابِ[۸۱]

ہم پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش فرمائیے باوجود اس کے کہ ہم طرح طرح کے عذابوں کے مستحق تھے۔ جیسے چھوٹے بچے کی جب معافی ہو جاتی ہے تو باپ سے کہتا ہے کہ ابو! اب مجھے ٹافی بھی دیجیے، سائیکل بھی دلائیے، کلفٹن کی سیر بھی کرائیے۔ اسی طرح اللہ میاں ہمیں سکھا رہے ہیں کہ جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور تمہاری مغفرت فرما دی اور میں تم سے خوش ہو گیا تو اب مجھ سے مانگو کہ اپنی رحمتوں کی ہم پر بارش فرما دیجیے۔

وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡلَنَا وَتَرۡحَمۡنَا کے ایک جملے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سارے غیر اللہ سے کاٹ دیا کہ سارے عالم سے نااُمید ہو جاؤ۔ اگر ساری دنیا تمہیں معاف کر دے تو تمہارا ذرّہ برابر فائدہ نہیں، جب ہم معاف کریں گے تب تمہاری معافی ہو گی۔ میرے سوا اور کون تم کو معاف کر سکتا ہے؟ اگر امریکا جاپان جرمن سب مل کر سلامتی کونسل میں اعلان کر دیں کہ فلانے مجرم کو معاف کر دیا گیا تو کیا تمہاری معافی ہو جائے گی؟ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ[۸۲] اللہ کے سوا کون ہے جو تم کو معافی دے دے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سکھا رہے ہیں کہ اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور اپنی رحمتوں کی نوازش ہم پر نہیں فرمائیں گے تو لام تاکید بانون ثقیلہ سے کہو: لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِيۡنَ ہم بہت زبردست خسارے میں پڑ جائیں گے، اتنا بڑا خسارہ کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا ہمیں خسارہ والوں میں نہ کیجیے۔ معلوم ہوا کہ ایک قوم ایسی ہے جو خسارے میں ہے اور اس کی دلیل وَ الۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ہے کہ سارے انسان خسارے میں ہیں اور اس خسارے سے مستثنیٰ کون ہیں اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور عملِ صالح کیا اور ہمارا گناہ عملِ صالح کے خلاف ہے اور خسارے والوں سے استثنا ان ہی لوگوں کا ہے جو مومن بھی ہوں اور عملِ صالح بھی کرتے ہوں اور دعوت الی اللہ بھی دیتے ہوں، وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ امر بالمعروف اور

۸۱؎ روح المعانی:۱۱/۴۲، ذُکر تفسیرہ فی سورۃ التوبۃ (۱۱۷)، دار احیاء التراث، بیروت

۸۲؎ اٰل عمرٰن: ۱۳۵

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ[۸۳] نہی عن المنکر ہے لہٰذا اے اللہ! اگر آپ کی صفتِ مغفرت ورحمت ہم پر مبذول نہ ہوگی یعنی اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ہم ان ہی خسارہ والوں میں مِن تبعیضیہ بن کر داخل ہوجائیں گے یعنی ان خسارے والوں کا جز بن جائیں گے اور یقیناً بڑے خسارے میں پڑ جائیں گے کہ کوئی ہمارا ٹھکانہ نہ ہوگا۔

اُٹھا کر سر تمہارے آستاں سے
زمیں پر گر پڑا میں آسماں سے

اور یہ کلام اللہ کی بلاغت ہے کہ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ فرمایا۔ اگر صرف خَاسِرِیْنَ نازل ہوتا تو یہ بلاغت پیدا نہ ہوتی، مِن تبعیضیہ ہے اور الف لام استغراق کا ہے جس سے وہ تمام اقوامِ خاسرین اس میں شامل ہوگئیں جن پر ان کے ظلم کے سبب عذاب نازل ہوا۔ اس میں قومِ لوط اور قومِ عاد و ثمود اور جملہ اقوام خاسرین آگئیں، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اے رب! اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ان خائب وخاسر قوموں کا ایک جز بن جائیں گے، لہٰذا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ میں کیا مزہ ہے، مانگ مانگ کر یہ مزہ لوٹ لو۔ جیسے کوئی بچہ باپ سے کہے کہ ابو! اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میرا اور ہے کون! میں تو بہت خسارے میں پڑ جاؤں گا، لہٰذا کوشش کرو اور جان کی بازی لگادو کہ کوئی گناہ نہ ہو، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ خطا بربنائے بشریت ہوگی، لہٰذا رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی رٹ لگائے رہیے کیوں کہ ہماری ہر سانس مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہماری طاقتِ اطاعت اور طاقتِ تقویٰ محدود ہے، تو محدود طاقتیں غیر محدود کا حق کیسے ادا کرسکتی ہیں، اس لیے ہماری ہر سانس رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی محتاج ہے۔

حرمتِ آں کہ دعا آموختی
در چنیں ظلمت چراغ افروختی

۸۳؎ العصر:۱-۳

اے اللہ! آپ کے اس فضل کی حرمت کا صدقہ کہ آپ نے قرآنِ پاک میں دُعا مانگنا سکھا دیا اور دُعا سکھا کر ہمارے گناہوں کے اندھیروں میں آپ نے اُمید کا چراغ روشن فرما دیا۔

دستگیر و راہنما توفیق دہ
جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

اے رب! ہماری مدد فرمایئے اور صراطِ مستقیم یعنی صحیح راستہ دکھایئے اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے یعنی جو اعمال آپ کی منزل سے قریب کرنے والے ہیں ان پر عمل کی اور جو آپ سے دور کرنے والے ہیں ان سے بچنے کی راہ کو آسان فرما۔ علماء اور محدثین نے توفیق کی تین تعریفیں لکھی ہیں:

۱) تَوْجِیْهُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ۔ تَوْجِیْهٌ وَجْهٌ سے ہے جس کے معنٰی ہیں چہرہ سامنے کر دینا یعنی خیر کے اسباب سامنے آجائیں۔ جیسے کسی بزرگ کے پاس آنے جانے لگے اور اس طرح یہ بھی اللہ والا ہو جائے، یہ ہے خیر کے اسباب پیدا ہونے کی ایک مثال۔

۲) تَسْهِیْلُ طَرِیْقِ الْخَیْرِ وَتَسْدِیْدُ طَرِیْقِ الشَّرِّ۔ یعنی خیر کے راستوں کو اللہ آسان کر دے اور گناہوں کے راستوں کو مشکل کر دے۔ مثلاً: کسی خانقاہ یا مسجد کے پاس کسی کو گھر مل جائے اور یہاں سے دینی باتیں سننے کی توفیق ہو گئی اور کسی اللہ والے کی صحبت نصیب ہو گئی تو نیک کام اس کو آسان ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ خیر کے راستے پیدا فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی گناہ کے راستے پر چلنا چاہتا ہے لیکن دل میں پریشانی آجاتی ہے جس سے گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ہے شر کے راستوں کو مسدود کرنے کی مثال۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ۔[۸۴] یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے لیے قوت پیدا کر دے۔ یہ تینوں تعریفیں مولانا سید اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں جو دیوبند کے بہت بڑے عالم تھے۔

---

[۸۴] شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعۃ دیوبند

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ مدد کردیجیے کہ آپ مدد کرنے والے اور راستہ دکھانے والے ہیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا بھی دیجیے اور میری خطاؤں کو معاف فرمادیجیے، میرے جرائم کو بخش دیجیے اور میرا نفس آپ کی راہ میں مشکلات پیدا کرتا ہے آپ ان کو دور فرمادیجیے۔

اے خدا ایں بندہ را رُسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کی نماز کے بعد یہ شعر پڑھنا شروع کیا اور ساری رات حرمِ کعبہ میں اس کو پڑھ پڑھ کر روتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی۔

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! اس بندے کو رُسوا نہ فرمایئے، اگرچہ میں لاکھ گناہ گار ہوں لیکن میرے گناہوں کے بھید کو اپنی مخلوق پر ظاہر نہ کیجیے۔ میرے عیوب کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپائے رکھیے۔

اے خدائے راز داں خوش سخن
عیبِ کار بد زماں پنہاں مکن

اے اللہ! آپ ہمارے راز کو جانتے ہیں اور آپ خوش سخن ہیں یعنی آپ کے کلام کا کیا کہنا ہے، ہمارے بُرے کاموں کے عیب کو ہم سے پوشیدہ نہ کیجیے، بلکہ بُرے کاموں کی بُرائی آپ اپنے اس کلامِ عالی شان کے ذریعے جو بغیر حروف والفاظ کے پیدا ہوتا ہے ہمارے دل میں ڈال دیجیے۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی فرماتے ہیں کہ بس صرف آواز نہیں آتی ورنہ دل میں ہر وقت باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ یہ کرو، یہ نہ کرو، یہ کام اچھا ہے، وہ کام بُرا ہے۔ پس اے اللہ! آپ کا کلام الفاظ وحروف کا محتاج نہیں، بُرے کاموں کی بُرائی آپ ہمارے دل میں ڈالتے رہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بُرائیاں ہمیں اچھی لگنے لگیں۔ جب انسان پر عذاب آتا ہے تو گناہ اچھے لگنے لگتے ہیں۔ مولانا رُومی نے کتنی پیاری دُعا مانگی ہے کہ گناہوں کی بُرائی کو ہم سے پوشیدہ نہ کیجیے یعنی بُرائی کو بُرائی ہی کے

طور پر دکھایئے، ایسا نہ ہو کہ ہم گناہوں کو اچھا سمجھنے لگیں۔ جیسے گلاب جامن میں کوئی جمال گوٹے کا قطرہ ڈال دے تو جمال گوٹہ نظر تو نہیں آتا، لیکن گلاب جامن کھانے کے بعد پھر اپنا کام دکھاتا ہے اور دست پر دست شروع ہو جاتے ہیں، گویا دست بدست جنگ کا عالم ہوتا ہے۔ جس پر میں نے مزاحاً ایک شعر کہا ہے کہ ؎

دست بدست جنگ کا عالم
کیا غضب کا جمال گوٹہ تھا

میرے ایک دوست ڈاکٹر تھے۔ کہنے لگے کہ جن دنوں میں الٰہ آباد میڈیکل کالج میں پڑھ رہا تھا، میری امّاں نے میرے لیے خستہ پکا کر بھیجا۔ کالج کے لڑکوں نے میری غیر موجودگی میں تالا توڑ کر میرا خستہ کھالیا تو میں نے دل میں کہا کہ اچھا بدلہ لوں گا۔ لہٰذا میں گلاب جامن لے آیا اور ہر گلاب جامن میں انجکشن کے ذریعے سے جمال گوٹے کا ایک قطرۂ عرق ڈال دیا۔ کالج کے لڑکوں کے منہ کو حرام مزہ لگا ہوا تھا، گلاب جامنوں کو دیکھ کر تو ان کے مزے آگئے، خستہ خستہ گلاب جامن کھا تو گئے لیکن برجستہ دست آنے لگے۔ اب سب لوٹا لے کر دوڑ رہے ہیں۔ میڈیکل کالج کے پرنسپل نے جو دیکھا کہ یہ لوگ لوٹا لے کر دوڑتے ہیں اور واپس آکر زمین پر لوٹا رکھنے نہیں پاتے کہ دوبارہ دوڑتے ہیں، اس نے کلکٹر کو فون کیا کہ میرے کالج میں ہیضہ پھیل گیا ہے، فوراً ہیلتھ آفیسر کو بھجوایئے، لہٰذا ہیلتھ آفیسر لال دوا لے کر دوڑا ہوا آیا لیکن وہاں ہیضہ کہاں تھا، کچھ اور ہی معاملہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کے بعد وہ اپنا کھانا بغیر تالے کے رکھا کرتے تھے لیکن پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کی کوئی چیز چھو لے۔

اسی طرح جب شہوت کا غلبہ ہوتا ہے تو گناہ کی لذت کے سامنے اس کا نقصان اور بُرائی نظر نہیں آتی، اسی لیے مولانا دُعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! گناہوں کی بُرائیوں کو ہم پر ظاہر فرما دیجیے تاکہ گناہوں سے بچنا ہمیں آسان ہو جائے۔

اب دُعا کرلو کہ یاربّ العالمین! حضرت جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ درس جو ہمارے بزرگوں نے دیا اختر نے اس کی نقل کی ہے، آپ اپنی رحمت سے اصل

کی برکت سے اس میں فیض اوراثر اور برکت ڈال دیجیے۔ ہم سب کی رُوحوں کو اپنے پر فدا کر لیجیے۔ اے اللہ! ہماری ہر سانس کو اپنی ذات پاک پر فدا ہونے کی توفیق دے کر ہماری زندگی کو قیمتی بنادیجیے، ایک سانس بھی اپنی ناراضگی میں ہمیں نہ گزارنے دیجیے اور ہماری زندگی کو حقیر اور ذلیل نہ کیجیے۔ اے اللہ! ہم آپ کو ناراض کرکے دنیا میں جانور سے بھی زیادہ بدتر ہوجاتے ہیں، کیوں کہ جانور کو آپ نے عقل نہیں دی ہم کو آپ نے عقل دی ہے، پھر بھی ہم آپ کو ناراض کرتے ہیں، آپ کو اپنا رب مان کر، آپ پر ایمان لاکر بھی ہم آپ کی ناراضگی کے اعمال کی جرأت کرتے ہیں۔ آپ اپنی رحمت سے اس مثنوی شریف کے درس کو قبول فرمائیے اور اس کی برکت سے مولانا رُومی کی رُوحانیت کے صدقے میں اپنا عشقِ کامل، اپنی محبّتِ کاملہ ہمیں عطا فرمائیے، ہمارا دل اللہ والوں کا دل بنادیجیے۔ اے اللہ! اس سینے میں دل بدل دیجیے، پاپی دل کو اللہ والا دل اپنی رحمت سے بنادینا آپ پر کچھ مشکل نہیں، ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے دل کو اللہ والا دل بنادیجیے، بلکہ اولیائے صدّیقین کی جو آخری سرحد ہے اس تک پہنچادیجیے کیوں کہ ہماری زندگی کے چند دن رہ گئے ہیں، ہم سب کی حیات کو اللہ والی حیات بناکر اور اپنے دوستوں کو اپنے نام کی جو لذت آپ عطا فرماتے ہیں کہ جس سے ہفت اِقلیم کی سلطنت ان کی نگاہوں سے گر جاتی ہے ہم سب کو اپنی محبت کی وہی مٹھاس عطا فرمائیے۔ نفس وشیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی پوری فرماں برداری کی زندگی عطا فرمادیجیے اور عالمِ اسلام کو اے اللہ! آبرو عطا فرمائیے۔ خلیج کی جنگ کو مسلمانوں کے لیے مفید بنادے، شر کو بھی خیر بنادے اور ظالموں کو، یہود و نصاریٰ کو اور جملہ کفار کو جو مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ان کے ظلم کے موافق سزا دے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

درسِ مناجاتِ رُومی

۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۲/ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

عیب کار نیک را منما بما
تانہ گردیم از روش سر درہبا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو نیک اور اچھے کام ہیں انہیں ہم کو بُرا مت دکھایعنی اچھے کام کو اچھا دکھایئے، ایسا نہ ہو کہ اچھے کاموں کو ہم بُرا سمجھنے لگیں اور راہِ سلوک سے ہٹ کر گمراہی کے گرد وغبار میں سرگرداں اور پریشان ہو جائیں، کیوں کہ اگر آپ نے اچھے کاموں کو ہماری نگاہوں میں اچھا نہ دکھایا تو اندیشہ ہے کہ ہم اس کام کو چھوڑ کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک جائیں اور عمر بھر کی حیرانی وپریشانی میں مبتلا ہو جائیں، کیوں کہ جب کسی شامتِ عمل سے اچھے کام بُرے نظر آنے لگتے ہیں تو اللہ والے، خانقاہیں، پیری مُریدی کو وہ کہتا ہے کہ ان چیزوں میں کیا رکھا ہے۔ اس کو اللہ والے اور ان سے تعلّق رکھنے والے بے وقوف معلوم ہوتے ہیں، وہ حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتا اور سچے اللہ والے اور جھوٹے پیر اس کو ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں۔ اس لیے کتنے لوگ شیخِ کامل سے بدگمان ہو کر برباد ہو گئے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک عالم ایسا تھا کہ حکیم الاُمت کے تین تین گھنٹے کے اُردو وعظ کو عربی میں لکھتا جاتا تھا، یہ انتہائی قابلیت کی بات ہے کہ اُردو تقریر ہو رہی ہے اور اس کو عربی میں لکھتا جارہا ہے، گویا اس کی عربی اور اُردو میں کوئی فرق نہیں تھا، لیکن اسی شخص نے بدگمانی کی اور تنخواہ بڑھوانے کے لیے درخواست دی۔ حضرت نے فرمایا کہ آج کل کچھ موقع نہیں ہے۔ بس بدگمان ہو گیا کہ خود تو پانچ روپے کا ناشتہ کرتے ہیں، خمیرہ چاٹ رہے ہیں اور ہماری تنخواہ نہیں بڑھا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پھر شیخ کو اس نے ایسے بدتمیزی کے خط لکھے اور

جو سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو لکھتے تھے نعوذباللہ! وہ سلام اس نے مجدّدِ زمانہ کو لکھا کہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس پر جو ہدایت کو قبول کرے۔ عقل پر ایسا عذاب آیا۔ آخر انتہائی پریشانی میں مبتلا ہوا، یہاں تک کہ فاقوں سے بھوکا مرنے لگا، حضرت نے اس دشمن کو ہدیہ بھی بھیجا لیکن ظالم نے واپس کر دیا، یہ ہے تکبر۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ آخر میں وہ سر سے پیر تک کوڑھی ہو گیا۔ اس لیے اپنے دینی مُربی کے بارے میں بہت محتاط رہو اور دُعا کرتے رہو کہ اے خدا! ہمیں اپنے مشایخ کی محبت کو عظمت کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُوَقِّرُوْهُ[۸۵] میرے نبی کی توقیر کرو۔ معلوم ہوا کہ خالی شیخ کی محبت کافی نہیں ہے، محبت کو توقیر کے ساتھ جمع کرو۔ مثلاً: شیخ تو مشورہ دے رہا ہے کہ یہ کام اس طرح کرو اور مُرید کہتا ہے کہ نہیں حضرت یہ اس طرح مناسب نہیں۔ یہ بات توقیر کے خلاف ہے۔ جیسے ڈاکٹر کہے کہ یہ کیپسول تم چوبیس گھنٹے کے بعد کھانا اور مریض کہے کہ نہیں! میں بھول جاتا ہوں اس لیے ابھی کھالیتا ہوں۔ آپ بتائیے کوئی ڈاکٹر کے ساتھ ایسا کرے گا؟ تو جس طرح دنیا میں ڈاکٹروں کی بات مانتے ہو، دین کے معاملے میں اپنے شیخ کی بات کو مان لو۔

مولانا کا یہ شعر اصل میں حدیث شریف کی ایک دُعا سے مقتبس ہے یعنی اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا یا اللہ! جو اچھی بات ہے اس کو ہمیں اچھا دکھائیے وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا[۸۶] اور جو باطل اور بُری چیزیں ہیں ان کو ہمیں بُرا دکھائیے۔ یعنی جن چیزوں سے آپ خوش ہوتے ہیں بس ہماری نظر میں ان کو اچھا دکھا دیجیے اور جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ہماری نظر میں ان کو بُرا دکھا دیجیے کیوں کہ۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہا را صورتِ ہستی دہی

---

۸۵ الفتح:۹

۸۶ التفسیر لابن کثیر:۱/۲۵۰

اے خدا! جب آپ کسی کو اس کے گناہوں کی سزا میں قہر و غضب کی شراب سے مست دیتے ہیں تو فانی چیزیں اس کو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ فانی حسین شکلیں اور گندے اعمال اس کو اتنے اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی چیز ہے ہی نہیں اور یہ تقلیبِ ابصار اس کی سابقہ نافرمانی و سرکشی کے سبب ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں کہ بے وجہ کسی کو عذاب میں مبتلا کریں، لیکن یہ اس کی مسلسل نافرمانی اور گناہوں کی سزا ہوتی ہے کہ اس کو حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ شامل ہے۔

گہہ چوں کابوسے نماید ماہ را
گہہ نماید روضہ قعرِ چاہ را

کابوس کہتے ہیں ڈراؤنی شکل کو۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کا فضل نہ ہو تو چاند جیسی پیاری شکل نہایت ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے اور کنویں کا اندھیرا اس کو باغ نظر آتا ہے۔ فسّاق و فجّار اس کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ والے بُرے نظر آتے ہیں، جیسے ابو جہل خبیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نعوذ باللہ! بُرا لگتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا چوں کہ دل اچھا تھا اس لیے فرماتے ہیں کہ كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۸۷] مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اتنا پیارا لگتا تھا کہ جیسے آپ کے روئے انور میں آفتاب چل رہا ہو۔

اصل میں دل کی بدگمانی کی وجہ سے اللہ والے بُرے لگتے ہیں۔ جیسے ایک عورت اپنے بچے کا پائخانہ صاف کر رہی تھی، اُنگلی میں گُو لگا ہوا تھا کہ اس کو چاند نظر آگیا، عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ تعجب کے وقت یا بات کرتے وقت ناک پر اُنگلی رکھ لیتی ہیں تو اس نے ناک پہ یوں اُنگلی رکھ کر کہا کہ اری بہن! اس مہینے کا چاند تو بڑا بدبودار نکلا ہے۔ بات یہ ہے کہ اپنا عیب دوسرے میں نظر آتا ہے، جیسے چور ہر شخص کو چور سمجھتا ہے۔

۸۷؎ جامع الترمذی: ۲/۲۰۶، باب ما جاء فی خاتم النبوة، ایچ ایم سعید

مولانا رُومی نے مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک طوطے نے تیل گرادیا تھا تو اس کے مالک نے غصے میں اس کے ایک تھپڑ لگایا جس سے طوطے کے سر کے پر جھڑ گئے اور وہ گنجا ہو گیا، طوطے نے ناراض ہو کر بولنا چھوڑ دیا۔ ایک دن ایک شخص جو عمرہ کر کے آیا ہوا تھا سر منڈا کر، وہ دوکان کے پاس سے گزرا تو اس کو دیکھ کر طوطے نے کہا کہ اچھا! معلوم ہوتا ہے کہ تونے بھی تیل گرایا ہے اور تیرے سر پر بھی کوئی جھانپڑ لگا ہے۔ جیسے اس طوطے نے اپنے اُوپر قیاس کیا ایسے ہی اللہ کا کرم نہ ہو تو انسان اپنے بزرگوں سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ اور اس راہ میں اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ہے، کیوں کہ بدگمانی سے فیض بند ہو جاتا ہے جیسے کٹ آؤٹ الگ ہو جائے تو پاور ہاؤس سے بجلی آنا بند ہو جاتی ہے۔ اس لیے شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں اس کے دینی مُربی کی حقارت ڈال دے تاکہ یہ دین حاصل نہ کر سکے۔ پھر شیخ پر اس کو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ بے موقع ڈانٹ دیتے ہیں، ضرورت سے زیادہ غصہ کرتے ہیں وغیرہ۔ اس لیے جب پہلے مان چکے کہ شیخ متقی ہے، اللہ والا ہے اور بزرگانِ دین کا صحبت یافتہ، خلافت یافتہ اور ان کا معتمد علیہ ہے تو جس طرح چاہے تربیت کرے۔ اس کے پاس ایسے رہو جیسے مُردہ بدستِ زندہ۔ جب وہ اللہ والا ہے تو اس کا کوئی کام خلافِ شریعت نہیں ہو گا۔ اس کا نام ہے اندھی تقلید، لیکن یہ اندھی تقلید بے داری کی تقلید سے افضل ہے، کیوں کہ اس کو فنافی الشیخ کا مقام مل رہا ہے، اس نے اپنی رائے کو شیخ کی رائے میں فنا کر دیا۔ ہاں! اگر شریعت کے خلاف کوئی حکم دے کہ تم آج مغرب کی تین کے بجائے چار رکعات پڑھو تو ایسے شیخ کو دور ہی سے سلام کرو، کیوں کہ جو شیخ شریعت میں مداخلت کرے وہ اللہ والا نہیں ہو سکتا، لیکن اگر وہ یہ کہہ دے کہ آج نفلیں چھوڑ دو یا وظیفہ کم کر دو یا خانقاہ میں جھاڑو لگاؤ یا نمازیوں کے جوتے سیدھے کرو تو فوراً مان لو، یا یہ کہہ دے کہ تم غصہ چھوڑ دو، اپنے کو مٹادو تو یہ مت سمجھو کہ ہم کو غصہ کرنے کا شرعی حق حاصل ہے۔ یا اگر شیخ کسی مُرید کے بارے میں یہ فیصلہ کرے کہ یہ متکبر ہے اور ساری دنیا اسے متواضع کہے تو سمجھ لو کہ شیخ کا ایکسرے صحیح ہے اور ساری دنیا کی تشخیص غلط ہے۔ جو شخص شیخ کی تشخیص کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی تجویز اور

مشورے پر عمل نہیں کرتا وہ اس راہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ راستہ بہت نازک ہے۔ شیخ کے خلاف کر کے اس کا قلب مکدر نہ کرو، تکدرِ قلبِ شیخ سے باطن کا ستیاناس ہو جاتا ہے، دل و جان سے اس کے مشوروں پر عمل کرو۔ اگر کوئی بات پیش بھی کرنی ہو تو نہایت ادب و اکرام سے کہو، اللہ سے دُعا بھی کرو کہ کوئی ایسا عنوان و تعبیر زبان سے نہ نکلے جس سے اس کا دل دُکھ جائے۔ اللہ والوں نے اس کا بہت اہتمام کیا ہے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جب اللہ والوں کے خلاف خصوصاً اپنے مُربی اور شیخ کے خلاف شیطان وسوسہ ڈالے تو استغفار و توبہ شروع کر دو، کیوں کہ کسی سابقہ نافرمانی و گناہ کی سزا میں حق باطل نظر آنے لگتا ہے۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

چوں مقلب بود حق ابصار را
او بگرداند دل و افکار را

اللہ تعالیٰ مقلّبِ ابصار بھی ہے اور مقلّبِ قلوب وافکار بھی ہے یعنی جب وہ ہماری آنکھوں کی بصارت کو بدل سکتا ہے تو قلب کی بصیرت اور ہمارے افکار کو بدلنے پر بھی قادر ہے لہٰذا وہ اگر ہماری قوتِ فکریہ اور سوچ صحیح کر دیں تو اچھی باتیں ہمیں اچھی لگنے لگتی ہیں اور بُری باتیں بُری لگنے لگتی ہیں، اور اگر سوچ کو خراب کر دیں بوجہ ہماری شامتِ عمل کے تو بُری باتیں اچھی اور اچھی باتیں بُری لگنے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ذرا سی دیر میں سجدے میں پڑا ہوا قرب کے عالم میں ہے اور ذرا سی دیر میں گناہ کی گٹر لائنوں میں پھنسا ہوا ہے بقول مولانا رُومی کے ؎

سوئے آہوئے بصیدی تافتی
خویش را در صید خوکے یافتی

ایک شخص ہرن کے شکار کے ارادے سے نکلا کہ اتنے میں ایک جنگلی سور جھاڑی سے نکل کر اس کو منہ میں رکھ کر چبانے لگا۔ وہ سوچتا ہے کہ اے خدا! میں تو ہرن کا شکاری تھا لیکن آج مجھے جنگلی سور چبا رہا ہے۔ یعنی میں نے تو اللہ کو حاصل کرنے کے لیے سلوک

طے کرنا شروع کیا تھا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھ کو نفس چبا رہا ہے یعنی نفس نے مجھے گندے کاموں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس سے وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں جو اللہ والا بننا چاہتے ہیں۔ وہ اگر نفس و شیطان کی بات مانیں گے تو جس طرح ہرن کا شکاری جنگلی سور کے منہ میں خوار ہو کر ہرن کے شکار سے محروم رہتا ہے اسی طرح ایسے سالکین وصول الی اللہ سے محروم رہیں گے۔ حق تعالیٰ کے تصرفاتِ عجیبہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ مولانا رُومی واقعی اولیائے اُمت میں سلطان العارفین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ ؎

تیر سوئے راست پرانیدۂ
سوئے چپ رفت ست تیرت دیدۂ

تم نے تیر داہنی طرف کو مارا لیکن دیکھتے ہو کہ وہ بائیں طرف جا رہا ہے پھر بھی تمہیں خدا پر یقین نہیں آتا۔ تم نے جو کوشش کی تھی نتیجہ اس کے خلاف برآمد ہو رہا ہے لہٰذا اپنی تدابیر کی شکست و ریخت سے اللہ کو پہچانو اور اُسی سے آہ و زاری کرو۔

دیدۂ اشک بار یدہ

لذتِ قربِ خدا امت گریۂ زاری میں ہے
قرب کیا جانے جو دیدۂ اشک باریدہ نہیں

جس کو استغفار کی توفیق حاصل ہوگئی
پھر نہیں جائز یہ کہنا کہ وہ بخشیدہ نہیں

اختر

درسِ مناجاتِ رُومی

۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۳؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

دست من ایں جا رسید ایں را بشست
دستم اندر شُستنِ جان ست سُست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ میرا ہاتھ گناہ کے کاموں میں ملوث ہو کر نجس ہو گیا، اب آپ اپنے آبِ عفو و مغفرت سے اسے دھو کر پاک کر دیجیے، کیوں کہ میں اپنی پاکی اور تزکیہ میں انتہائی کاہل اور سست ہوں۔ یعنی میں نے تو گناہوں سے اپنے باطن کو ناپاک کر لیا اب آپ توفیقِ توبہ دے کر اور اپنی رحمت سے معاف فرما کر اسے پاک کر دیجیے کیوں کہ اگر آپ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو میں اپنے تزکیہ کے باب میں انتہائی غافل اور لاپروا ہوں۔ آپ کے فضل و رحمت و مشیت کے بغیر میرا تزکیہ محال ہے۔

اور اس شعر کا ایک ترجمہ اور بھی ہے جو زیادہ جامع ہے۔ رسید اور بشست دونوں ماضی مطلق ہیں تو معنیٰ یہ ہوئے کہ میرا ہاتھ یہاں تک پہنچ گیا اور اس کو دھو دیا یعنی ظاہری نجاست اور گندگی کو اس نے صاف کر دیا لیکن گناہوں سے جو میری رُوح نجس ہو گئی اس کو میں صاف نہیں کر سکتا کیوں کہ رُوح تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ میرا ہاتھ رُوح کو پاک کرنے میں سست ہے یعنی قادر نہیں ہے۔ جسم ناپاک ہوتا ہے پیشاب پاخانے سے اور روح ناپاک ہوتی ہے گناہوں سے اور گناہوں کی غلاظت اور گندگی پیشاب پاخانہ سے بدتر ہے کیوں کہ پیشاب پاخانے کی نجاست تو پانی سے دور ہو جاتی ہے لیکن رُوح کی نجاست توبہ کے بغیر نہیں دھلتی اور توبہ کے لیے نفس مشکل سے راضی ہوتا ہے۔ سست کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ میرا نفس توبہ کرنا نہیں چاہتا۔ شیطان گناہوں کا نشہ پلا دیتا ہے، اور گناہ کا مزہ جب منہ کو لگ جاتا ہے اور نفس کو گناہ کی عادت پڑ جاتی ہے تو مشکل سے چھوٹتی ہے، جیسے سگریٹ اور ہیروئن کا عادی کہ جب تک اس کو نہ ملے بے چین

رہتا ہے۔ ایک بد نظری کے مریض کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دوکان پر کام چھوڑ کر دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تقریباً ایک میل سائیکل سے جاتا تھا اور ریل کے زنانہ ڈبے میں عورتوں کو دیکھتا اور جب ریل گزر جاتی تو پھر آکر اپنے کام میں لگ جاتا۔ یہ نفس بڑا ظالم ہے۔ جب تک اللہ کا کرم نہ ہو یہ پاک نہیں ہو سکتا۔

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میرا ہاتھ ظاہری نجاست کو دھو سکتا ہے لیکن رُوح تک نہیں پہنچ سکتا کہ گناہوں کی نجاست کو دھو دے۔ رُوح کو تو آپ کا دستِ کرم ہی پاک کر سکتا ہے جو ہماری جانوں تک پہنچا ہوا ہے لہٰذا آپ ہمیں توفیقِ توبہ دے کر ہماری رُوح کو گناہوں کی نجاست سے پاک فرمادیجیے۔

مولانا رُومی نے جو مضمون بیان کیا یہی مضمون حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے بعد کی مسنون دُعا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ[۸۸] کی تشریح میں لکھا ہے کہ اے خدا! ہم نے وضو تو کرلیا اور اپنے ظاہری اعضا پاک کرلیے لیکن ہمارے ہاتھ دل تک نہیں پہنچ سکتے، ہم اپنے دل کو پاک نہیں کرسکتے، دل کا وضو تیرے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہمیں توفیقِ توبہ بھی دے دے تاکہ ہمارا دل بھی پاک ہوجائے اور ہم پاک صاف لوگوں میں ہوجائیں۔

شریعت نے جس وقت کی جو دُعا بتائی ہے اس میں ایک خاص مناسبت اور جوڑ ہے۔ دیکھیے وضو میں اور اس دُعا میں کیسا جوڑ ہے کہ وضو کے پانی سے اپنے اعضائے بدن کو پاک کرنا تو میرے اختیار میں تھا لیکن دل کو پاک کرنا آپ کے اختیار میں ہے، لہٰذا توفیقِ توبہ دے کر آپ میرے دل کو پاک فرمادیجیے تاکہ میرا باطن بھی صالح ہوجائے اور میں آپ کے نیک بندوں میں شمار ہوجاؤں۔ توبہ دل کا وضو ہے اور توبہ تین چیزوں کا نام ہے:

۱) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ اِلَى الطَّاعَةِ گناہ چھوڑ کر عبادت میں لگ جانا۔

۲) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَةِ اِلَى الذِّكْرِ غفلت کی زندگی چھوڑ کر اللہ کو یاد کرنے لگنا۔

۳) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَيْبَةِ اِلَى الْحُضُوْرِ[۸۹] اللہ سے دل ذرا سا غائب ہوجائے تو پھر

۸۸؎ جامع الترمذی:۱/۱۸،باب ما یقال بعد الوضوء،ایچ ایم سعید

۸۹؎ مرقاۃ المفاتیح:۵/۲۶۷،(۲۳۵۹)،کتاب الدعوات،باب الاستغفار والتوبۃ،دار الکتب العلمیۃ،بیروت

خدا کے سامنے حاضر کردینا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! توبہ کی تینوں قسموں تک رسائی دے دے اور ہم کو پاک کردے کیوں کہ توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے۔ دلیل کیا ہے؟ قرآن شریف کی یہ آیت ہے: ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر توجہ فرمائی تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تَابَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر فرماتے ہیں: اَیْ وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ[۹۰] یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ وہ توبہ کریں۔ معلوم ہوا کہ توفیق آسمان سے آتی ہے تب زمین والے توبہ کرکے ولی اللہ بنتے ہیں۔ اگر توفیق اپنے اختیار میں ہوتی تو ساری دنیا ولی اللہ ہوجاتی۔ توفیقِ توبہ انعامِ الٰہی ہے۔ جس کو توفیقِ توبہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہے۔ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو گٹر میں گرا ہوا دیکھ سکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی بیٹا گٹر میں گرا ہوا ہے اور باپ دیکھ بھی رہا ہے لیکن نہیں نکالتا تو یہ دلیل ہے کہ یہ شخص باپ کی نظرِ عنایت سے محروم ہے۔ جو لوگ توبہ میں دیر کرتے ہیں تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہیں۔ جس پر اللہ کی توجہ، رحمت اور مہربانی ہوتی ہے ایک سیکنڈ بھی وہ توبہ میں دیر نہیں کرتا۔ وہ گناہ کی حالت میں رہتے ہوئے اطمینان سے نہیں رہتا، جلدی سے توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے معاف کردے، آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میرے دل نے جو حرام خوشی امپورٹ کی میں ان حرام خوشیوں سے معافی چاہتا ہوں، کیوں کہ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ انسان انبیاء کی طرح بالکل معصوم ہوجائے۔ کبھی نہ کبھی خطا ہوگی، بشریت سے مغلوب ہوکر کبھی سالک سے بھی لغزش ہوجائے گی اور باطن میں حرام مزہ درآمد کرلے گا، لیکن جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے وہ گناہ کو اوڑھنا بچھونا نہیں بناسکتا، فوراً بے چین ہوکر توبہ واستغفار کرے گا کہ اے خدا! میرے نفس نے آپ کو ناخوش کرکے جو حرام خوشی لی ہے اس سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھ کو معاف کردیجیے کیوں کہ آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میری خوشیاں نامبارک اور قابلِ لعنت ہیں، منحوس اور غیر شریفانہ ہیں کہ اپنے پالنے والے محسن کو ناراض کرکے میں اپنا دل خوش کررہا ہوں۔ جو بیٹا اپنے باپ کو ناراض کرکے خوشیاں

۹۰ روح المعانی:۱۱/۴۲،التوبة(۷۰)،داراحیاء التراث،بیروت

منارہا ہو تو اس بیٹے کی یہ خوشیاں غیر شریفانہ اور کمینہ پن کی خوشیاں ہیں لٰہذا اے خدا! میں ان تمام خوشیوں پر نادم ہوں جن سے آپ ناراض ہوئے ہوں، کیوں کہ کوئی بندہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا ہو اس سے بڑھ کر کوئی عذاب ہی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے بڑا عذاب آپ کی نافرمانی ہے۔ بندہ ہو کر اپنے مالک کا اور قادرِ مطلق مالک کا نافرمان ہو، اس پر جتنے جوتے پڑ جائیں کم ہیں اور جتنے عذاب اور بے چینیاں دل پر نازل ہو جائیں تھوڑی ہیں۔

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

یہ شعر میں نے ایک رومانٹک والے کے لیے اسی کی زبان میں کہا جو میرے پاس آیا اور کہا کہ ایسا لگتا ہے جیسے ہر وقت کوئی میرے دماغ میں کھونٹا ٹھوک رہا ہے اور دل پر ہتھوڑے برسا رہا ہے، بے چین اور پریشان ہوں، نیند بھی نہیں آتی، مجھے اپنا ہیئر آئل روغنِ مقویِ دماغ دے دیجیے۔ میں نے ان کی فرمایش پر تیل ان کو دے دیا لیکن مجھے ان کے بارے میں علم تھا کہ یہ عشقِ مجازی میں مبتلا ہیں۔ اگلے دن آئے اور کہا کہ جناب! میں نے سر میں آپ کا دیا ہوا تیل ڈالا لیکن میرا سر تو ٹھنڈا نہیں ہوا تیل ہی گرم ہو گیا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ اگر سر پر انگیٹھی رکھی ہو اور کوئی مرنڈا کی ٹھنڈی بوتل آپ کو پلا رہا ہو تو کیا ٹھنڈک آئے گی؟ کہنے لگے: نہیں۔ میں نے کہا: اگر آپ کہیں تو آپ کے مرض کا علاج بتا دوں؟ کہنے لگے کہ ضرور! میری تو جان ہی پر بن گئی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے جو ایک معشوق ساتھ رکھا ہوا ہے جب تک اس کو نہیں بھگاؤ گے آپ کا سر ٹھنڈا نہیں ہو سکتا، چاہے دنیا بھر کے ٹھنڈے ہیئر آئل لگا لو۔ میری گزارش پر انہوں نے توبہ کی اور اس معشوق کو بھگا دیا اور پھر ہنستے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ اب تو سر بغیر ہیئر آئل کے ٹھنڈا ہو گیا، زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا، دوزخی زندگی جنتی زندگی سے تبدیل ہو گئی۔

کتنے بندے توبہ کر کے ایک سیکنڈ میں اللہ والے ہو گئے۔ اب ان کو حقیر سمجھنا بھی جائز نہیں کہ یہ تو پہلے ایسے ویسے تھے۔ پہلے جیسے بھی تھے اب تو اللہ والے ہیں۔ تلی کا تیل جب روغن گل ہو جائے تو اب اس کو تلی کا تیل کہنا جائز نہیں ورنہ وہ ہتکِ عزت کا دعویٰ کر دے گا۔ ایسے ہی جب کوئی گناہ گار اللہ والا ہو جائے اب اس کو حقیر مت سمجھو

ورنہ اللہ انتقام لے گا۔ اسی پر میرا شعر ہے ؎

خوبرویوں سے ملا کرتے تھے میرؔ
اب ملا کرتے ہیں اہل اللہ سے
مت کرے تحقیر کوئی میرؔ کی
رابطہ رکھتے ہیں اب اللہ سے

لیکن یہ توفیقِ توبہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے اس دُعا کا معمول بنالیں کہ اے اللہ! گناہوں کی نجاست سے ہماری رُوح کو پاک کر دیجیے اور ہمیں ہمیشہ توفیقِ توبہ دیتے رہیے۔

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضلِ تست در جاں ہا رساں

ارشاد فرمایا کہ کس معنٰی لائق اور ناکس معنٰی نالائق۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے کرم نے بہت سے نالائق کو لائق بنادیا۔ یعنی بدعمل لوگوں کو آپ کے کرم نے ایک لمحے میں نیک صفت اور فرشتہ خصلت، متقی اور فرماں بردار بنادیا۔

اس مصرع سے ایک اشکال ہوتا تھا کہ نالائق بندوں کو آپ کس طرح لائق بناتے ہیں، اس کا کیا طریقہ ہوتا ہے تو دوسرے مصرع میں مولانا نے اس کا جواب دیا کہ ؎

دستِ فضلِ تست در جاں ہا رساں

دنیا میں جتنی جانیں آپ نے پیدا کی ہیں، رُوئے زمین پر جتنے لوگ چل پھر رہے ہیں سب کی جانوں تک آپ کے فضل کا ہاتھ پہنچا ہوا ہے، آپ کو سب پر دسترس حاصل ہے، یہ نہیں کہ جس پر آپ فضل فرمانا چاہیں تو آپ کو کچھ دیر لگے گی، آپ کے فضل کا ہاتھ تو پہلے ہی تمام رُوحوں کے اندر موجود ہے۔ دنیا بھر کی ارواح آپ کے احاطۂ کرم میں ہیں بس آپ ارادہ کرلیں اور ایک نگاہِ کرم ڈال دیں، اسی وقت اس کا کام بن جائے گا ؎

بس اِک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جس وقت آپ ارادہ کرلیں اسی وقت اور اسی لمحہ وہ اللہ والا بن جاتا ہے، اس میں ایک لمحے کا تخلّف نہیں ہوسکتا، اسی وقت اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی ہے اور وہ نافرمان ولی اللہ بن جاتا ہے۔ جیسے مچھلی جس کے منہ میں شکاری کا کانٹا ہو اور ڈور ڈھیلی ہونے سے وہ بھاگی جارہی ہے اور سمجھتی ہے کہ میں آزاد ہوں لیکن شکاری جانتا ہے کہ یہ میرے قبضے میں ہے، جس وقت چاہوں گا ڈور کھینچ لوں گا اور جس وقت وہ ڈور کھینچتا ہے تو مچھلی چلی آتی ہے۔ ایسے ہی کوئی انسان گناہ کی وادیوں میں رواں دواں اور حیراں و سرگرداں ہے مگر ان کے کرم نے ذرا سا ارادہ کیا اور اپنے جذب کی برقیاتی لہریں اور کرم کی تجلیات کی کوئی کرن اس پر ڈال دی اسی وقت وہ اللہ والا بن جائے گا۔ دنیا بھر میں جتنی رُوحیں جسم کی سواری پر چل پھر رہی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے احاطۂ فضل و کرم میں ہیں۔ جس وقت جس کو چاہیں اپنا بنالیں۔

بغداد کے بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو بجے رات کو اُٹھے۔ الہام ہوا کہ بصرہ میں ایک ابدال کا انتقال ہورہا ہے جلدی وہاں جاؤ۔ شیخ پہنچے اور ان کے سامنے رُوح نکل گئی۔ بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے غوث تھے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ غوث پورے عالم میں ایک ہوتا ہے اور اس کو چوبیس گھنٹے میں ایک بار ایسا قرب عطا ہوتا ہے کہ اُتنا قرب دنیا میں کسی اور کو نہیں ملتا۔ اس خاص وقت میں ان کو الہام ہوا کہ بصرہ سے آگے ایک مقام موصل ہے، وہاں گرجا گھر میں ایک عیسائی بیٹھا ہے اس سے جاکر کہو کہ ''زنّار'' توڑ دے اور کلمہ پڑھ لے، اسے ابدال کی خالی کرسی پر بٹھانا ہے۔ بڑے پیر صاحب موصل پہنچے۔ دیکھا کہ گرجا گھر میں ایک عیسائی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو ڈانٹ کر کہا کہ اے شخص! ''زنّار'' توڑ دے۔ اس کا کام تو پہلے ہی اللہ میاں نے بنادیا تھا، لہٰذا اس نے فوراً عیسائیوں کا مذہبی نشان صلیب یعنی ''زنّار'' توڑ دیا۔ ایک سیکنڈ میں اللہ نے ''زنّار'' کو ذوالنور بنادیا۔ پھر فرمایا کہ کلمہ پڑھ! اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ پھر بڑے پیر صاحب نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فلاں ابدال کی کرسی دے دی ہے۔ آہ! جس نالائق اور محروم جان کو اے اللہ! آپ پیار کی نظر سے دیکھ لیں اسی وقت وہ کروڑوں لائق جانوں کے لیے باعثِ رشک بن جاتی ہے۔

جس طرف کو رُخ کیا تو نے گلستاں ہوگیا
تو نے رُخ پھیرا جدھر سے وہ بیاباں ہوگیا

اگر آپ ایک نگاہِ کرم دل پر ڈال دیں تو ہمارا دلِ ویران باغ بن جائے اور اگر آپ ناراضگی سے نگاہ ہٹالیں تو باغ جیسا دل بیابان ہو جائے۔ لہٰذا اگر دل کو خوش کرنا چاہتے ہو تو اللہ کی نگاہِ کرم تلاش کرو ورنہ جو شخص دل کو تباہ، معذب کرنا چاہتا ہے وہی ان کو ناراض کرتا ہے اور نفس کو خوش کرتا ہے، لیکن سمجھ لو کہ اس کا انجام یہ ہے جو میں نے اس شعر میں بیان کیا ہے؎

کشمکش حسن و عشق کی جاں پہ بنی ہے میرؔ کی
پیتے ہیں عرق بید مشک جستجو اب ہے پیر کی

حسن و عشق کی کشمکش اور بے چینی سے نیند اُڑ جاتی ہے اور نیند اُڑنے سے سودا بڑھ جاتا ہے۔ پھر افتیمون ولایتی پوٹلی بنا کر عرق بید مشک کے ساتھ پلایا جاتا ہے لیکن اس سے بھی کام نہیں بنتا تو سکون کے لیے پھر اللہ والوں کو تلاش کرتا ہے اور جو سچے پیر کو تلاش کرنے لگے تو یہ بھی اللہ کا فضل ہے ورنہ اللہ والوں کو تلاش نہ کرتا۔ اللہ والوں کو تلاش کرنا دلیل ہے کہ اب اس کو عشقِ مجازی کے عذاب سے نجات مل جائے گی اور یہ اللہ والا ہو جائے گا۔ اسی کو میں نے کہا ہے کہ؎

گل رخوں سے تنگ آکر میرؔ
ایک پیر کی ٹانگ دبایا کرتے ہیں

اگر کوئی حسین سامنے ہو تو عاشق آدمی سو نہیں سکتا اور کوئی دنیاوی معشوق وہاں نہ ہو تو اللہ کے نام سے بڑی اچھی نیند آتی ہے۔ اسی کو میں نے کہا ہے میر صاحب کو مخاطب کر کے، میر میری شاعری کا محور ہے؎

دیکھ کر گل رخوں سے سناٹا
میرؔ لیتا ہے خوب خراٹا

یوں تو مولانا کا ہر شعر مزے دار ہے لیکن مجھے اس شعر میں بہت مزہ آرہا ہے۔ اب اس کے بعد آگے پڑھانے کو دل نہیں چاہتا۔ عجیب شعر ہے؎

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضل تست در جاں ہا رساں

اے اللہ! آپ کے کرم سے نالائق جانیں لائق ہو جاتی ہیں، آپ کا دستِ کرم سارے عالم کی جانوں کے اندر پہنچا ہوا ہے، سارے عالم کی جانیں آپ کے کرم کی دسترس میں ہیں۔ اب بتلایئے ایسے شعر کے بعد کون پڑھا سکتا ہے! بس دل بھر آیا، رُوح پر وجد طاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نالائق جانوں کو لائق بنادے اپنے فضل سے۔

لیکن یاد رکھو کہ اللہ کے فضل کا دروازہ اللہ والے ہیں جیسے بڑے پیر صاحب کے اس واقعے سے بھی ظاہر ہے کہ ان کو عیسائی راہب کے پاس بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ذریعہ بنایا اپنے فضل کا۔ حضرت مجدّد الف ثانی نے لکھا ہے کہ جو کسی صاحبِ نسبت کی خدمت میں جائے اور اس کے سر پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اس اللہ والے کی نسبت اور تعلق مع اللہ کا نور گناہ کے پہاڑوں کو اُڑا دے گا، سارے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ لیکن عام لوگ صحبت کو سمجھتے ہی نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ نبی کی صحبت ہی سے صحابی بنے۔ اگر صحابہ لاکھ تبلیغ کے چلّے لگاتے، لاکھ مدرسوں میں پڑھتے لیکن اگر صحبتِ رسول نہ پاتے تو صحابی نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ صحبت عجیب چیز ہے کہ عبد اللہ ابنِ اُمّ مکتوم کے آنکھیں نہیں تھیں لیکن نبی نے دیکھ لیا تو وہ صحابی ہو گئے۔ خود صحابی کا دیکھنا ضروری نہیں ہے، نبی نے جس کو حالتِ ایمان میں دیکھ لیا تو وہ نابینا اُمتی بھی صحابی ہو گیا۔ یہ قیمت ہے نظر کی۔ امام ابو حنیفہ اور امام بخاری جیسی عظیم شخصیتیں جو نظرِ نبوّت کو نہیں پا سکیں اس لیے صحابی نہیں ہیں اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اب بتلاؤ نظر کے لیے اور کیا دلیل چاہیے؟ اور ایک اُونٹ چرانے والا دیہاتی جو ایک حرف نہیں جانتا ایک نظرِ نبوت کی پا گیا، صحابی ہو گیا، اب اس کو کوئی نہیں پا سکتا نہ امام بخاری نہ امام ابو حنیفہ۔ ایک شخص نے اس کی بہت عمدہ مثال دی کہ جیسے دس ہزار ملین پاور کا بلب کوئی دیکھ لے تو اس کی رگ رگ میں روشنی گھس جائے گی اور اس کے بعد ساری دنیا کے بلب جو اس درجے کے نہیں ہیں ان کو کتنا ہی دیکھے ان سے وہ روشنی نہیں مل سکتی جو دس ہزار ملین پاور کے بلب میں تھی۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نبوت بے مثال تھا، نہ پہلے کوئی آپ جیسا پیدا ہوا نہ آیندہ ہو گا اس لیے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا ان کے ذرّہ ذرّہ میں وہ نور داخل ہو گیا لہٰذا اب قیامت تک کسی بڑے سے بڑے ولی کا ایمان ویقین کسی ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۴/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

حدِّ من ایں بود کردم من لئیم
زاں سوئے حدرا نفی کن اے کریم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں کہ میرے کمینے پن کی حد اور انتہا جہاں تک تھی میں وہاں تک پہنچ گیا یعنی کمینے پن کی حد کردی کہ کسی کمینہ فعل سے باز نہیں آیا، ہر قسم کے گناہوں پر جرأت کی، جیسے کہ آج کل ہمارا حال ہے کہ وی سی آر، ٹیلی وِژن، بدنظری، بے پردگی، فحاشی وغیرہ تمام خبیث اور کمینے پن کے اعمال کی حدِ انتہا اور کمال کو ہم نے چھولیا ہے۔

پس اے میرے کریم! میں نے کمینے پن کی جن حدوں کو پار کرلیا ہے آپ ان حدوں کی نفی کردیجیے۔ یعنی منفی طور پر ان کمینے اعمال سے مجھ کو نکال لیجیے، جیسے ایک شخص کہیں جارہا ہے اس کے لیے یہ اس کا مثبت راستہ ہے اور منفی راستہ یہ ہے کہ اس کو ادھر سے موڑ دیا جائے، پس اے کریم! گناہوں کے جن راستوں کا میں اثبات کررہا ہوں اور ان خبیث راستوں پر گامزن ہوں آپ اپنی توفیقِ اطاعت وفرماں برداری سے اس کی نفی کردیجیے۔ آپ کی اطاعت وفرماں برداری کا یہ منفی راستہ جو معصیت اور نافرمانی کی نفی کرتا ہے گناہوں کے ان مثبت خبیث راستوں کو قطع کرنے والا ہے جن پر میں چل رہا ہوں۔ آپ کی رضا واطاعت وفرماں برداری کا یہ راستہ ترکِ معصیت کے لحاظ سے منفی ہے۔ پس منفی کی دو قسمیں ہوگئیں: ایک منفی ہے اطاعت کی، یہ گناہ ہے۔ اور ایک منفی ہے معصیت کی، یہ ثواب ہے، جیسے ایک شخص نے نماز چھوڑ دی تو منفی تو یہاں بھی ہوئی لیکن یہ منفی اطاعت کی ہوئی اس لیے عذاب اور گناہ ہے اور ایک شخص نے گناہ چھوڑ دیا، گناہ کی نفی ہوئی، تو یہ منفی ثواب ہے۔ ایک جگہ منفی عذاب ہے اور ایک جگہ منفی ثواب ہے۔ اس لیے مولانا درخواست کررہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے

دناءت اور کمینے پن کے مخالف اور منفی راستے پر ڈال دیجیے، گناہ کی نفی والے راستے پر یعنی اطاعت و فرماں برداری کے راستے پر ڈال دیجیے، توفیقِ ترکِ معصیت دے دیجیے۔

از حدث شستم خدایا پوست را

از حوادث تو بشو ایں دوست را

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ میں نے ظاہری و حسّی نجاستوں سے یعنی حدثِ حسّی اور حدثِ معنوی سے اپنے جسم کو پاک کرلیا۔ حدثِ حسّی کے معنٰی ہیں محسوسات انجاسِ مرئیہ یعنی وہ تمام نجاستیں جو نظر آتی ہیں، محسوس ہوتی ہیں، حواسِ خمسہ سے جن کا ادراک ہو جائے جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حدثِ معنوی یعنی نجاستِ معنویہ کیا ہے؟ جیسے بیوی سے صحبت کرلی، بظاہر جسم پر نجاست لگی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے پورا جسم ناپاک ہوگیا اور غسل فرض ہوگیا اور چوں کہ پورا جسم اور تمہارا بال بال اس لذت میں مستغرق ہوگیا تھا لہٰذا بال بال دھونا پڑے گا کہ اگر ایک بال کے برابر بھی خشک رہ گیا تو تمہارا غسل نہیں ہوگا اور لذت میں ڈوب کر چوں کہ تم ایک طرح سے حالتِ غیبت واستتار میں ہوگئے تھے جو مشابہ ہے دوری کے لہٰذا حضوری میں آنے کے لیے سر سے پیر تک نہا کر آنا پڑے گا ورنہ ابھی تم اس قابل نہیں کہ نماز میں ہم سے مناجات و سرگوشی کرسکو یا ہمارا کلام پڑھ کر سنا سکو۔

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! حدثِ حسّی اور حدثِ معنوی یعنی تمام ظاہری نجاستوں سے میں نے اپنے جسم کو پاک کرلیا، لیکن حوادثِ معصیت میں مبتلا ہوں لہٰذا اپنے کرم سے ان حوادث سے بھی میری حفاظت فرمائیے۔ اور حوادث سے یہاں مراد تصادم یا ایکسیڈنٹ اور حادثات وغیرہ نہیں ہے بلکہ یہ حدث سے ہے اور پہلے مصرع میں حدث سے مراد ظاہری حدث ہے اور یہاں باطنی حدث مراد ہے یعنی نافرمانی، گناہ اور فسق و فجور کی نجاست جو ظاہری نجاست سے کہیں زیادہ اشدّ ہے، کیوں کہ ظاہری نجاست تو دو بالٹی پانی سے دھل جائے گی لیکن گناہوں کی باطنی نجاست پر اگر سمندر کا سمندر ڈال دو تو کوئی پاک نہیں ہو سکتا جب تک توبہ واستغفار

نہ کرے۔ مثلاً: ایک شخص گناہ کر کے پورا دریا اپنے اُوپر اُنڈیل لے تو گناہ کی نجاست سے اس کا باطن پاک نہیں ہوگا، لیکن ندامتِ قلب کے ساتھ دو آنسو انسان کو پاک کر دیتے ہیں۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ پانی سے ظاہری حوادث وانجاس کو دھولینا کمال نہیں کہ یہ تو ہمارے اختیار میں ہے، لیکن گناہوں کی نجاست سے ہم پاک نہیں ہوسکتے جب تک اللہ تعالیٰ توفیقِ توبہ نہ عطا فرمائیں۔ لہٰذا اے اللہ! توفیقِ توبہ عطا فرما کر گناہوں کی نجاست سے آپ اپنے اس دوست یعنی بندے کو پاک فرما دیجیے۔

لفظِ دوست کا استعمال بظاہر تو بہت بڑا دعویٰ معلوم ہوتا ہے لیکن اس موقع پر مولانا نے ولایتِ عامہ سے فائدہ اُٹھایا ہے جو ہر گناہ گار سے گناہ گار مومن کو بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۹۱]

اللہ ہر مومن کا ولی ہے۔ لیکن یہ ولایتِ عامہ ہے، ولایتِ خاصہ تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ جب ایمان تقویٰ سے متّصل اور مشرّف ہوجاتا ہے اس وقت ولایتِ خاصہ حاصل ہوتی ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ولی کامل ہوجاتا ہے۔ تو یہاں لفظِ دوست مقابلے میں دشمن کے ہے یعنی ہم کافر نہیں ہیں، ہم آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن اپنی نالائقی کی وجہ سے نفس وشیطان سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اس مغلوبیت کی وجہ سے ہم سے گناہ ہوجاتے ہیں، بغاوت کی وجہ سے نہیں، اس لیے اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے ایک فرد ہم بھی ہیں جس کو آپ نے ہمارے لیے تعبیر فرمایا۔ پس ولایتِ عامہ کے درجے میں ہم آپ کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ ہمارے باطن سے گناہوں کی نجاست کو دھو دیجیے تاکہ وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں شامل ہوکر ہم آپ کی ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوجائیں۔

جز تو پیشِ کہ بر آرد بندہ دست
ہم دعا و ہم اجابت از تو است

---

[۹۱] البقرۃ:۲۵۷

اے اللہ! آپ کے سوا کس کے سامنے بندہ ہاتھ پھیلائے۔ دُعا کی توفیق بھی آپ ہی نے دی ہے یعنی ہم دُعا بھی آپ ہی کی توفیق سے مانگتے ہیں اور قبولیت بھی آپ ہی کی طرف سے ہوگی۔ یعنی قبولیت بھی آپ ہی کی عطا ہے۔

ہم ز اوّل تو دہی میلِ دعا
تو دہی آخر دعا ہا را جزا

اوّلاً آپ ہی ہمارے قلب میں دُعا کا رُجحان پیدا فرماتے ہیں یعنی توفیقِ دُعا آپ ہی عطا فرماتے ہیں اور پھر آپ ہی اس دُعا کو قبول بھی فرمالیتے ہیں۔

اوّل و آخر توئی ما در میاں
ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں

آپ اوّل بھی ہیں اور آپ آخر بھی ہیں اور ہم درمیان میں اتنے حقیر ہیں، اتنے حقیر ہیں کہ ہماری ذلت و حقارت بیان میں نہیں آسکتی۔ یعنی اوّل و آخر سب آپ ہی کا کرم ہے اور درمیان میں ہم اس قدر حقیر و ذلیل ہیں کہ جس کو ہم بیان نہیں کرسکتے، نہ ہمارا کوئی عمل آپ کے قابل، نہ ہماری خطائیں قابلِ معافی لیکن چوں کہ اوّلاً و آخراً ہم آپ کے کرم کے درمیان ہیں اس لیے ہماری ذلتیں اور حقارتیں آپ کے کرم کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

کام بنتا ہے فضل سے اخترؔ
فضل کا آسرا لگائے ہیں

اے خدائے بے نظیر ایثار کن
گوش را چوں حلقہ دادی ایں سخن

اے خدا! تو بے مثل ہے، مجھ پر اپنا فضل فرمادے۔ جب آپ نے ہمارے کانوں کو اپنے الطافِ سخن اور گفتگو کا شرف عطا فرمایا یعنی کلام اللہ سننے کی ہم کو صلاحیت عطا فرمائی اور ہمارے کانوں کے حلقے کو آپ نے گفتگو سننے کی صلاحیت بخشی یعنی کانوں کے حلقے میں آپ نے ایسے آلات بچھادیے ہیں جس سے ہم ہر طرح کی آواز سنتے ہیں اور

سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلاں کی آواز ہے اور یہ فلاں کی لہٰذا ہم پر اپنا وہ کرمِ خاص بھی فرمادیجیے جس سے ہمارا قلب سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا سے مشرّف ہوجائے یعنی سماعت کے بعد اطاعت کی بھی توفیق ہوجائے۔

گوشِ ما گیر و در آں مجلس کشاں
کز رحیقت می کشند ایں سرخوشاں

اے خدا! ہمارا کان پکڑ کر آپ ہمیں اپنی بارگاہِ قُرب میں لے جایئے یعنی اپنے جذب سے ہمیں اپنے اولیاء کی مجالس تک پہنچادیجیے جہاں آپ کے یہ مقبول وخوش نصیب بندے آپ کی شرابِ محبت ومعرفت پی کر مست وسرشار ہیں اور آپ کے قُربِ خاص سے مشرّف ہیں، لہٰذا ہمیں بھی ان کی مجالس تک پہنچادیجیے تاکہ اس شرابِ محبت ومعرفت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہوجائے اور ہم کو بھی آپ کی بارگاہِ قُرب تک رسائی نصیب ہوجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ خُذْ اِلَی الْخَیْرِ بِنَاصِیَتِیْ [۹۲]

اے اللہ! میری پیشانی کے بال پکڑ کر آپ مجھے خیر کی طرف لے جایئے۔

چوں بما بوئے رسانیدی ازیں
سر مبند آں مشک را اے ربِّ دیں

اے اللہ! جب آپ نے ہماری جانوں کو اس شرابِ محبت ومعرفت کی کچھ خوشبو سونگھادی ہے تو ہمارے گناہوں کی وجہ سے اے ربّ دیں! اس خوشبوئے قُرب کو سربند نہ فرمایئے، اس شرابِ محبت کی بوتل پر مہر نہ لگایئے بلکہ برابر پلاتے رہیے، اپنی دولتِ قرب کی ہم پر مسلسل نوازش فرماتے رہیے، ہماری شامتِ عمل سے اس دولت کو ہم سے واپس نہ لیجیے، اپنی محبت ومعرفت کی جو خوشبو ہماری جانوں کو آپ نے سونگھادی ہے اس سے ہمیں محروم نہ فرمایئے اور نفس وشیطان سے ہماری حفاظت فرمایئے تاکہ دنیا کی فانی لذتوں

۹۲؎ کنزالعمال: ۲/۱۹۴،(۳۶۱۲)،مؤسسة الرسالة

میں مبتلا کر کے وہ آپ کے قرب سے ہمیں محروم نہ کرنے پائیں۔

از تو نوشند از ذکور و از اناث

بے دریغے در عطایا مستغاث

اے فریاد رس! اے وہ ذات جس سے فریاد کی جاتی ہے! آپ کے کرم سے کتنے مرد اور کتنی عورتیں بے دریغ آپ کی شرابِ محبت کے جام پر جام پی رہے ہیں اور آپ کی محبت سے مست ہیں، آپ کی عطا کسی خاص طبقے کے لیے محدود نہیں جس پر چاہیں آپ کرم فرمادیں۔ کتنے مرد حسن بصری اور کتنی عورتیں رابعہ بصریہ ہوئی ہیں یعنی بے شمار مرد ولی اور بے شمار عورتیں ولیہ ہوئی ہیں۔ پس اپنے کرم سے ہمیں بھی اپنی محبت کا کوئی جام عطا فرمادیجیے۔

اے دعا ناکردہ از تو مستجاب

دادہ دل را ہر دمے صد فتحِ باب

اے وہ ذات کہ ہماری کتنی ناکردہ دُعاؤں کو آپ نے قبول فرمایا ہے کہ ہم نے مانگا بھی نہیں تھا پھر بھی آپ نے عطا فرمادیا مثلاً: عالمِ ارواح میں ہم نے ایمان کہاں مانگا تھا، ہم نے کب آپ سے فریاد کی تھی کہ ہمیں مسلمان گھر میں پیدا کیجیے، کس نے آپ سے کہا تھا کہ ہم کو اندھا پیدا نہ کرنا، گونگا بہرہ پیدا نہ کرنا، لنگڑا لولا پیدا نہ کرنا، آپ نے بے مانگے سب کچھ دے دیا، ہماری نہ کی ہوئی دُعاؤں کو بھی قبول کرلیا، ہماری بہت سی حاجتیں آپ نے ایسی پوری کی ہیں جن کی ہم نے آپ سے درخواست بھی نہیں کی تھی اور اس دنیا میں ہر وقت نہ جانے کتنی نعمتیں ملتی رہتی ہیں جن کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اچانک ایسے عظیم الشان خزانے مل جاتے ہیں جن کا تصور بھی ہمیں نہیں ہوسکتا تھا، ہمارے خواب وخیال اور ہمارے حوصلوں سے زیادہ اے اللہ! آپ عطا فرماتے رہتے ہیں۔

دادہ دل راہر دمے صد فتحِ باب

اور آپ نے اپنے مومن بندوں کے دلوں کے لیے ہر سانس میں سینکڑوں دروازے رحمت کے کھولے ہوئے ہیں، غیب کے سینکڑوں دروازوں سے آپ ہر وقت انعاماتِ قرب عطا فرماتے رہتے ہیں اور نیک اعمال کی توفیق دیتے رہتے ہیں، مثلاً: یہ جو مثنوی کا درس ہو رہا ہے اور یہ بہت سے لوگ صرف اس لیے فرانس سے آئے ہیں یہ سب اللہ کی عنایات اور اس کا فضل ہے، اللہ قبول فرمائے۔ یہ سب اللہ پاک نے کیا ہے۔

اللہ والوں اور ان کے غلاموں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اپنے قرب کی تجلیاتِ خاصّہ عطا فرماتے ہیں اور ہر وقت ان کے قلوب پر علوم و معارف کا فیضان ہوتا رہتا ہے۔ جیسے ایک شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حسینوں کو دیکھنے کو کیوں حرام کردیا؟ میرے بزرگوں کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو یہ جواب عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بد نظری کو اس لیے حرام کیا تاکہ ان کے بندے حرامی نہ پیدا ہوں اور ان کا نسب محفوظ رہے، کیوں کہ حفاظتِ نظر ہی سے شرمگاہ محفوظ رہتی ہے **یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** کے فوراً بعد **وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ**[۹۳] کا ربط بتاتا ہے کہ غضِّ بصر حفاظتِ فرج کا ضامن ہے اور شرمگاہ کی حفاظت سے ہی انسان حلالی رہ سکتا ہے۔ اس کا قضیہ عکس کرلیجیے کہ اگر نظر کی حفاظت نہ کی گئی تو شرمگاہ محفوظ نہ رہے گی اور زنا عام ہوجائے گا، تو بتایئے پھر کون شخص حلالی رہ سکتا ہے!

❁❁❁❁

اشکوں کی بلندی

خداوندا مجھے توفیق دے دے گنہگاروں کے اشکوں کی بلندی
فدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اختر

۹۳؎ النور: ۳۰

درسِ مناجاتِ رُومی

۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۵/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے قدیمے رازدان ذوالمنن
در رہِ تو عاجزیم و ممتحن

ارشاد فرمایا کہ مولانا بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے وہ ذات جو قدیم ہے یعنی آپ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، قدیم حادث کے مقابلے میں ہے۔ اور حادث کہتے ہیں جس پر کبھی عدم گزرا ہو۔

مولانا دُعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات قدیم ہے، آپ صاحبِ احسان اور ہمارے رازداں ہیں، یعنی ہمارے بھیدوں سے باخبر ہیں، ہماری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے راستے میں ہم کو جیسا باہمت اور شیر ہونا چاہیے تھا ہم نہیں ہو سکے، کوئی خوبی ہمارے اندر نہیں ہے، ہم آپ کے راستے میں عاجز اور محتاج ہیں، یعنی ہم آپ کی راہ کے مرد نہیں بن سکے، نفس و شیطان سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ہر وقت ہمارا امتحان ہو رہا ہے اور اس امتحان میں ہم کبھی فیل بھی ہو رہے ہیں اور کبھی پاس بھی ہو جاتے ہیں، یعنی کبھی تو ذکر و تہجد و نوافل کا اہتمام کرتے ہیں اور کبھی اپنی نالائقی سے سب چھوڑ چھاڑ کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اے خدا! جب ہم آپ کے راستے میں ہر وقت مغلوب ہیں، کمزور ہیں، حالتِ امتحان میں ہیں، ہماری کوئی سانس ایسی نہیں جو امتحان میں نہ گزر رہی ہو، تو اے خدا! آپ تو قدیم الاحسان ہیں، ہمیشہ سے احسان فرمانے والے ہیں، ہماری مغلوبیت و عاجزی کو ہمتِ مردانِ خدا سے تبدیل فرما دیجیے اور اس لومڑی کو شیر بنا دیجیے۔

ہر دلِ سرگشتہ را تدبیر بخش
ویں کماں ہائے دو تو را تیر بخش

اے خدا! وہ دل جو آپ کا راستہ بھولا ہوا ہے اور حیران و پریشان ہے، راستہ نہیں پا رہا ہے، گناہوں کے بُرے بُرے تقاضوں میں غلطاں و پیچاں ہے آپ اس کو تدبیر یعنی ہدایت استقامت کی عطا فرما دیجیے کہ یہ دل آپ کی طرف مستقیم رہے، نوّے ڈگری سے ہر وقت آپ کی طرف متوجہ رہے، ذرّہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہو اور اگر ہو جائے تو پھر توبہ و استغفار سے آپ کی طرف رُخ صحیح کرلے۔ ایک تو ہم عاجز ہیں دوسرے ہر وقت حالتِ امتحان میں ہیں، بالغ ہونے سے لے کر موت تک ہر وقت ہمارا امتحان ہو رہا ہے، کبھی نظر کا امتحان ہو رہا ہے کہ دیکھو نظر بچاتا ہے یا نہیں، کبھی کان کا امتحان ہو رہا ہے کہ گانا تو نہیں سن رہا ہے، کبھی زبان کا امتحان ہو رہا ہے کہ حرام تو نہیں کھا رہا ہے، کبھی ہونٹوں کا امتحان ہو رہا ہے کہ حرام بوسے تو نہیں لے رہا ہے، غرض ہماری کوئی سانس ایسی نہیں ہے جس میں ہم حالتِ امتحان میں نہ ہوں، کبھی شیطان کہہ رہا ہے کہ تم بڑے آدمی ہو، بہت بزرگ آدمی ہو تمہارا کیا کہنا، تم بہت باعزت اور وی آئی پی ہو۔ ایسے وقت میں اے اللہ! آپ ہمیں توفیق دیجیے کہ ہم شیطان سے کہہ دیں کہ جب تک موت نہ آئے اور ایمان پر خاتمہ نہ ہو جائے اور قیامت کے دن اللہ ناراض نہ ہو اس وقت تک ہماری کوئی قیمت نہیں ہے۔ قیمت تو اللہ لگائے گا، غلام کی قیمت تو مالک لگائے گا۔ اگر ساری دنیا تعریف کرے تو اس سے ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔

آہ! یہی باتیں علمائے ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتیں اور ان کے دل میں نہیں اُترتیں کہ صاحب! ہم کیوں نہ قیمت لگائیں۔ ہم بخاری شریف پڑھاتے ہیں، یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ باتیں صرف اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھانے سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک صاحب نے حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا جو میں چاہتا ہوں اور میرے اندر وہ حالت پیدا نہیں ہوئی جو ہونی چاہیے۔ حکیم الاُمت نے فرمایا: جس دن آپ نے یہ سمجھ لیا کہ میں اس مقام تک پہنچ گیا وہ مقام نہایت ہی رونے کا مقام ہو گا اور وہ دن بہت ہی غم کا دن ہو گا۔ بس یہی سمجھو کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔

کچھ ہونا مرا ذلت وخواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

پس اے خدا! جب ہمیں آپ کا راستہ نہیں مل رہا ہے تو آپ ہمیں اپنی راہ کی ہدایت عطا فرمادیجیے تاکہ ہماری سرگشتگی وحیرانی دور ہوجائے، اور ہمارے پاس کمان تو ہے مگر تیر نہیں ہے، کمان خالی پڑی ہے اس لیے آپ اپنی رحمت سے تیر بھی عطا فرمائیے۔ یعنی ہمارے پاس اعمالِ صالحہ کی صلاحیت تو ہے مگر ہم اعمال نہیں کرتے، سست پڑے ہوئے ہیں، دشمن ہم پر مسلّط ہوگیا ہے اور وہ ہمارا شکار کررہا ہے، بجائے اس کے ہم نفس وشیطان پر تیر چلاتے نفس وشیطان ہم پر تیر چلارہے ہیں، لہٰذا ہماری کمان صلاحیت کو اپنی توفیق وہدایت کا تیر عطا فرمادیجیے تاکہ ہم نفس وشیطان کو مغلوب کردیں۔

اے مبدل کردہ خاکے را بہ زر
خاکِ دیگر را نمودہ بوالبشر

ارشاد فرمایا کہ خاکے میں یائے تنکیری ہے یعنی بعض مٹی۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! بعض مٹی کو آپ اپنی قدرتِ خلاّقیت سے سونا بنادیتے ہیں اور کسی مٹی کو آپ انسان بنادیتے ہیں۔ یعنی مٹی سے آپ نے غلّہ پیدا کیا اور غلّے سے ماں باپ نے کھایا، روٹی سے خون بنا اور وہی خون باپ کے اندر منی اور ماں کے اندر حیض بن گیا اور اس منی اور حیض کو ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ انسان بنادیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کی خلاّقیت کا کمال ہے کہ جس مٹی کو چاہتے ہیں آپ سونا بنادیتے ہیں اور جس مٹی کو چاہتے ہیں انسان بنادیتے ہیں۔

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا
کارِ ما سہوست ونسیان و خطا

ارشاد فرمایا کہ اعیان جمع ہے عین کی اور عین کے معنیٰ ہیں حقیقت، ماہیت۔ تبدیلِ اعیان کہتے ہیں ماہیت کا بدل جانا جیسا کہ مندرجہ بالا شعر میں مذکور ہوا کہ کسی خاک کو اللہ تعالیٰ سونے میں تبدیل فرمادیتے ہیں اور کسی خاک کو انسانی پیکر میں تبدیل

فرمادیتے ہیں، تو خاک کی عینیت اور ماہیت تبدیل ہوگئی۔ اسی طرح شراب حرام ہے لیکن جب شراب سرکہ بن گئی تو اس کی حقیقت بدل گئی، جو حرام تھی اب سرکہ بن کر حلال ہوگئی۔ اب اس سرکہ کو مفتی اعظم بھی پی سکتا ہے، شیخ الحدیث بھی پی سکتا ہے، شیخ المشائخ بھی پی سکتا ہے۔ اسی طرح گدھا حرام ہے لیکن نمک کی کان میں گر کر مر گیا اور ''ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد'' نمک کی کان میں جو چیز بھی جاتی ہے نمک بن جاتی ہے تو وہ گدھا بھی مرنے کے بعد نمک بن گیا، اب اس کی ماہیت تبدیل ہوگئی اور نمک کے پیکٹوں میں اس کی پیکنگ ہوگئی، لہٰذا اب بڑے بڑے مفتیانِ کرام اور علمائے کرام سے لے کر عوام تک اسے کھا رہے ہیں۔ لیکن اگر گدھا نہ مرتا اور سانس لیتا رہتا تو گدھے کا گدھا ہی رہتا، کبھی نمک نہ بنتا۔

اس مثال سے مولانا رُومی ایک نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر اللہ والا بننا چاہتے ہو تو خانقاہوں میں جا کر اللہ والوں کی صحبت میں اپنے نفس کو مٹاؤ، شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کر دو تب جا کر تم اللہ والے بنوگے، لیکن اگر اپنا تشخّص باقی رکھوگے اور شیخ کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے باقی رکھوگے تو ایسا شخص گدھے کا گدھا ہی رہے گا اور خر آمد و خر برفت کا مصداق ہوگا کہ جب آیا تو گدھا تھا اور واپس گیا تو گدھا ہی گیا۔ یعنی محروم آیا اور محروم ہی گیا۔

یہ راستہ نفس کو مٹانے کا ہے۔ اپنے جذبات وخواہشات کو فنا کر دو، باہ ہو یا جاہ، غصہ ہو یا شہوت شیخ جو ہدایات دے اس میں اگر مگر مت لگاؤ، اس کی رائے کو بلا دلیل تسلیم کرکے عمل کرو، پھر دیکھو کیسی تبدیلِ ماہیت ہوتی ہے، فسق وفجور ولایت وتقویٰ سے تبدیل ہو جائے گا اور بزبانِ حال کہو گے کہ ؎

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

مولانا رُومی کے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ کا کام حقیقت کو تبدیل کرنا اور تبدیل کرکے اس پر اپنی بخشش وعطا فرمانا ہے۔ یعنی اشیاء کی ادنیٰ ماہیت اور ادنیٰ

حقیقت کو تبدیل کر کے اپنے کرم سے اسے دوسری اعلیٰ حقیقت وماہیت عطا فرمانا ہے، جیسے گزشتہ شعر میں مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! آپ ایک خاک کی حقیقتِ کمتر کو تبدیل کر کے اسے دوسری حقیقتِ خوب تر بصورتِ زر بنادیتے ہیں اور دوسری خاک کی حقیقتِ کمتر کو بشر بنادیتے ہیں جو زر سے بھی برتر ہے تو اے اللہ! آپ کا کام اشیاء کی حقیقت کو تبدیل کر کے اسے دوسری اعلیٰ و بہتر حقیقت عطا فرمانا ہے اور ہمارا کام سہو ونسیان وخطا ہے۔ یعنی ہمارا کام سہو کرنا، بھول جانا اور خطا کرنا ہے کیوں کہ ہمارا مادۂ تخلیق مَاءٍ مَّهِيْنٍ ہے لہٰذا ذلیل چیز سے ذلیل چیز ہی پیدا ہوگی، ببول سے کانٹے ہی پیدا ہوں گے، لیکن اگر ببول کے درخت سے پھول پیدا ہونے لگیں تو یہ اللہ کا کرم ہے، ببول کا کمال نہیں۔ اسی طرح مَاءٍ مَّهِيْنٍ سے تو اعمالِ سیئہ کا صدور ہی مستلزم تھا لیکن اگر اعمالِ صالحہ کا صدور ہو رہا ہے تو یہ محض حق تعالیٰ کا احسان ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۟ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ[۹۴]

جو کچھ تجھے بھلائی میں سے پہنچتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ بُرائی میں سے پہنچتا ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ لیکن جب آپ اپنا کرم فرمادیں تو نالائق لائق ہو جاتے ہیں۔

مولانا رُومی کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے کیا بندگی پیش کی ہے کہ اے اللہ! آپ کا کام عطا ہے اور ہمارا کام خطا ہے، سبحان اللہ!

سہو ونسیاں را مبدل کن بہ علم
من ہمہ جہلم مرادہ صبر و حلم

اے اللہ! آپ تبدیلِ اعیان پر قادر ہیں تو ہماری بھول اور نسیان کو آپ علم سے تبدیل فرمادیجیے کہ کسی وقت ہم آپ کو نہ بھولیں اور ہر وقت آپ سے باخبر رہیں، آپ کے عالم ہو جائیں، غیر سے غافل ہو جائیں۔

۹۴؎ النسآء:۷۹

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

اور ہم سراپا جہل ہیں، ہمہ تن جاہل ہیں ہمیں صبر و حلم عطا فرما، کیوں کہ جاہل صابر اور حلیم نہیں ہوتا، اپنے جہل کی وجہ سے اس کو صبر و حلم کی قیمت نہیں معلوم ہوتی اس لیے غصّے میں وہ حلم کا دامن چھوڑ دیتا ہے اس لیے تقاضائے معصیت یا نزولِ مصیبت یا مواقع طاعت میں وہ صبر کا دامن چھوڑ کر قُربِ الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوجاتا ہے، اور جس کو اللہ نے صبر کی طاقت دے دی اس کو استقامت مل جاتی ہے، کیوں کہ صبر کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم ہے اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ۔ یعنی کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی جب گناہ کا تقاضا ہوا تو نفس کو گناہ سے روک لیا اور گناہ کی لذّت سے بچنے کی تکلیف کو برداشت کرلیا اس کا نام ہے معصیت پر صبر کرنا۔ اور دوسری قسم ہے: اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَۃِ۔ مصیبت کے وقت اللہ کی مرضی پر راضی رہے اور شکوہ واعتراض نہ کرے۔ اور صبر کی تیسری قسم ہے: اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَۃِ[۹۵] نماز روزہ ذکر و تلاوت کے معمولات کی پابندی کرنا بھی صبر ہے، یہ نہیں کہ جب دل چاہا تو تہجد بھی ہے، اشراق وچاشت بھی ہے، ذکر و تلاوت بھی ہے اور جب دل نہ چاہا تو تمام معمولات چھوڑ دیے۔

اسی لیے مولانا دُعا فرمارہے ہیں کہ اے خدا! ہم سراپا نادان و جاہل ہیں آپ ہم کو صبر و حلم کی نعمتیں عطا فرمائیے۔

❁❁❁❁

۹۵ مرقاۃ المفاتیح: ۲/۶، کتاب الطہارۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۶/ فروری ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کہ خاک شورہ راتو ناں کنی
وے کہ نان مردہ راتو جاں کنی

ارشادفرمایاکہ مولانارُومی حق تعالیٰ کی عظمتِ شان، قدرتِ قاہرہ اور تصرفاتِ عجیبہ بیان فرمارہے ہیں کہ اے خدا! آپ کی کیاشان ہے کہ شور یعنی کھاری اور بنجر مٹی کو آپ روٹی بنادیتے ہیں۔ گندم بھی دراصل مٹی ہے، کیوں کہ ایک دانۂ گندم کو مٹی کے نیچے ڈالا جاتاہے تو اجزائے خاک مستحیل ہو کر ایک دانے سے ہزار دانے بن جاتے ہیں۔ اے اللہ! مٹی کو گندم میں تبدیل کرنا یہ آپ ہی کا تو کمال ہے ورنہ گندم کا جو دانہ بویا تھا اگر یوں ہی پڑا رہتا تو گل سڑ کر مٹی بن جاتا لیکن آپ کی قدرت سے وہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور پودوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر جب پودے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان میں شاخیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر ان شاخوں میں گندم کے خوشے لگتے ہیں جن میں دانے بھرے ہوتے ہیں، پھر کھیتوں سے شہر میں لاکر ان کا آٹا بنتا ہے جس سے گھروں میں روٹی بنتی ہے، اس طرح اے اللہ! آپ مٹی کو روٹی بنادیتے ہیں۔ اور روٹی ایک مُردہ چیز ہے لیکن اس کے کھانے سے ہماری جان قائم رہتی ہے، تو بقائے رُوح کا ذریعہ آپ نے مُردہ کو رکھا ہے، یعنی جان کی بقا اور حفاظت غیر جان سے کی ہے، عقلاً زندہ کو زندہ رکھنے کے لیے زندہ چیز ہونی چاہیے تھی لیکن یہ آپ کی کتنی بڑی شان ہے کہ مردہ روٹی کھلا کر آپ زندہ کو زندہ رکھتے ہیں کہ اگر دس دن یہ غذائے مُردہ نہ ملے تو انسان مر جائے۔

اور اس مُردہ روٹی کو اے اللہ! پھر آپ جاندار کر دیتے ہیں۔ یعنی ماں باپ اس روٹی کو کھاتے ہیں تو یہی روٹی خون بن جاتی ہے، پھر خون سے منی کی شکل میں مستحیل ہو جاتی ہے اور پھر اسی منی سے آپ انسان کو پیدا فرماتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہی

مُردہ روٹی ماں باپ کے پیٹ میں چند استحالات اور تبدیلیوں کے بعد کہ پہلے خون، پھر منی، پھر نطفہ ومضغہ وغیرہ بن کر زندہ انسان بن جاتی ہے۔ اے اللہ! آپ کی عجیب قدرت ہے کہ مُردہ سے زندہ کو زندہ رکھتے ہیں اور پھر مُردہ کو بھی زندہ کر دیتے ہیں:

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ[۹۶]

اے کہ جان خیرہ رار ہبر کنی

وے کہ بے رہ را کہ پیغمبر کنی

اے خدا! وہ جان جو راہ سے ناواقف ہونے کے سبب حیرت زدہ ہے اگر آپ کا فضل ہو جاتا ہے تو نہ یہ کہ اس کو آپ راستہ بتاتے ہیں بلکہ راہبر بنادیتے ہیں۔ بعض گمراہوں کو آپ نے صرف ولی نہیں، ولی گر بنادیا کہ ان کی صحبت سے دوسرے ولی بننے لگے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے، اے اللہ! آپ نے ان کو توفیقِ توبہ دی اور ان کو اتنا بڑا ولی اللہ بنایا کہ آج ہمارے سلسلے کے شجرے میں ان کا نام آتا ہے اور اے خدا! جو آپ کی راہ سے بے خبر تھے ان کو آپ نے پیغمبر بنادیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى[۹۷] اے نبی! آپ وحیٔ الٰہی اور احکامِ شریعت سے بے خبر تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقامِ نبوت سے نواز کر باخبر کر دیا۔ بعض لوگوں نے ضَآلًّا کا گمراہ ترجمہ کیا جو بالکل جائز نہیں، سخت گستاخی ہے کیوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے، وہ اللہ کے یہاں پہلے ہی سے منتخب ہوتا ہے، چناں چہ نبوت ملنے سے پہلے بھی کسی نبی نے کبھی بُت پرستی نہیں کی، شراب نہیں پی اور کوئی گناہ نہیں کیا، ان کی حفاظت کی جاتی ہے، لہٰذا حکیم الاُمت مجدّد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا پیارا ترجمہ کیا کہ اللہ نے اے نبی! آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا پس آپ کو باخبر کر دیا۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے حالات بچپن ہی سے نہایت رفیع ہوتے ہیں، بچپن ہی سے معجزے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض

۹۶؎ المؤمنون:۱۴

۹۷؎ الضحیٰ:۷

اولیاء اللہ بھی مادر زاد ولی ہوتے ہیں، بچپن ہی سے ان کو کھیل کود سے مناسبت نہیں ہوتی اور دین کے کاموں سے ان کو بچپن ہی سے تعلق ہوتا ہے، لیکن اولیاء اللہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے بعضے پہلے فاسق وفاجر تھے بعد میں توبہ کرکے ولی اللہ ہوگئے۔

اے کہ خاک تیرہ راتو جاں دہی
عقل و حس راروزی و ایماں دہی

اے اللہ! ماں کے پیٹ کے اندھیرے میں مٹی کا پُتلا بنا کر ساڑھے تین مہینے کے بعد اس اندھیری مٹی کو آپ رُوح عطا فرماتے ہیں اور پھر اس کو عقل وحواس بھی دیتے ہیں اور ان کی پرورش کے لیے جسمانی رزق یعنی روٹی بھی دیتے ہیں اور جس مٹی پر فضل خاص ہوتا ہے اس کو رُوحانی رزق یعنی ایمان بھی عطا فرماتے ہیں۔

شکّر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مُردہ بتِ خوب آوری

اے اللہ! آپ کی قدرت کا کمال ہے کہ گنّے سے جو صورتاً لکڑی کے ڈنڈے کے مشابہ ہوتا ہے آپ شکر پیدا فرماتے ہیں اور درختوں کی لکڑیوں سے میوے اور پھل پیدا فرماتے ہیں اور مُردہ اور بے جان نطفۂ منی سے کیسی پیاری اور خوبصورت شکلیں پیدا فرماتے ہیں۔ باپ کی منی اور ماں کے حیض جیسی بدہیئت اور کریہ المنظر شے (چیز) سے آپ انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا فرماتے ہیں۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ ست بر آب صورت گری

اے اللہ! نطفۂ منی کو آپ کیسی خوبصورت شکل میں تبدیل فرمادیتے ہیں اور آپ کی کمالِ قدرت ہے کہ منی کے قطرۂ آب پر آپ نے صورت گری کی ہے۔ پانی پر نقش ونگار آپ کے علاوہ کون ہے جو بنا سکے۔

گُل ز گِل صفوت ز دل پیدا کنی
پیہ را بخشی ضیاء و روشنی

ارشاد فرمایا کہ پیہ کے معنیٰ ہیں چربی، شحم۔ مولانا رُومی قدرتِ الٰہیہ کے تصرفاتِ عجیبہ بیان فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! آپ پھولوں کو مٹی سے پیدا فرماتے ہیں جب کہ مٹی میں کوئی خوشبو نہیں، لیکن اسی مٹی سے خوشبو دار پھول پیدا ہوتے ہیں اور مٹی میں کوئی رنگ نہیں اور پھول رنگ برنگے ہوتے ہیں اور انسانی جسم سر سے پیر تک گوشت اور چربی سے مرکب ہے جس کی وجہ سے جسم کے اندر اندھیرا ہے اور اسی میں قلب ہے اور قلب کے اندر بھی اندھیرا ہے لیکن اسی گوشت اور چربی کے اندھیروں میں قلب کے اندر آپ نورِ ایمان اور نورِ تقویٰ اور نورِ عقل اور نورِ ہدایت و معرفت اور اپنے قُرب کی تجلی عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح جسم کے ظاہر میں آنکھیں ہیں جن کو اگر چیر کر دیکھیں تو روشنی کا پتا نہ ملے گا لیکن گوشت پوست سے بنی ہوئی آنکھوں کے تاریک اور سیاہ تل میں آپ نے نور کا خزانہ رکھ دیا، سیاہی میں نور کا خزانہ اجتماعِ ضدین ہے جو مخلوق کے لیے محال ہے لیکن آپ کی قدرتِ قاہرہ نے محال کو ممکن بنادیا۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ۔

می کنی جزوِ زمین را آسماں
می فزائی در زمیں از اختراں

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! زمین کے جز کو آپ آسمان بنادیتے ہیں یعنی جو اللہ والے ہیں وہ زمین پر رہتے ہوئے بھی آسمان ہیں بلکہ آسمان بھی ان پر رشک کرتا ہے کہ اس اللہ والے کے جسم کی خاک مجھ سے اعلیٰ و اشرف ہے بلکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی مجھ سے افضل ہے جہاں کوئی اللہ والا رہتا ہے اور کہکشاں بھی ان آنسوؤں پر رشک کرتی ہے جو اللہ کی یاد میں نکلتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ وہ ہوتے مرے آنسو
تمنا کہکشاں کو ہے کہ میری آستیں ہوتی

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

آسماں رشک بر آرد بہ زمینے کہ برو
یک نفس یا دو نفس بہر خدا بنشینند

آسمان اُس زمین پر رشک کرتا ہے جہاں دو ایک بندے آپس میں اللہ کے لیے بیٹھ جائیں۔ جس زمین پر کوئی بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے اُس زمین کے لیے وہ گویا آسمان ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مبارک تجھ کو اسرارِ کرم کا راز داں رہنا
مبارک ہو زمیں پر تیرا بن کر آسماں رہنا

اسی پر احقر کے چند اشعار ہیں۔

ہماری خاک اس لمحہ میں ہے رشکِ فلک اختؔر
وہی لمحہ جو میرا ذاکرِ مولائے عالم ہے

آب و گِل میں اگر دردِ دل ہے
عالمِ خاک ہے آسماں میں
کیا کہوں قربِ سجدہ کا عالم
یہ زمیں جیسے ہے آسماں میں
نہ پوچھو لذتِ فریادِ سجدہ
زمیں میری ہو جیسے آسماں میں

زمین کا وہ ٹکڑا آسمان بلکہ آسمان سے افضل کیوں نہ ہوگا اور انسان کی وہ خاک ملائکہ سے اعلیٰ واشرف کیوں نہ ہوگی جس خاک پر اللہ تعالیٰ فخر فرمائیں۔ مرقاۃ جلد ۵ ص ۴۹ پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث **ذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنْ عِنْدَهٗ**[۹۸] کی تشریح میں فرماتے ہیں:

---

۹۸ صحیح مسلم: ۳۴۵/۲، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القراٰن، ایچ ایم سعید

اَیْ عِنْدَ الْمَلَاۤئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعِنْدَ اَرْوَاحِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ[۹۹]

یعنی ملائکہ مقربین وارواحِ انبیاء والمرسلین کے سامنے اللہ تعالیٰ بطور افتخار کے ان بندوں کی ثناء وتعریف کے ساتھ ان کا تذکرہ فرماتے ہیں جو زمین پر اللہ کو یاد کررہے ہیں۔ اسی کو مولانا رُومی اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ! زمین کے بعض ٹکڑے کو آپ آسمان کردیتے ہیں اور بعض آسمان کو زمین کردیتے ہیں۔ جیسے آسمان سے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین کا جز بن جاتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ زمین پر مثل ستاروں کے اپنے انوار سے زمین کی قیمت کو بڑھادیتے ہیں۔

اے دہندہ قوت و تمکین و ثبات
خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ رزق بھی دیتے ہیں اور تمکین وثبات بھی دیتے ہیں۔ استقامت رزقِ رُوحانی ہے۔ تمکین کے معنٰی ہیں استقامت اور ثبات سے مراد ثباتِ قدم ہے یعنی دین پر ثابت قدم رہنا۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہمیں روزی یعنی رزقِ جسمانی بھی دینے والے ہیں اور استقامتِ دینی و رُوحانی دینے والے، اپنے راستے پر ثابت قدم رکھنے والے بھی ہیں لہٰذا اپنی اس مخلوق کو بے ثباتی وبے استقامتی سے نجات عطا فرمایئے۔ بے ثباتی سے مراد تلوین ہے اور تلوین کے معنٰی ہیں کہ رنگ بدلنا، یعنی جو استقامت سے محروم ہے، کسی وقت اللہ کو راضی کرتا ہے اور کسی وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوجاتا ہے، کبھی نفس پر غالب آجاتا ہے کبھی نفس سے مغلوب ہوکر نفس کا غلام بن جاتا ہے، یعنی کبھی شیطان کبھی ولی، گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت، یہ تلوین میں مبتلا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ اے بندوں کو رزق دینے والے اور رزق کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق دے کر اپنے خاص بندوں کو مقامِ تمکین واستقامت عطا فرمانے والے! ہمیں بھی تمکین واستقامت

---

۹۹ مرقاۃ المفاتیح: ۴۹/۵، باب ذکر اللہ والتقرب الیہ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

عطا فرما، اپنی راہ پر ثابت قدمی عطا فرما، کیوں کہ اگر رزق کھا کر اس سے پیدا شدہ طاقت کو اے اللہ! آپ کی نافرمانی میں استعمال کیا تو یہ صاحبِ قوت اور حاملِ رزق تو ہے لیکن صاحبِ تمکین اور صاحبِ استقامت نہیں ہے بلکہ نمک حرام ہے کہ جس مالک کا رزق کھاتا ہے اسی کے خلاف چلتا ہے۔ پس اے رب! ہم آپ کے مخلوق ہیں، آپ کے مملوک ہیں، آپ کے مرزوق ہیں، اپنی اس مخلوق کو بے ثباتی سے، استقامت سے محرومی سے یعنی دین کے خلاف کام کرنے سے نجات عطا فرما۔ یعنی ہم لوگ جو نفس کے غلام بنے ہوئے ہیں اور حرام لذتوں کی عادت ڈالے ہوئے ہیں ہماری اس خصلتِ خنزیریت اور خصلتِ سگیت کو خصلتِ شرافتِ انسانیت اور خصلتِ شرافتِ عبدیت سے تبدیل فرما دیجیے کہ ہماری ہر سانس آپ کی مرضی پر فدا ہو اور ایک سانس بھی آپ کی ناراضگی میں نہ گزرے اور بندے کی جس سانس سے اللہ خوش ہو وہ سانس اتنی قیمتی ہے کہ زمین و آسمان اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتے اور جس سانس سے اللہ ناراض ہو اس سانس کے خسارے اور ذلّت کو کتّے سور بھی نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ کتے اور سور مکلّف نہیں ہیں، ان کو اللہ نے عقل ہی نہیں دی لیکن ہمیں تو اللہ نے عقل عطا فرمائی ہے، جو عقل والا ہو کر اپنے مالک اور محسن کو ناراض کرے وہ جانوروں سے زیادہ بدتر ہے۔ لہٰذا جس شخص کو استقامت نصیب نہیں، دین پر قائم رہنے کی طاقت اور ثبات قدمی حاصل نہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ جانے کس وقت وہ کیا کر بیٹھے۔

کراچی کا واقعہ ہے۔ ایک عالم نے بتایا کہ ایک شخص جو دین کے کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لینے والا، لوگوں کو دین کی دعوت دینے والا تھا، یہاں تک کہ تاجر اس کے پاس امانتیں رکھواتے تھے، اس کا ظاہر بالکل سنت و شریعت کا پابند لیکن اپنی سالی سے پردہ نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ بے پردگی کی نحوست سے عشقِ مجازی کا زہر آہستہ آہستہ دل میں گھستا رہا اور ایک دن بے قابو ہو کر رات کے بارہ بجے داڑھی منڈائی اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر اور سب کی امانتیں لے کر سالی کے ساتھ بھاگ گیا۔ اس لیے شریعت نے پردے کا اور نظر کی حفاظت کا جو حکم دیا ہے یہ سختی نہیں ہے بلکہ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ نظر کی حفاظت فرض کردی کیوں کہ جب نظر محفوظ ہوگی تو شرمگاہ بھی محفوظ ہوگی اور شرمگاہ محفوظ ہوگی تو زنا سے حفاظت ہوگی اور اولاد حلالی پیدا ہوگی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم نہیں ہے کہ بندے حلالی ہوں اور ان کا نسب محفوظ ہو؟ سبحان اللہ! کیا پاکی اور طہارت و شرافت کا قانون ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے، انگریزوں کا اندھا قانون نہیں ہے کہ اگر مرد و عورت راضی ہوں تو باہمی رضامندی سے وہ حرام کاری کرسکتے ہیں یعنی حرامی اولاد پیدا کرسکتے ہیں۔ شریعتِ اسلامی کہتی ہے کہ باہمی رضامندی کوئی چیز نہیں، مالک کی رضامندی اصل چیز ہے۔ باہمی رضامندی سے مالک کی نافرمانی جائز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا فسق پر راضی ہونا فسق ہے اور کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ اگر دو غلام مالک کی نافرمانی پر صلح کرلیں تو پٹائی ہوتی ہے یا نہیں؟ جیسے دو نوکر ایک سیٹھ کی دوکان پر بادام چرا کر کھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ خوب موٹے ہوگئے، جب مالک کو پتا چلا تو وہ پٹائی ہوئی کہ اگلا پچھلا سارا بادام نکل گیا۔ اسی لیے اللہ کی نافرمانی پر لاکھ کوئی رضامند ہوجائے لیکن جب پٹائی ہوگی تو پتا چلے گا۔

اسی لیے مولانا رُومی اس شعر میں اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں: اے اللہ! ہم آپ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، آپ ہمیں روزی دینے والے ہیں تو آپ کی روزی کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرما کر ہمیں دین پر تمکین واستقامت کی نعمت عطا فرما دیجیے اور ہمیں تلوین وعدمِ استقامت سے نجات عطا فرمایئے۔ اس لیے یا اللہ! اپنی رحمت سے جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی برکت سے جو شرح اس وقت بیان ہوئی اپنی رحمت سے اسے قبول فرمالیجیے۔ اے خدا! ہماری ہر سانس کو اپنی رضا پر فدا ہونے کی توفیق عطا فرما اور اولیائے صدّیقین کا ایمان ویقین نصیب فرما اور ہمارا ایمان ویقین اولیائے صدّیقین کی آخری سرحد تک پہنچادے۔ ایسا یقین، ایسا ایمان عطا فرما کہ ہماری ہر سانس آپ پر فدا ہو اور آپ کو خوش کرکے ہماری زندگی کی ہر سانس رشکِ سلطنت ہفت اقلیم ہوجائے۔ اے خدا! ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرنا اپنے لیے دونوں جہاں کی مصیبت سے بڑھ کر سمجھیں، اے خدا! ایک سانس بھی ہماری آپ کی ناراضگی

میں نہ گزرنے پائے، ہمیں ہر وقت اپنی رضا پر استقامت نصیب فرمائیے۔ اگر ہم گناہ کی طرف جارہے ہوں تو جس طرح چھوٹے بچے مٹی کھانے کے لیے یا پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالنے کے لیے چلتے ہیں تو ماں ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتی ہے، آپ کی رحمت سے فریاد ہے کہ اگر ہم اپنی نالائقی سے، اپنی خباثتِ طبع سے گناہ کی طرف جانے لگیں تو ہم آپ کی رحمت سے فریاد کرتے ہیں کہ ماں کی رحمت تو آپ کی دی ہوئی مخلوق رحمت ہے اور آپ ارحم الراحمین ہیں اس رحمتِ عامّہ کے صدقے میں اور اس رحمتِ خاصّہ کے صدقے میں ہمارے ہاتھوں کو ہر بُرائی سے آپ کھینچتے رہیے، بچاتے رہیے، حفاظت نصیب فرماتے رہیے کہ ہم ایک سانس بھی آپ کو ناراض نہ کریں۔ جس دن آپ ہم کو یہ مقام عطا فرمادیں گے بس اس دن ہم ہفتِ اقلیم کی سلطنت بلکہ شمس و قمر اور زمین وآسمان سے زیادہ بلکہ دونوں جہاں سے زیادہ ہم آپ کی رحمت پائیں گے۔ اے خدا! آپ ہماری زندگی کو اپنے اولیاء کی حیات سے مشرّف اور مبدّل فرمادیجیے اور نفس وشیطان کی غلامی سے نفرت اور کراہت اور اپنی خصوصی حفاظت مقدّر فرمائیے۔ ہم سب کو، ہماری اولاد کو اور ہمارے رشتہ داروں کو تمام نافرمانیوں سے محفوظ فرما اور آج تک اے خدا! آپ کی ناخوشی کی راہوں سے ہمارے نفس نے جتنی حرام خوشیاں درآمد کی ہیں آپ ان خوشیوں کو معاف کردیجیے کیوں کہ آپ کو ناخوش کرکے بندوں کو اپنا جی خوش کرنا یہ حرام خوشی انسانیت وشرافت وعبدیت کے خلاف ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۷؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اندراں کارے کہ ثابت بودنی ست
قائمی دہ نفس را کہ منثنی ست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ جس کام کے اندر استقامت مطلوب ہے اے خدا! اس میں ہمارے نفس کو استقامت دیجیے کیوں کہ اپنی خصلت کے اعتبار سے اس میں ازاغت، کجی اور ٹیڑھا پن ہے اور یہ کجی اور ازاغت کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ [۱۰۰]

یعنی نفس اپنی فطرت کے اعتبار سے کَثِیۡرُ الۡاَمۡرِ بِالسُّوۡٓءِ [۱۰۱] ہے، شَدِیۡدُ الۡمَیۡلَانِ اِلَی الۡخَطَاءِ ہے، ہر وقت بُرائی کو کہتا رہتا ہے، اگر موقع پاجائے تو ایک بُرائی کو اور ایک گناہ کو نہ چھوڑے خواہ چھوٹا گناہ ہو یا بڑا گناہ، پُرانا گناہ ہو یا نیا گناہ۔ اب اگر کوئی کہے کہ جب قرآنِ پاک نازل ہورہا تھا اس زمانے میں فلم، سینما، ٹی وی، وی سی آر اور ڈش کہاں تھے، مولوی زبردستی ان چیزوں کو منع کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ اَلسُّوۡٓءِ میں الف لام جنس کا ہے اور جنس وہ کُلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ سُوۡٓء یعنی بُرائی اور گناہ کی جتنی قسمیں زمانۂ نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گی وہ سب اس اَلسُّوۡٓءِ میں داخل ہیں۔ لہٰذا سُوۡٓء کی تمام انواعِ ماضیہ حالیہ و مستقبلہ اس میں شامل ہو گئیں، یعنی گناہوں کے جتنے انواع و اقسام تھے اور ہیں اور آیندہ ایجاد ہوں گے سب اس میں آگئے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے کہ ماضی حال و استقبال تک کے تمام گناہوں کا اس میں احاطہ ہو گیا۔

---

[۱۰۰] یوسف:۵۳

[۱۰۱] روح المعانی:۱۳/۲،یوسف(۵۳)،داراحیاءالتراث،بیروت

اس لیے مولانا رُومی دُعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! جس کام میں آپ کو استقامت پسند ہے اس میں میرے نفس کو استقامت نصیب فرمائیے کیوں کہ نفس اپنی فطرت کے اعتبار سے کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے لہٰذا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ [۱۰۲] کا سایۂ رحمت ہمارے اُوپر ڈال دیجیے جو استقامت کا ضامن ہے۔

اندراں کارے کہ دارد آں ثبات
قائمی دہ نفس را بخشش حیات

جو کام اپنے اندر ثباتِ قدمی اور استقامت کو مقتضی ہیں یعنی جن کاموں میں آپ استقامت کو پسند فرماتے ہیں ان میں ہم کو استقامت عطا فرما دیجیے اور ہمیں حیاتِ ایمانی بخش دیجیے۔ استقامت فی الدین کی برکت سے ہم سب کو حقیقی حیات نصیب فرما دیجیے۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اپنے دوستوں کی حیات نصیب فرما دیجیے، دین پر ثبات قدمی واستقامت عطا فرما دیجیے، کیوں کہ اگر نفس میں استقامت نہیں، اور دین پر وہ قائم نہیں رہتا مثلاً حرام لذّت کو چرا لیتا ہے تو حیات سے محروم ہو جاتا ہے، اس کی زندگی مثل جانور کے ہو جاتی ہے۔

صبر ماں بخش وکفہ میزاں گراں
وارہاں ماں از دمِ صورت گراں

اے اللہ! آپ ہم کو صبر عطا فرمائیے یعنی گناہوں کے تقاضوں کے وقت گناہوں کی لذّت سے بچنے کی تکلیف پر صبر عطا فرمائیے کہ چاہے گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو لیکن ہمیں ایسی توفیق دے دیجیے کہ چاہے جان نکل جائے لیکن گناہ کر کے ہم آپ کو ناراض نہ کریں اور قیامت کے دن ہمارے ترازو کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے یعنی نیکیاں زیادہ کر دیجیے تا کہ ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے۔ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ [۱۰۳] نہ ہو فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ [۱۰۴] ہو، اور چوں کہ صبر پر اجر بہت زیادہ ہے اس لیے مولانا نے اس کا تعلق کفہ میزان سے جوڑ دیا کہ صبر کی توفیق عطا فرما کر اور اس کو قبول فرما کر میزانِ اعمال میں نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہاں

---

[۱۰۲] یوسف: ۵۳
[۱۰۳] القارعۃ: ۸
[۱۰۴] القارعۃ: ۶

نیکیوں کا لفظ کیوں بڑھایا جارہا ہے کیوں کہ کفہ میزان کے معنیٰ تو ترازو کے پلڑے کے ہیں یعنی ترازو کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے۔ یہاں نیکیوں کا کیا ثبوت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مولانا کا اسلوبِ بیان قرآنِ پاک کی اتباع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ جس سے مراد نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونا ہے۔

تو مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ ہمیں صبر عطا فرما کر ہماری نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیجیے اور اس مکروہ صورت، دشمن شیطان کے خبیث وسوسوں سے ہمیں خلاصی عطا فرمائیے جو ہمارے دل میں گناہوں کے تقاضوں کی پھونک مارتا ہے اور گناہوں کے خیالات ڈال کر سانپ کی طرح دل کو ڈستا رہتا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! اس خبیث کے وسوسوں اور اس کے مکر وفریب سے ہم کو بچائیے۔

وز حسودے باز ما خر اے کریم

تا نہ باشیم از حسد دیوِ رجیم

اے کریم! اس حاسد اور دشمن شیطان سے ہم کو دوبارہ خرید لیجیے یعنی آپ تو ہمیں بار بار خریدتے رہتے ہیں اور اس کی غلامی سے چھڑاتے رہتے ہیں، لیکن ہم اپنی نالائقی اور کمینے پن سے پھر اس کی گود میں چلے جاتے ہیں اور بار بار گناہ کرتے ہیں۔ پس عدل کا تو تقاضا یہ تھا کہ ہم کو نفس وشیطان کے حوالے کر دیا جاتا کہ جب تم شیطان کی بات مانتے ہو تو شیطان ہی کی گود میں رہو، لیکن چوں کہ آپ کریم ہیں، ہماری نااہلیت اور استحقاقِ سزا کے باوجود آپ محروم نہیں فرماتے، اس لیے آپ اپنے کرم سے ہم کو اس خبیث سے پھر خرید لیجیے یعنی ہمیں شیطان سے چھڑا لیجیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس شیطان کے حسد سے ہم بھی مردود ہو جائیں یعنی بوجہ گناہوں کے آپ کی بارگاہِ قُرب سے نکال دیے جائیں۔

بہت سے ایسے لوگ جنھوں نے گناہ نہیں چھوڑا ان کا انجام بہت بُرا ہوا یعنی ان کی توفیقِ توبہ ہی سلب کر لی گئی اور بہت بُرا خاتمہ ہوا، لہٰذا گناہ سے دل کو مانوس مت کرو، اس حالت پر بہت روتے رہو، اپنی اس حالت کو خطرناک سمجھو۔ جیسے بلڈ کینسر کا مریض اپنی صحت کے لیے اللہ سے بلبلا کے روتا ہے ایسے ہی اپنی رُوحانی صحت اور گناہوں کے کینسر سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے روتے رہو اور بزرگانِ دین سے دُعائیں کراؤ۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۵/ ذوقعدہ ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۹/ مئی ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

گویم اے رب بارہا برگشتہ ام
توبہ ہا و عذر ہا بشکستہ ام

ارشاد فرمایا کہ برگشتہ معنٰی پھر جانا، بہک جانا یعنی بے وفائی کرنا۔

فرمایا کہ یہ شعر زبانی یاد کرنے کے ہیں چاہے تھوڑا پڑھو مگر زبانی یاد کرلو، کیوں کہ دُعا میں یہ بڑا درد پیدا کرتے ہیں۔

اے میرے رب! میں آپ سے عرض کررہا ہوں کہ بارہا آپ کی راہ سے برگشتہ ہوچکا ہوں یعنی نفس وشیطان کے کہنے میں آکر آپ کی چوکھٹ کی جبیں سائی چھوڑ کر نفس وشیطان کی غلامی میں آگیا اور حرام اور خبیث لذتوں کے پیچھے پڑ گیا اور آپ سے بے وفائی کی۔ بندے کی بے وفائی اللہ تعالیٰ سے کیا ہے؟ کہ اس کی نافرمانی کی راہ سے حرام لذت کو در آمد کرنا، اللہ کو ناخوش کرکے اپنا جی گناہوں سے خوش کرنا۔ تو اے میرے رب! میں نادم ہو کر آپ سے اقرار کرتا ہوں کہ میں بارہا آپ کی نافرمانی میں مبتلا ہوا اور آپ کو ناراض کرکے بارہا عہدِ وفا کو توڑا اور آپ کے قُرب سے محروم ہوا، جب کہ صحابہ کی شان یہ تھی کہ جان دے دیتے تھے مگر آپ کو ناراض نہیں کرتے تھے شہید ہوجاتے تھے مگر کسی طرح سے خود کو آپ کی نافرمانی کی بزدلی میں مبتلا نہیں ہونے دیتے تھے اور شہید ہو کر بزبانِ حال یہ شعر پڑھتے تھے کہ؂

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم نے بارہا توبہ کی کہ اب یہ گناہ نہیں کریں گے اور بارہا عذر خواہی کی کہ اے اللہ! اس دفعہ ہم مغلوب ہوگئے آیندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے لیکن پھر

نفس و شیطان ہم پر غالب آ گئے اور ہزاروں عذر و معذرت اور توبہ کو ہم نے توڑ دیا اور اس طرح بارہا اپنا منہ کالا کر چکے ہیں اور آپ کے غضب اور قہر کی راہوں سے لذت کی درآمدات کو عادت بنا رکھا ہے، مثلاً: توبہ کو توڑ کر ہم پھر حسینوں کو دیکھتے ہیں اور ان کا حرام نمک چکھ کر نمک حرام ہو جاتے ہیں۔ نمک حرام کہتے ہیں کسی کی روٹی کھا کر اس کے خلاف کام کرنے والے کو۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نمک خوار ہیں، ان ہی کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، لہٰذا اللہ کا رزق کھا کر جو ذلیل کام کر رہا ہے اور اللہ کا حرام کیا ہوا حسینوں کا نمک چکھ رہا ہے کیا یہ نمک حرامی نہیں ہے؟ بلکہ ایسا شخص تو دوہرا نمک حرام یعنی دوہرا مجرم ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے اس نے اللہ کا حرام کیا ہوا نمک چکھا تو اسی وقت نافرمان اور بے وفا یعنی نمک حرام ہو گیا اور حسینوں کا نمک چکھنے کا جرم الگ، پس نمک حرام مثبت حرام نمک تو میزان میں حرام کا اضافہ ہو گا یا نہیں؟ دیکھیے یہ ایک خاص تقریر ہے۔ مثنوی پڑھانے کے لیے خالی ترجمہ کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں ہے، ترجمہ تو سب کر سکتے ہیں، بڑے بڑے فارسی داں یہاں بیٹھے ہیں مگر کراچی کے ایک بڑے عالم کے پاس ایران سے خط آیا تھا کہ ہندوستان و پاکستان میں سب سے بہتر مثنوی کون پڑھا سکتا ہے؟ تو ان عالم صاحب نے اپنے نیک گمان کی راہ سے میرا نام پیش کیا۔ یہ اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ علماء کے دل میں یہ حسنِ ظن ہے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ لاکھ حرام لذتیں چراؤ، لاکھ نمک چوری کرو یعنی لاکھ حسینوں کو دیکھو لیکن۔

نیست آب شور درمان عطش

پیاس کا علاج کھارا پانی نہیں ہے بلکہ کھارے اور نمکین پانی سے تو پیاس اور بڑھ جاتی ہے ۔ گناہ کھارا پانی ہے اور اللہ کی عبادت، اللہ کی یاد میٹھا پانی ہے، لہٰذا اللہ کی فرماں برداری کا میٹھا پانی پیا کرو کیوں کہ گناہ کے کھارے پانی سے تم کو تسلی نہیں ہو گی، پیاس اور بڑھ جائے گی، تم اور بے چین ہو جاؤ گے۔ تم سمجھتے ہو کہ اس نمکین پانی سے تمہیں چین ملے گا لیکن حسینوں کی چمک دمک اور نمک نے کتنوں کو پاگل کر دیا۔ لیلیٰ کالی تھی لیکن اس

میں نمک غضب کا تھا، لیکن کیا ملا؟ مجنوں پاگل ہو گیا۔ اسی پر میرا شعر ہے ؎

بتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہوا پاگل
گناہوں سے سکوں پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

مجنوں کو تو لیلائے سیاہ فام کے نمک نے پاگل کر دیا اور بعضوں کو حسنِ گلفام کی چمک دمک نے پاگل کر دیا لہٰذا چاہے نمک ہو چاہے دمک دونوں کا دیکھنا حرام ہے۔ ایسے ہی ان نمکینوں دمکینوں اور چمکینوں کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی اپنے کو بنانا سنوارنا اور اپنا حسن غیروں اور نامحرموں کو دکھانا جائز نہیں، کیوں کہ یہ دعوتِ بد نگاہی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ[۱۰۵]

یعنی اللہ تعالیٰ لعنت کرے جو نظر حرام میں مبتلا ہو یا دوسروں کو مبتلا کرے۔ اس لیے تصویر والے جتنے اخبار ہیں ان میں جو حسینوں کی تصویریں دیکھے گا خود بھی گناہ گار ہوگا اور دیکھنے والوں کا سارا گناہ ان اخبار والوں کے اعمال نامہ میں بھی لکھا جائے گا جنہوں نے وہ تصویریں چھاپی ہیں۔ قیامت کے دن سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

لہٰذا مولانا رُومی ہم کو توبہ کا راستہ دکھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یوں کہو کہ اے پالنے والے! بارہا میں آپ کے راستے سے بھٹک گیا اور نفس و شیطان کے راستے پر لگ کر ذلت کے گڑھے میں گر گیا، میں نے ایک دفعہ توبہ نہیں توڑی، بے شمار مرتبہ میں نے توبہ کو توڑا ہے، بے شمار مرتبہ آپ سے بے وفائی کی ہے، اب دوبارہ اقرارِ جرم کرکے اپنے مولیٰ کی رحمت کو اپنی طرف مائل کر رہا ہوں، کیوں کہ اگر انسان دوسرے انسان سے اپنی غلطی کو تسلیم کرلے اور کہہ دے کہ صاحب! میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں کیوں کہ میں نے بہت نالائقیاں کی ہیں، یہ آپ کا کرم ہے جو آپ نے مجھے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جیسے میر صاحب کا شعر ہے ؎

مرے جامِ شکستہ کو خریدا میرے ساقی نے
وگرنہ در حقیقت پھینک ہی دینے کے قابل ہوں

---

[۱۰۵] کنز العمال: ۷/۳۳۸ (۱۹۱۶۲)، فصل فی احکام الصلٰوۃ الخارجۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

تو انسان کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے کہ چلو بھئی ایک آدمی نالائق ہے مگر اقرار کر رہا ہے تو پڑا رہنے دو اس نالائق کو اپنے دروازے پر، تو اے اللہ! آپ تو ارحم الراحمین ہیں، آپ مستغفرین تائبین نادمین پر کیوں نہ کرم فرمائیں گے۔ لیکن اگر کوئی اکڑ مکڑ لگاتا ہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں، میری وجہ سے خانقاہ چمک رہی ہے، تو جس نے ناز کیا سمجھ لو کہ اس کی خیریت نہیں، تکوینی طور پر ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ یہ خانقاہ سے بہت ہی ذلت کے ساتھ نکال دیا جائے گا اور دینی خدمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ ایسے شخص کو جو اپنے کو اہمیت دیتا ہے پسند نہیں فرماتے۔ یہی کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم آپ کے دین کے محتاج ہیں، ہماری خدمات سے آپ کا دین مستغنی ہے، آپ کا کرم ہو گا اگر ہم کو آپ اپنے دین کے کام میں قبول فرمائیں۔ ہماری حسنِ تقریر و تصنیف کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جو کچھ کام لے لیتے ہیں، دین کی چاکری کی جو توفیق دی ہے یہ سب کچھ آپ کی عطا ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں۔

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ کسی بھنگی چمار کے سڑے ہوئے بانس کو شاہی عمارت میں قبول کر لے تو یہ بادشاہ کا احسان ہے، چمار کو اور شرم سے گڑ جانا چاہیے کہ کہاں میرا سڑا ہوا بانس اور کہاں شاہی عمارت! ہماری عبادات و اعمال اور دینی خدمات کی مثال اسی سڑے ہوئے بانس کی سی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں تو یہ ان کا احسانِ عظیم ہے ورنہ یہ قبولیت کے قابل نہیں۔

کردہ ام آں ہا کہ از من می سزید
تا چنیں سیلِ سیاہی در رسید

ہم نے وہی کیا جس کے ہم لائق تھے یعنی ہم نالائق تھے تو نالائق اعمال ہی ہم سے صادر ہوئے۔ نالائق سے تو نالائقی ہی صادر ہو گی۔ پس ہم نے ایسے ایسے گناہ کیے ہیں جو ہماری نالائقی کے سزاوار تھے، یہاں تک کہ سر سے پیر تک ہم سیاہی کے سیلاب میں غرق ہو گئے اور ہمارا ظاہر و باطن گناہوں کی ظلمت سے سیاہ ہو گیا اور ہم گناہوں کے اندھیروں میں ڈوب گئے، کیوں کہ جب گناہ زیادہ ہوتے ہیں تو اندھیرا بھی زیادہ ہوتا

ہے جیسے رات ہو، کالے بادل ہوں اور روشنی نہ ہو تو ظلمت کتنی شدید ہوگی۔ اسی طرح جب انسان مسلسل گناہ کرتا ہے تو باطنی سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے، طاعات کے انوار پر گناہوں کے بادل چڑھتے چلے جاتے ہیں، ذلت ورُسوائی مقدر ہوجاتی ہے اور انسان ظلمات میں غرق ہوجاتا ہے۔ حقیقت میں ہمارا اللہ کریم اور لائق مولیٰ ہے جس نے ہماری نالائقیوں کے باوجود ہم کو اپنے دامنِ رحمت سے چمٹا رکھا ہے اور اپنے کرم سے ہمیں نہیں بھگاتے ورنہ ہماری نالائقیوں پر اگر نظر فرماتے تو اپنے در سے نہ چپکائے رکھتے۔

در جگر افتادہ ہستم صد شرر
در مناجاتم ببیں خونِ جگر

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ گناہوں پر ندامت سے میرے جگر میں غم کی آگ لگی ہوئی ہے اور میرے قلب میں آتشِ غم کے سینکڑوں شعلے بھڑک رہے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اے خدا! میری مناجات میں آپ میرے جگر کا خون دیکھ لیجیے۔ میں جو یہ دُعا مانگ رہا ہوں اس میں میرا دردِ دل شامل ہے، میرے آنسوؤں کے سیلاب میں میرا خونِ جگر شامل ہے، میرے منہ سے دُعا کے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ میرے اشکِ ندامت کو لیے ہوئے ہیں، جیسا کہ مولانا نے ایک اور جگہ فرمایا۔

ہر کجا بینی تو خوں بر خاک ہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشمِ ما

جہاں بھی دیکھو کہ کسی خاک پر خون پڑا ہوا ہے تو اے دنیا والو! یقین کرلینا کہ یہاں جلال الدین ہی رویا ہوگا، اپنے گناہوں پر توبہ واستغفار میں خون کے یہ آنسو جلال الدین ہی کی آنکھوں سے گرے ہوں گے۔ سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا مولانا کا کہ اگر میرا بس چلے تو زمین کا کوئی چپّہ اور خاک کا کوئی ذرّہ نہ چھوڑوں جہاں ندامت سے اپنے خون کے آنسوؤں کو نہ گرادوں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ندامت کے جو آنسو نکلتے ہیں ان آنسوؤں کا درجہ شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن باخونِ شہید

اللہ تعالیٰ گناہ گار کے آنسوؤں کا وزن قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر کرے گا، کیوں کہ یہ آنسو پانی نہیں ہے بلکہ جگر کا خون ہے جو خوفِ خدا سے پانی ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان آنسوؤں کو پانی مت سمجھو بلکہ یہ گناہ گار نادم کے جگر کا خون ہے جو غمِ ندامت اور خوفِ قیامت اور خوفِ پیشی بحضور ربّ العزت سے پانی میں تبدیل ہو گیا ہے کہ آہ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور ان کی شانِ ستّاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو

اسے ندامت ہوتی ہے کہ آہ! میں بایں داڑھی اور مقدس چہرہ بایں لمبا کُرتا اور بایں گول ٹوپی اور بایں حج و عمرہ اور بایں ماحولِ خانقاہ اس طرح سے کھل کر کیوں گناہوں میں غرق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صالحین کی وضع دی۔ جب میں نیک بندوں کے لباس میں آ گیا تو گناہ کر کے نیک بندوں کی عظمت کو نقصان پہنچایا، نیک بندوں کے لباس اور وضع کو بے عزت کرنا یہ تو گناہ در گناہ ہے۔ لہٰذا اے اللہ! میں صرف نادم ہی نہیں ہوں بلکہ غم کی آگ میرے سینے میں بھری ہوئی ہے جس کا اثر میری مناجات میں اے اللہ! آپ دیکھ لیجیے اور مجھے معاف فرما دیجیے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم سے گناہ ہو گئے اور تم اللہ سے دور ہو گئے تو بھی مایوس نہ ہو، اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑ گڑائے جاؤ اور خوب معافی مانگ کر پھر اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔ اگر کبھی خطا ہو جائے پھر رو رو کر ان کو منالو۔ غرض ان کے دامنِ رحمت کو نہ چھوڑو۔ میرا شعر ہے؎

ان کا دامن اگرچہ دور سہی
ہاتھ اپنا بھی تم دراز کرو

غرض اللہ کو یاد کیے جاؤ ایک دن ضرور ان کو پا جاؤ گے۔ فرماتے ہیں ؎

گر زچاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر کسی کنویں سے تم ہر روز مٹی نکالتے رہو گے تو ایک دن ضرور پاک پانی تک پہنچ جاؤ گے۔ جب میں ''معارف مثنوی'' لکھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے خواب میں اس شعر کی شرح مجھ کو عطا فرمائی۔ یہ ہے شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا صدقہ کہ ان کی شاگردی میں میں نے مثنوی پڑھی، اور حضرت نے پڑھی حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے، اور حضرت حکیم الاُمت رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس طرح سلسلہ ملا رہتا ہے، ڈبے سے ڈبہ جڑا رہتا ہے تو انجن جہاں پہنچتا ہے چھوٹے ڈبے بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ تو میں خواب میں اس شعر کی شرح بیان کر رہا تھا کہ مولانا نے سلوک کے منازل اس میں بیان کیے ہیں کہ جب انسان کنواں کھودتا ہے تو خشک مٹی نکلتی ہے، پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے لیکن نااُمید نہ ہونا کیوں کہ مستند روایات سے اور اپنے گردوپیش کے حالات سے آدمی سمجھتا ہے کہ کنویں ایسے ہی کھودے جاتے ہیں، پہلے خشک مٹی ہی نکلتی ہے لہٰذا اگر ذکر میں شروع میں مزہ نہ آئے تو دل چھوٹا مت کرو کہ ہم اللہ تک نہیں پہنچیں گے جیسے کنواں کھودتے وقت شروع میں خشک مٹی دیکھ کر دل چھوٹا نہیں کرتے کیوں کہ جانتے ہیں کہ خشک مٹی کے راستے ہی سے سب پانی تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نام ہی سے سب اللہ تک پہنچے ہیں خواہ شروع میں مزہ نہ آئے۔ یہ سلوک کی پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ آٹھ دس فٹ تک کنواں کھودنے کے بعد مٹی میں پانی کی ذرا سی نمی محسوس ہونے لگتی ہے، مٹی کی خشکی میں نمی آنے سے پانی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ذکر کرتے کرتے جب ایک زمانہ گزر جائے گا تو ذاکر کو قلب میں اللہ تعالیٰ کے انوارِ قُرب اور آثار و تجلیاتِ الٰہیہ کی تھوڑی سی نمی محسوس ہونے لگے گی اور اس کو خوشی محسوس ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو رہا ہے۔ یہ سلوک کی دوسری منزل آگئی۔ اس

کے بعد جب کنواں اور گہرا ہو جاتا ہے تو پھر کیچڑ آنے لگتا ہے یعنی پچاس فیصد پانی اور پچاس فیصد مٹی، اب اسے اور خوشی ہو جاتی ہے کہ پانی اب بہت زیادہ قریب آگیا، اس کے بعد اور زیادہ محنت سے پھر کیچڑ اور کم ہو جاتی ہے اور پانی کا غلبہ ہو جاتا ہے جس کو گدلا پانی کہتے ہیں یعنی نوے فیصد پانی اور دس فیصد مٹی اس وقت کنواں کھودنے والا مست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب گناہوں میں کمی اور التزامِ طاعت سے ذکر کے انوار قوی ہو جاتے ہیں تو سالک خوش ہو جاتا ہے اور بزبانِ حال کہتا ہے ؎

نکھرتا آرہا ہے رنگِ گلشن
خس و خاشاک جلتے جارہے ہیں

اس مقام پر سالک سمجھتا ہے کہ وصول الی اللہ نصیب ہو گیا لیکن مولانا فرماتے ہیں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جب یہ خاک ملا ہوا گھونٹ تجھے مست کر رہا ہے، تو جس دن بالکل صاف پانی پیے گا اس دن میں نہیں کہہ سکتا کہ تیرا کیا حال ہو گا اور کس قدر خوشی پائے گا۔ اسی طرح ابھی قُربِ الٰہی کا شفاف پانی کہاں ملا ہے، ابھی تو سالک کچھ ذکر و عبادت کر رہا ہے اور کچھ گناہ بھی کر لیتا ہے اگرچہ عبادت کا غلبہ ہو گیا مثلاً نوے فیصد عبادت گزار ہے اور دس فیصد گناہ گار ہے کہ کبھی کبھی بد نظری کر کے حرام لذت بھی چکھ لیتا ہے۔ ابھی تو تیرا جرعۂ عشقِ الٰہی خاک آمیز ہے جو تجھے اتنا مست کر رہا ہے، تو جس دن تو سو فیصد فرماں بردار ہو جائے گا اور اللہ کی محبت کا صاف پانی ملے گا اس دن خالص انوارِ ذکر سے تیری مستی کا کیا حال ہو گا اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ایں چنیں اندوہ کافر را مباد
دامنِ رحمت گرفتم داد داد

اپنے گناہوں کی وجہ سے جو غم اس وقت مجھے ہے ایسا غم اے خدا! کسی کافر کو بھی نہ

ملے۔ بس میں آپ کی رحمت کا دامن پکڑتا ہوں مجھ پر رحم کردیجیے، رحم کردیجیے۔ داد کے معنٰی یہاں داد دہش کے ہیں یعنی ہمیں مغفرت ورحمت کی بخشش دے دیجیے، اپنا شاہی رحم ہم پر مبذول فرمادیجیے، اُصول اور عدل سے ہم نا قابلِ معافی ہیں کیوں کہ بارہا ہم توبہ توڑ چکے ہیں، لہٰذا قانون اور ضابطے سے ہم آپ کی رحمت کے قابل نہیں، لہٰذا آپ کے مراحم خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں۔ جیسے سپریم کورٹ سے جب مجرم کو پھانسی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شاہ سے رحم کی اپیل کرتا ہے کیوں کہ رحم اُصول اور ضابطے اور قانون کا پابند نہیں ہوتا لہٰذا اے خدا! آپ تو سلطان السلاطین ہیں، ہم آپ سے رحم کی درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں معاف فرمادیجیے ۔

کاش کہ مادر نہ زادے مر مرا
یا مرا شیرے بخوردے در چرا

اے کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا اور باپ سے میرا نطفہ ہی نہ قرار پاتا یا میں شکمِ مادر ہی میں مرجاتا، یعنی نہ میرا وجود ہوتا نہ میں گناہوں سے روسیاہ ہوتا، یا جنگل کی کسی چراگاہ میں کوئی شیر ہی مجھے کھا جاتا تاکہ مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے اور یہ گناہ مجھ سے سرزد نہ ہوتے جن سے میں نے اپنے خالق اور مالک اور پالنے والے کی نافرمانی کی۔ اس سے زیادہ اور کیا اظہارِ ندامت ہوگا۔ مولانا کا کمالِ بلاغت دیکھیے کہ کیا پیارا عنوان اختیار فرمایا اور کس درد کے ساتھ اظہارِ ندامت فرمایا ہے ۔

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ زہر سوراخ مارم می گزد

اے خدا! آپ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرمائیے جو آپ کو لائق ہے۔ ہم تو نالائق تھے، نالائق سے تو نالائقی ہی ہوگی لیکن آپ تو لائق ہیں، کریم ہیں آپ وہ معاملہ فرمائیے جو آپ کی شانِ کرم کے لائق ہے یعنی ہم کو معاف فرمادیجیے، کیوں کہ نفس کو گناہوں کی غذا دے کر قوت پہنچانے سے میرے بال بال کے ہر سوراخ سے نفس کا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔ یعنی میری شامتِ عمل کے سبب اور گناہوں کی کثرت سے نفس کی عادت اتنی

خبیث ہو چکی ہے کہ میرے جسم کے ہر بُنِ مو سے نفس کے بُرے بُرے تقاضے مجھے تنگ کررہے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کرکے تسلی ہو جائے گی نہایت احمق اور گدھے ہیں، کیوں کہ گناہ کرنے سے تقاضے اور شدید ہو جاتے ہیں۔ ابھی تو ایک ہی سانپ سے پالا پڑا ہے اگر گناہ نہ چھوڑا تو بدن میں جتنے بال ہیں ان کے ہر سوراخ سے نفس کا سانپ بُرے بُرے تقاضوں کی صورت میں ڈسے گا، اس لیے بزرگوں کی نصیحت مان لو کہ جلد سے جلد گناہ چھوڑ دو اور دل سے توبہ کرلو، ورنہ ہر گناہ کے ساتھ تقاضے بڑھتے چلے جائیں گے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان سے پوچھ لو کہ گناہ کے بعد تقاضے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں یا تھوڑی دیر کے لیے کم ہوتے ہیں اور بعد میں پھر ایسا شدید تقاضا ہوتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا، پاگلوں کی طرح بے حس اور اندھا ہو جاتا ہے، اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کررہا ہے اور کوئی اسے دیکھ رہا ہے یا نہیں۔ یہ جو گناہوں میں پکڑے جاتے ہیں یہ پہلے گناہ پر تھوڑی پکڑے جاتے ہیں بلکہ اتنے مسلسل جرائم کرتے ہیں کہ نفسیاتی طور پر پاگل ہو جاتے ہیں جس کو جنون کہتے ہیں یہاں تک کہ بر سرِ عام گناہ کرتے ہیں، پھر نہ اپنی عزت کا خیال رہتا ہے نہ اپنی جان کا، اور جوتے، لات اور گھونسے اور جیل خانے اور آخر میں پھانسی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ یہ عذاب ہے اللہ کو بھلا دینے کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنۡسٰہُمۡ اَنۡفُسَہُمۡ [۱۰۶]

ان کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، یعنی اللہ سے بے پروائی کی تو اس کے عذاب میں اللہ نے ان کو ان کی جانوں سے بے پروا کر دیا کہ انہیں اپنی بُرائی بھلائی کی تمیز نہیں رہی۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجیے کہ ہیروئن پینے والوں کو کیا ہو رہا ہے، دیکھ رہا ہے کہ اگلا مر رہا ہے، ہیروئن کا انجام موت ہے مگر پیے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اپنا پیسہ ختم ہو گیا تو لوگوں کے ہاں چوریاں کررہے ہیں، اپنی ماں کے زیور بیچ رہے ہیں، ابا کی

۱۰۶؎ الحشر:۱۹

گھڑی بیچ رہے ہیں اور ہیروئن خرید کر اپنے ہاتھوں سے موت خرید رہے ہیں۔ یہی ہے نافرمانی کا عذاب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی جانوں سے بے پروا کر دیا اور انہیں اپنے نفع و نقصان کی خبر نہیں رہی۔

جانِ سنگیں دارم و دل آہنیں
ورنہ خوں گشتے دریں درد و چنیں

اے خدا! میری جان پتھر کی طرح اور دل لوہے کی طرح سخت ہے، ورنہ ایسے شدید غم سے تو دل پگھل کر خون ہو جاتا۔ لیکن چوں کہ گناہ کرتے کرتے دل سخت ہو گیا ہے اس لیے گناہوں کی ذلت و رُسوائی کا بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں یہاں تک کہ۔

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے میری چشم تر نہیں

یہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے کہ خدا بچائے جس وقت کوئی رُسوا ہوتا ہے تو مخلوق اس پر روتی ہے کہ آہ! یہ شخص اپنی بداعمالیوں کے سبب کس طرح رسوا ہو رہا ہے اور لات اور گھونسے کھا رہا ہے لیکن جو خود مبتلا ہے آہ! اس پر کوئی اثر نہیں کیوں کہ جس نے اللہ کو بھلا دیا اللہ نے اس کی جان کو اس سے بھلا دیا اور وہ اپنی جان کے نفع نقصان سے بے خبر ہو گیا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ گناہوں کی عادت چھوڑ دو خصوصاً اس زمانے میں بدنظری کو معمولی مت سمجھو کیوں کہ یہ بدنظری ہی بے حیائی کی آخری منزل تک پہنچاتی ہے اور شرمگاہ محفوظ نہیں رہتی، کیوں کہ بدنظری سے حُسن کا ناک نقشہ دل میں اُتر جاتا ہے پھر اسی کا خیال دل میں جم کر جنون کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ یا تو پھر وہ اسے حاصل کرے گا یا اس کا بدل حاصل کرے گا اور بدل کیا ہے؟ جب نفس گرم ہو جاتا ہے تو بغیر منی کے اخراج کے اسے چین نہیں ملتا، کیوں کہ منی گرم ہو کر جب اپنے مستقر سے آگے بڑھ جاتی ہے تو پھر واپس نہیں جاتی یعنی بیک (BACK) نہیں ہوتی لہٰذا یا تو یہ اس حسین کو حاصل کرے گا یا کسی دوسرے سے منہ کالا کرے گا یا پھر جلق

لگائے گا کیوں کہ منی کا مزاج یہی ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَّآءٍ دَافِقٍ[۱۰۷] یعنی کودتی ہوئی منی سے ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ اس لیے اطباء لکھتے ہیں: اگر منی پتلی ہو جائے تو نطفہ قرار نہیں پاتا، اس لیے جب انسان کودتی ہوئی منی سے پیدا ہوا تو اس کے اندر جو منی ہے اس کا مزاج بھی دافقانہ ہے لہٰذا اس کو گرم نہ ہونے دو۔ شریعت نے نظر کو حرام اس لیے کر دیا کہ بد نظری سے منی کا مزاج دافقانہ گرم ہو جائے گا، پھر تم بچ نہیں سکو گے، یا تو حرام سے منہ کالا کرو گے یا جلق سے اسے نکالو گے۔ یہ بہت تجربے کی بات بتا رہا ہوں اس کا تعلق صرف علم سے نہیں ہے، حکمتِ یونانی سے بھی ہے۔ اسی لیے ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ ٹیلی وِژن دیکھنے سے میرا مزاج اتنا گرم ہو جاتا تھا کہ میں ہاتھ سے گناہ کر لیتا تھا۔ یہ بھی حرام ہے، یہ نَاکِحُ الْیَدْ یعنی ہاتھ سے نکاح کرنے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر لعنت ہے جو ہاتھ سے منی نکالتا ہے۔ اس لیے بد نظری سے بچو۔ بس سبق ختم ہو گیا اب اس کو یاد کرو اور تنہائی میں اللہ سے مانگو۔ یہ اشعار دل کو بہت نرم کر دیتے ہیں۔ ان کو صرف علم کے لیے نہیں بلکہ عمل کے لیے پڑھو اور زبانی یاد نہ ہوں تو ایسے ہی پڑھو۔ اس سے ان شاء اللہ گناہ چھوڑنے کی توفیق بھی ہو گی، کیوں کہ اس میں ایسے مضامین ہیں کہ جس سے ندامت پیدا ہو گی، شرمندگی پیدا ہو گی اور نفس میں حیا آئے گی۔

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس
بادشاہی کن مرا فریاد رس

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اب وقت تنگ ہو چکا ہے، زندگی کے لمحات ختم ہو رہے ہیں، اور میری روانگی قریب ہے، اللہ کی طرف جانے کا وقت آ گیا ہے۔ بس اے خدا! آپ کے پاس آنا ہے اور میرا حال اتنا بُرا ہے، لہٰذا اے فریاد سننے والے! میری فریاد سن لیجیے کہ میری کسی ایک سانس پر آپ رحم فرما دیجیے تا کہ میرا کام بن

[۱۰۷] الطارق: ۶

جائے۔ اس زندگی ہی میں کرم کر دیجیے کیوں کہ مرنے کے بعد تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا، پھر تو دار العمل ختم ہو جائے گا، لہٰذا اب زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں کہ کس وقت بلاوا آجائے، اس لیے اے فریاد کو سننے والے! میری زندگی کی سانس پر آپ اپنا شاہی رحم فرمادیجیے، ایک نگاہِ کرم ڈال دیجیے، کیوں کہ میں انتہائی نالائق ہوں، قانونِ عدل سے تو بخشے جانے کا مستحق نہیں آپ کے فضلِ سلطانی اور مراحمِ خسروانہ ہی سے میرا کام بن سکتا ہے لہٰذا آپ کے شاہی رحم کی بھیک مانگتا ہوں کیوں کہ دنیا میں بھی جب کوئی مجرم عدالتِ عالیہ اور سپریم کورٹ سے بَری نہیں ہوتا اور پھانسی کا حکم ہو جاتا ہے تو مجرم سلطانِ مملکت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں میں یہ خبر منظرِ عام پر آجاتی ہے کہ عدلیہ سے مایوس ہو کر مجرم نے سلطانِ وقت سے رحم کی اپیل دائر کر دی، تو جب دنیا کے سلاطین عدلیہ سے بالاتر ہو کر مجرمین کو معاف کرنے کا اپنا حق محفوظ رکھتے ہیں تو اے اللہ! آپ تو سلطان السلاطین، احکم الحاکمین، ارحم الراحمین ہیں آپ اپنے مجرموں اور گناہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کا حق سلطانی محفوظ رکھنے کے بدرجۂ اولیٰ اہل اور حق دار ہیں۔ لہٰذا ہم مجرموں کو آپ کے رحم سلطانی ہی کا سہارا ہے کہ میدانِ محشر میں ہمیں اپنے مراحمِ خسروانہ سے معاف فرمادیجیے، کیوں کہ عدل وانصاف کے تحت ہمارے اعمال ہماری مغفرت کے قابل نہیں ہیں۔

شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں اور تفسیر ''موضح القرآن'' کے مصنف ہیں اور چودہ سال میں یہ تفسیر لکھی اور جس پتھر پر کہنی رکھ کر لکھتے تھے اس پتھر پر نشان پڑ گیا تھا، اکثر روزے رکھتے تھے، وہ اپنی اس تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سامنے لکھوایا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ[۱۰۸]۔ میری رحمت اور میرے غضب کی دوڑ میں میری رحمت آگے بڑھ گئی، اور اس کی وجہ تحریر فرمائی کہ اللہ نے عرش کے سامنے جو یہ جملہ لکھوایا ہے تو یہ از قبیلِ مراحمِ خسروانہ ہے یعنی شاہی رحم کے طور پر لکھوایا ہے کہ میرا

---

[۱۰۸] صحیح البخاری: ۲/۱۱۲۷، باب قوله بل هو قرآن مجيد، المكتبة المظهرية

شاہی رحم محفوظ ہے۔ اگر میرا بندہ قانون سے نہیں معاف ہوا تو میں اپنے شاہی رحم سے اس کو معاف کردوں گا۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی
توبہ کردم من زہر ناکردنی

ارشاد فرمایا کہ یہ شعر مثنوی کے ایک قصے کا ہے جس میں ایک بادشاہ کے ہاں ایک مرد خادمہ بنا ہوا بادشاہ کی بیگمات کو نہلاتا دھلاتا تھا۔ تھا مرد، لیکن شکل وصورت عورتوں کی سی تھی اس لیے عورت سمجھ کر اس کو بیگمات کی خدمت پر مامور کردیا گیا، لہٰذا وہ بیگمات کے جسم پر تیل کی مالش کرتا اور اندر اندر اس کا نفس خوب مزے لیتا، لیکن دل میں وہ اس گناہ کی عادت پر بہت نادم تھا، اس عادت کو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن نہیں چھوڑ پاتا تھا، اور دُعا بھی کرتا کہ اے اللہ! مجھے اس بلا سے نجات عطا فرما۔ ایک دن ایک جنگل میں جہاں وہ دعا کررہا تھا کہ ایک اللہ والے اس کو مل گئے، ان سے اس نے رورو کر اپنا سب حال کہا اور دُعا کرائی، اس اللہ والے کے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھ گئے اور اللہ نے ان کی دُعا قبول فرمالی۔ لہٰذا محل میں ایک دن بادشاہ کی ایک بیگم کا ہار گم ہوگیا اور پھر سب کی تلاشی شروع ہوگئی یہ بھی قطار میں کھڑا ہوا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابھی جب میری باری آئے گی اور بادشاہ پر میرا مرد ہونا ظاہر ہوگا تو وہ کتوں سے میری بوٹیاں نچوادے گا۔ اس وقت اس بے چینی اور اضطراب میں اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی

اے اللہ! اگر اس مرتبہ آپ میرا عیب چھپادیں یعنی میرا گناہ ظاہر نہ ہونے دیں تو۔

توبہ کردم من زہر ناکردنی

میں اپنی ہر نالائقی سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ کبھی یہ نالائقی نہیں کروں گا، بس اس دفعہ میرا عیب چھپالیجیے، آیندہ میں کبھی آپ کو ناراض نہیں کروں گا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جب اس کی باری قریب آگئی اور صرف ایک دو خادمائیں

رہ گئیں تو یہ بے ہوش ہو گیا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت اور دوزخ دکھادی اور جب اس کو ہوش آیا تو ہار مل چکا تھا، تمام بیگمات نے اس سے معافی مانگی کہ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی لیکن اس نے اب ان کی خدمت سے معذوری ظاہر کی کہ یہ کام اب میرے بس کا نہیں کیوں کہ اس کے منہ کو اللہ کی محبت کا مزہ لگ چکا تھا اور دل میں اللہ کا وہ خوف حاصل ہو چکا تھا جو بندے کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے گویا اس وقت بزبانِ حال وہ اس شعر کا مصداق تھا ؎

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا
اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو رہا نہیں

توبہ ام بپذیر ایں بارِ دگر
تا بہ بندم بہرِ توبہ صد کمر

اے اللہ! آپ میری توبہ کو دوسری بار پھر قبول فرمالیجیے، یعنی شکستِ توبہ کا جو میں نے جرم کیا اس کو ایک بار پھر معاف فرمادیجیے تاکہ اس توبہ پر استقامت کے لیے میں خوب مضبوطی سے کمر باندھ لوں یعنی بہت مضبوط عزم کرلوں اور نہایت ہمت سے نفس کو پٹکنے کے لیے اور گناہ کے تقاضوں کے مقابلے کے لیے اور آپ کو خوش کرنے کی خاطر گناہ سے بچنے کا غم اٹھانے کے لیے ایک کمر نہیں سو کمر باندھ کر تیار رہوں۔ یہ مبالغہ ہے اور محاورہ بھی ہے، جیسے کہتے ہیں کہ میں سو جان سے آپ پر فدا ہوں، حالاں کہ پاس تو ایک ہی جان ہے لیکن اس سے مراد مبالغہ ہے کہ اگر سو جان ہو تو فدا کردوں ۔اسی طرح مولانا اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی خوشامد و لجاجت سے عرض کررہے ہیں کہ اے اللہ! اس بار پھر مجھے معاف کردیجیے میں سو کمر باندھ کر توبہ پر قائم رہوں گا اور دوبارہ شکستِ توبہ کا جرم نہیں کروں گا۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۲۶؍ اکتوبر ۱۹۹۱؁ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

یَا اِلٰہِیْ سَکَّرَتْ اَبْصَارُنَا
فَاعْفُ عَنَّا اَثْقَلَتْ اَوْزَارُنَا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری آنکھوں پر سکرات کا نشہ آگیا یعنی موت بہت قریب ہے، کسی وقت بھی رُوح نکل جائے گی، پس آپ جلدی سے مجھے معاف کردیجیے کیوں کہ گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ **اوزار** جمع ہے **وزر** کی اور **وزر** کے معنیٰ ہیں گناہ۔ یعنی میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور موت قریب ہے، اگر آپ نے مجھے معاف کرنے میں جلدی نہ کی تو میں خائب وخاسر ہو جاؤں گا۔

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَاْتَ الْخَافِقَیْنِ
قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْنِ

اے وہ ذات جو مخفی ہے مگر مشرق سے مغرب تک جس کے انوار پھیلے ہوئے ہیں یعنی اے اللہ! آپ تو پوشیدہ ہیں مگر آپ نے مشرق سے مغرب تک اپنی نشانیاں پھیلا دیں اور اپنی آیات وانوار وتجلّیات سے مشرق ومغرب کو بھر دیا۔ **خَافِقَیْن** کہتے ہیں مشرق ومغرب کو اور دونوں مشرق پر یعنی مشرق کے دونوں حصوں پر جہاں سے موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں سورج طلوع ہوتا ہے آپ کا نور فائق اور غالب ہے۔ یعنی سورج کی روشنی آپ کے نور کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ پورے اُفق پر آپ کا نور بلند اور آپ کی تجلّیات غالب آگئیں، کیوں کہ سورج آپ کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے کہ وہ مخلوق ہے آپ خالق ہیں، آپ قدیم ہیں وہ حادث ہے، آپ باقی ہیں وہ فانی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

پس اے وہ ذات جو نگاہوں سے مخفی ہے! آپ نے **خافِقَین** (مشرق ومغرب) کو اپنی

آیات ونشانیوں سے بھر دیا اور سورج اور چاند اور ان گنت عظیم القامت سیّارے اور دوسری بے شمار نشانیاں سارے عالم میں بکھیر دیں اور آپ کی تجلّیاتِ نُور مشرقین پر غالب آ گئیں یعنی سورج کی روشنی آپ کے سامنے بے حقیقت اور کالعدم ہے۔

اَنْتَ سِرٌّ کَاشِفُ اَسْرَارِنَا
اَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرُ اَنْھَارِنَا

اے اللہ! آپ خود راز ہیں مگر ہمارے رازوں کو ظاہر کرنے والے ہیں اور آپ مثل صبح کی روشنی کے عیاں ہیں اور سارے عالم کے دریاؤں کو جاری ورواں کرنے والے ہیں۔

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا
اَنْتَ کَالْمَاءِ وَنَحْنُ کَالرَّحَا

آپ کی ذات تو مخفی ہے مگر آپ کی عطا والطاف وانعامات ظاہر ومحسوس ہیں۔ یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ سورج اور چاند، زمین وآسمان، سمندر اور پہاڑ وغیرہ ہماری پرورش میں لگے ہوئے ہیں لیکن خود آپ پوشیدہ ہیں۔

آپ مثل پانی کے ہیں اور ہم مثل پن چکّی یا رھٹ کے ہیں کہ جن کے چلنے کا سبب پانی ہے لیکن پانی نظر نہیں آتا اور چکی اور رھٹ دکھائی بھی دیتا ہے اور اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے یعنی سبب مخفی اور مُسبب ظاہر ہے۔ اسی طرح اے اللہ! آپ مخفی ہیں اور آپ کی مخلوقات اور مخلوق پر آپ کی عطا وانعامات ظاہر ہیں جو آپ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَنَحْنُ کَالْغُبَارِ
یُخْتَفَی الرِّیْحُ وَغَبْرَاہُ جَھَارُ

اے خدا! آپ مثل ہوا کے ہیں اور ہم مثل گرد وغبار ہیں کہ ہوا تو مخفی ہے اور اس کا غبار ظاہر ہے۔ یعنی گرد وغبار تو اُڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جو ہوا اس کو اُڑا رہی ہے وہ نظر نہیں آتی، اسی طرح ہماری ہستیٔ ناچیز حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

اور اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

تو بہاری ما چو باغِ سبز و خوش
او نہاں و آشکارا بخششش

اے خدا! آپ مثل موسمِ بہار کے ہیں اور ہم مثل ہرے بھرے باغ کے ہیں کہ بہار تو نظر سے اوجھل ہے، لیکن اس کی بخشش و عطا باغ پر بصورتِ سبزی و شادابی ظاہر ہے۔ اسی طرح اے خدا! آپ نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن آپ کی عطا و بخشش اور الطاف و عنایات ہم پر اور جملہ مخلوقات پر ہر وقت ظاہر ہیں جو آپ کے وجود پر دلالت کرنے والے ہیں۔

تو جو جانی ما مثالِ دست و پا
قبض و بسط دست از جاں شد روا

اے اللہ! آپ مثل رُوح کے ہیں اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے ہیں اور ہاتھ پاؤں کا قبض و بسط (پھیلنا اور سکڑنا) سب رُوح کی برکت ہی سے ہے۔ اگر رُوح نہ ہو تو جسم حرکت نہیں کر سکتا، لیکن جس طرح ہمارا جسم اور ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر رُوح جس کی بدولت یہ ہاتھ پاؤں متحرک ہیں نظر نہیں آتی، اسی طرح اے اللہ! آپ نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن آپ ہی سے ہماری جان قائم ہے۔ اسی کو مولانا رُومی مثنوی میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ۔

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

یعنی جسم میں حرکت جان کے سبب سے ہے اور جان تمہیں نظر نہیں آتی، لیکن جسم کی حرکت سے تم جان کے وجود پر دلیل قائم کرتے ہو۔ اسی طرح

جان ہا پیدا و پنہاں جانِ جاں

جسم زندہ ہے جان سے اور جان زندہ ہے اے اللہ! آپ سے، پس آپ ہماری جان کی بھی جان ہیں، رُوح الارواح ہیں، پس ہماری ارواح کا ظاہری وجود آپ کے مخفی وجود پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ قیل و قال اور ہمارے براہین و دلائل و تمثیلات آپ کی شان کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ ہم محدود آپ غیر محدود، ہم فانی و حادث آپ باقی و قدیم، ہم سراپا عیب و ناپاک اور آپ کی ذات پاک اور ہر عیب سے منزّہ۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَتَعَالَی اللّٰہُ عُلُوًّا کَبِیۡرًا۔

اے بلند از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

اے اللہ! آپ بلند ہیں ہمارے وہم و گمان سے، ہمارے قیل و قال سے، ہماری دلیل و برہان سے، کیوں کہ آپ کی شان بیان کرنے کے لیے کوئی تمثیل اور کوئی تشبیہ کائنات میں موجود نہیں۔ پس خاک پڑے میرے سر پر اور میرے اس قیل و قال اور تمثیلات پر۔

تو چو عقلی ما مثالِ ایں زباں
ایں زباں از عقل می یابد بیاں

آپ مثل عقل کے ہیں اور ہماری مثال زبان کی سی ہے یعنی عقل پوشیدہ اور زبان ظاہر ہے لیکن عقل ہی کی برکت سے زبان بیان کرتی ہے، ورنہ اگر کوئی پاگل ہو جائے تو صحیح کلام پر قادر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ ہر وجودِ ظاہری کے آثار و حرکات میں ایک باطنی وجود موجود ہے جو مؤثّر اور محرّک ہے ان آثار و حرکات کا، اسی طرح موجودات کے تمام آثار و حرکات کے پسِ پردہ اے اللہ! آپ ہی مؤثّر اور محرّک ہیں، کیوں کہ ہر حرکت کرنے والی شے کا کوئی حرکت دینے والا ہے اور ہر اثر کا کوئی مؤثّر ہے۔ جس طرح

زبان کے وجودِ ظاہر کی صحیح کلامی عقل کے باطنی وجود پر دلالت کرتی ہے اسی طرح کائنات کا تمام ظاہری وجود، شمس و قمر، زمین و آسمان، سیّارے و نجوم، سمندر اور پہاڑ وغیرہ اور ان کے آثار و حرکات میں مؤثر و محرکِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کی ذات کارفرما ہے جس کے دلائلِ عقلیہ ناقابلِ رد ہیں۔

تو مثالِ شادی وماخندہ ایم
کہ نتیجہ شادی وفرخندہ ایم

اے اللہ! جس طرح خوشی دل میں مخفی ہوتی ہے اور ہنسی لبوں پر عیاں ہوتی ہے، ہنسی تو نتیجہ ہے، اس کا سبب خوشی ہے، لیکن خوشی نظر نہیں آتی اور ہنسی دکھائی دیتی ہے، اسی طرح اے اللہ! ہمارا ظاہر آپ کے وجودِ مخفی کی دلالت کرتا ہے۔

هَا اَعِذْنِیْ خَالِقِیْ مِنْ شَرِّهٖ
لَا تُحَرِّمْنِیْ اَنِلْ مِنْ بَرِّهٖ

اے اللہ! مجھے پناہ نصیب فرما اپنے اس بندے کے شر سے یعنی میرے ہی شر سے مجھے بچالے کہ آپ میرے خالق ہیں، اور مجھے محروم نہ فرما اس خیر سے جو آپ نے میرے اندر رکھی ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[۱۰۹]۔ ہر بندے کے اندر مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ یعنی خیر و شر کا مادّہ اللہ نے رکھا ہے۔ ہمارے اندر جو خیر ہے عطا کر دے اور جو شر ہے اس سے ہمیں بچالے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ مَا اَرٰی
لَا تُعَقِّبْ حَسْرَةً لِّیْ اِنْ مَّضٰی

اے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر کروں ان نعمتوں کا جو میں دیکھ رہا ہوں اور جو چیزیں گزر گئیں یا جو نعمتیں ہاتھ سے نکل گئیں، دنیاوی نقصانات ہوگئے تو ان کی حسرت سے بھی بچا۔ اپنی مرضی پر فدا رہنے کی توفیق عطا فرما۔ احقر کا شعر ہے ؎

[۱۰۹] الشمس:۸

تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا
اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے

اسی مضمون کی تشریح احقر کے ان اشعار میں بھی ہے ؎

ساری دنیا ہی سے مجھ کو نفرت رہے
بس ترے نام کی دل میں لذت رہے
میرے دل میں ترا دردِ اُلفت رہے
میری دنیائے اُلفت سلامت رہے
بس مرے دل میں تیری محبت رہے
زندگی میری پابندِ سنت رہے

راہ دہ آلودگاں را العجل
در فراتِ عفوِ عینِ مغتسل

اے خدا! ہم لوگوں کو جو گناہوں میں آلودہ ہوچکے جلدی سے اپنے دریائے عفو اور معافی کے عین مغتسل کی راہ دکھا دیجیے، تاکہ اس میں نہا کر ہم سب لوگ پاک ہوجائیں۔ جس طرح قیامت کے دن جہنم سے نکالے ہوئے لوگ نہرِ حیات میں ڈال دیے جائیں گے اور ان کے جسم سے جہنم کی سزا و عقوبت کے سب آثار ختم ہوجائیں گے اسی طرح اے خدا! ہم لوگوں کو جو گناہوں کی آگ میں جل رہے ہیں اپنے چشمۂ رحمت میں غسل کا موقع دے دیجیے اور دریائے توبہ میں غرق کردیجیے تاکہ ہمارے اُوپر گناہوں کی ظلمت اور بدنظری وغیرہ کی لعنت کے آثار نہ رہیں۔ یعنی ہم گناہ گاروں کو توفیقِ توبہ دے دیجیے تاکہ آپ کے عفو و مغفرت کی بدولت ہم لوگ پاک صاف ہوجائیں اور ہمارے گناہوں کے آثارِ ظلمت انوارِ تقویٰ سے مبدل ہوجائیں۔

اور جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے آپ نے پانی کا چشمہ پیدا فرمایا تھا جس میں غسل کرنے سے ان کو صحتِ جسمانی حاصل ہوئی تھی اسی طرح

ہمارے باطن کے غسل صحت کا سامان فرمادیجیے یعنی استغفار وتوبہ اور گریہ وزاری کی توفیق عطا فرما کر اپنے غیر محدود دریائے عفو اور معافی کے عینِ مغتسل میں غرق فرمادیجیے تاکہ ہم لوگ گناہوں سے پاک ہو جائیں۔

تاکہ غسل آرند زاں جرمِ دراز
در صفِ پاکاں روند اندر نماز

اے خدا! آپ توفیقِ توبہ عطا فرمادیں تاکہ آپ کے مجرم اور گناہ گار بندے جو ایک عمر دراز سے گناہوں میں مبتلا ہیں آپ کے دریائے عفو میں نہا دھو کر پاک صاف ہو جائیں اور پاک بندوں کی صف میں نماز میں شامل ہو جائیں۔ نماز سے مراد پنج وقتہ نماز بھی ہے کہ جو نیک ہو جائے گا وہ نماز تو پڑھے گا ہی، لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دوامِ حضور اور قربِ خاص نصیب ہو جائے جو اولیائے صدیقین کو عطا ہوتا ہے۔ مولانا دوسری جگہ فرماتے ہیں، مولانا ہی کے شعر سے ان کے شعر کی شرح ہو رہی ہے کہ ؎

پنجگاں آمد نمازِ رہ نموں
عاشقاں راہم صلوٰۃً دائموں

پنج وقتہ نماز عام اُمت کے لیے ہے، لیکن جو اللہ کے عاشق بندے ہیں وہ ہر وقت نماز میں ہیں یعنی ان کو ہر وقت حضورِ حق حاصل ہے۔ وہ کسی وقت بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جتنا وہ نماز میں مقرب ہوتے ہیں اُتنا ہی خارجِ نماز میں بھی مقرب ہوتے ہیں۔ جتنا وہ مسجد میں باخدا ہوتے ہیں اُتنا ہی بازاروں میں بھی باخدا ہوتے ہیں۔ ان کو ہر وقت دوامِ حضور مع الحق حاصل ہوتا ہے۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں یقینِ اولیائے صدیقین عطا فرمادے کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو نہ بھولیں اور ہمارا ایمانِ عقلی موروثی استدلالی ایمانِ ذوقی حالی وجدانی سے تبدیل ہو جائے۔

اندریں صف ہاز اندازہ بروں
غرق کان نور نحن الصادقوں

اے اللہ! آپ کے خاص بندوں کی وہ صف جو اولیائے صدیقین کی ہے اندازے سے اور تعداد سے باہر ہے۔ یعنی لاتعداد گروہِ اولیاء اللہ آپ نے پیدا فرمائے ہیں جو نورِ صدق وصفا میں غرق ہیں، ہمیں بھی اسی نور میں غرق کر دیجیے یعنی ان اولیائے صدیقین میں ہم کو بھی شامل کر دیجیے۔ مراد یہ ہے کہ ہمیں بھی کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۱۱۰] کا شرف عطا فرمایئے کیوں کہ صادقین ہی متقین ہیں اور متقین ہی اولیاء اللہ ہیں، لقولہ تعالٰی اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۱۱۱] مفسرین اور ہمارے اکابر کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا ترجمہ کُوْنُوْا مَعَ الْمُتَّقِیْنَ کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ قرآنِ پاک کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت کرتی ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ[۱۱۲]

معلوم ہوا کہ صادقون اور متقون کلیان متساویان ہیں، ہر صادق متقی اور ہر متقی صادق ہے، دونوں میں نسبتِ تساوی ہے۔ پس اے اللہ! اولیائے صدیقین کا گروہ لاتعداد بے اندازہ اور ان گنت آپ نے پیدا فرمایا ہے ان کے نورِ صدق و تقویٰ میں ہم کو بھی غرق کر دیجیے اور ہم کو بھی اہلِ صدق وصفا بنا دیجیے یعنی جو صدق وصفا میں آپ کے ساتھ باوفا ہیں ان اولیاء کی صف میں ہم کو بھی شامل فرما دیجیے۔

اور اہلِ صدق اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد وپیمان میں صادق الوعد اور صادق العہد ہو، یہاں تک کہ جان دے دے مگر اللہ کو ناراض نہ کرے، اور جو اللہ کی راہ میں جان دینے سے گریز کرتا ہے، گناہ کی لذت کو چھوڑنے کا غم نہیں اُٹھاتا، اپنے کو مجاہدے کے غم سے بچانے کے لیے گناہ کرتا ہے کہ جہاں تقاضا ہوا نفس کی بات مان لی تو یہ شخص صادق نہیں ہے، اللہ کے ساتھ باوفا نہیں ہے بلکہ عملاً منافق ہے، یعنی منافقوں جیسے کام کرتا ہے اگرچہ مومن ہے، لیکن اس کے ایمان کا چراغ انتہائی ضعیف اور ٹمٹماتا ہوا ہے کہ گویا صرف زبان پر ایمان ہے۔ اگر قلب میں ایمان کامل ہوتا تو لاکھوں

[۱۱۰] التوبۃ:۱۱۹
[۱۱۱] الانفال:۳۴
[۱۱۲] البقرۃ:۱۷۷

تقاضوں کے باوجود یہ گناہ نہ کرتا۔ جس کو ہر وقت یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں وہ کیسے گناہ کرسکتا ہے؟ وہ گناہوں کو اوڑھنا بچھونا نہیں بناسکتا، اس کو چین نہیں آئے گا جب تک توبہ و گریہ وزاری سے اللہ کو راضی نہ کرلے۔

لیکن اے ہمارے رب! ہمارا کیا حال ہے کہ گناہ کرکے ہم ڈکار بھی نہیں لیتے اور ہمارے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی کہ ہم کتنے بڑے مالک کو ناراض کررہے ہیں۔ ہمارا ایمان ایسا ہے جیسا ککروندے کا درخت کہ ایک جھٹکا مارو اور جڑ سمیت اُکھاڑ لو۔ ذرا سی کوئی حسین شکل سامنے آئی اور گناہ کا ذرا سا تقاضا ہوا اور ہم اپنا ایمان فروخت کردیتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کر ان مرنے والوں پر مرنے لگتے ہیں حالاں کہ مرنے والے کو چاہیے کہ مرنے والے پر نہ مرے، اس ذات پر مرے جو حیّ و قیّوم ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اور اپنی خستہ حالی اور بے حیائی پر ہمیں شرم بھی نہیں آتی۔ ایک کتے کو شرم آگئی تھی۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک کالا کتا ایک بزرگ کی مجلس کے پاس بیٹھا رہتا تھا، کچھ دن کے لیے غائب ہوگیا تو شیخ نے کہا کہ بھئی! آج کل وہ کلوا کتا نہیں آرہا ہے، مُریدوں کا بھی عجیب مزاج ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کو خوش کرنے کے لیے بے قرار و مجنوں ہوجاتے ہیں۔ وہ سب تلاش میں لگ گئے۔ معلوم ہوا کہ آج کل وہ کسی کتیا کے پیچھے پھر رہا ہے۔ مُریدین اس کو پکڑ کر لے آئے اور شیخ کو بتایا کہ آج کل یہ ایک کتیا کے چکر میں ہے۔ شیخ نے کہا کہ نالائق! تو ہماری مجلس میں بھی آتا ہے، رات دن اللہ کا تذکرہ سنتا ہے، تجھے شرم نہیں آئی کہ ایک کتیا کے چکر میں آکر تو نے میری مجلس چھوڑ دی۔ بس وہ کتا فوراً اُٹھا اور ایک نالی میں منہ ڈال کر مر گیا۔ اہل اللہ کی صحبت کا اثر جانوروں پر بھی پڑتا ہے۔ حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ آہ! ایک کتے کو شرم آگئی، مگر آج ہم انسانوں کو حیا نہیں کہ کس بے شرمی اور ڈھٹائی سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نعمتِ حیا عطا فرمائے، کیوں کہ حیا کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ ہر گناہ کے لیے بے حیائی لازم ہے، اسی لیے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو لوگ اجسام پرستی، حسن پرستی، غیر اللہ پرستی میں

مبتلا ہیں یہ انتہائی دناءت وپستی اور بے حیائی کا شکار ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

لوگ کہتے ہیں کہ بے پردگی وفحاشی کے سبب حسینوں نے ناک میں دم کررکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم ان کی دُم میں ناک کیوں لگاتے ہو؟ اگر تقویٰ سے رہو، نظر کی حفاظت کرو تو لاکھوں حسین شہر میں پھر رہے ہوں تو پھرا کریں کبھی تمہارے ناک میں دم نہیں ہوگا۔ بلکہ حسینوں سے نظر بچانے میں جتنا مجاہدہ شدید ہوگا اتنا ہی مشاہدہ بھی تو قوی ہوگا۔ اس کے بال بال اور رُواں رُواں میں حلاوتِ ایمانی کے دریا کے دریا رواں ہوجائیں گے کیوں کہ نظر کی حفاظت پر حلاوتِ ایمانی موعود ہے۔

اس لیے مرنے والوں کو چاہیے کہ نہ مرنے والے پر مریں، اور نہ مرنے والا صرف اللہ ہے، جو زندہ حقیقی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور اگر مرنے والا مرنے والے پر مرا تو مردہ مثبت مردہ، میزان میں ڈبل مردہ ہوجائے گا اور جیتے جی مرجائے گا کیوں کہ ان مرنے والوں سے جدائی لازمی ہے، وصلِ دوام ناممکن ہے، اس لیے ان سے دل لگانے کا انجام جنون اور پاگل پن ہے، کیوں کہ وہ فانی محبوب اگر نہ ملا تو اس کے فراق میں پاگل ہوگا یا اگر مرگیا تو موت کے غم میں پاگل ہوجائے گا۔ مجنوں جو پاگل ہوا لیلیٰ کی جدائی سے پاگل ہوا۔ اللہ کے عاشق اس لیے پاگل نہیں ہوتے کہ مولیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہے اور یہ طاقتِ خدائی مخلوق کے پاس نہیں ہے کہ ہر وقت ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہوتی لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عاشقین غمِ فراق میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اپنے گناہوں سے ہم خود اللہ سے دور ہوکر غمِ فراق میں مبتلا ہوجاتے ہیں، نافرمانی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے، لیکن استغفار وتوبہ سے پھر وہ اپنے مولیٰ کو حاصل کرلیتے ہیں، ان کی دوری حضوری میں تبدیل ہوجاتی ہے جیسے دریا خشک ہوجائے اور پھر پانی آجائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[۱۱۳]

---

[۱۱۳] الحدید:۴

تم جہاں کہیں بھی ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تمہیں دنیا میں بھیج رہے ہیں لیکن تمہیں تنہا نہیں بھیج رہے ہیں۔ ہم ہر وقت ہر جگہ زماناً و مکاناً تمہارے ساتھ ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ابّا ایسا نہیں ہے جو ہر وقت اپنے بچے کے ساتھ رہے، اسکول بھی اس کے ساتھ جائے، اس کے ساتھ کھیل کود میں بھی شامل رہے یا اپنے بیٹے کو تعلیم کے لیے دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں بھیجے تو خود بھی اس کے ساتھ جائے، لیکن اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، زمین کے اُوپر بھی ساتھ ہیں، زمین کے نیچے قبر میں بھی ساتھ ہیں، برزخ میں بھی، میدانِ حشر میں بھی اور جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔ لہٰذا سوائے خدا کے کوئی ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا کیوں کہ ان کا کوئی مثل نہیں، ان کی رحمت کے سامنے ابّا کی رحمت کیا چیز ہے، ہمارا ایک ہی ربّا ہے اور لَا مِثْلَ لَہٗ ہے، باقی سب مرنے والے ہیں لہٰذا مرنے والے کو چاہیے کہ اس حیّ و قیوّم پر فدا ہو تا کہ وہ زندہ حقیقی ہم مرنے والوں کو، حادث وفانی کو سنبھالے رہے۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی جتنے مراحل ہیں اللہ کا ساتھ ہی ہمارا بیڑا پار کرے گا۔ وہ زندگی میں بیڑا پار کرنے والا ہے، خاتمے کے وقت ایمان پر موت دینے والا وہی ہے، قبر کے عذاب سے بچانے والا وہی ہے، عالمِ برزخ میں بھی ساتھ دینے والا وہی ہے، میدانِ محشر میں بخشنے والا بھی وہی ہے اور جنت میں اپنا دیدار کرانے والا بھی وہی ہے کہ اس کے دیدار کے وقت جنتی جنت کو اور جنت کی نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ ہمارے مالک نے کہاں ہمارا ساتھ چھوڑا ہے، کوئی مرحلہ اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو کہ یہاں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے، لہٰذا محبت کے قابل صرف ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر ایسے مولیٰ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

لہٰذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے سینے تو اس قابل نہیں ہیں لیکن ہماری نظر اپنے سینوں پر نہیں ہے، آپ کے کرم، آپ کی رحمت اور آپ کی عطا پر ہے، بدونِ استحقاق، بدونِ صلاحیت محض اپنے کرم سے ہمیں صفِّ اولیائے صدّیقین میں شامل فرمالیجیے، تاکہ زندگی میں بھی ہمیں آپ کی معیّتِ خاصہ حاصل ہو اور گناہ کرکے ہم کبھی آپ سے دور نہ ہوں، اور مرنے کے بعد بھی آپ کے کرم سے مشرف ہوں جو آپ کے اولیاء کا نصیبہ ہے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۹؍اکتوبر ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

من ز دستان وز مکر دل چناں
مات گشتم کہ نماندم از نشاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ میں نیکی و بدی کے دونوں اختیارات سے اپنے نفس کے مکر و فریب کے ہاتھوں مات کھا گیا یعنی میرے نفس نے مجھے اس طرح مار ڈالا کہ میرے اندر دین کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

ہیں کہ از تقطیعِ ما یک تار ماند
مصر بودیم و یکے دیوار ماند

اپنے لباسِ دین کو گناہوں کی قینچی سے ہم نے اس بُری طرح کاٹا ہے کہ اب صرف ایک تار باقی رہ گیا ہے اور ہم دین کا ایک شہر تھے، گناہ کی تباہ کاریوں سے اب صرف ایک دیوار رہ گئے ہیں۔

اور آہ! اب تو وہ ایک دیوار بھی نہیں رہی اور وہ ایک تار بھی نہیں رہا حتیٰ کہ ہمارے ظاہر و باطن پر دین کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ ہم کو دیکھ کر کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

من کہ باشم چرخ با صد کاروبار
زیں کمیں فریاد کرد از اختیار

میری کیا حقیقت ہے جب کہ آسمان اتنا عظیم الخلقت اور عظیم الشان ہونے کے باوجود کہ سینکڑوں نظامِ شمسی و قمری اور بے شمار سیارات و کواکب و نجوم کا حامل ہے اس امتحان اختیار سے ڈر کر آپ سے فریاد کر چکا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا [۱۱۴]

جب آسمان اور زمین پر ہم نے بارِ شریعت کو پیش کیا تو بوجہ ضعف و عجز اور خوفِ عدمِ تحمل سے اس کو اُٹھانے سے انکار کیا یعنی مارے ڈر کے پناہ مانگی کہ اے اللہ! ہم شریعت کا بار نہیں اُٹھاسکتے، کیوں کہ نیکی اور بدی دونوں کے اختیار سے یہ خطرہ ہے کہ نیکی کے اختیار کو ہم استعمال نہ کریں اور بدی کے اختیار کو استعمال کر کے زیرِ عتاب آجائیں، تو یہ دنیا پھر ہمارے لیے کمیں گاہ اور جائے انتقام ہو جائے گی، لیکن حضرت انسان نے اس بار کو اُٹھالیا اور یہ بار اُٹھانا بوجہ اس فطرت محبت کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے خمیر میں أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما کر ودیعت فرمادیا تھا۔ میرا شعر ہے ؎

ارض و سما سے غم جو اُٹھایا نہ جاسکا
وہ غم تمہارا دل ہے ہمارا لیے ہوئے

اور خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

زمین و آسمان جو بارِ شریعت اُٹھانے سے ڈر گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں عشق نہ تھا اور انسان میں چوں کہ مادّۂ عشق پنہاں تھا اس لیے اس نے یہ بوجھ اُٹھالیا، کیوں کہ جو عاشق ہوتا ہے اس کو تو محبوب کا اشارہ چاہیے کہ محبوب کیا چاہتا ہے، اس لیے اپنی طاقت سے زیادہ بار اُٹھالیتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک آدمی غلافِ کعبہ پکڑ کر کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! آپ کا بارِ امانت اُٹھانے پر بطور دشنامِ محبت کے آپ نے میرا لقب ظَلُوْمًا جَهُوْلًا رکھا ہے کہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا، تو اے اللہ! میرے پاس ظلم اور جہل

---

[۱۱۴] الاحزاب:۷۲

کے علاوہ کچھ نہیں ہے، لہٰذا میں گناہوں کے ظلم اور معرفت سے جہل کی گٹھڑی لایا ہوں، بس آپ مجھے معاف فرما دیجیے۔

آہ! عشق کی عجیب شان ہے کہ محبوب کی رضا کے لیے اپنی طاقت کی بھی پروا نہیں کرتا اور اس کے حکم پر لبیک کہہ کر فوراً پابجولاں دوڑ پڑتا ہے، لیکن جب خطا ہوتی ہے تو اقرارِ خطا کرکے معافی مانگتا ہے اور خطا نہ بھی ہو تو بھی عاشق کو محبوب سے معافی مانگنے میں مزہ آتا ہے۔ جیسے قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ایک عاشق خادم کو حکم دیا کہ دریا میں کود جا لیکن لباس گیلا نہ ہو، خادم فوراً کود پڑا اور جب واپس آیا تو بادشاہ نے ڈانٹا کہ نالائق لباس کیوں گیلا کیا؟ خادم نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضور! خطا ہوگئی۔ آہ! اس سے اللہ کی راہ کا ادب سیکھو کہ اللہ کی محبت سکھانے والے کا کتنا ادب کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق و مالک ہے ان کا ہم پر کیا حق ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ خطا تو درکنار عاشق تو صورتِ خطا بلکہ عدمِ خطا پر بھی معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور خود کو مستحقِ سزا سمجھتا ہے۔ فرماتے ہیں؎

ممنونِ سزا ہوں مری ناکردہ خطائیں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ عشق میں وہ جوش اور وہ کرامت ہے کہ؎

عشق ساید کوہ را مانند ریگ
عشق جوشد بحر را مانندِ دیگ

عشق بڑے بڑے پہاڑوں کو پیس کر ریت بنا دیتا ہے اور عشق جوش دے کر سمندر کو دیگ کی طرح اُبال دیتا ہے۔ یہی جوشِ عشق تھا کہ محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ کا ایما دیکھ کر انسان نے اپنی طاقت کو بھی نہ دیکھا اور آسمان و زمین کو بھی نظر انداز کر دیا کہ یہ آسمان و زمین کیا چیز ہیں، یہ کیا جانیں محبت کا مزہ؎

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اور یہ کیا جانیں آپ کے نام کی لذت کا مزہ؎

از لب یارم شکر را چہ خبر
وز رخش شمس و قمر را چہ خبر

یہ بھی مولاناہی کا کلام ہے کہ میرے اللہ کے نام کی لذت اور مٹھاس کو یہ شکر کیا جانے اور میرے اللہ کے انوار و تجلیات کو یہ چاند اور سورج کیا جانیں اور میرے اللہ کی عظمتِ شان کے سامنے لعل و جواہر کیا چیز ہیں۔

لعل و مروارید سنگش را مرید

کعبہ کی چوکھٹ میں جو پتھر لگا ہوا ہے ساری دنیا کے لعل و جواہر اور کروڑوں کروڑوں روپے کے موتی سب اس پتھر کے غلام ہیں۔

کاے خداوندِ کریم بردبار
دہ امانم زیں دو شاخہ اختیار

مولانا فرماتے ہیں کہ ہم کیا ہیں جبکہ آسمان جیسی عظیم القامت مخلوق نے فریاد کی کہ اے خدا! آپ کریم ہیں، نااہلوں پر رحم کرنے والے ہیں، حلیم ہیں، ہم کو شریعت کے ان دوطرفہ اختیارات سے امان دیجیے کہ چاہیں تو ہم فرماں برداری کریں اور چاہیں تو نافرمانی کریں۔

جذب یک را ہہ صراطِ مستقیم
بہ ز دو راہہ تردّد اے کریم

اے خدا! اگر اپنے جذب سے آپ ہمیں صراطِ مستقیم پر جمادیں یعنی اپنی فرماں برداری والے راستے پر ہمیں جذب فرمالیں تو آپ کے کھینچے ہوئے کو کون ظالم کھینچ سکتا ہے، لہٰذا آپ کا صراطِ مستقیم کی طرف جذب کرلینا بہتر ہے ہمارے دوطرفہ راستوں کے اختیار سے کیوں کہ نفس اپنی فطرتِ امارہ بالسوء کے سبب اختیارِ خیر و شر میں شر کی طرف جلد مائل ہوجاتا ہے اور ہم ضعفِ ہمت اور ضعفِ ارادہ کے سبب اختیار بین الطریقین میں تردّد اور غم میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ نفس سے مغلوب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ذلت ورُسوائی کا سخت اندیشہ ہے، لہٰذا اے کریم! اس تردّد بین الطریقین سے

ہمیں نجات عطا فرمائیے اور صراطِ مستقیم پر جذب فرمالیجیے، کیوں کہ جس کو آپ جذب فرمالیں وہ کبھی مردود نہیں ہوتا اور سوءِ خاتمہ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے جذب کی بھیک مانگتے ہیں کیوں کہ شیطان سالک محض تھا، مجذوب نہیں تھا ورنہ مردود نہ ہوتا، کیوں کہ جب سے دنیا قائم ہے آپ کا کھینچا ہوا کوئی شخص بھی مردود نہیں ہوا۔ جتنے لوگ مردود ہوئے ہیں وہ سب سالک تھے، آپ کے جذب سے محروم تھے۔ سالک کو بھی آخر میں جذب نصیب ہوتا ہے، کیوں کہ بغیر آپ کے جذب کے کوئی آپ کا غیر محدود راستہ طے نہیں کرسکتا۔ آپ خالق مقناطیس ہیں آپ کے جذب کیے ہوئے کو کون آپ سے چھین سکتا ہے؟ پس اے کریم! صراطِ مستقیم کی طرف آپ کا ہمیں جذب کرلینا ہمارے تردّد بین الطریقین اور اختیار بین الامرین کے غم سے بہتر ہے۔

ذرّۂ سایہ عنایت بہتر است
صد ہزاراں کوششِ طاعت پرست

آپ کی عنایت کا ایک ذرّہ ہماری ان ہزار کوششوں اور طاعات سے بہتر ہے جو آپ کے زیر سایۂ عنایت نہ ہوں۔

زیں دو رہ گرچہ ہمہ مقصد توئی
لیک خود جاں کندن آمد ایں دوئی

مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگرچہ خیر وشر کے ان دونوں راستوں کا مقصد آپ ہی کی ذات ہے یعنی اگر خیر وشر کا اختیار نہ ہوتا تو ہم مجبور محض ہوتے تو مجاہدہ کیسے ہوتا، کیوں کہ مجاہدہ موقوف ہے اس بات پر کہ خیر پر عمل کرنے اور شر سے بچنے میں جو تکلیف ہو اس کو برداشت کرنا اور اے اللہ! آپ کے قُرب ورضا کا مدار ان ہی اعمالِ اختیاریہ کے مجاہدات ہیں، اسی لیے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا آپ نے ہمارے اندر مادّۂ فجور بھی رکھ دیا اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھ دیا اور آیتِ پاک میں فجور کو مقدم فرمایا کہ یہ تقویٰ کا موقوف علیہ ہے یعنی فجور اور نافرمانی کے تقاضوں کے روکنے ہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جیسے موجودہ سائنس کی تحقیق ہے کہ

مثبت اور منفی (Positive اور Negative) ان دو تاروں سے بجلی پیدا ہوتی ہے اسی طرح اے اللہ! آپ نے مادّۂ فجور کا منفی تار اور تقویٰ کا مثبت تار ہمیں دے دیا، تا کہ جب تمہارے اندر مادّۂ فجور کا جوش ہو تو ہمارے خوف سے اس پر عمل نہ کرو، نافرمانی کے تقاضے پر عمل نہ کرنا یہی منفی تار ہے جس سے نورِ تقویٰ پیدا ہوتا ہے، لَا اِلٰہ کی تکمیل سے اِلَّا اللہ نصیب ہوتا ہے، باطل خداؤں کو نکالنے سے اللہ دل میں متجلی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش سے آپ ہی مقصود ہیں اور ان دو تاروں سے آپ اپنی محبت کا چراغ ہمارے دلوں میں روشن کرنا چاہتے ہیں، تا کہ آپ ہی ہمارے مقصود بن جائیں اور ہمیں ولی اللہ بنالیں۔

لیکن خیر و شر یعنی مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش اور مجاہدۂ شاقہ سے ہماری جان نکلی جارہی ہے، ہم بے دم ہوئے جارہے ہیں یعنی سخت فتنہ وآزمایش میں مبتلا ہیں، لہٰذا اے رب! اپنے جذب سے آپ ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے، تا کہ اختیار بین الطریقین کی کشمکش سے نجات حاصل ہو اور آپ کی راہ آسان ہو جائے۔

زیں دورہ گرچہ بجز تو عزم نیست
لیک ہرگز رزم ہم چوں بزم نیست

خیر و شر کے ان دونوں راستوں کے مجاہدات کا مقصد اگرچہ آپ ہی کی طرف عزم وارادہ کرنا ہے کہ بندے ہمت سے کام لے کر اپنے قلب میں آپ ہی کو مراد بنالیں اور آپ کے ولی بن جائیں، ان کا عزم اور ان کا ارادہ آپ ہی کی طرف ہو اور اس میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا مقابلہ کریں، لیکن جنگ کا میدان بزمِ قُرب کے برابر کہاں ہو سکتا ہے، یعنی نفس سے جو ہماری جنگ چل رہی ہے اس کا مزہ آپ کی اس بزمِ قُرب کے مثل کیسے ہو سکتا ہے جہاں آپ کی شراب محبت کے جام ومینا چل رہے ہوں؟ مراد یہ ہے کہ ابتدائے سلوک میں نفس کو خیر و شر کے انجذاب سے سخت مجاہدہ و کشمکش پیش آتی ہے، شر اور فجور کی طرف کشش ہوتی ہے تو مجاہدہ کر کے نفس کو روکتا ہے اور بہ تکلف اس کو خیر کے راستے پر ڈالتا ہے۔ تو مولانا دُعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! اس مقامِ تلوین کو مقامِ تمکین واستقامت سے تبدیل فرمادیجیے تا کہ ہمیں آپ کا قربِ تام اور سرورِ دوام حاصل ہو۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید ردر ماندگاں را و اخری

اے اللہ! دنیا میں جتنے حسین ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں آپ سب پر غالب ہیں کیوں کہ آپ ہمارے خریدار ہیں آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ ..... الاٰیۃ[۱۱۵]

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ ۲۱/ ذوقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸/ فروری ۲۰۰۰ء کو حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے اس آیتِ پاک کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان فرمایا جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔)

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے اس نفس کو خرید لیا ہے جو اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ہے، ہر وقت گناہوں کے تقاضے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ پس اگر تم اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرو تو ہم تم سے جنت کا سودا کرتے ہیں۔ ہر چیز کی ایک قیمت اور ایک بدلہ ہوتا ہے۔ نفسِ امّارہ کی بُری بُری خواہشات کے چھوڑنے کا، خونِ آرزو کا اور بُرے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کے غم اُٹھانے کا صلہ یہ ہے کہ اس غم کے بدلے میں ہم تم کو جنت دیں گے، اور جنت بھی کیسی؟ تفسیر "روح المعانی" میں ہے: اَلَّتِیْ لَا عَیْبَ فِیْھَا[۱۱۶] جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو خرید لیا ہے اور ہم اس کریم مالک کے ہاتھوں بکے ہوئے لوگ ہیں اور جب سودا بک جاتا ہے تو بکا ہوا مال دوبارہ بیچنا بین الاقوامی اُصولوں پر مجرمانہ فعل ہے، لہٰذا ہم اس مالک کے ہاتھوں بکے ہوئے مال ہیں اور ہمارا معاوضہ جنت ہے، تو پھر اگر کسی اور کے ہاتھ بکتے ہیں تو کتنے بڑے مجرم ہیں! جب ہم بک چکے تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ٹیڈیوں کے ہاتھوں بک جائیں، سینما، وی سی آر اور ڈش انٹینا سے بک کر گندی گندی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں۔ نفس کی پرستش کرنا یہ گویا اپنے کو دوبارہ

[۱۱۵] التوبۃ:۱۱۱

[۱۱۶] روح المعانی:۱۱/۵۴، التوبۃ(۴)، دار احیاء التراث، بیروت

بیچنا ہے اور اپنے کو اللہ کا مجرم بنانا ہے، لہٰذا جو اللہ ہمارا خریدار ہے اور خریدار بھی کیسا کہ جو ایک پھول کے بدلے میں گلستاں دیتا ہے، ایسے کریم مالک کے ہاتھ جب ہم بک چکے تو اب اسی کی مرضی پر جینا اور اسی کی مرضی پر مرنا ہے۔ احقر کے دو شعر ؎

خوشی پر ان کی جینا اور مرنا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنامی نہ کچھ پروائے عالم ہے

ہے رُوحِ بندگی بس ان کی مرضی پر فدا ہونا
یہی مقصودِ ہستی ہے یہی منشائے عالم ہے

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہم عاجزوں اور پسماندوں کو خرید لیجیے، اپنی طرف جذب فرمالیجیے، پھر کون ہے جو ہمیں آپ سے چھین سکے ؎

زیں تردّد عاقبت ما خیر باد
اے خدا مرجان مارا کن توشاد

ارشاد فرمایا کہ مولانا جلال الدین رُومی خدائے تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ خیر و شر کے درمیان جو آپ نے ہم کو اختیار دیا ہے تو اس تردّد بین الامرین یعنی نیکی اور گناہ کے تقاضوں کی کشمکش کا انجام ہمارے لیے بہتر کردیجیے یعنی ہماری رُوح چاہتی ہے کہ ہم نیک کام کرکے اللہ والے بن جائیں اور نفس گناہوں کا تقاضا کرتا ہے کہ وی سی آر، سینما، ٹیلی وژن اور تمام گندے کام کریں۔ ان دونوں میں ہمیشہ کشمکش رہتی ہے۔ پس اے اللہ! آپ نے ہمارا دو پرچوں میں امتحان رکھا ہے، ایک پرچہ ہے نیک کام کرنے کا اور دوسرا پرچہ ہے گناہ سے بچنا یعنی ایک مثبت عبادت ہے اور دوسری منفی عبادت ہے۔ نماز روزہ حج وعمرہ ذکر و تلاوت یہ مثبت عبادت ہے اور جب گناہ کا تقاضا ہو مثلاً کوئی نامحرم عورت سامنے جائے اس وقت نظر نیچی کرلینا یہ منفی عبادت ہے اور اللہ کا ولی وہی ہوتا ہے جو دونوں قسم کی عبادت کرتا ہے۔ اکثر لوگ وظیفہ و تسبیح و نوافل تو پڑھتے ہیں، لیکن گناہ سے نہیں بچتے اور روح و نفس کی کشمکش میں نفس ان پر غالب آجاتا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی

عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس جنگ میں جو نفس سے جیت گیا اور آپ کی نافرمانی چھوڑ دی وہی اللہ والا ہو جاتا ہے اور جو ہار گیا وہ فاسق ہو جاتا ہے، لہٰذا خیر و شر کی کشمکش کے اس امتحان میں ہمیں پاس کر دیجیے کہ ہم نیکی پر قائم رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم نیکی تو کرلیں اور گناہ نہ چھوڑیں یعنی آپ کو راضی کرنے کی فکر تو کریں اور آپ کی ناراضگی سے نہ بچیں تو بھی ہم ناکام ہو جائیں گے، لہٰذا اس تردّد اور خیر و شر کی جنگ میں ہمارا انجام بخیر کر دیجیے اور ہمیں نفس کے مقابلے میں جتا دیجیے یعنی اپنی مرضی پر جما کے رکھیے اور اپنی ناراضگی سے بچا کے رکھیے اور گناہوں کے شدید تقاضوں پر غالب کر کے اے خدا! آپ ہماری جان کو خوش کر دیجیے، کیوں کہ جان کو خوشی آپ کی عبادت اور فرماں برداری سے ملتی ہے اور آپ کی نافرمانی سے روح کبھی خوش نہیں ہوتی۔ گناہ کرتے وقت جو مزہ آتا ہے وہ نفس دشمن کو آتا ہے، رُوح اس وقت بے چین ہوتی ہے، اسی لیے مومن کو گناہ کا پورا مزہ نہیں آتا، اس کا دل کانپتا رہتا ہے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، خدا دیکھ رہا ہے، اور نفس کا مزہ ایسا ہے جیسا کسی کو نشہ پلا کر پٹائی کر دی جائے تو نشے میں پٹائی کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جب نشہ اُترتا ہے اس وقت بے چینی کا ادراک ہوتا ہے کہ ہائے! میں نے اللہ کو ناراض کر دیا۔ اس بے چینی اور عذاب کا لغت والفاظ احاطہ نہیں کر سکتے۔ نفس کے نشے سے اللہ پناہ میں رکھے۔ لہٰذا اے اللہ! ہماری عاقبت کو خیر کر دیجیے اور خاتمہ ایمان پر فرما دیجیے، تاکہ آپ ہم سے خوش ہو جائیں اور ہماری جان کو خوش کر دیجیے اور جان کب خوش ہوتی ہے؟ جب نفس کی لڑائی میں غالب آجاتی ہے۔ جیسے پہلوان اس وقت خوش ہوتا ہے جب دشمن کو پچھاڑ دیتا ہے، پس نفس دشمن پر ہماری رُوح کو غالب کر دیجیے۔

یہاں میں ایک بات کہتا ہوں کہ مثنوی کو صرف لغت سے نہیں سمجھ سکتے، مثنوی کو بغیر درد بھرے دل کے کوئی پڑھا بھی نہیں سکتا۔ مثنوی وہی پڑھا سکتا ہے جس نے اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھائی ہوں، اللہ کے راستے میں چلا ہو، سینے میں درد بھرا دل رکھتا ہو، کیوں کہ مولانا رومی نے مثنوی میں سلوک بیان کیا ہے۔ پس جس نے نفس سے جنگ نہیں لڑی اور نفس کا غلام ہے وہ کیا جانے مثنوی کو۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۱؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشا، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کریم ذوالجلال مہرباں

دائم المعروف دارائے جہاں

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ کریم ہیں، ذوالجلال ہیں، مہربان ہیں۔ اور کریم کے تین معنیٰ ہیں:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ [۱] جو ہم پر بغیر اہلیت کے ، باوجود ہماری نالائقی کے مہربانی کردے۔ جیسے ایک بادشاہ نے اپنے خادم سے کہا کہ ”رمضانی مگساں می آیند“ رمضانی! میرے پاس مکھیاں آرہی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ”حضور ناکساں پیش کساں می آیند“ حضور! نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ پس کریمِ حقیقی تو ہمارا اللہ ہے کہ بُرے اعمال سے ہمارا ظاہر بھی گندا اور ہمارا باطن بھی گندا کہ اندر پیشاب پاخانہ بھرا ہوا ہے، لیکن ہم جیسے نالائقوں کو بھی اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتے، بلکہ حکم دے دیا کہ وضو کرلو اور میرے حضور میں آجاؤ۔ اسی طرح باوجود ہماری باطنی گندگی یعنی گناہوں میں ملوث ہونے کے ہر سانس اور ہر لحہ ہم پر انعامات کی بارش ہورہی ہے۔

اور کریم کے دوسرے معنیٰ ہیں:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ یعنی ہماری تمناؤں سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا کہ اگر ہم ایک بوتل شہد مانگیں تو وہ ڈھائی من کا مشک دے دے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہادیے ہیں دُرّ بے بہا دیے ہیں

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۲/۳، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

اور کریم کی تیسری تعریف ہے:

اَلَّذِیۡ لَایَخَافُ نَفَادَ مَا عِنۡدَہٗ[118] ایسا مہربانی کرنے والا جس کو اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور ذُوالۡجَلَالِ کے معنیٰ ہیں: صَاحِبُ الۡاِسۡتِغۡنَاءِ الۡمُطۡلَقِ یعنی سارے عالَم سے بے نیاز اور وَالۡاِکۡرَامِ کے معنیٰ صَاحِبُ الۡفَیۡضِ الۡعَامِ[119] جس کا فیض سارے عالَم پر عام ہے۔ دنیا کے لوگ مستغنی تو ہوتے ہیں لیکن کسی کے دُکھ درد میں کام نہیں آتے بس اپنے ہی حلوے مانڈے میں مست ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ذُوالۡجَلَالِ کے بعد وَالۡاِکۡرَامِ کا اسم نازل کر دیا کہ اگرچہ میں سارے عالم سے مستغنی ہوں، لیکن میں صاحبِ فیض عام بھی ہوں کہ سارے عالم پر میرا فیض عام ہے۔ میرے استغنا کی شان یہ ہے:

اَلۡمُسۡتَغۡنِیۡ عَنۡ کُلِّ اَحَدٍ وَّالۡمُحۡتَاجُ اِلَیۡہِ کُلُّ اَحَدٍ[120]

کہ میں سارے عالم سے مستغنی ہوں اور سارا عالم میرا محتاج ہے لیکن اس کے باوجود میں اپنے بندوں سے غافل نہیں سارے عالم پر میری رحمت عام ہے۔

مولانا رُومی اس کو فرماتے ہیں کہ اے اللہ! باوجود ذوالجلال ہونے کے آپ دائم المعروف ہیں، اتنے بڑے مہربان ہیں کہ اپنی مخلوق پر ہمیشہ احسان کرنے والے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم سے ناراض ہو کر آپ نے سورج کو روک لیا ہو کہ ہم پر طلوع نہ ہو یا چاند کو روک لیا ہو کہ ہمیں اوقات نہ بتائے۔ آپ کا نظامِ کرم ہمیشہ مخلوق پر دائم ہے اور آپ ساری کائنات کے مالک ہیں، ساری کائنات کے نظام کو قائم کیے ہوئے ہیں، سارے عالم کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

یَا کَرِیۡمَ الۡعَفۡوِ حَیٌّ لَمۡ یَزَلۡ
یَا کَثِیۡرَ الۡخَیۡرِ شاہ بے بدل

---

[118] مرقاۃ المفاتیح: ۱۸۶/۵، (۲۲۸۸)، کتاب الدعوات، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

[119] روح المعانی: ۱۰۹/۲۷، الرحمٰن (۲۷)، دار إحیاء التراث، بیروت

[120] روح المعانی: ۹۶/۲۷، القمر (۲۲)، دار إحیاء التراث، بیروت

اے اللہ! آپ کریم العفو ہیں یعنی معاف کرنے میں نہایت کریم ہیں۔ آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بشارت دی کہ

اِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ النَّھَارِ وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْٓءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا[۱۲۱]

اللہ تعالیٰ کی رحمت رات بھر اپنے ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ دن کا خطاکار رات کو توبہ کرلے اور دن بھر ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ رات کا خطاکار دن میں توبہ کرلے۔ سبحان اللہ! کیا رحمت ہے آپ کی بندوں پر کہ ایک کروڑ گناہ بھی اگر کوئی کرلے، لیکن ندامت کا ایک آنسو کبھی نکل آیا، دل میں ندامت پیدا ہوگئی کہ آہ! میں نے کیا کیا تو اسی وقت تمام گناہوں کو آپ معاف فرمادیتے ہیں۔ سو برس کا کافر جو رات دن کفر کررہا تھا اگر کلمہ پڑھ لے تو اسی وقت ولی اللہ ہوجاتا ہے

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ ایک ہندو نوے برس تک اپنے بُت کو صنم صنم پکار رہا تھا کہ ایک دن غلطی سے اس کے منہ سے صمد نکل گیا تو آواز آئی: لَبَّیْکَ یَا عَبْدِیْ میرے بندے میں حاضر ہوں۔ تو اس کافر نے ڈنڈا اُٹھایا اور سب بُتوں کو توڑ دیا کہ نوے سال تک میں نے تمہیں پکارا اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آج غلطی سے مسلمانوں کے خدا کا نام نکل گیا تو فوراً جواب آگیا لبیک میرے بندے میں موجود ہوں۔ سبحان اللہ! تو عفو کرنے میں آپ بے حد کریم ہیں کہ نوے برس کے کافر کو بھی نہیں بھولتے اور ایک لمحے میں معاف فرما کر اپنا پیارا بنا لیتے ہیں۔ اور آپ حَیٌّ لَمْ یَزَلْ ہیں یعنی زندہ حقیقی ہیں کہ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آپ کی حیات میں کبھی زوال نہیں آسکتا بلکہ ہر وقت آپ کی ایک نئی شان ہے۔

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ

علامہ آلوسی ''روح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں یوم سے

---

[۱۲۱] صحیح مسلم: ۳۵۸/۲، کتاب التوبۃ، باب قبول التوبۃ من الذنوب وان تکررت الذنوب والتوبۃ، ایچ ایم سعید

مراد وقت ہے، دن مراد نہیں ہے:

اَیْ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ، وَفِیْ کُلِّ لَحْظَةٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ وَفِیْ کُلِّ لَمْحَةٍ مِّنَ اللَّمْحَاتِ[۱۳۲]

یعنی ہر وقت، ہر لحظہ، ہر لمحہ آپ کی ایک نئی شان ہے۔ پس چوں کہ آپ زندہ حقیقی ہیں اس لیے آپ ہی محبوبِ حقیقی ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں کہ اس کو محبوب بنایا جائے کیوں کہ اگر آپ کے علاوہ کسی اور کو دل دیا تو ایک دن معلوم ہوا وہ مر گیا اور اس کا جنازہ دفن ہو رہا ہے اب کہاں جاؤ گے اور کس کو دل کا سہارا بناؤ گے کیوں کہ جس کو سہارا بنایا تھا وہ تو مر گیا، اب کیا اس کی لاش سے چمٹو گے اور اگر چمٹو گے تو تین دن کے بعد لاش سڑ جائے گی اور مُردہ جسم پھول کر پھٹ جائے گا، پھر سب سے پہلے تم ہی اسے دفن کرو گے اور بدبو سے ناک بند کر کے وہاں سے بھاگو گے۔ لہٰذا کہاں مرنے والوں پر مر رہے ہو؂

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

میرا قطعہ ہے؂

ان کے سر پر سفید بالوں کا
ایک دن تم تماشا دیکھو گے
میرؔ اس دن جنازہ اُلفت کا
اپنے ہاتھوں سے دفن کر دو گے

تم بھی مرنے والے یہ دنیوی معشوق بھی مرنے والے لہٰذا مرنے والے کو چاہیے کہ نہ مرنے والے پر مرے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حی و با قیوم دار

---

[۱۳۲] روح المعانی: ۲۷/۱۱۰، الرحمٰن (۲۹)، دار إحیاء التراث، بیروت

مرنے والوں سے عشق نہ کرو کہ یہ پائیدار نہیں ہوتا عشق اس زندہ حقیقی سے کرو جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، جو موت وزوال وفنا سے پاک ہے اس سے محبت کرو تو تم بھی زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ جنت میں وہ تمہیں حیاتِ جاودانی عطا کرے گا۔ وہ ایسا زندہ حقیقی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور حَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا[۱۲۳] ہر شے کی حیات اسی سے قائم ہے، اور وہ قیوم بھی ہے یعنی قَاۗىِٕمٌ بِذَاتِہٖ وَیُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاھِرَۃِ اپنی ذات سے قائم ہے اور اپنی قدرت قاہرہ سے دوسروں کو قائم کیے ہوئے ہے اور کیوں کہ اس کی ہر وقت ایک نئی شان ہے لہٰذا اس کے عاشق بھی ہر وقت ایک نئی شان میں رہتے ہیں، ہر لمحہ ان کو ایک نئی حیات عطا ہوتی ہے جس کا دنیوی عشاق تصور بھی نہیں کرسکتے کیوں کہ مرنے والوں پر مرتے ہیں اور ان کے معاشیق و محابیب ہر وقت عَلٰی مَعْرَضِ الزَّوَالِ اور عَلٰی مَعْرَضِ الْفَنَاءِ ہیں لہٰذا ان کے عاشقوں کا عشق بھی ہر وقت عَلٰی مَعْرَضِ الزَّوَالِ ہے، ہر وقت ان کا تبسم افسردگی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ میرا شعر ہے؎

حسن فانی ہے عشق بھی فانی
پھول مُرجھاگئے ذرا کِھل کے

لہٰذا دنیاوی عاشقوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر نحوست کے آثار نظر آتے ہیں اور ہر لمحہ ان کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے کیوں کہ؎

ہتھوڑے دل پہ ہیں مغزِ دماغ میں کھونٹے
بتاؤ عشقِ مجازی کے مزے کیا لوٹے

اگلے مصرع میں مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کثیر الخیر ہیں، کثیر الفضل ہیں کَمَا قَالَ تَعَالٰی (وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ) وَاسِعٌ کی تفسیر ''رُوح المعانی'' میں یہ ہے: اَیْ کَثِیْرُ الْفَضْلِ ،لَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ[۱۲۴] جو بہت زبردست فضل والا ہے،

۱۲۳؎ مرقاۃ المفاتیح:۵/۳۶۴،(۲۲۵۴)،کتاب الدعوات،باب الدعوات فی الاوقات،دارالکتب العلمیۃ،بیروت
۱۲۴؎ روح المعانی:۶/۱۶۵،المآئدۃ(۵۳)،دارإحیاء التراث،بیروت

جس کو اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں۔ اگر سارے عالم کو آپ ولی اللہ، قطب الاقطاب، غوث الاعظم بنادیں تو آپ کی رحمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوگی، کیوں کہ آپ شاہِ بے بدل ہیں یعنی ایسے شاہ ہیں جس کا کوئی بدل نہیں۔ سبحان اللہ! مولانا کیا لفظ لائے ہیں جو ترجمہ ہے وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ[۱۲۵] کا۔ نکرہ تحت النفی ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے کہ اس کا کوئی بدل اور مثل اور ہمسر نہیں ہے۔

اولم ایں جزر و مد از تو رسید
ورنہ ساکن بود ایں بحر اے مجید

مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ جب آپ نے ہم کو جسم دے کر اس دنیا میں بھیجا، تو ہمارے نفس کے اندر مادّۂ فجور بھی رکھ دیا اور مادّۂ تقویٰ بھی رکھ دیا فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا[۱۲۶] یعنی مادّۂ شر اور مادّۂ خیر دونوں رکھ دیے، لہٰذا ہمارے قلب کے سمندر میں خواہشات کا جو مدّ و جزر یعنی جوار بھاٹا ہے وہ آپ کی طرف سے ہمارے امتحان کے لیے ہے، ورنہ جب ہم عالمِ ارواح میں تھے تو چوں کہ وہاں جسم نہیں تھا، لہٰذا مادّۂ فجور و تقویٰ کا الہام بھی ہمارے نفوس میں نہیں ہوا تھا، اس لیے خواہشات کا سمندر بھی ساکن تھا۔ اس عالم میں خیر و شر کے مادّوں میں جو مدّ و جزر اور طغیانی و تلاطم ہے یہ ہمارا امتحان ہورہا ہے اور آیتِ پاک میں فجور کو تقویٰ پر مقدم فرما کر آپ نے یہ بتادیا کہ تقویٰ کا تحقق مادّۂ فجور پر موقوف ہے، بس شرط یہ ہے کہ تقاضائے فجور پر عمل نہ کرو یعنی بُرے بُرے تقاضے ایندھن ہیں ان کو جلادو تو حمامِ تقویٰ روشن ہوجائے گا۔ اگر یہ بُرے تقاضے نہ ہوتے تو تقویٰ کا ظہور کیسے ہوتا اور کیسے پتا چلتا کہ یہ شخص متقی ہے، کیوں کہ تقویٰ کی تعریف ہی یہ ہے کہ کَفُّ النَّفۡسِ عَنِ الۡہَوٰی جب دل میں نافرمانی اور گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو اللہ کے خوف سے اس پر عمل نہ کرنا۔ اگر گناہ کے بُرے تقاضے ہی نہ ہوتے تو مجاہدہ بھی نہ ہوتا اور مجاہدہ نہ ہوتا تو تقویٰ کا وجود ہی نہیں

[۱۲۵] الاخلاص:۴

[۱۲۶] الشمس:۸

ہوسکتا تھا۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور گناہوں کے تقاضے آخرت کے امتحان کے پرچے ہیں۔ پس اگر یہ تقاضے نہ ہوتے تو کس پرچے میں امتحان ہوتا اور جزا و سزا کس بات پر ہوتی۔

ہم ازاں جا کایں تردّد دادیم
بے تردّد کن مرا ہم از کرم

جس مقام سے آپ نے ہم کو اس کشمکش میں رکھا ہے یعنی آپ کی مشیت اور آپ کی قدرت نے ہم کو عالمِ امتحان میں بھیجا ہے اور ہمارا فجور اور تقویٰ کے دو طرفہ اختیارات میں امتحان ہو رہا ہے ، ہم کو دونوں اختیار ہیں کہ چاہیں تو ہم سینما خانہ چلے جائیں اور چاہیں تو بیت اللہ اور مسجد چلے جائیں۔ بندوں کو اختیار دے دیا کہ چاہے نیک کام کرلو چاہے بُرا کام کرلو۔ اس تردّد میں امتحان ہو رہا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہم تردّد اور شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ پس اے خدا! آپ اس تردّد سے ہم کو نجات عطا فرمائیے اور نفس پر ہم کو غالب کردیجیے۔ اپنے کرم سے بلا استحقاق ہم کو اس کشمکش کی زندگی سے نجات دے کر ہمارے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنہ کردیجیے یعنی سوائے آپ کی یاد کے ہمارا کہیں دل ہی نہ لگے جیسے کہ مولانا رُومی نے دُعا کی ہے ۔

جز بذکرِ خویش مشغولم مکن
از کرم از عشق معزولم مکن

اے خدا! اپنی مہربانی اور اپنے کرم سے سوائے اپنی یاد کے کہیں ہمارا دل نہ لگنے دیجیے۔ اپنے کرم کے صدقے میں اپنی محبت کے کاروبار سے یعنی اپنی عبادت و مناجات سے آپ ہم کو الگ نہ کیجیے۔ ہمارا دل ایسا بنا دیجیے کہ آپ کے علاوہ اگر ہم کہیں دل لگانا بھی چاہیں تو نہ لگے۔ اپنی ذات پاک کے ساتھ ہمارے قلب و جان کو چپکا دیجیے کہ ساری دنیا اگر ہمیں آپ سے الگ کرنا چاہے تو ہم الگ نہ ہوں۔ یہ ہے بے تردّد کرنا۔ اپنے جذب سے ایسا بنا لیجیے کہ اس کشمکش کی زندگی سے نجات عطا فرما دیجیے۔ ہمارا دل ایک طرف کھینچ لیجیے یعنی مقامِ جذب عطا فرمائیے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سالک کو مقام جذب نصیب نہیں ہوا یعنی اگر اللہ نے اس کو نہیں کھینچا تو وہ ہر وقت

خطرے میں ہے، کسی وقت بھی وہ مردود ہو سکتا ہے۔ شیطان سالک تھا، مجذوب نہ تھا، ہزاروں برس عبادت کی تھی، لیکن چوں کہ اللہ نے اسے جذب نہیں کیا تھا لہٰذا وہ مردود ہو گیا۔ اسی لیے حکیم الامت نے فرمایا کہ اے سالکو! اگر چاہتے ہو کہ تم اللہ کے راستے میں استقامت سے رہو اور تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو تو خدائے تعالیٰ سے جذب کی صفت مانگو کہ اے اللہ! مجھے جذب کر کے اپنا بنا لیجیے۔ مجذوب کبھی مردود نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اللہ اسی کو جذب کرتا ہے، اسی کو اپنا مقبول بناتا ہے جو ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ ہم لوگ دوست بنانے میں غلطی کر جاتے ہیں کیوں کہ ہمیں مستقبل کا علم نہیں ہے، اس لیے ہم کسی کو دوست بنا لیتے ہیں اور بعد میں وہ غداری کر جاتا ہے، بے وفا ہو جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اسی کو اپنا محبوب اور مقبول بناتا ہے جو مرتے دم تک باوفا ہوتا ہے۔ ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ حضرت! دُعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو رضائے دائمی عطا فرمائے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ رضائے دائمی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ جس سے خدا ایک دفعہ راضی ہوتا ہے پھر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اگر اس سے کبھی گناہ ہو جائے تو توفیقِ توبہ دیتا ہے۔ توفیقِ توبہ خود علامتِ رضا و مہربانی ہے۔ وہ راضی ہی اس سے ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہمیشہ باوفا ہوتا ہے۔ شیطان جب عبادت کرتا تھا اس وقت بھی مقبول نہ تھا، جذب نصیب نہیں ہوا تھا اس لیے مردود ہو گیا، اس لیے مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا اشرف علی! یہ کہو کہ اے خدا! ہم کو رضائے کامل عطا کر دے، دائمی کی قید مت لگاؤ۔

ابتلایم می کنی آہ الغیاث
اے ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے خدا! آپ مجاہدات میں میرا امتحان لے رہے ہیں۔ آہ! آپ سے فریاد ہے کہ ہم آپ کے امتحان کے قابل نہیں، ہم نہایت کمزور، نہایت نالائق ہیں، آپ کے امتحان میں ہمیں اپنے پاس ہونے کی اُمید نہیں کیوں کہ بڑے بڑے مردانِ طریق اور مدعیانِ دین و تقویٰ اور تصنیف و تالیف اور تقریر و تحریر میں کمال رکھنے والے جو اپنے کو کوہِ ہمت و استقامت سمجھتے تھے جب امتحان کا وقت آیا تو مؤنث ثابت ہوئے یعنی گناہ میں

مبتلا ہو گئے اور ان کا کوہِ تقویٰ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس لیے اے خدا! ہم کمزور ہیں، ہمارا امتحان نہ لیجیے۔ ہم اس بلی کے مانند ہیں جو چوہا خوری سے توبہ کر کے ایک لاکھ حج کر آئے، لیکن جب چوہا اس کے سامنے آئے گا تو اس کا سارا حج اور تقویٰ ختم ہو جائے گا۔ ہمارے نفس کی دیا سلائی پر مادّۂ فجور اور گناہ کے تقاضوں کا مسالہ لگا ہوا ہے، بس رگڑ کی دیر ہے، اے اللہ! آپ کا کرم ہے کہ اس میں رگڑ نہیں لگ رہی ہے یعنی اسبابِ معصیت سے آپ نے دور رکھا ہے، ورنہ اگر ذرا رگڑ لگی تو ایک دم آگ لگ جائے گی، لہٰذا اے خدا! گناہوں کا آتش فشاں جو ہمارے اندر ہے اس کو اسبابِ معصیت کے قرب سے بچا ورنہ ہمارے دین و ایمان کی خیر نہیں ہے۔ اے خدا! ہم نہایت کمزور، نہایت نالائق ہیں۔ آپ سے فریاد ہے کہ ہم امتحان کے قابل نہیں ہیں، ہمارا امتحان نہ لیجیے اور اپنی رحمت سے ہم کو عافیت کے ساتھ دین پر قائم رکھیے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرو اور اسبابِ معصیت کے قریب نہ رہو چاہے کہیں بھی ہو چاہے خانقاہ ہو یا مدرسہ ہو، یہ نہ سوچو کہ ان مقدس جگہوں میں ہم نفس و شیطان سے محفوظ ہو گئے۔ جنہوں نے احتیاط نہ کی وہ خانقاہ کیا بیت اللہ میں بھی گناہ میں ملوث ہو گئے، پھر ایسے ملکوں میں جیسے ری یونین، فرانس، برطانیہ وغیرہ جہاں بے پردگی عام ہے اور ہر وقت مرد و عورت کا اختلاط رہتا ہے کتنی احتیاط کی ضرورت ہے، اس لیے کبھی کسی حسین کے ساتھ تنہائی نہ ہونے دو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، کیوں کہ جہاں تنہائی ہوئی تو تیسرا وہاں شیطان موجود ہوا اور شیطان کا دعویٰ ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک کمرے میں خواجہ حسن بصری جیسا ولی اور رابعہ بصریہ جیسی ولیہ بھی تنہا ہوں تو دونوں کا منہ کالا کرادوں گا۔ اس لیے اللہ کے ابتلا اور امتحان سے پناہ مانگو، بہادر نہ بنو ورنہ سارا تقویٰ خاک میں مل جائے گا۔

تا بہ کے ایں ابتلاء یارب مکن
مذہبے ام بخش و دہ مذہب مکن

اے اللہ! کب تک اس آزمائش میں مبتلا رہوں گا، جلدی کر دیجیے اور اپنے جذب سے

مجھے اپنا بنا لیجیے۔ اے میرے رب! امتحان نہ لیجیے میرے اُوپر رحم کر دیجیے اور اولیاء اللہ کو جو نسبت آپ دیتے ہیں وہ عطا کر دیجیے اور جذب کر کے ہمیں اپنی ذات پاک کے ساتھ چپکا لیجیے۔ دیکھو اگر ماں اپنے چھوٹے بچے کو اختیار دے دے کہ جہاں چاہے چلا جا تو وہ اغوا کر لیا جائے گا اور اگر ماں تگڑی ہے اور اس کو اپنے سینے سے چپکائے ہوئے ہے اور اغوا کرنے والے کمزور ہیں تو بچہ اغوا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون طاقت والا ہے۔ اگر حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمالیں تو ساری دنیا کی گمراہ کن ایجنسیاں اور سارے دنیا کے حسین اور حسینائیں ہمارے تقویٰ کا ایک بال بھی نہیں اُکھاڑ سکتے، لہٰذا اے اللہ! آپ ہمیں جذب کر کے صراطِ مستقیم پر ڈال دیجیے اور دس مذہب اختیار کرنے سے بچا لیجیے یعنی ہمیں ایک مذہب تقویٰ والوں کا دے دیجیے، دس مذہب نہیں کہ کبھی مسجد میں بیٹھے ہیں اور کبھی عورتوں کو سڑکوں پر دیکھ رہے ہیں، کبھی تلاوت کر رہے ہیں اور کبھی گانا سن رہے ہیں، یعنی ہماری تلوین و بے استقامتی کو تمکین و استقامت سے بدل دیجیے اور اللہ والوں کا تقویٰ، اپنے اولیاء کا طریقہ دے دیجیے کہ ہم آپ پر جان فدا کرتے رہیں اور ہر وقت تقویٰ سے رہیں، جب جی گھبرائے تو آپ کو یاد کر لیں۔

ہر لمحۂ حیات گزرا ہم نے\
آپ کے نام کی لذت کا سہارا لے کر

لوگ کہتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے سے ٹائم پاس ہوتا ہے۔ ارے ظالمو! ٹائم پاس نہیں ہوتا ٹائم فیل ہوتا ہے۔ اگر دل بہلانا ہے تو اللہ سے دل بہلاؤ۔ جب کبھی دل گھبرائے، وضو کرو، دو رکعات پڑھو، تسبیح لے کر درد بھرے دل سے ایک دفعہ اللہ کہو۔ دونوں جہاں کی لذت اس کے نام پاک میں موجود ہے۔ کہاں جاتے ہو لیلیٰ کا نمک تلاش کرنے، ملاحتِ حسنِ لیلیٰ کا خالق اللہ ہے، جس نے لیلیٰ کو بھیک دی تھی وہ اللہ جب دل میں متجلّی ہوگا تو کروڑہا لیلاؤں سے تم بے نیاز ہو جاؤ گے۔ وہ لیلیٰ تو سڑنے گلنے والی تھی۔ وہ خالقِ ملاحتِ لیلیٰ اور خالقِ عشق مجنوں جب دل میں متجلّی ہوتا ہے تو پاکیزہ ملاحت کے کتنے غیر فانی سمندر ساتھ لاتا ہے اور عشق و محبت کے لامحدود طوفان و تلاطم ساتھ لاتا ہے، اس لطف کو دنیا والے کیا جانیں، اس مزے کو لیلیٰ مجنوں کیا جانیں۔

اشترے ام لاغر وہم پشت ریش
ز اختیار ہم چو پالاں شکلِ خویش

ہم ایک لاغر کمزور اُونٹ کی طرح ہیں جس کی پیٹھ زخمی ہوچکی ہے اختیار کے پالان کی وجہ سے۔ گھوڑے اور اُونٹ پر نمدہ بچھا کر ایک گدڑی ڈال دیتے ہیں اس کو پالان کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اختیارِ خیر وشر کی کشمکش سے ہماری جان مجاہدہ کی وجہ سے مثل اُونٹ کی پیٹھ کے زخمی وپریشان ہوچکی ہے۔

ایں کژاوہ گہ شود ایں سو گراں
آں کژاوہ گہہ شود آں سو کشاں

ہمارے نفس کے اُونٹ کا کجاوہ جس میں دو طرف مال ہوتا ہے، کبھی ایک طرف کو گرتا ہے اور کبھی دوسری طرف کو جھک جاتا ہے، یعنی کبھی خیر کا پلڑا بھاری ہوجاتا ہے کبھی شر کا، اس لیے ہمارے نفس کا حال یہ ہے کہ گھڑی میں اولیاء گھڑی میں بھوت، کبھی ایک دم پکّے ولی اللہ بن گئے اور کبھی ایک دم شیطان۔

بفگن از من حملِ ناہموار را
تا بہ بینم روضۂ انوار را

اے خدا! ہم پر خیر وشر کا بوجھ ناہموار ہورہا ہے، کبھی خیر کا غلبہ ہوتا ہے تو کبھی شر غالب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس ناہموار اور غیر متوازن بوجھ سے ہم کو نجات دے دیجیے یعنی استقامت، توازن اور اعتدال عطا فرمائیے تاکہ اس استقامت اور آپ کے دین پر قائم رہنے کی برکت سے ہمیں انوارِ قربِ الٰہیہ کے باغ ہی باغ نظر آئیں جیسا کہ مولانا رُومی نے ایک دوسرے شعر میں فرمایا ہے ؎

گر ز صورت بگزری اے دوستاں
گلستاں ست گلستاں ست گلستاں

اے دوستو! اگر صورت پرستی سے تم باز آجاؤ تو تم کو اللہ کے قرب کے باغ ہی باغ نظر آئیں گے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۲؍نومبر ۱۹۹۱؁ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے دہندہ عقلہا فریاد رس
تا نخواہی تو نخواہد ہیچ کس

ارشاد فرمایا کہ مولانا جلال الدین رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے عقل دینے والے اور بندوں کی فریاد کو پہنچنے والے! جب تک آپ نہیں چاہیں گے کوئی شخص کچھ نہیں چاہ سکتا۔ ہمارا چاہنا آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ [۱۲۷]

جب تک آپ کی مشیت نہیں ہوگی ہم آپ کو کیسے چاہ سکتے ہیں، اس لیے آپ نے قرآنِ پاک میں اپنی محبت کو مقدم فرمایا اپنے بندوں کی محبت پر، یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ دلیل ہے کہ پہلے آپ بندوں سے محبت فرماتے ہیں پھر آپ کی محبت کے فیضان سے بندے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اِنَّ اللہَ قَدَّمَ مَحَبَّتَہٗ عَلٰی مَحَبَّۃِ عِبَادِہٖ لِیَعۡلَمُوۡا اَنَّھُمۡ یُحِبُّوۡنَ رَبَّھُمۡ بِفَیۡضَانِ مَحَبَّۃِ رَبِّھِمۡ [۱۲۸] اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی محبت مانگتے ہیں کہ جب آپ ہم سے محبت کریں گے تو آپ کی محبت کے فیضان سے ہم لامحالہ آپ سے محبت کریں گے، لہٰذا جب تک آپ کا کرم شامل نہ ہو کوئی شخص کسی نیکی اور خیر کو چاہ بھی نہیں سکتا، اس لیے خیر اور بھلائی اور نیکی کے ارادے، عزائمِ رُشد و تقویٰ اور گناہوں سے بچنے کے خیالات سب آپ کے فضل و کرم کے تابع ہیں۔ آپ کے ارادے پر مراد کا تخلّف محال ہے، یعنی آپ کوئی ارادہ فرمائیں اور وہ مراد تک نہ پہنچے اور وہ کام نہ ہو یہ محال اور ناممکن ہے اور آپ نہ چاہیں اور وہ کام ہو جائے یہ بھی ناممکن اور محال ہے، کیوں

۱۲۷؎ التکویر:۲۹

۱۲۸؎ روح المعانی:۶/۱۹۲، المآئدۃ (۵۴)، داراحیاء التراث، بیروت

کہ آپ کے ارادے پر مراد کا ترتّب لازمی ہے، لہٰذا اے اللہ! اگر آپ ہمارے نیک بننے کا ارادہ فرمالیں تو ہمارا نیک اور متقی بن جانا لازم ہے اور اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ اگر نفس و شیطان اور دنیا بھر کی تمام گمراہ کن ایجنسیاں مل کر کسی کو بہکائیں اور گناہوں میں مبتلا کرکے برباد کرنا چاہیں تو اس شخص کو ہرگز برباد نہیں کرسکتے جس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا تالا لگ جائے۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اگر تھانے والے صرف موم بتی لگا کر کسی تالے کو سر بمہر کردیں جو اتنی کمزور ہوتی ہے کہ ایک جھٹکا مارو تو کھل جائے، لیکن تھانے کی مہر دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکو کانپتے ہیں تو اے اللہ! جس پر آپ کی حفاظت کا تالا ہو تو نفس و شیطان کی کیا مجال ہے کہ اس سے گناہ کرا سکیں۔ نفس بھی سمجھ جاتا ہے کہ اب میں گناہ نہیں کرسکتا، کیوں کہ آپ کی قدرتِ قاہرہ کا ڈنڈا اسے اپنے سر پر نظر آتا ہے۔ اگر گناہ کرنا بھی چاہے تو دل کو اس قدر بے چین کردیتے ہیں کہ گناہ کرنے کے خیال سے وہ لرزہ براندام ہوجاتا ہے۔ اے اللہ! جس کو آپ اپنا بناتے ہیں اس کو گناہ سے مانوس نہیں ہونے دیتے، اس کے قلب کو گناہوں سے بے زار کردیتے ہیں اور وہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ ؎

دونوں جانب سے اشارے ہوچکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہوچکے

اے اللہ! جس کو آپ اپنا بنائیں اور جس کی حفاظت کا ارادہ فرمالیں وہ خود چاہے بھی تو اپنے کو ضایع نہیں کرسکتا، گناہوں سے اپنا منہ کالا نہیں کرسکتا، کیوں کہ آپ نے اس کا منہ اُجالا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے آپ کا جذب مانگتے ہیں کہ آج تک کوئی مجذوب مُرتد اور مردود نہیں ہوا کیوں کہ اللہ نے جس کو کھینچ لیا وہ اللہ سے کیسے بھاگ سکتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ جذب اور احاطۂ جذب سے نعوذ باللہ! فرار لازم آتا ہے اور اللہ کی قدرت کا عجز لازم آتا ہے جو محال اور ناممکن ہے۔ پس اے اللہ! آپ ہمیں چاہ لیجیے، کیوں کہ اگر آپ نہ چاہیں تو کوئی کچھ نہیں چاہ سکتا، اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص مُرتد ہونے سے بچنا چاہے یعنی جو شخص چاہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور میں مرتد نہ ہوں اور خدا کے دین سے فرار اختیار نہ کروں اور ساری زندگی اللہ کی چوکھٹ پر قرار حاصل رہے اور نفس و شیطان کے چکر سے بچ جاؤں اور اگر غیر اللہ سے

دل لگانا بھی چاہوں تو دل ایسا بے چین ہو جائے جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپنے لگتی ہے۔

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں اِک ماہی بے تاب ہے

یعنی بارہ بجے دوپہر کا وقت ہو، چلچلاتی ہوئی دھوپ سے ریت گرم ہو اور ایک مچھلی کو پانی سے نکال کر اس تپتی ہوئی ریت میں ڈال دو، تو جو اس کی کیفیت ہوتی ہے وہ میری کیفیت ہو جائے کہ گناہوں کے ماحول میں اور غیر اللہ سے دل لگانے کے خیال سے ہی تڑپنا شروع کر دوں، اور میرے قلب کو اللہ تعالیٰ کے دریائے قُرب سے اس درجہ اُنس پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کے چکر میں نہ پڑوں۔

پس جو شخص چاہے کہ اللہ کے دین پر قائم رہے اور نفس و شیطان کے کبھی چکر میں نہ آئے تو اس کو اللہ سے محبت مانگنی چاہیے، کیوں کہ مُرتد کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اہلِ محبت پیدا کریں گے جن سے ہم محبت کریں گے اور وہ ہم سے محبت کریں گے۔

ہم یاد کریں گے وہ ہمیں یاد کریں گے
میرے دلِ برباد کو آباد کریں گے
بربادِ محبت کو نہ برباد کریں گے
میرے دلِ ناشاد کو وہ شاد کریں گے

اسی لیے مولانا اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ اے عقل عطا فرمانے والے اللہ اور ہماری فریاد اور دُعاؤں کو سننے والے! آپ سے فریاد ہے کہ آپ ہمیں چاہ لیں، ہمیں اپنا بنانے کا ارادہ فرمالیں تو پھر ہماری عقل بھی صحیح کام اور صحیح فیصلہ کرے گی۔ پھر ہم اپنی زندگی کا بہترین زمانہ اپنا عالمِ شباب آپ کو پیش کریں گے تا کہ یہ جوانی ٹھکانے لگ جائے، کیوں کہ جو جوانی خدا پر فدا ہوئی وہ اپنے صحیح حق پر پہنچ گئی، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میں جوانی اس پر فدا کر رہا ہوں جس نے مجھے جوانی دی ہے۔ جوانی تو دے اللہ اور فدا کروں اس کو غیروں پر جو خود محتاج ہیں، جو خود اپنے شباب کے مالک نہیں وہ دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں؟ اس لیے میں اپنا زمانۂ عیش و نشاط اے خدا! آپ پر فدا کرتا ہوں،

کیوں کہ اگر آپ جوانی نہ دیتے اور بچپن ہی میں موت دے دیتے تو ہم قبرستان میں بغیر جوانی دیکھے ہوئے دفن ہوجاتے۔ تو آپ نے جب ہمیں جوانی عطا فرمائی تو آپ کی اس عطا کا حق یہ ہے کہ ہم اپنی جوانی کو باوفا بنا کر آپ پر فدا کردیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے یہاں تک کہ آپ کی مشیت سے ایسی چیزوں کا ظہور ہوجاتا ہے جو عادتاً محال ہیں، جیسے گلاب کے پھول کی جڑ میں بدبودار کھاد ہوتا ہے جس کے اجزاء تحلیل ہوکر اجزائے خاکی کے ساتھ مل کر جڑ سے گلاب کے درخت کے اندر داخل ہوجاتے ہیں لیکن اُوپر گلاب کا خوشبودار پھول پیدا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی عطا اور کرم ہے، کھاد کا کمال نہیں ہے۔ اگر کھاد کا کمال ہوتا تو پھولوں میں بدبو ہوتی۔ اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں کہ ہم ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ حسّی نجاست سے خوشبودار پھول پیدا کرسکتے ہیں، لہٰذا اپنے نفس کے گندے تقاضوں سے گھبراؤ مت، بس ان تقاضوں کو دبادو جیسے کھاد کو مٹی کے نیچے دبادیتے ہیں، اگر کھاد اُوپر ہوگی تو درخت جل جائے گا۔ اسی طرح تم بھی اپنی بُری بُری خواہشات پر **كَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْهَوٰى** کی مٹی ڈال دو، یعنی ان پر عمل نہ کرو تو اس سے ہم تمہارے دل میں تقویٰ کا گلاب پیدا کردیں گے، اور کھاد جتنی بدبودار ہوتی ہے پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوتا ہے، اس لیے کتنے ہی شدید اور خبیث تقاضے ہوں ان سے مت گھبراؤ، مجاہدۂ شدیدہ کی مٹی میں ان کو دبادو تو تقویٰ کا پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوگا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو جتنا زیادہ قوی الشہوت ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قوی النور ہوتا ہے، کیوں کہ شہوت کو روکنے میں اس کو مجاہدہ شدیدہ ہوتا ہے تو اس کا مشاہدہ بھی اتنا ہی زیادہ قوی ہوتا ہے، اس کا تقویٰ بھی اتنا ہی عظیم الشان ہوتا ہے۔ گندے تقاضوں کی بدبودار کھاد سے (بشرطیکہ اس کو دبادو) تقویٰ کا خوشبودار پھول پیدا کرنا یہ حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا کمال ہے۔ اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی قدرتِ قاہرہ دریائے خون کو دریائے نیل کرسکتی ہے۔ آپ کے پاس

ایسی کیمیا ہے کہ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو آپ اخلاقِ حمیدہ میں تبدیل فرماسکتے ہیں، نجاستِ غلیظہ کو خوشبودار پھول بناسکتے ہیں۔ اسی کو اصغر گونڈوی نے فرمایا تھا ؎

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

اللہ کے جمال کو بھلا یہ دنیاوی پھول چھپاسکتے ہیں جن کے برگ و پیرہن خود اللہ تعالیٰ کی خوشبو کے غماز ہیں۔ پھولوں میں یہ خوشبو کہاں سے آتی! یہ اللہ ہی کی تو دی ہوئی ہے۔ اور اگر پودے میں کھاد زیادہ ہوجائے تو پودے کے جلنے کا خطرہ ہوتا ہے، کیوں کہ کھاد میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس میں پانی زیادہ ڈالنا پڑتا ہے اور پانی بہتا ہوا ہو کہ کھاد کی گرمی کو بہا کر لے جائے، وہیں جمع نہ ہو ورنہ جڑ سڑ جائے گی۔ پھر جہاں یہ کھاد والا پانی بہتا ہوا جائے گا وہاں بھی ہریالی آجائے گی اور دوسرے پودے بھی ہرے بھرے ہوجائیں گے اور کھاد کی گرمی سے یہ پودا بھی نہ جلے گا اور ہرا بھرا ہوجائے گا۔ پس جس کے دل میں شہوت کی کھاد زیادہ ہو وہ ذکر اللہ کے ماحول میں اور اہل اللہ کی صحبتوں کے انوار میں زیادہ رہے، تاکہ اللہ کے نور کا پانی شہوت کی کھاد سے گزرتا رہے اور اس کی حرارت ٹھنڈی ہوتی رہے جس سے ایمان کا درخت بھی ہرا بھرا ہوجائے گا اور جہاں جہاں وہ آبِ نور جائے گا ہریالی ہوجائے گی یعنی دوسروں کو بھی صاحبِ نسبت کرے گا ؎

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے
اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے

ہم طلب از تست و ہم آں نیکوئی
ما کئیم اوّل توئی آخر توئی

یہ ہم جو آپ کو چاہتے ہیں یہ اصل میں آپ کے چاہنے کا عکس ہے۔ ہم کیا چاہتے آپ کو، آپ ہی ہمیں چاہتے ہیں ؎

وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

مری طلب بھی ان ہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

ہم جو خدا کو ڈھونڈ رہے ہیں یہ ڈھونڈنا اس بات کی علامت ہے کہ اے خدا! آپ ہم کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ جو بندہ خدائے تعالیٰ کو ڈھونڈتا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ خدائے تعالیٰ اس کو تلاش فرما رہے ہیں، اسے اپنا بنانا چاہتے ہیں ؎

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی

میری طلب بھی آپ کا فیض ہے، آپ کا کرم ہے، دنیا میں جتنی خیریں ہیں سب آپ کی عطا ہیں کیوں کہ نصِ قطعی ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[۱۲۹]

یعنی تم کو جتنی نیکیاں مل رہی ہیں خواہ حج ہو یا عمرہ ہو یا نماز ہو یا تلاوت ہو یہ سب اللہ کی عطا ہے وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اور جتنے گناہ اور بُرائیاں کی ہیں یہ تمہارے نفس کی بدمعاشی اور شرارت ہے، کیوں کہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ہے اور الف لام السُّوْء کا اسمِ جنس کا ہے یعنی وقتِ نزولِ قرآن سے لے کر گناہ کے جتنے انواع قیامت تک ایجاد ہوں گے سب اس اَلسُّوْء میں شامل ہیں، کیوں کہ جنس وہ کلّی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہوتی ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائیں گے وہ نفس کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ ہمارا اور آپ کا استثناء نہیں ہے، یہ مخلوق کا استثناء نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا استثناء ہے، اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں قبول فرمائے اس کو اس کا نفس بھی خراب نہیں کر سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے استثناء کے سامنے نفس کی کیا حیثیت اور کیا حقیقت ہے۔ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو مَا ہے

۱۲۹؎ النسآء: ۷۹

یہ مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے، لہٰذا ترجمہ ہوا: اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ [۱۳۰] یعنی جب تک تمہارے رب کی رحمت کا سایہ رہے گا تمہارا نفس بھی تم کو برباد نہیں کر سکتا۔

لہٰذا مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہماری طلب اور نیکیوں کی توفیق اور نفس پر غلبہ سب آپ ہی کی طرف سے ہے، ہم کچھ بھی نہیں ہیں، آپ اوّل بھی ہیں آخر بھی ہیں یعنی ازل سے ابد تک آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو پہلے نہیں تھے پھر آپ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئے لہٰذا ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا۔

ہم تو گوئی ہم تو بشنو ہم تو باش
ما ہمہ لاشیم با چندیں تراش

یا اللہ! آپ ہی کہتے ہیں اور آپ ہی سنتے ہیں آپ ہی سب کچھ ہیں یعنی آپ ہی متکلم ہیں، آپ ہی سمیع ہیں اور آپ ہی موجود ہیں اور ہم سب لاشیں ہیں، آپ نے مٹی کو تراش کر آنکھ ناک کان لگا کے ایک لاشے کو آپ نے شئ بنا دیا۔ پہلے ہم لاشے تھے، پھر آپ کی تخلیق سے اب شئ ہیں، لیکن ایک دن پھر لاشے ہو جائیں گے یعنی لاش ہو جائیں گے حقیقت میں سب کچھ اختیار آپ کا ہے۔ وجود آپ کا ہی ہے، ہمارا وجود فانی ہے اور اس قابل بھی نہیں کہ اس کو وجود کہا جائے، جیسے سورج ستاروں سے کہہ سکتا ہے کہ تمہارا وجود ہے مگر مثل عدم کے ہے۔ ہماری ہستیاں حق تعالیٰ کی ہستی کے فیضان سے ہیں، ہماری ذات خود سے قائم نہیں بلکہ ہم حق تعالیٰ کے کرم سے اور ان کے فیضان صفتِ حَیّ اور فیضان صفتِ قَیُّوْم سے قائم ہیں۔ جس دن صفتِ حیّ اور صفتِ قَیُّوْمُ کے ظہور کو اللہ تعالیٰ ہٹا دیں گے اس دن آسمان گر پڑے گا، سورج اور چاند گر پڑیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ کے ان دو ناموں حَیٌّ اور قَیُّوْمٌ سے سارا عالم قائم ہے۔ تو مولانا کا اشارہ یہی ہے کہ ہمارا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہماری گویائی، بینائی، شنوائی سب آپ کی مدد سے ہے ورنہ حقیقتاً گویائی آپ کی گویائی

---

[۱۳۰] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

ہے، شنوائی آپ کی شنوائی ہے، وجود آپ کا وجود ہے کہ ازل سے ابد تک ہے۔ آپ قدیم ہیں، غیر فانی ہیں، قادرِ مطلق ہیں، ہم حادث اور فانی ہیں، ضعیف ہیں، لہٰذا ہمارا بولنا کوئی بولنا ہے، ہمارا سننا کوئی سننا ہے، ہمارا وجود کوئی وجود ہے کہ ابھی ہم بول رہے ہیں، سن رہے ہیں اور ابھی رُوح نکل جائے تو خاموشی ہے، سماعت بند اور بینائی ختم۔ اسی فنا کی وجہ سے مولانا فرمارہے ہیں کہ چوں کہ ہماری گویائی، ہماری شنوائی اور ہمارا وجود فانی ہے، اس لیے اپنے فانی وجود سے صَرفِ نظر کر کے ہم آپ کی قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہے، آپ سب کچھ ہیں ؎

آپ آپ ہیں آپ سب کچھ ہیں
اور اور ہے اور کچھ بھی نہیں

ہم بالکل لاشے ہیں، آپ کے تابع ہیں اور انتہائی بے کس ہیں۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب ہم بالکل بے کس ہیں تو جزا اور سزا کیوں ہے، جیسے ایک شخص ایسا ہی ایک مضمون پڑھ کر ایک باغ میں گھس گیا اور انگور کھانے لگا اور جب باغ کا مالک آیا تو اس نے پوچھا کہ میرے درخت کے انگور کیوں کھاتا ہے؟ اور یہ سیب کیوں کھالیے؟ یہ سب میرے درخت کے ہیں تو اس نے کہا: تم غلط کہتے ہو۔ زمین بھی خدا کی، آسمان بھی خدا کا، میں بھی خدا کا اور درخت بھی خدا کے، انگور بھی خدا کے اور سیب بھی خدا کا، خبر دار جو مجھے کھانے سے منع کیا! تو مالکِ باغ نے کہا: اچھی بات ہے! ابھی بتاتا ہوں اور ایک رسّہ لے آیا اور اس سے اس کو خوب باندھ دیا اور ایک ڈنڈے سے اس کی پٹائی شروع کی تو وہ چلّانے لگا کہ کیوں مارتا ہے؟ تو مالکِ باغ نے جواب دیا کہ میں بھی خدا کا، تو بھی خدا کا، رسہ بھی خدا کا اور ڈنڈا بھی خدا کا، خبر دار جو چلّایا! تو اس وقت اس نے کہا: ''اختیار است اختیار است'' اختیار میں توبہ کرتا ہوں، میں مجبور نہیں ہوں، مجھے اختیار ہے اختیار ہے اختیار ہے۔ ''ماہمہ لاشیم'' سے مولانا فرقۂ جبریہ کی تائید نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اپنی بے کسی اور عاجزی ظاہر کر کے حق تعالیٰ کی رحمت سے درخواست کر رہے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ اور مندرجہ بالا واقعہ بھی مثنوی کا ہے جس میں فرقۂ جبریہ کا رد ہے۔

زیں حوالت رغبت افزا در سجود
کاہلی و جبر مفرست و خمود

اے خدا! ہم مجبور نہیں ہیں۔ یہ جو ہم نے اپنے کو آپ کے حوالے کیا ہے کہ ہم لاشے ہیں اور آپ ہی سب کچھ ہیں، یہ آپ کی عظمتِ شان کا اعتراف اور اپنی حقارت وعاجزی وبے کسی پیش کی ہے، تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھنے کی رغبت اور سجدوں کی لذت میں ترقی عطا فرمائیں۔ یہ دراصل لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا ترجمہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث نقل کی کہ ایک بار حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَلْ تَدْرِیْ مَا تَفْسِیْرُهَا یعنی اے عبد اللہ ابنِ مسعود! اس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے معنیٰ سمجھتے ہو؟ عرض کیا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا ترجمہ سن لو۔ سبحان اللہ! نبی کے الفاظ ہیں اور نبی کے الفاظِ نبوت کی شرح الفاظِ نبوت سے ہورہی ہے۔ فرمایا کہ لَا حَوْلَ کے معنیٰ ہیں: لَا حَوْلَ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعِصْمَةِ اللّٰهِ[۱۳۱] یعنی ہم اللہ کی معصیت سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ خود اللہ حفاظت نہ فرمائے، اللہ ہی کی حفاظت سے ہم گناہ سے بچ سکتے ہیں وَلَا قُوَّةَ اَیْ وَلَا طَاقَةَ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ[۱۳۲] ہم اللہ کی عبادت نہیں کرسکتے جب تک اللہ مدد نہ فرمائے۔

اس شعر میں مولانا نے یہی نفی کی ہے جو اس حدیث میں منقول ہے کہ صرف آپ کی توفیق کا سہارا ہے۔ جب جلال الدین رُومی نے اے خدا! اپنے کو آپ کے سپرد کردیا کہ ہم کچھ نہیں ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مجبور ہیں بلکہ یہ اپنے ضعف وعجز کا اقرار ہے اور اللہ تعالیٰ سے رحم اور مدد کی درخواست ہے اور رحم کی درخواست جب ہی قبول ہوتی ہے جب اپنی طاقت سے صَرفِ نظر ہو اور اپنی حقارت

۱۳۱ روح المعانی: ۱/۴۷، الفاتحۃ (۳)، دار إحیاء التراث، بیروت

۱۳۲ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۱۶ (۲۳۰۳)، باب ثواب التسبیح والتحمید والتکبیر والتهلیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

پیشِ نظر ہو۔ خدا زور سے نہیں زاری سے ملتا ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی نے فرمایا۔

زور را بگزار زاری رابگیر
رحم سوئے زاری آید اے فقیر

زور چھوڑ دو اور آہ وزاری اختیار کرو۔ اللہ کو رحم آئے گا آہ وزاری سے۔ یہ زور سے نہیں آئے گا کہ میں بڑا متقی ہوں، مقدس ہوں، میں ایسا کروں گا ویسا کروں گا، اگر دعویٰ کروگے تو رحمت سے محروم ہو جاؤ گے۔ لہٰذا زور چھوڑ و اور زاری اختیار کرو تا کہ اللہ کا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مل جائے اور نفس کے شر سے خدا اپنی حفاظت میں قبول فرمائے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو رَحِمَ ہے جس کے صدقے میں نفوسِ انسانیہ حرکاتِ نفسانیہ اور آثارِ شیطانیہ سے محفوظ رہتے ہیں وہ رَحِمَ اگر لینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس آیت کی گویا تفسیر فرمائی اور اس رَحِمَ کو مانگنے کا جو مضمون عطا فرمایا وہ گویا حق تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے، کیوں کہ نبی اللہ تعالیٰ کا سفیر ہوتا ہے، اس کا ہر مضمون خدائے تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰـكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [۱۳۳]

جو ہمارا نبی تم کو عطا فرمائے اس کو لے لو یعنی جو حکم دے اس کو سر آنکھوں پر رکھو اور جس بات سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ گویا اس آیت میں مذکورہ رحمت کو مانگنے کے لیے طریقہ اور مضمون اللہ تعالیٰ نے بزبانِ نبوت عطا فرمایا کہ اگر تم اِلَّا کے بعد مَا رَحِمَ چاہتے ہو اور نفس کی بدمعاشیوں سے تحفظ چاہتے ہو تو یہ دُعا مانگو:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ [۱۳۴]

اے زندہ حقیقی اور اے سنبھالنے والے! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ

۱۳۳؎ الحشر:۷

۱۳۴؎ کنزالعمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸) الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: الأدعية المؤقتة، الفرع الثالث: أدعية الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

اَصۡلِحۡ لِیۡ شَاۡنِیۡ کُلَّہٗ میری ہر حالت کو درست فرما دیجیے، میری زندگی کا کوئی شعبہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا نہ ہو، نہ کان گانا سنے، نہ آنکھ حسینوں کو دیکھے، نہ ناک خوشبوئے حرام سونگھے، نہ زبان غیبت کرے، نہ ہونٹ حرام بوسے لیں، غرض سر سے پیر تک ہر جز آپ کا فرماں بردار ہو اور کُلَّہٗ تاکید ہے یعنی میری کوئی بھی حالت ایسی نہ رہنے پائے جو آپ کو پسند نہ ہو، میری ہر ناپسندیدہ حالت کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیجیے، میری ہر ادائے بندگی کو وفائے بندگی سے مشرف فرما دیجیے کہ سر سے پیر تک کہیں بھی بے وفائی کا داغ میرے اُوپر نہ لگنے پائے اور میں سراپا آپ کا ہو جاؤں۔

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا

ان ہی کا ان ہی کا ہوا جا رہا ہوں

وَلَا تَکِلۡنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ اور اے اللہ! جس نفس کو آپ نے اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ فرمایا ہے مجھے پلک جھپکنے بھر کو اس دشمن کے سپرد نہ فرمائیے، کیوں کہ دنیا میں سب سے بڑا دشمن یہی نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ ہے، کیوں کہ کسی دشمن کو ہر لمحہ ہر وقت یہ استطاعت نہیں کہ پلک جھپکنے بھر میں ہمیشہ ہی وہ اپنے مقابل کو ہلاک کر دے، لیکن یہ نفس ایسا دشمن ہے کہ ہمیشہ اس میں یہ استطاعت ہے کہ پلک جھپکنے میں یہ انسان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ اس کے حوالہ ہونے سے پناہ مانگی ہے کہ ایک پَل میں یہ مومن کو کافر، ولی کو فاسق اور انسان کو جانور سے بھی زیادہ ذلیل بنا دیتا ہے۔ اگلے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں۔

کاہلی و جبر مفرست و خمود

مفرست نہی ہے فرستادن سے۔ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں فریاد کر رہے ہیں کہ نعمتِ عجز و فنائیت کے ساتھ عبادت کے شوق و رغبت میں ترقی عطا فرمائیے اور توفیقات عطا فرمائیے کہ ہم خوب عبادت کر سکیں اور فرقۂ جبریہ کا عقیدۂ جبر کہ انسان مجبور محض ہے جو موجب ہے کاہلی و جمود اور خمود کا یعنی بے عملی اور اعمال میں ٹھنڈا اور سست پڑ جانے کا، اے خدا! اس قسم کے جراثیم سے ہماری حفاظت فرمائیں، ایسی گمراہی کو

ہمارے اندر نہ آنے دیجیے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اعمال میں بالکل سست اور ٹھنڈے ہو جائیں اور بے عملی اور گمراہی کا شکار ہو کر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ہو جائیں۔ یہ عقیدۂ جبر اتنا گمراہ کُن ہے کہ انسان کو اعمال سے بے زار کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم تو مجبور محض ہیں، مسجد جب جائیں گے جب اللہ پاک بلائیں گے، لیکن اس سے کہو کہ روزی کمانے کے لیے بازار کیوں جاتے ہو؟ گھر پر پڑے رہو، جب اللہ میاں بلائیں تب جانا۔ اور کھانا کیوں ٹھونستے ہو؟ جب اللہ میاں کھلائیں کھالینا۔ دین ہی کے کاموں میں مجبور رہو، ذرا دنیا کے کاموں میں بھی مجبور ہو جاؤ۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو نماز روزہ، اللہ بڑا غفور رحیم ہے، لیکن اللہ تو رزاق بھی ہے پھر دوکان کیوں کھولتے ہو؟ سارا دن گھر میں پڑے رہو رزق خود آجائے گا۔ وہاں تو بڑے چست ہو، یہ حیلہ بازیاں اور حیلہ سازیاں صرف دین ہی میں ہیں، دنیا کے کاموں میں کیوں حیلہ بازی نہیں کرتے۔

اے کہ تو دنیا میں کتنا چست ہے
دین میں لیکن تو کتنا سست ہے

❖❖❖❖

نفس کے بندے

چین اِک پَل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کرکے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۳؍نومبر ۱۹۹۱؁ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بے زجہدے آفریدی مر مرا
بے فنِ من روزیم دہ زیں سرا

اے اللہ! بغیر ہماری طلب اور کوشش کے آپ نے محض اپنے لطف وکرم سے ہمیں وجود بخشا، کیوں کہ عالمِ ارواح میں ہمارے زبان نہ تھی کہ ہم عدم سے وجود میں آنے کے لیے آپ سے درخواست کرتے اور نہ دوسرے اعضائے جسم تھے کہ کسی قسم کی تدبیر اپنی آفرینش میں کرتے۔ ہم تو عدم تھے، آپ کے کرم نے بدون ہماری طرف سے کسی طلب وکوشش وتدبیر کے ہمیں پیدا کیا، لہٰذا اے خدا! مجھے اس دنیا میں روزی بھی بغیر ہنر وتدبیر کے عطا فرمایئے کیوں کہ میرا دل دنیا کے کسی کام میں نہیں لگتا۔

پنج گوہر دادیم در درجِ سر
پنج حسِ دیگرے ہم مستتر

اے خدا! ہمارے دماغ کے اس چھوٹے سے ڈبے میں آپ نے پانچ قیمتی موتی رکھ دیے ہیں جن کو حواسِ خمسہ ظاہرہ کہتے ہیں یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ (دیکھنے والی قوت، سننے والی قوت، سونگھنے والی قوت، چکھنے والی قوت اور چھونے والی قوت) یہ پانچ قوتیں ہمارے اندر رکھ دی ہیں۔ اسی طرح ہمیں پانچ موتی حواسِ باطنہ کے آپ نے عطا فرمائے ہیں جن کو حافظہ، واہمہ، خیال، حسِّ مشترک اور متصرّفہ کہا جاتا ہے اور آپ کی عطا فرمودہ یہ نعمتیں اتنی قیمتی ہیں کہ دنیا میں ان کا کوئی بدل نہیں۔

لا یُعد ایں داد لا یُحصی ز تو
من کلیلم از بیانش شرم رو

اے اللہ! آپ کی یہ عطائیں اور الطاف وانعامات اتنے بے حد وبے شمار ہیں کہ احاطہ تعداد و شمار میں نہیں آسکتے، کیوں کہ آپ نے خود فرمادیا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [۱۳۵]

اگر تم ہماری نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے، اس لیے آپ کے ان بے شمار احسانات کے بیان سے قاصر ہونے کی وجہ سے میں مثل گونگے کے حیراں و شرمندہ ہوں۔

چوں کہ در خلاقیم تنہا توئی
کارِ رزاقیم ہم کن مستوی

اے اللہ! چوں کہ ہماری تخلیق میں کوئی آپ کا شریک نہیں، آپ ہمارے تنہا خالق ہیں، پس غیب سے ہماری روزی کا انتظام آپ تنہا درست فرمادیں اور ہمیں کسی کا محتاج نہ کیجیے کہ آپ ہی ہمارے خالق ہیں، آپ ہی ہمارے رازق ہیں۔

کرد گارا توبہ کردم زیں شتاب
چوں تو در بستی تو کن ہم فتح باب

اے پروردگار! میں جلدی سے توبہ کرتا ہوں، کیوں کہ میری شامتِ اعمال سے جب آپ نے دروازہ بند کیا ہے تو آپ ہی اپنی رحمت سے کھول بھی دیجیے، کیوں کہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے غایتِ کرم سے تائبین کو متقین کے درجے میں شامل فرمادیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ [۱۳۶]

جو استغفار کو لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے مخرج یعنی نکلنے کا راستہ عطا فرماتے ہیں اور ہر غم سے نجات دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس

---

۱۳۵ ابراھیم:۳۴

۱۳۶ سنن ابن ماجۃ:۲۰۶،(۳۸۱۹)،باب الاستغفار والتوبۃ،المکتبۃ الرحمانیۃ/ مشکوٰۃ المصابیح:۲۰۴

کا گمان بھی نہیں ہوتا اور یہ وہی انعامات ہیں جو اے پروردگار! قرآنِ پاک میں آپ نے اہلِ تقویٰ کے لیے بیان فرمائے ہیں۔ اے اللہ! میں نے تمام گناہوں سے توبہ کرلی ہے آپ اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے صدقے میں میرے اُوپر بھی رحمت کے دروازے کھول دیجیے۔

در عدم ما مستحقاں کے بدیم
کہ بریں جان وبریں دانش زدیم

جب ہم پر عدم طاری تھا یعنی جب ہم موجود ہی نہ تھے تو کوئی ایسا عمل بھی نہیں کرسکتے تھے جس سے اے خدا! آپ کی عطا کے مستحق ہوجاتے، لیکن بدون استحقاق محض اپنے کرم سے آپ نے ہمیں اشرف المخلوقات کی رُوح عطا فرمائی اور ایسی عقل ودانش دی جو دین وایمان سے مشرف ہے۔

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا

درعدم مارا چہ استحقاق بود
تا چنیں عقلے و جانے رونمود

جب ہم معدوم تھے تو ہمارا کیا استحقاق تھا کہ عقل وجان کی نعمت ہمیں دی جاتی، کیوں کہ معدوم سے عمل کا صدور بھی ناممکن ہے یعنی جب ہم نہیں تھے تو ہمارا کوئی عمل بھی نہ تھا جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرتا، لہٰذا ہم آپ کی رحمت کے مستحق نہیں تھے۔ پس اے خدا! محض اپنے کرم سے بدون استحقاق آپ نے ہم پر رحمتوں کی بارش فرمادی کہ ہمیں وہ رُوح دی جو اشرف المخلوقات کے پیکر میں ہے اور وہ عقل وفہم دی جو ایمان سے مشرف ہے۔

اے بکردہ یارِ ہر اغیار را
اے بدادہ خلعتِ گل خار را

اے وہ ذات پاک جو اغیار کو یار بناتی ہے یعنی کفار کو دولتِ ایمان عطا فرما کر اپنا دوست اور پیارا بناتی ہے گویا کانٹوں کو خلعت گل عطا کرتی ہے۔

خاک ما را ثانیاً پالیز کن
ہیچ نے را بارِ دیگر چیز کن

اے خدا! ہماری مٹی حسنِ فانی اور دنیائے مردار پر مٹی ہو کر مٹی ہو گئی، کیوں کہ جو خاک کسی خاک پر فدا ہوتی ہے وہ خاک مثبت خاک ہو کر میزان میں بے قیمت خاک ہی رہتی ہے اور جو خاک اے خدا! آپ پر فدا ہوتی ہے تو آپ سے مثبت ہو کر وہ خاک رشکِ افلاک، رشکِ کائنات بلکہ رشکِ دوجہاں ہو جاتی ہے۔ پس اے خدا! ہماری مٹی کو اپنی ذات پاک پر فدا ہونے کی توفیق عطا فرما کر پھر سے سرسبز و شاداب کردے اور اس ناچیز کو اپنی محبت و معرفت کی دولت سے قیمتی بنادے کہ ہم اس شعر کے مصداق ہو جائیں ؎

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

ایں دعا تو امر کردی ابتدا
ورنہ خاکی را چہ زہرہ ایں ندا

اے اللہ! آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ[۱۳۷] مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا، اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ

مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ[۱۳۸]

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے دُعا کی صرف اجازت ہی نہیں دی، بلکہ حکم فرمادیا کہ بندے آپ سے مانگیں۔ اگر آپ حکم نہ دیتے تو ہم خاکی پتلوں کی کیا مجال تھی کہ آپ کے سامنے لب کھول سکتے۔ یہ حکم بھی آپ کی رحمت اور کرم عظیم ہے، جس طرح اِتَّقُوا اللہَ کا حکم بھی آپ کا احسان و کرم ہے کہ یہ حکم دے

۱۳۷؎ المؤمن:۶۰

۱۳۸؎ جامع الترمذی:۲/۱۷۵، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، ایچ ایم سعید

کر آپ نے دراصل اپنے بندوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، آپ نے اپنے غلاموں کو دوستی کی پیشکش کی ہے، ورنہ منی اور حیض سے پیدا ہونے والے ناپاک بندے اتنے عظیم الشان مالک سے دوستی کا تصور کرنے کی بھی مجال نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ دوستی کے لیے کوئی تو قدر مشترک ہونی چاہیے اور آپ کا اے خدا! کوئی مثل اور ہمسر نہیں۔ کہاں خالق کہاں مخلوق، کہاں آپ قدیم اور واجب الوجود اور کہاں ہم حادث وفانی۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ہم تو آپ کی دوستی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن آپ نے دوستی کی پیشکش فرما کر کرم کے دریا بہا دیے اور نااُمیدیوں کے اندھیروں میں اُمید کا آفتاب طلوع فرما دیا کہ بس تقویٰ کو شرطِ ولایت ٹھہرایا اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ[۱۳۹] اسی لیے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ[۱۴۰] کا عاشقانہ ترجمہ دلالتِ التزامی سے یہی ہے کہ اے ایمان والو! تم ہمارے دوست بن جاؤ، لہٰذا تقویٰ کا حکم بھی آپ کی عظیم الشان رحمت ہے۔

چوں دعا امر کردی اے عجاب
ایں دعائے خویش را کن مستجاب

اے ہمارے بے مثل رب! جب آپ نے خود ہم کو دُعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے تو یہ دلیل ہے کہ آپ ہماری دُعاؤں کو قبول فرمانا چاہتے ہیں، کیوں کہ شاہ جب کسی چیز کو مانگنے کا حکم دے تو یہ دلیل ہے کہ وہ عطا کرنا چاہتا ہے اور باپ جب بچے سے کہتا ہے معافی مانگ تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے۔ پس حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دُعا آپ کو مطلوب ہے اور آپ کی رحمتِ واسعہ سے بعید ہے کہ اپنی مطلوب کو آپ رد فرمادیں۔ پس ہماری دُعاؤں کو اے کریم! قبول فرمالیجیے۔

۱۳۹؎ الانفال:۳۴

۱۴۰؎ التوبۃ:۱۱۹

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۷ر ربیع الثانی ۱۴۱۲؁ھ مطابق ۴ر نومبر ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشا، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ز آبِ دیدہ بندۂ بے دید را
سبزۂ بخش و نباتے زیں چرا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میری آنکھوں کے آنسوؤں سے مجھ کورِ باطن کو نورِ بصیرت عطا کردے اور ان آنسوؤں سے میرے قلب کو سیراب کرکے سرسبز و شاداب کردے۔

ور نماند آب آبم دہ زعین
ہمچو عینین نبی ہطالتین

اور اگر ہمارے آنسو خشک ہوگئے تو ہماری آنکھوں کو رونے کے لیے آنسو عطا فرمائیے، کیوں کہ آپ کی محبت اور خوف و ندامت سے نکلے ہوئے آنسو اتنے قیمتی ہیں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ یہ قلب کو شفا دینے والے ہیں۔

تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ [۱۴۱]

اور خشیتِ الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو کا ایک قطرہ خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو، دوزخ کی آگ کے حرام ہونے کا ذریعہ ہے:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِّنْ حَرِّ وَجْہِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللہُ عَلَی النَّارِ [۱۴۲]

یعنی کسی بندۂ مومن کی آنکھوں سے اگر ایک آنسو اللہ کی خشیت سے نکل آئے خواہ مکھی کے سر کے برابر ہو اور اس کے چہرے پر لگ جائے تو اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیتے ہیں۔

۱۴۱؎ کنز العمال: ۱۸۴/۲ (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ
۱۴۲؎ سنن ابن ماجۃ: ۳۱۹، باب الحزن والبکاء، المکتبۃ الرحمانیۃ

اور اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسو نجات کا ذریعہ ہیں:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: مَا النَّجَاةُ فَقَالَ: اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ [۱۴۳]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور تیرا گھر تیرے لیے وسیع ہو جائے اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

اور ندامت سے رونے والے گناہ گاروں کی آواز اللہ تعالیٰ کو تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے:

لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ [۱۴۴]

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گناہ گاروں کا گریۂ ندامت مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

اے جلیل اشکِ گناہ گار کے اک قطرے کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

اور تنہائی میں اللہ کے لیے نکلے ہوئے آنسوؤں پر قیامت کے دن سایۂ عرش الٰہی کی بشارت ہے:

رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ [۱۴۵]

وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں یعنی آنسو جاری ہو جائیں اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔

اور اللہ کے نزدیک دو محبوب قطروں میں سے ایک محبوب قطرہ وہ آنسو ہے جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا وہ قطرۂ خون ہے جو اللہ کے راستے میں گرا ہو:

---

۱۴۳ جامع الترمذی: ۶۶/۲، باب ما جاء فی حفظ اللسان، ایچ ایم سعید

۱۴۴ کشف الخفاء ومزیل الالباس، ۲۹۸، (۸۰۵)، فی باب حرف الھمزۃ مع النون / روح المعانی: ۱۹۶/۳۰، القدر (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

۱۴۵ صحیح البخاری: ۹۱/۱، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ، المکتبۃ المظھریۃ

لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ: قَطْرَةٍ مِنْ دُمُوْعٍ فِيْ خَشْيَةِ اللهِ وَقَطْرَةِ دَمٍ تُهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ[۱۴۶]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں: ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہا ہو۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

وہ اللہ اپنی محبت اور خوف سے نکلے ہوئے آنسو کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتا ہے۔ اور احقر کے اس مضمون پر دو شعر ہیں۔

قطرۂ اشکِ ندامت در سجود
ہمسری خونِ شہادت می نمود

ندامت و خشیت سے نکلے ہوئے آنسو اللہ کے نزدیک محبوبیت میں شہیدوں کے خون کے برابر ہیں۔

ہر کجا گرید بہ سجدہ عاشقے
آں زمیں باشد حریمِ آں شہے

جس زمین پر کوئی اللہ کا عاشق اللہ کی یاد میں روتا ہے وہ زمین اللہ تعالیٰ کا حرم بن جاتی ہے۔

تو مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اگر ہماری آنکھیں خشک ہو گئیں تو رونے کے لیے آنسو عطا فرمائیے، جس طرح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے موسلادھار برسنے والی بارش کی طرح رونے والی آنکھیں مانگی ہیں:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَشْفِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا[۱۴۷]

۱۴۶؎ جامع الترمذی: ۱/۲۹۷، ابواب فضائل الجهاد، باب ما جاء ای الناس افضل، ایچ ایم سعید

۱۴۷؎ کنز العمال: ۲/۱۸۴، (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیة، مؤسسة الرسالة

اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں عطا فرما جو موسلا دھار ابر کی طرح برسنے والی ہوں تَسۡقِیَانِ الۡقَلۡبَ جو آنسوؤں سے دل کو سیراب کردیں قبل اس کے کہ دوزخ میں آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں۔

مناجاتِ مقبول میں جو روایت منقول ہے اس میں تَشۡفِیَانِ الۡقَلۡبَ کے بجائے تَسۡقِیَانِ الۡقَلۡبَ ہے۔

غَیۡمٌ ھَاطِلٌ کے معنیٰ موسلا دھار برسنے والا بادل یعنی موسلا دھار بارش، اور ھَطَّالَۃٌ مبالغے کا وزن ہے جو یہاں صفت ہے عَیۡنَیۡن کی اور عَیۡنَیۡن عربی قاعدے سے مؤنث ہے اس لیے اس کی صفت ھَطَّالَۃٌ بھی مؤنث استعمال فرمائی گئی۔ سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ مجھے ایسی آنکھیں عطا فرمایئے جو ھَاطِلَۃٌ نہیں ھَطَّالَۃٌ ہوں ھَاطِلَۃ میں بھی موسلادھار بارش جیسے گریہ کا مفہوم تھا، لیکن نبوت کی جان عاشق نے اس پر قناعت نہ فرمائی بلکہ ایسی آنکھیں مانگیں جو ھَطَّالَۃٌ ہوں یعنی موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں۔

اب میں ہوں تری یاد ہے اور دیدۂ تر ہے

اسی کو مولانا رُومی ایک اور شعر میں فرماتے ہیں۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثار دلبر زیبا شدے

اے کاش! میرے آنسو دریا ہو جاتے تا کہ میں آنسوؤں کا دریا محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ پر قربان کر دیتا۔

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشمِ ما

اے لوگو! خاک پر جہاں کہیں خون پڑا ہوا دیکھنا تو یقین کر لینا کہ وہ میری ہی آنکھوں سے بہا ہو گا۔ آہ! کیا تمنا ہے کہ روئے زمین کا ہر ذرّہ میرے آنسوؤں سے تر ہو جائے۔

تو هَطَّالَتَيۡنِ،عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ اولیٰ ہے یعنی اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے هَطَّالَتَيۡنِ فرمائی کہ وہ موسلا دھار بارش سے بھی زیادہ آنسو برسانے والی ہیں۔ اس کے بعد سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں کی دوسری صفت اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ تَشۡفِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدُّمُوۡعِ یا تَسۡقِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ[۱۴۸] وہ آنکھیں ایسی ہوں جو بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو شفا دینے والی ہوں یا بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو سیراب کردیں۔ صرف وہی آنسو دل کو سیراب کرتے ہیں جو اللہ کی محبت یا اللہ کے خوف سے بہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھ دل کو سیراب نہیں کرتی، جو آنسو غیر اللہ کے لیے نکلتے ہیں وہ دل کو سیراب نہیں کرتے بلکہ دل کا ستیاناس کردیتے ہیں۔

اسی کو مولانا رُومی نے مثنوی میں دوسری جگہ فرمایا کہ جو آنکھیں غیر اللہ کے لیے روتی ہیں اس قابل ہیں کہ ان کو نکال کر پھینک دیا جائے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ ان کو حقیقت میں نکال دیا جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ ایسی آنکھیں کسی کام کی نہیں ہیں۔ اور جیسا کسی عربی شاعر نے کہا ہے کہ جو آنکھیں آپ کے لیے بیدار نہ ہوں، آپ کے غیروں کے لیے جاگ رہی ہوں وہ آنکھیں اور ان کی بیداری بے کار اور تضییعِ اوقات ہے اور جو آنسو آپ کی جدائی کے غم کے بجائے مرنے والوں کے لیے بہہ رہے ہوں وہ باطل ہیں۔

تو عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ ثانیہ یعنی اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت تَسۡقِيَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو مانگے ہیں کہ صرف وہی دل کو سیراب کرتے ہیں۔

اور عَيۡنَيۡنِ کی صفتِ ثالثہ یعنی آنکھوں کی تیسری صفت سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم مانگ رہے ہیں: قَبۡلَ اَنۡ تَكُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا وَّالۡاَضۡرَاسُ جَمۡرًا کہ اے اللہ! رونے کی یہ توفیق اسی حیاتِ دنیا میں عطا فرمادیجیے قبل اس کے کہ دوزخ میں یہ آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں کیوں کہ دوزخ میں دوزخی خون کے آنسو روئے گا لیکن وہ آنسو کسی کام کے نہ ہوں گے کہ وہ تو عذاب کے آنسو ہوں گے۔ پس مبارک وہ

۱۴۸؎ کنزالعمال:۱۸۴/۲،(۳۶۶۱) فصل فی جوامع الادعیۃ،مؤسسۃ الرسالۃ

آنسو ہیں جو اسی دنیا کی زندگی میں اللہ کے لیے بہہ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کا اور عذابِ جہنم سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست
اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اس دنیا میں اللہ کے لیے رو رہی ہیں اور مبارک ہیں وہ دل جو اللہ کی محبت میں جل رہے ہیں۔ اور قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لیے بمنزلۂ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلۂ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں ہے لیکن معنوی صفت ہے۔ اس لیے اس کو عَيْنَيْنِ کی صفتِ ثالثہ قرار دینا صحیح ہے۔

جب احقر معارف مثنوی لکھ رہا تھا یہ خاص شرح اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عطا فرمائی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

منگر اندر زشتی و مکر و ہیم
کہ ز پُر زہرے چو مارِ کو ہیم

اے خدا! میری زشت خوئی، نالائقی اور اخلاقِ رذیلہ پر نظر نہ فرمایئے کہ مثل پہاڑی سانپ کے میرے اندر تقاضائے معصیت کے شدید زہریلے مادّے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو میرا نفس کوئی گناہ نہ چھوڑے۔ پس اے اللہ! میرے رذائلِ باطنیہ پر آپ نظرِ عفو و در گزر ڈالیے، نظرِ قہر و انتقام نہ ڈالیے۔

اے کہ من زشت و خصالم نیز زشت
چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

اے خدا! میں اپنے نفسِ اَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ کے سبب نہایت بد خصلت، بد خصال، زشت خو اور اپنی ذات ہی سے بُرا ہوں۔

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
بد عمل بد فہم بد خو بد خصال

پس میں پھول کیسے ہو سکتا ہوں جبکہ اپنی ذات کے اعتبار سے کانٹا ہوں۔

آں خارمی گریست کہ اے عیب پوش خلق
شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

ایک کانٹا رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے! میرے عیب کو کون چھپائے گا؟ کیوں کہ آپ نے تو مجھے کانٹا پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فریاد سن لی اور اس کے اُوپر پھول پیدا کر دیے جن کے دامن میں اس کانٹے نے اپنا منہ چھپالیا اور وہ خار گلعذار ہو گیا۔ اب مالی بھی اس کو باغ سے نہیں نکال سکتا۔ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں ہیں مالی ان کو گلستاں سے نہیں نکالتا، جو خالص کانٹے ہوتے ہیں ان کو گلستاں سے باہر کر دیا جاتا ہے۔ پس اگر تم خار ہو تو اللہ والوں کے دامن میں اپنا منہ چھپالو، تم اللہ کے قُرب کے باغ سے نہیں نکالے جاؤ گے اور دنیا کے کانٹے تو پھولوں کے دامن میں چھپ کر کانٹے ہی رہتے ہیں، لیکن اللہ والوں کی صحبت میں وہ کرامت ہے کہ تمہاری خاریت خلعت گل سے تبدیل ہو جائے گی یعنی تم بھی ولی اللہ ہو جاؤ گے۔ اللہ والوں کی صحبت کانٹوں کو پھول بنادیتی ہے یعنی کافر کو مومن اور فاسق کو ولی بنادیتی ہے۔ احقر نے اپنے شیخ حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی شان میں یہ شعر عرض کیے ہیں ؎

ہمیں معلوم ہے تیرے چمن میں خار ہے اخترؔ
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر

چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گل تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

نو بہارا حسنِ گل دہ خار را
زینتِ طاؤس دہ ایں مار را

اے محبوبِ حقیقی! اے رشکِ بہارِ کائنات! اس کانٹے کو پھول کا سا حسن عطا فرما دیجیے

اور اس سانپ کو طاؤس کی سی زینت دے دیجیے یعنی میرے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل فرما دیجیے، کیوں کہ آپ کا فضل تبدیلِ ماہیت پر قادر ہے۔

در کمال زشتیم من منتہی
لطفِ تو در فضل و در فن منتہی

اے اللہ! میں زشت خوئی، بدی، نالائقی اور کمینہ پن کی آخری سرحدوں کو پار کر چکا ہوں، یعنی بُرائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں، منتہی فی الرذائل ہوں، منتہی فی السوء ہوں، بدی میں اپنی مثال آپ ہوں اور آپ کا لطف و کرم عفو و درگزر اور مہربانی و فضل میں غیر متناہی کمال رکھتا ہے، کیوں کہ آپ کی ذات غیر متناہی ہے، لہٰذا آپ کی ہر صفت غیر متناہی اور لامحدود ہے۔

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی
تو بر آرائے غیرت سرو سہی

میرے نفس منتہی فی السوء کی حاجتِ تزکیہ کو اے اللہ! اپنے بے پایاں اور غیر متناہی کرم سے پورا کر دیجیے یعنی اس منتہی فی الرذائل کی اصلاح اپنے غیر متناہی لطف و کرم سے فرما دیجیے کہ آپ غیرت سرو سہی ہیں اور سرو سہی تناسبِ قد و قامت اور حسن و دلکشی میں ضرب المثل ہیں، پس اخلاقِ رذیلہ سے بد ہیئت اور بد شکل نفس امارہ کو اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کر کے رشک سرو سہی بنا دیجیے۔

دست گیرم در چنیں بے چارگی
شاد گردانم دریں غم خوارگی

اے اللہ! ایسی سخت بے کسی و بے چارگی میں کہ میں نفس کے تقاضوں سے پریشانی میں مبتلا ہوں آپ میری مدد فرمایئے اور آپ کی نافرمانی سے بچنے کا جو غم اُٹھا رہا ہوں اپنی حلاوتِ قُرب سے میری غم خواری فرما کر میرے دلِ غم زدہ کو شاد و مسرور کر دیجیے۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۵؍نومبر ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

روح را تاباں کن از انوارِ ماہ
زانکہ از آسیبِ ذنب شد دل سیاہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کررہے ہیں: چوں کہ میرا دل گناہوں کی ظلمت سے سیاہ ہوگیا ہے آپ مغفرت ورحمت کے انوار سے میرے قلب وجاں کو روشن کردیجیے۔

از خیال و وہم و ظن بازش رہاں
از چہ و جورِ رسن بازش رہاں

اے اللہ! اوہام وخیالاتِ فاسدہ اور تقاضائے نفسانیہ سے اس بندے کو پھر رہائی عطا فرمادیجیے اور چاہِ ظلمت اور نفس کے ظلم کی قید سے اپنے اس غلام کو پھر آزادی دلادیجیے۔

تاز دلداریٔ خوبِ تو دلے
پر برآرد بر پرد ز آب و گلے

تاکہ آپ کی دلجوئی اور جذبِ خاصِ سے دل تعلقات ماسوی اللہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کے آب وگل سے نکلنے کے لیے پَر نکالے اور غیر اللہ کے علاقوں سے نکل کر آپ کی طرف مائل پرواز ہو۔

رنج تھا اسیروں کو بال وپَر کے جانے سے
اُڑ چلے قفس لے کر فصلِ گل کے آنے سے

اور اے اللہ! نفس کے بُرے تقاضوں کو چھوڑنا اور آب و گِل کی فانی بہاروں سے صَرفِ نظر کرنا آپ کے جذبِ کرم اور توفیقِ خاص کے بغیر ممکن نہیں، ورنہ اس کون ومکاں کی ہر فانی بہار اس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

اس گلشنِ ہستی سے چھٹنا اے دوست نہیں آساں اتنا
ہر کانٹا دامن کھینچے ہے ہر پھول گریباں مانگے ہے

لیکن جس پر آپ کا کرم ہو، جس کو آپ جذب فرمائیں وہ ان فانی بہاروں سے مستغنی ہو کر آپ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

سن لے اے دوست جب ایّام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

زاں مثالِ برگ دے پژمردہ ام
کہ ز بہشتِ وصل گندم خوردہ ام

اے خدا! میں فصلِ خزاں کے پتوں کی طرح پژمردہ وافسردہ ہوں، کیوں کہ میری روح آپ کی جنتِ قُرب اور معیّتِ خاصہ کی بہاروں سے مشرف ہونے کے باوجود خطاؤں کی مرتکب ہو کر آپ سے دور ہو گئی، پس آپ کی بہارِ قُرب کی محرومی سے میں اس طرح مُرجھا گیا ہوں جیسے خزاں کے موسم میں پھول پتے مُرجھا جاتے ہیں۔

جب فلک نے مجھ کو محرومِ گلستاں کر دیا
اشک ہائے خوں سے میں نے گل بداماں کر دیا

چوں بدیدم لطف و اکرام ترا
واں سلام و سلم و پیغام ترا

لیکن اپنی نالائقیوں اور خطاؤں کے باوجود جب میں نے آپ کا لطف و اکرام اور سلام وپیام یعنی قبولیتِ توبہ کا اعلان اور دعوت الیٰ دار السلام کو دیکھا، تو آپ سے رشتۂ محبت اور رابطۂ عبدیت استوار کرنے کا ہمت و حوصلہ ہوا، ورنہ اپنی خطاؤں کا استحضار آپ سے

حجاب بن گیا تھا جو آپ کے کرمِ عام اور رحمتِ واسعہ کے صدقے میں اُٹھ گیا۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

من سپندِ چشم بد کردم پدید
در سپندم نیز چشم بد رسید

ارشاد فرمایا کہ اسپند ایک کالا دانہ ہے جو مثل رائی کے ہوتا ہے۔ اسپند جلانا ایک محاورہ ہے جو مولانا نے تشبیہ کے طور پر یہاں استعمال کیا ہے کہ پہلے لوگ نظرِ بد کا اثر دور کرنے کے لیے دانۂ اسپند جلایا کرتے تھے، تو مولانا فرماتے ہیں کہ شیطان کی پُر فریب نظر یعنی کید و مکر سے بچنے کے لیے میں نے تدابیر کا اسپند جلایا، لیکن میری ان تدابیر کو بھی اس نے نظرِ بد لگادی اور میں تلبیسِ ابلیس کے شکنجے میں آگیا۔

دافعِ ہر چشم بد از پیش و پس
چشم ہائے پُر خمارِ تست و بس

اے اللہ! اوّل وآخر، دائیں بائیں ہر طرف سے ابلیس کی نظرِ بد یعنی اس کی تلبیس واغوا اور کید ومکر سے ہماری حفاظت کرنے والی صرف آپ کی چشم پُر خمار یعنی آپ کی عنایاتِ محبوبانہ والطافِ کریمانہ ہیں۔ اگر آپ کی حفاظت ہو تب ہی ہم شیطان کے اغوا و تلبیس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

چشم بد را چشمِ نیکویت شہا
مات و مستا صل کند نعم الدوا

ابلیس کی نظرِ بد کے اثر کو زائل کرنے کے لیے اور اس کے ضرر کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لیے اے خدا! صرف آپ کی نگاہِ کرم ہی بہترین دوا ہے اور شیطان کے مکر سے بچنے کی

کوشش و تدبیر کرنا مثلاً تقویٰ حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ اس کا حکم دیا گیا ہے کہ اس پر ہی فضل مرتب ہوتا ہے، لیکن مؤثرِ حقیقی حق تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے جس کے بغیر کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

بل ز چشمت کیمیا ہا می رسد
چشمِ بد را چشمِ نیکو می کند

بلکہ اے خدا! آپ کی نظرِ کرم چشمِ بد کی صرف دافع ہی نہیں، اس سے بڑھ کر ہے کہ آپ کی نگاہ سے ہزار کیمیا عطا ہوتی ہے جو ماہیت ہی کو تبدیل کر دیتی ہے اور بُری نظر کو اچھی نظر بنا دیتی ہے، کرگس کو بازِ شاہی یعنی فاسق کو ولی اللہ بنا دیتی ہے۔ پھر اپنے اس ولی کی نظر اور توجہ میں آپ وہ خاصیت رکھتے ہیں کہ جس پر اس کی نظر پڑ جاتی ہے وہ بھی تلبیس ابلیس سے محفوظ ہو جاتا ہے، لہٰذا اصلاحِ حال کے لیے جہاں تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے اللہ والوں کی صحبت و خدمت میں رہنا بھی ضروری ہے۔ ان کی نظر میں اللہ نے کیمیا کا اثر رکھا ہے جو پتھر کو سونا بنا دیتی ہے، یعنی غافل و نافرمان کو اولیاء کی صف میں شامل کر دیتی ہے۔

❖❖❖❖

اشکوں کی بلندی

خداوندا مجھے توفیق دے دے
فدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بلندی
کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

اختر

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۲؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۴؍ مئی ۱۹۹۳ء

بروز منگل، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے کمینہ بخششت ملکِ جہاں
من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

ارشاد فرمایا کہ یہاں اے کا منادیٰ محذوف ہے یعنی اے خدا! یہ ملکِ جہاں آپ کی ادنیٰ بخشش ہے یعنی زمین و آسمان، سورج اور چاند، سمندر اور پہاڑ، ستارے اور کہکشاں پوری کائنات آپ کا ایک معمولی سا انعام ہے، ہمارے لیے تو یہ عظیم تر ہے مگر آپ کے لیے حقیر تر ہے۔ یہ دو نسبتیں ہیں، جب نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو ان کی عظمتِ شان کے مقابلے میں یہ کائنات اللہ کی ایک معمولی سی عطا ہے کیوں کہ وہ خالق ہے، لیکن جب بندوں کی طرف نسبت ہوگی تو ہمارے لیے یہ عظیم تر ہے کیوں کہ ہم کائنات کا ادنیٰ سے ادنیٰ جز مثلاً ایک ذرہ اور ایک پتا تک پیدا نہیں کرسکتے، لہٰذا اے خدا! یہ پورا ملکِ جہاں آپ کی عظمتِ شان کے مقابلے میں ایک ادنیٰ سی بخشش ہے۔ یہ ترجمہ ملّائے خشک نہیں کرسکتا سوائے اہل اللہ کی جوتیاں اُٹھانے والوں کے۔ یہاں اگر عظمتِ شان کا مقابلہ نہیں کہیں گے تو اللہ کی صفتِ تخلیق کی تحقیر ہوجائے گی، لہٰذا یہ جملہ میں اپنے بزرگوں کی دُعاؤں کا صدقہ سمجھتا ہوں کہ اے خدا! یہ پورا ملکِ جہاں زمین و آسمان، سورج اور چاند ساری کائنات آپ کی عظمتِ شان کے سامنے ایک حقیر مخلوق ہے۔

من چہ گویم چوں تو می دانی نہاں

میں آپ سے کیا کہوں جبکہ آپ سب پوشیدہ باتوں کو بھی جانتے ہیں۔

حالِ ما ایں خلائق سر بسر
پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ہدر

ہمارا حال اور پوری مخلوق کا حال یعنی زمین و آسمان، سمندر اور پہاڑ، سورج اور چاند، ستاروں اور

سیاروں کا حال، بے جان سے لے کر جاندار تک، جانور سے لے کر انسان تک، فُساق وفُجّار سے لے کر انبیاء واولیاء واقطاب وابدال تک سب کا حال آپ پر ظاہر ہے اور آپ کے لطفِ عام کے سامنے وہ ناقابلِ اعتناء ہے، ناقابلِ التفات ہے یعنی اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو بڑے سے بڑے نافرمان کو ایک لمحے میں ہدایت دے کر اس کی نافرمانی کو درِ توبہ پر سر بسجود کرادیں اور چیونٹی سے ہاتھی کو مروادیں، مچھر سے نمرود کو مروادیں اور بڑی طاقتوں کو چھوٹی چیز سے فنا کردیں۔ سو برس کے کافر کو سیکنڈوں میں فخر اولیاء بنادیں اور رات دن کے عابد کو کہہ دیں کہ مردود ہوجا جیسے شیطان مردود ہوا۔ کتنے لوگ خانقاہ سے نکالے گئے۔ حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خلیفہ اتنا زبردست عالم تھا کہ وہ حضرت کی اُردو تقریر کو عربی میں لکھتا تھا اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اس سے بڑا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور جانشین یہی ہوگا لیکن وہی خانقاہ سے نکالا گیا۔ دنیاوی معاملے میں تنخواہ کے اضافے میں اسے وسوسہ آیا کہ اتنی فتوحات آتی ہیں، شیخ ہماری تنخواہ کیوں نہیں بڑھاتے۔ پھر ایسا دشمن ہوا کہ حضرت کے مسلک کے خلاف سیاسی تحریکات کی طرف ہوگیا۔ حضرت نے اس کے لیے ''موذی مُرید'' کے نام سے ایک رسالہ اپنی زندگی ہی میں شایع فرمادیا۔ اور میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخری دنوں میں اس کو کوڑھ ہوگیا اور بہت بُری حالت میں موت آئی۔ اللہ والوں کی ایذا رسانی سے اللہ بچائے۔

اے ہمیشہ حاجتِ ما را پناہ
بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اے اللہ! ہماری ہر حاجت کے لیے آپ ہی پناہ ہیں۔ یعنی اے خدا! ہماری جو بھی حاجت ہوتی ہے ہم آپ ہی سے کہتے ہیں اور آپ ہی سے ہماری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ ہماری حاجت روائی کے لیے آپ کے علاوہ کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے جہاں ہم اپنی حاجتیں پیش کریں، آپ ہی ہماری حاجتوں کے لیے پناہ گاہ ہیں۔

بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

بارِ دیگر یہاں لغوی معنیٰ میں نہیں ہے اصطلاحی معنیٰ میں ہے یعنی ہم سے صرف دوسری دفعہ نہیں بار بار خطا ہورہی ہے، مراد تکرار ہے۔ مثلاً: ایک دن بدنظری کرلی پھر توبہ کی اور دوسرے دن پھر نظر خراب کرلی یعنی بار بار ہم نے آپ کی راہ کو بھلادیا، آپ کی رضا

کے راستے کو بھول کر بار بار ہم آپ کی ناراضگی کے راستے پر پڑ جاتے ہیں، بار بار توبہ کرتے ہیں لیکن جب گناہ کا تقاضا اور غلبہ ہوتا ہے اور شہوت کا بھوت سوار ہوتا ہے تو ہم آپ کو فراموش کر دیتے ہیں اور نفس دشمن کی غلامی کرنے لگتے ہیں اور آپ کی عظمتوں سے ہمارا نفس صَرفِ نظر کرا دیتا ہے اور ہماری گول ٹوپیوں اور داڑھیوں اور لمبے کرتوں یعنی وضعِ صالحین کے ساتھ نہایت گندے کاموں میں نفس و شیطان مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر آپ ستاری نہ فرماتے تو ساری دنیا ہم پر تھوکتی، اور ہمیں جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت! دُعا کیجیے گا وہ یہ الفاظ واپس لے لیتے۔

لیک گفتی گرچہ می دانم سرت
زود ہم پیدا کنش بر ظاہرت

لیکن آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں تمہارا بھید جانتا ہوں اور تمہاری حاجتوں سے واقف ہوں لیکن پھر بھی اُدْعُوْنِیْ کا حکم دے رہا ہوں کہ مجھ سے مانگو اَسْتَجِبْ لَکُمْ[۱۴۹] میں تمہیں عطا کروں گا۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس کو ظاہر پر لاؤ یعنی جلدی سے اپنی زبان سے کہہ دو کہ اے اللہ! ہم کو روٹی چاہیے، کپڑا چاہیے، مکان چاہیے، صحت چاہیے، حج و عمرہ کی زیارت چاہیے، گناہوں سے حفاظت چاہیے وغیرہ ۔ اگرچہ میں تمہارے دل کے رازوں سے باخبر ہوں لیکن مانگنے کا حکم اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تمہارا فقر اور احتیاج ظاہر ہو اور استغنا کی شان نہ معلوم ہو۔

گڑ گڑا کے جو مانگتا ہے جام
ساقی دیتا ہے اس کو مے گلفام

ناز و نخرے کرے جو مے آشام
ساقی رکھتا ہے اس کو تشنہ کام

درس کے دوران ارشاد فرمایا کہ میں مناجات مولانا رُوم پہلے پڑھتا ہوں اور علوم و معارف بعد میں تاکہ مانگنے کا طریقہ آجائے، لہٰذا ان اشعار کو زبانی یاد کر لیجیے اور دُعا میں مانگیے۔

۱۴۹؎ المؤمن:۶۰

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۳؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۵؍ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز بدھ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

نالہ کردم کہ تو علام الغیوب
زیرِ سنگ مکر بد مارا مکوب

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیے آپ سے نالہ وفریاد اور آہ وفغاں کرتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ علّام الغیوب ہیں، پوشیدہ باتوں کو جاننے والے ہیں، غیب ہمارے لیے غیب ہے آپ کے لیے عالمِ غیب بھی عالمِ شہادت ہے۔ عالمِ برزخ، احوالِ قیامت اور جنت دوزخ ہمارے لیے غیب ہے لیکن آپ کے ہر وقت سامنے ہے۔ اسی طرح ہمارا ماضی حال اور مستقبل بھی ہمہ وقت آپ کے سامنے ہے، کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارا حال مخلوق سے پوشیدہ ہوسکتا ہے، مخلوق سے ہم اپنے عیبوں کو چھپا سکتے ہیں، لیکن کون ہے جو آپ سے اپنی حالت کو چھپا سکے۔ جس وقت میں گناہ کررہا تھا اس وقت بھی آپ کی قدرتِ قاہرہ مجھے دیکھ رہی تھی اگر آپ چاہتے تو اسی وقت مجھے نیست ونابود کرسکتے تھے لیکن آپ کی رحمتِ واسعہ کے صدقے میں مجھ پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ پس چوں کہ میرا سب حال آپ کو معلوم ہے اس لیے آپ سے گڑ گڑانے، معافی مانگنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، کیوں کہ **وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ**[۱۵۰] آپ کے علاوہ کون ہے جو گناہوں کو معاف کرسکتا ہے، آپ ہی ہمارا آخری سہارا ہیں، آپ ہی ہماری واحد پناہ گاہ ہیں، آپ کے علاوہ ہماری کوئی پناہ گاہ نہیں، کوئی سہارا، کوئی دروازہ نہیں۔ اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے تو پھر کون ہے جو ہمیں معاف کرے ؎

وَاِنۡ کَانَ لَا یَرۡجُوۡکَ اِلَّا مُحۡسِنٌ
فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَدۡعُوۡ وَیَرۡجُو الۡمُجۡرِمُ

۱۵۰؎ اٰل عمرٰن: ۱۳۵

اگر نیک بندے ہی آپ سے اُمیدیں رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جسے مجرم پکارے ؎

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کدھر جائے بندہ گناہ گار تیرا

اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَ
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَ
فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَ

ترجمہ: اے اللہ! آپ کا گناہ گار بندہ آپ کے پاس حاضر ہو گیا اس حال میں کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہا ہے اور آپ کو پکار رہا ہے، پس اگر آپ اس کو بخش دیں تو آپ اس کے اہل ہیں، آپ کا یہ کرم آپ کی شانِ کرم کے شایانِ شان ہے، اور اگر آپ اس کو ٹھکرا دیں تو آپ کے سوا کون ہے جو اس پر رحم کر سکے۔

باز آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

آپ سے بھاگا ہوا بندہ گناہوں سے اپنی آبرو کو تباہ کر کے پھر آپ کے پاس آگیا ہے۔ پس اے خدا! جب آپ مرے تمام رازوں سے باخبر ہیں، میرے تمام گناہوں کا آپ کو علم ہے تو ؎

روزِ محشر اے خدا رُسوا نہ کرنا فضل سے
کہ ہمارا حال تجھ سے کوئی پوشیدہ نہیں

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا تعلیم فرمائی میرے حق میں اس کو قبول فرمالیجیے: **اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّكَ بِیْ عَالِمٌ** اے اللہ! مجھے رُسوا نہ کیجیے، کیوں کہ آپ مجھے خوب جانتے ہیں، میری تمام نالائقیوں کا آپ کو علم ہے، اس لیے مجھے رُسوا کرنا آپ کو کچھ مشکل نہیں **وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّكَ عَلَیَّ قَادِرٌ**[۱۵۱] اور مجھے عذاب نہ دیجیے کہ میں

---

۱۵۱ مصنَّف بن ابی شیبة: ۷/۱۷۷، کلام مطرف بن الشخیر، مکتبة الرشد، ریاض

پوری طرح آپ کی قدرتِ قاہرہ غالبہ کاملہ کے تحت ہوں۔ جو پوری طرح قدرت میں ہو اس کو عذاب دینا قادرِ مطلق کو کیا مشکل ہے، لیکن آپ کریم ہیں، اپنے کرم کے صدقے میں اس بندۂ عاجز اور مغلوب کو رُسوا بھی نہ کیجیے اور عذاب بھی نہ دیجیے۔ دوسرے مصرع میں مولانا اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں ؎

زیرِ سنگ مکرِ بد ما را مکوب

اے خدا! میرا نالہ و فریاد آپ سے اس لیے بھی ہے کہ گناہوں پر مسلسل اصرار اور نافرمانیوں میں ابتلا کی نحوست سے گناہ کے تقاضوں میں شدت آگئی ہے، لہٰذا اگر آپ مدد نہ فرمائیں گے تو نفس و شیطان اپنے مکر و فریب کے پتھر کے نیچے مجھے کوٹتے رہیں گے، لہٰذا اے خدا! میری مدد فرمایئے اور نفس و شیطان کی مکّاریوں سے اور ان کی چالوں اور دھوکوں سے مجھے بچا لیجیے کہ نفس و شیطان مجھے مغلوب نہ کرسکیں۔ اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ[۱۵۲] اور میری ایسی حفاظت فرمایئے جیسے ماں اپنے چھوٹے سے بچے کی حفاظت کرتی ہے کہ اس کے بچے کو اگر مٹی کھانے کی عادت ہے تو گھر میں جھاڑو لگا کر گھر کو مٹی سے پاک کردیتی ہے اور اگر کوئی دوسرا بچہ چھپا کر مٹی لاتا ہے تو اس کا کسٹم کرتی ہے اور مٹی اس سے چھین کر پھینک دیتی ہے اور ایسے بچے کو اپنے بچے کے پاس بھی نہیں آنے دیتی اور اگر بچہ کبھی چھپا کر مٹی منہ میں رکھ لیتا ہے تو اس کے منہ میں اُنگلی ڈال کر نکال لیتی ہے اور کبھی نگل لیتا ہے تو اس کو قے کرادیتی ہے تاکہ کوئی مضر چیز میرے بچے کو نقصان نہ پہنچادے۔ تو اے اللہ! ماں کی رحمت تو آپ کی رحمت کی ادنیٰ بھیک ہے، ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے۔ پس اے خالقِ رحمتِ مادراں! گناہوں سے میری بھی اسی طرح حفاظت فرمایئے کہ اگر میں گناہ کرنا بھی چاہوں تو آپ نہ کرنے دیجیے اور گناہ اور اسبابِ گناہ کو مجھ سے اس طرح دور کردیجیے جیسے ماں مضر چیزوں کو اپنے چھوٹے بچے سے دور کردیتی ہے۔

یا کریم العفو ستار العیوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب

۱۵۲؎ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱، (۱۷۴۱۹)، باب الادعیۃ المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر / مسند ابی یعلٰی: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم بہت نالائق ہیں، بُرائیوں میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں، آپ کی نافرمانی کرتے کرتے اس قابل ہوگئے کہ معافی کے قابل بھی نہیں رہے، لیکن آپ کریم ہیں اور کریم وہ ہوتا ہے جو نا قابلِ معافی کو معاف کردے، نالائقوں پر رحم فرمادے، مستحقِ سزا و عذاب پر اپنی رحمت و مہربانی فرمادے اور ایسے نااہلوں کو بھی اپنے کرم سے محروم نہ کرے۔ پس اے کریم! ہمارے گناہوں کو محض اپنے کرم سے معاف فرمادیجیے، بلکہ گناہوں کے آثار ونشانات کو بھی محو فرمادیجیے، کیوں کہ عفو کے معنیٰ ہیں گناہوں کے نشانات اور شہادتوں کو مٹا دینا۔ اے اللہ! آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ آپ سے معافی مانگتا ہے اور آپ جب اس کو معاف فرمادیتے ہیں تو آپ گناہ کے چاروں گواہوں کو ختم کردیتے ہیں، کراماً کاتبین سے اس کے گناہ کو بھلا دیتے ہیں اور اس کے اعمال نامہ سے اس گناہ کو خود مٹادیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا اس زمین سے بھی گناہ کے آثار کو مٹادیتے ہیں اور اس کے اعضا جو قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دینے والے تھے ان اعضا کو بھی وہ گناہ بھلا دیتے ہیں حَتّٰی یَلْقَی اللہَ وَلَیْسَ عَلَیْہِ شَاھِدٌ مِّنَ اللہِ بِذَنْبٍ[۱۵۳] یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی گواہ نہ ہوگا۔

پس اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگ رہا ہوں، اپنے جرائم پر نادم ہو کر توبہ کررہا ہوں، آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو میرے حق میں قبول فرمالیجیے اور مجھے معاف فرمادیجیے اے کریم۔

اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دُعا بھی سکھائی: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ اور بعض احادیث میں لفظِ کریم کا بھی اضافہ ہے کہ اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے، بڑے کریم ہیں، نا قابلِ معافی اور مستحقِ عذاب کو بھی بوجہ اپنے کرم کے معاف فرمادیتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف معاف فرماتے ہیں بلکہ تُحِبُّ الْعَفْوَ معاف

۱۵۳؎ کنز العمال: ۲۰۹/۴، (۱۰۱۷۹)، باب فضل التوبۃ والترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

کرنے کو آپ محبوب رکھتے ہیں جس کی شرح محدثین نے یہ کی ہے کہ اَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰى عِبَادِكَ[۱۵۴] اپنے بندوں پر اپنی صفتِ عفو و مغفرت کا ظہور آپ کو خود محبوب ہے یعنی اپنے گناہ گار بندوں کو معاف کرنا آپ کا محبوب عمل ہے۔ پس آپ کے اس محبوب عمل کے لیے ہم گناہ گار اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار وتوبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوئے ہیں فَاعْفُ عَنِّيْ[۱۵۵] پس ہم کو معاف کردیجیے کہ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔

آگے مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! جس طرح آپ کریم العفو ہیں، اپنے گناہ گاروں کو معاف کرنے میں آپ بے حد کریم ہیں اسی طرح آپ سَتَّارُ الْعُيُوْبِ بھی ہیں، وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ہیں، اپنے بندوں کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، معافی مانگنے والوں کو رُسوا نہیں فرماتے۔ ستّاریت اور مغفرت ہم معنیٰ ہیں، غَفَرَ يَغْفِرُ کے معنیٰ سَتَرَ يَسْتُرُ کے ہیں۔ تفسیر ''رُوح المعانی'' میں علامہ آلوسی نے آیت وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا کی تفسیر کے ذیل میں مغفرت کے معنیٰ لکھے ہیں: سَتْرُ الْقَبِيْحِ وَاِظْهَارُ الْجَمِيْلِ[۱۵۶] یعنی اللہ تعالیٰ جس بندے کی مغفرت فرماتے ہیں اس کے عیوب کو مخلوق کی نگاہوں سے چھپا دیتے ہیں اور اس کی خوبیوں کو لوگوں پر عیاں کردیتے ہیں۔

اسی لیے مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کررہے ہیں کہ اے خدا! اپنے کریم ہونے کے صدقے میں میرے گناہوں کو بھی معاف فرمادیجیے اور میرے عیوب کی پردہ پوشی بھی فرمایئے۔ مخلوق کی نظروں سے میرے گناہوں کو چھپادیجیے، کیوں کہ آپ کا پردۂ ستّاریت غیر محدود ہے اور میرے گناہ خواہ کتنے ہی کثیر ہوں محدود ہیں، لہٰذا غیر محدود کی نسبت کثیر محدود سے اتنی بھی نہیں جو سمندر کو ایک قطرے سے ہے۔ پس میرے گناہوں کو چھپانا اے اللہ! آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

اے اللہ! ہم نے تو اپنے اُوپر ظلم کرلیا، ہم سے تو نالائقیاں ہو گئیں، اب آپ

---

۱۵۴ مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۴، باب لیلۃ القدر، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان
۱۵۵ سنن ابن ماجۃ: ۴۰۹، (۳۸۵۰)، باب الدعاء بالعفو والعافیۃ، المکتبۃ الرحمانیۃ
۱۵۶ روح المعانی: ۷۱/۳، البقرۃ، (۲۸۶)، دار احیاء التراث، بیروت

کے عفو و مغفرت کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔ اگر آپ توبہ واستغفار اور معافی مانگنے کا یہ راستہ نہ رکھتے تو آپ کے گناہ گار بندے کہاں جاتے، لیکن آپ کے کرم نے ہم گناہ گاروں کے لیے توبہ کا ایک ایسا پیارا راستہ رکھ دیا کہ توبہ کرنے والوں کو آپ صرف معاف ہی نہیں کرتے اپنا محبوب بھی بنالیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ [۱۵۷] اور مضارع سے نازل فرمایا اور مضارع میں حال واستقبال دونوں زمانہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر حال میں تم سے خطا ہوگئی اور تم نے توبہ کرلی تو ہم تمہیں حال میں بھی معاف کردیں گے اور بالفرض اگر مستقبل میں بھی اپنے ضعفِ بشریت سے گناہ کر بیٹھو گے تو مستقبل میں بھی اپنے دائرۂ محبوبیت سے ہم تمہارا خروج نہیں ہونے دیں گے لہٰذا گناہ پر جری تو نہ ہو، گناہ سے جان بچانے میں جان کی بازی لگادو، لیکن اگر کبھی مغلوب ہو جاؤ اور مجھ سے بے وفائی یعنی گناہ کر بیٹھو تو نااُمید نہ ہو، پھر میری چوکھٹ پہ سر رکھ دو، توبہ کے راستے سے پھر میرے پیارے ہو جاؤ، توبہ کرنے والوں سے ہم پیار کرتے ہیں۔

ملّا علی قاری ایک حدیثِ پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَۃَ الْمُتَّقِیْنَ [۱۵۸]

گناہوں سے توبہ کرنے والے بھی متقین کے درجے میں کردیے جاتے ہیں۔ احقر کا شعر ہے ؎

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشمِ تر رہنا

میرا ایک اور شعر ہے ؎

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

۱۵۷؎ البقرۃ:۲۲۲

۱۵۸؎ مرقاۃ المفاتیح:۵/۱۳۵،باب الاستغفار والتوبۃ،المکتبۃ الامدادیۃ،ملتان

آگے مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کی وجہ سے مجھ سے انتقام نہ لیجیے، کیوں کہ آپ کے انتقام کا کون تحمل کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّكَ عَلَیَّ قَادِرٌ[۱۵۹] اے اللہ! مجھے عذاب نہ دیجیے کیوں کہ میں تو پوری طرح آپ کے قبضۂ قدرت میں ہوں، آپ سے بچ کر میں کہاں جا سکتا ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عنوان ہے جلبِ رحمتِ حق کے لیے، جیسے چھوٹا بچہ باپ سے کہتا ہے کہ ابا مجھے نہ ماریے میں تو آپ کا چھوٹا سا بچہ ہوں، آپ کے قبضے میں ہوں تو باپ کو اس کی بے بسی پر رحم آجاتا ہے، تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُمت کو سکھادیا کہ اپنے رب سے ایسے ہی کہو تاکہ ان کی رحمت کو جوش آجائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اگر وہ سارے عالم کو بخش دے تو اس کے خزانۂ مغفرت میں ایک ذرّہ کمی واقع نہ ہو، پس میرے ان گناہوں کو بخش دے جن سے اے اللہ! آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور مجھے وہ مغفرت عطا فرمادے جس کی آپ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

ہمیں آپ کی مغفرت کا سہارا ہے، کیوں کہ جس کو آپ معاف فرمادیتے ہیں پھر اس سے انتقام نہیں لیتے۔

اے پناہِ ما حریمِ کوئے تو
من بہ اُمیدے رمیدم سوئے تو

اے خدا! میری آخری پناہ گاہ، میری بے کسی کا واحد سہارا اور میری اُمیدوں کا آخری دروازہ آپ کی بارگاہ ہے، سارے عالم سے اپنی اُمیدوں کو منقطع کرکے میں بڑی اُمید لے کر آپ کے پاس دوڑ کر آیا ہوں، آپ مجھ پر رحم فرمائیے اور میری مدد فرمائیے اور مجھے اس غم سے نجات دیجیے جس میں، میں مبتلا ہوں۔

۱۵۹؎ مصنَّف بن ابی شیبة: ۷/۱۷۷، کلام مطرف بن الشخیر، مکتبة الرشد، ریاض

یَا اَحَدَ مَنْ لَّا اَحَدَ لَہٗ وَیَا سَنَدَ مَنْ لَّا سَنَدَ لَہٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْکَ نَجِّنِیْ مِمَّا اَنَا فِیْہِ وَاَعِنِّیْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْہِ مِمَّا نَزَلَ بِیْ بِجَاہِ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَیْکَ اٰمِیْنَ[۱۶۰]

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں کہ اے وہ جو کس ہے بے کسوں کا یعنی جو رفیق ہے اس کا جس کا کوئی نہیں اور جو سہارا ہے اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، آپ کے سوا ہر ایک سے میری اُمید منقطع ہوگئی، مجھے اس حال سے نجات دیجیے کہ میں جس میں مبتلا ہوں اور میری مدد کیجیے نازل شدہ بلا پر صدقے میں اپنی ذات پاک کے اور بطفیل حقِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آپ پر ہے، آمین۔

گر سگی کردیم اے شیر آفریں
شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

اے شیر کے پیدا کرنے والے اللہ! اگرچہ فسق وفجور کرکے ہم نے اپنے اعمال میں کتّا پن کیا ہے، اشرف المخلوقات ہوکر کتوں جیسے کمینے کام کیے ہیں اور کتّے تو غیر مکلف ہیں، انہیں بھلے بُرے کی تمیز نہیں، اس لیے ان پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن ہمیں تو آپ نے انسان بنایا، عقل عطا فرمائی، بھلے بُرے کی تمیز دی، اس کے باوجود ہم نے کمینے اور ذلیل اعمال کرکے خود کو مستحقِ عذاب بنالیا، لہٰذا اے ہمارے رب! اے خالقِ شیر! دنیا کی اس کمیں گاہ میں اپنے شیروں میں سے کوئی شیر ہم پر مسلط نہ فرمایعنی ہم پر کوئی عذاب نازل نہ فرمائیے جو ہمیں اس طرح ہلاک کردے جیسے شیر کتّے کو ہلاک کردیتا ہے کہ اگر کتے کی پشت پر شیر اپنا پنجہ رکھ دے تو کتے کی زبان ایک ہاتھ باہر آجاتی ہے۔ پس اے اللہ! ہمارے جرائم کو معاف فرمادیجیے اور اس مستحقِ عذاب پر اپنا عذاب نازل نہ فرمائیے۔

---

[۱۶۰] کنز العمال:۲/۱۲۰،(۳۴۲۵)،باب الدعاء،ادعیۃ الھم والحزن والکرب،مؤسسۃ الرسالۃ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۴؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۶؍ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز جمعرات، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

آنچہ در کونین ز اشیا آنچہ ہست
وانما جاں را بہر حالت کہ ہست

اے خدا! دنیا میں جتنی چیزیں ہیں مجھے وہی دکھایئے جو ان کی اصل حالت ہے یعنی اشیاء کی ماہیت مجھے دکھایئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ ہوں اور نظر کچھ اور آئیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! ہماری شامتِ اعمال سے ہمیں تقلیبِ ابصار میں مبتلا نہ کیجیے کہ حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگے، حسنات سیئات اور سیئات حسنات معلوم ہونے لگیں، بلکہ اپنے کرم سے ہر چیز کو اس کی اصلی شکل میں دکھایئے تاکہ حق، حق نظر آئے اور باطل باطل دکھائی دے اور اس طرح حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب آسان ہو جائے۔

آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ
اندر آتش صورتِ آبی منہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ کے حضور میں تقلیبِ ابصار کے عذاب سے پناہ مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! پانی کو ہمیں آگ کی صورت میں نہ دکھایئے یعنی حسنات کو غیر حسنات اور حق کو باطل نہ دکھایئے اور آگ کو ہمیں پانی نہ دکھایئے یعنی ایسا نہ ہو کہ ہماری شامتِ عمل سے سیئات ہم کو حسنات اور باطل ہم کو حق نظر آنے لگے۔

تکبر وخود بینی اور گناہوں پر مسلسل اصرار کی نحوست کی وجہ سے قلب کی بصیرت فاسد ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بصارت میں فساد آجاتا ہے اور ایسے شخص کو حق

باطل اور باطل حق نظر آنے لگتا ہے اور فانی شکلیں اور گناہ کے مواقع اور دنیائے مردار کی فانی لذتیں اس کو نہایت مہتم بالشان معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا آتش انگیز راستہ اس کو پانی کی طرح ٹھنڈا اور لذیذ معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ جو پانی کی طرح صاف وشفاف اور حیات بخش ہے اسے آگ کی طرح گرم اور کلفت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ اس تقلیبِ ابصار سے حدیثِ پاک میں پناہ آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ [۱۶۱]

اے اللہ! مجھے حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع بھی نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق بھی نصیب فرما۔

(احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس حدیثِ پاک کی مندرجہ ذیل تشریح حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے حال ہی میں ۱۴۲۰ھ میں بعض اکابر علماء کے سامنے بیان فرمائی جو مضمون کی مناسبت کی وجہ سے یہاں شامل کی جاتی ہے)

اس حدیثِ پاک کا پہلا جملہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا یہ نعمتِ اولیٰ ہے کہ اے اللہ! حق کا حق ہونا مجھ پر واضح فرما دیجیے، لیکن بعض وقت حق واضح ہوگیا لیکن آدمی اسے قبول نہیں کرتا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ایک جملہ اور بڑھا دیا: وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ کہ اے اللہ! جب آپ مجھ پر حق واضح فرمائیں تو اس کی اتباع بھی مقدر فرما دیجیے، یہ دوسرا جملہ نعمتِ اولیٰ کا مکمِّل ہے کیوں کہ حق کا ظاہر ہونا نعمت ہے، لیکن اگر اتباع کی توفیق نہ ہو تو نعمت کی تکمیل نہیں ہوئی اور جو مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوا اور بلاغتِ کلامِ نبوت دیکھیے کہ وَفِّقْنَا نہیں فرمایا کہ ہمیں توفیق دے دیجیے بلکہ وَارْزُقْنَا فرمایا کہ ہمیں اس کی اتباع کا رزق دے دیجیے، کیوں کہ رزق اپنے مرزوق کو تلاش کرتا ہے جیسا کہ دوسری حدیثِ پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ [۱۶۲]

رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔

---

[۱۶۱] التفسیر لابن کثیر: ۲/۲۸۱، البقرۃ (۲۱۳)، مؤسسۃ قرطبۃ

[۱۶۲] شعب الایمان للبیہقی: ۲/۴۱۱، (۱۱۴۷)، باب التوکل باللہ والتسلیم لامر اللہ تعالیٰ فی کل شیء، مکتبۃ الرشد

مطلب یہ ہوا کہ ہم جہاں بھی رہیں اتباعِ حق کے رزق کو ہماری رُوح میں داخل کر دیجیے۔ جسمانی رزق پیٹ میں داخل ہوتا ہے اور توفیقِ اتباع کا رزق رُوح کے اندر داخل ہوتا ہے، لیکن بلاغتِ کلامِ نبوت کا کمال ہے کہ توفیق کو رزق کے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اتباعِ حق کا رزق ہمیں دے دیجیے، کیوں کہ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ نَفۡسًا لَّنۡ تَمُوۡتَ حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَھَا [۱۶۳]

کسی نفس کو ہرگز موت نہیں آسکتی جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وَارۡزُقۡنَا فرما کر اُمت کے لیے یہ نعمت مانگ لی کہ اے اللہ! ہمیں مرنے نہ دیجیے جب تک ہم پوری پوری اتباعِ حق نہ کرلیں۔ جس طرح استکمالِ رزقِ ظاہری کے بغیر موت نہیں آسکتی اسی طرح اے اللہ! استکمالِ رزقِ باطنی یعنی اتباعِ حق کی تکمیل کے بغیر ہمیں موت نہ دے، جب تک اتباعِ حق میں ہم مکمل نہ ہوجائیں ہمیں موت نہ آئے۔

اور حدیثِ پاک کا دوسرا جزء ہے: وَاَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلًا اور باطل کو ہمیں باطل دکھا وَارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَہٗ اور اس سے اجتناب کی توفیق بصورتِ رزق دے، اجتناب عن الباطل کا رزقِ رُوحانی ہمیں خود تلاش کرلے کہ جس باطل کے نرغے میں جہاں کہیں ہم پھنسے ہوں، اس سے بچنے کی توفیق ہمارے رزق کی طرح وہاں پہنچ جائے اور ہمیں اس باطل سے اجتناب کی توفیق نصیب ہوجائے اور جب تک باطل اور معصیت اور گناہوں کے اعمال سے ہم کو طہارتِ کاملہ، حفاظتِ کاملہ نصیب نہ ہو اے خدا! ہمیں موت نہ آئے حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَھَا یہاں تک کہ میرا نفس آپ کے اس رزقِ رُوحانی کو مکمل حاصل نہ کرلے۔ اور حدیثِ پاک میں لَنۡ تَمُوۡتَ کا لفظ آیا ہے کہ ہرگز کوئی نہیں مر سکتا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے، تو اتباعِ حق اور اجتنابِ باطل کی توفیق کو رزق سے تعبیر فرمانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت پر رحم ہے کہ بغیر مکمل حق پرستی اور بغیر مکمل اجتناب عن المعاصی کے میری اُمت کو موت ہی نہ آئے۔ حق پرستی کے رزق کا نام اتباعِ حق ہے اور باطل سے پرہیز گاری وبے زاری کے رزق کا نام اجتناب عن المعاصی ہے، جب اس دُعا کی برکت سے حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب رزق کی

[۱۶۳] شعب الایمان: ۲/۶۷، (۱۱۸۵)، باب التوکل باللہ عزوجل والتسلیم لامرہ، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت

طرح افرادِ اُمت کے لیے مقدر ہو جائے گا تو انہیں موت نہ آئے گی جب تک یہ روحانی رزق مکمل ان کو نہ پہنچ جائے اور اس طرح وہ پاک وصاف ہو کر اور اللہ کے پیار کے قابل ہو کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ (احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے ایک شیخ الحدیث جو حضرت والا کی خدمت میں قیام کے لیے آئے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ تشریح بالکل الہامی ہے، ذہن کی رسائی ان معانی تک نہیں ہو سکتی جو حضرت والا نے بیان فرمائے، خصوصاً توفیق کی رزق سے تعبیر کی مدلل تقریر عجیب وغریب ہے، جو نہ کسی کتاب میں دیکھی نہ کسی سے سنی۔ جامع)

حضرت والا نے فرمایا کہ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جو علوم میری زبان سے بیان کرا دیتے ہیں وہ علوم بتاتے ہیں کہ یہ زمینی **مُخْرَجَاتْ** نہیں ہیں آسمانی **مُنَزَّلَاتْ** ہیں۔

میرے پینے کو دوستو سن لو
آسمانوں سے مے اُترتی ہے

الحمد للہ تعالیٰ! مولانا کے اس شعر کی شرح مدلل بالحدیث ہو گئی۔ مولانا نے اس شعر میں تقلیبِ ابصار کے اس عذاب سے پناہ مانگی ہے جس میں آگ پانی اور پانی آگ نظر آنے لگتا ہے یعنی حق باطل اور باطل حق نظر آتا ہے جس کا سبب غلبۂ جاہ یا غلبۂ باہ سے اعراض عن الحق ہے، مثلاً کسی پر حق واضح ہو گیا، لیکن اپنی جاہ وکبر وخود بینی کے سبب کہتا ہے کہ میں کسی مولوی کی بات نہیں مانتا، جانتا ہے مگر مانتا نہیں۔ خواجہ صاحب نے ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا کہ

حق جانتے تو ہیں وہ مگر مانتے نہیں
ضد ہے جنابِ شیخ تقدس مآب میں

حق سے اعراض کا سبب یہاں غلبۂ جاہ ہے جس سے حق کو قبول نہیں کرتا اور باطل اس کو حق نظر آتا ہے۔ اسی طرح کسی حسین کو دیکھ کر نفس کا حرام خوشیوں اور بد مستیوں سے مغلوب ہو جانا اور فانی صورتیں اس کو نہایت مہتم بالشان اور حکومت وسلطنت اور تاج وتخت سے زیادہ عظیم الشان معلوم ہونا یہ تقلیبِ ابصار بوجہ غلبۂ باہ کے ہے۔ غرض ابتلاء خواہ جاہ کے سبب سے ہو یا باہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے، جیسا کہ مولانا رُومی ایک اور شعر میں اللہ تعالیٰ سے اس طرح فریاد کرتے ہیں۔

الغیاث از ابتلایت الغیاث
شد ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے خدا! آپ سے فریاد ہے، آپ سے فریاد ہے کہ آپ کے امتحان وآزمایش سے جلال الدین پناہ چاہتا ہے۔ بڑے بڑے مردانِ راہِ خدا جب آپ کی آزمایش میں مبتلا ہوئے تو مونث ثابت ہوئے یعنی امتحان میں فیل ہوگئے اور ان کو حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگا اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اسی لیے مولانا بارگاہِ حق میں کس عجیب عنوان سے درخواست کرتے ہیں۔ مولانا کے علوم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کتنا بڑا عارف باللہ تھا۔ فرماتے ہیں ؎

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کے فریادرس! ہمیں اپنی مرضی کے راستے پر چلایئے، ہم کو اپنے علم پر کوئی فخر نہیں، کیوں کہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ہمارا علم ہمیں آپ کی نافرمانی کے راستوں سے نہیں بچا سکتا، اسی لیے مشاہدہ ہے کہ بعضوں کے علم و عمل میں کتنے فاصلے ہوتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے علم کی وجہ سے آپ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہوسکتے، ہمارا ہر سانس اور ہر لمحۂ حیات آپ کی رحمت کا، آپ کی نصرت و مدد کا، آپ کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔ ہمارا علم ہماری ہدایت کے لیے کافی نہیں بلکہ ہماری ہدایت آپ کے فضل و رحمت پر موقوف ہے۔ پس اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے! ہماری ہدایت کا ارادہ فرمالیجیے اور اپنا وہ فضل و رحمت و مشیت ہمارے شامل حال کردیجیے جس پر آپ نے قرآنِ پاک میں تزکیۂ نفس کی بنیاد رکھی ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ
وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ[۱۶۴]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی پاک نہیں ہوسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو پاک کردیتا ہے۔

---

[۱۶۴] النور:۲۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۶/ ذوقعدہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۸/ مئی ۱۹۹۳؁ء

بروز ہفتہ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

از شرابِ قہر چوں مستی دہی
نیست ہا را صورتِ ہستی دہی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مسلسل نافرمانی وسرکشی اور گناہوں کے سبب آپ جس سے انتقام لینا چاہتے ہیں اس کو اپنے قہر کی شراب پلادیتے ہیں یعنی اس کی عقل پر عذاب نازل فرمادیتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ گناہوں میں اس کو بہت نشہ اور مستی محسوس ہوتی ہے اور اس کو اپنے انجام کی بھی پروا نہیں رہتی کہ یہ مستی موجبِ عذاب ہے اور ایسا شخص اپنی جان کے نفع ونقصان سے بے خبر ہو کر فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ کا مصداق ہوتا ہے اور شرابِ قہر کی مستی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دنیائے فانی اس کو نہایت حسین، مہتم بالشان اور پائیدار نظر آتی ہے اور فانی صورتیں، فانی لذتیں اور فانی مزے اس کو حاصلِ زندگی اور حاصلِ کائنات معلوم ہوتے ہیں جن پر اس کی مٹی مٹی ہو کر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ہوجاتی ہے۔

تو بزن یا ربنا آبِ طہور
تا شود ایں نارِ عالم جملہ نور

اے ہمارے رب! اپنے آبِ رحمت کا ایک چھینٹا اس عالم پر ڈال دیجیے جو شہواتِ نفسانیہ کی آگ میں جل رہا ہے تاکہ شہوت کی یہ آگ نور میں تبدیل ہوجائے۔ یعنی اسبابِ قُرب سے مبدل ہوجائیں۔

گر تو خواہی آتش آبِ خوش شود
ورنہ خواہی آب ہم آتش شود

اے خدا! اگر آپ چاہیں تو آگ ٹھنڈا پانی بن سکتی ہے اور آپ نہ چاہیں تو پانی بھی آپ کے حکم سے آگ بن سکتا ہے۔ یعنی اگر آپ چاہیں تو شر کو خیر بنادیں اور نہ چاہیں تو اسبابِ خیر پر خیر مرتب نہ ہو اور خیر شر بن جائے۔

کوہ و دریا جملہ در فرمانِ تست
آب و آتش اے خداوند آنِ تست

اے خدا! پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع اور آپ کے زیرِ فرمان ہیں اور آگ اور پانی سب میں آپ کی مختلف شانوں کا ظہور ہے۔

در عدم کے بود مارا خود طلب
بے طلب کردی عطاہائے عجب

اے اللہ! عدم میں ہمارا وجود نہ تھا، ہمارے پاس زبان نہ تھی جس سے ہم مانگتے، لیکن بغیر طلب کے اور بغیر مانگے ہوئے آپ نے اپنی عطاؤں کے خزانے ہم پر برسا دیے۔ عالمِ عدم میں جبکہ ہمارے جسم و جان ہی نہ تھے تو ہم آپ سے یہ سوال کیسے کرتے کہ ہمیں وجود عطا فرمائیے، لیکن آپ کے کرم نے بغیر سوال ہمیں وجود عطا فرمایا اور بدون سوال ہمیں انسانی قالب عطا فرمایا۔ آپ اگر چاہتے تو ہمیں کتّے سور اور گدھے کے قالب میں پیدا کرسکتے تھے، لیکن آپ کے کرم نے بغیر سوال اور بغیر طلب کے اشرف المخلوقات کے قالب میں پیدا فرمایا یعنی انسان بنایا اور پھر اے اللہ! آپ نے کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ ہمیں کسی کافر یا مشرک کے گھر نہیں پیدا فرمایا اور مسلمان گھرانے میں پیدا فرما کر ایمان جیسی عظیم الشان دولت مفت میں عطا فرمادی جس کے آگے زمین و آسمان کے تمام خزائن اور ساری دنیا کی مجموعی نعمتیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، ایمان عطا فرما کر گویا جنت کا ٹکٹ آپ نے بے مانگے عطا فرمادیا۔ اے اللہ! اگر آپ ہمیں ایمان نہ عطا فرماتے تو ہم کس قدر عظیم خسارے میں پڑ جاتے کہ اگر ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی ہمیں مل جاتی لیکن کفر و شرک کے سبب کتے اور سور سے بھی ہم بدتر ہوتے اور مرنے کے بعد دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ اور اے اللہ! اگر آپ کی مدد نہ ہوتی تو ہم بُری

صحبت میں پڑ کر مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود نہ جانے کس گمراہی میں پڑ جاتے۔ کتنے لوگ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن آپ کے فضل سے محروم ہونے کے سبب مُرتد اور کافر ہوگئے۔ لٰہذا اے اللہ! یہ آپ کی رحمت اور فضلِ عظیم ہے کہ آپ نے اللہ والوں سے تعلق کی توفیق بخشی اور دین پر عمل نصیب فرمایا اور صحتِ رُوحانی اور جسمانی دونوں عطا فرمائیں اور کتنے امراض اور بیماریوں سے محفوظ فرمایا اور صحت مند جسم عطا فرمایا، معذور و محتاج نہ بنایا، غرض آپ کی ان نعمتوں کا شمار واحاطہ بھی محال ہے جو بدون مانگے آپ نے اپنے بندوں پر مبذول فرمائیں۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اے اللہ! جب ہم نہیں تھے تو ہمارے پاس تقاضائے سوال اور زبانِ طلب نہیں تھی، لیکن آپ کے کرم سے ہماری بے زبانی بھی خالی نہ گئی اور آپ کے کرم نے ہماری اَن کہی باتوں کو سن لیا۔

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں
سائرِ نعمت کہ ناید در بیاں

اے اللہ! بغیر مانگے آپ نے ہمیں جان بخشی اور جان کی بقا کے لیے روٹی دی اور روٹی سے طاقت پا کر جان جب اے اللہ! آپ کی عبادت میں مشغول ہوئی تو آپ نے اس کو عمر جاوداں عطا فرمائی۔ جنت میں آپ ایسی حیاتِ جاوداں عطا فرمائیں گے جس کے بارے میں آپ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ نبوت سے اپنے بندوں کو بشارت دے دی کہ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ [۱۶۵] جنت میں ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے قلب پر ان کا خیال گزرا۔

---

[۱۶۵] صحیح البخاری: ۲/۷۰۴، (۴۷۹۱)، باب قولہ تعالیٰ: فلا تعلم نفس ما اخفی لھم، المکتبۃ المظھریۃ

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! یہ تمام نعمتیں اور نہ جانے کتنی بے شمار نعمتیں آپ نے عطا فرمائی ہیں جو بیان میں نہیں آسکتیں۔

بے طلب تو ایں طلب ماں دادۂ
گنجِ احساں بر ہمہ بکشادۂ

اے اللہ! جب بغیر مانگے ہوئے آپ نے اپنی محبت کی تڑپ ہمیں بخشی اور ہم پر احسان کے خزانے برسادیے۔

بے شمار وعد عطا بنہادۂ
بابِ رحمت بر ہمہ بکشادۂ

اور آپ کے کرم نے جب اتنے بڑے بڑے انعامات بے مانگے عطا فرمادیے کہ آپ نے خود فرمایا کہ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا[۱٦٦] اگر اللہ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے۔ پس ہم پر آپ نے اپنی رحمت کے بے شمار دروازے کھول دیے۔

با طلب چوں نہ دہی اے حی ودود
کز تو آمد جملگی جود و وجود

جب بے مانگے آپ نے یہ لطف و کرم فرمائے ہیں تو اے زندہ حقیقی اور اے محبت کرنے والے اللہ! مانگنے والوں کو بھلا آپ کیوں کر محروم فرمائیں گے کہ آپ ہی نے ہمارے وجود میں جود کے خزانے رکھ دیے ہیں۔ قوتِ باصرہ، قوتِ سامعہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ شامہ، قوتِ لامسہ یعنی آنکھوں میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا، کانوں میں شنوائی کا خزانہ رکھ دیا، منہ میں ذائقہ اور گویائی کا خزانہ رکھ دیا، ناک میں سونگھنے کا خزانہ رکھ دیا اور ہاتھوں میں چھونے کا خزانہ رکھ دیا اور یہ تو ظاہری خزانوں کا حال ہے اور باطن میں جو خزانے ہیں وہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ جسم کے اندر ایک پورا کارخانہ چل رہا ہے۔ لقمہ نگلنے کے

۱٦٦؎ ابراھیم: ۳۴

بعد ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑتا، اندر معدے کی مشین خود چالو ہو جاتی ہے، ایک لقمہ سات قسم کے ہضموں سے گزرتا ہے، ہضمِ معدی ہضمِ معوی وغیرہ پھر جگر میں خون بنتا ہے اور جگر دل کو خون سپلائی کرتا ہے اور قلب جسم کی تمام شریانوں کو سپلائی کرتا ہے۔ جسم کے اندر ایک کارخانہ چل رہا ہے اور ہمیں اس کی خبر نہیں۔ تو اے اللہ! جب بغیر مانگے آپ کے یہ الطاف وعنایات ہیں تو مانگنے والوں کو بھلا آپ کیوں نہ عطا فرمائیں گے۔ پس اے اللہ! میں آپ سے اپنے وجود کی تطہیر یعنی تزکیۂ نفس کا سوال کرتا ہوں، تاکہ جب میں بُرائیوں سے پاک ہو جاؤں گا تو آپ کو پا جاؤں گا، کیوں کہ آپ پاک ہیں ناپاکوں کو نہیں ملتے، اسی لیے آپ نے فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا[۱۶۷] جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرالیا وہ فلاح پا گیا، مولانا رُومی فرماتے ہیں۔

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی

جب تم زیبا یعنی اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو جاؤ گے تو اس زیبا حقیقی تک پہنچ جاؤ گے۔

ایں طلب در ما ہم از ایجادِ تست
رُستن از بیداد یارب دادِ تست

ہمارے اندر جو اے اللہ! آپ کی طلب ہے یعنی ہم جو آپ کو چاہتے ہیں یہ بھی آپ ہی کی عطا ہے۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اور بے وفائی اور ظلم یعنی گناہ سے رہائی اور خلاصی پا جانا یہ سب آپ کی توفیق اور عطا و کرم ہے ورنہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں چھوڑ سکتا۔ جس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو گئی سمجھ لو اس پر اللہ کی رحمت نازل ہو گئی کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

[۱۶۷] الشمس:۹

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ[۱٦٨]

اے اللہ! مجھ پر وہ رحمت نازل فرما جس کی برکت سے میں گناہ چھوڑدوں۔ اور جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا یہ دلیل ہے کہ یہ اللہ کا طالب ہے۔

بے طلب ہم می دہی گنجِ نہاں
رائیگاں بخشیدۂ جانِ جہاں

اے اللہ! بغیر مانگے ہوئے آپ خشیت و محبت و تقویٰ کی باطنی دولت عطا فرماتے ہیں اور مفت میں اہلِ جہاں کو جان یعنی نسبتِ خاصہ مع اللہ اپنے کرم سے عطا فرماتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے مجاہدات کا ثمرہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اللہ کی عطا کا سبب اللہ کی عطا، ان کے کرم کا سبب ان کا کرم، ان کی رحمت کا سبب ان کی رحمت ہے۔ اللہ کی عطا و کرم کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف کرنا اعراض عن الحق اور عین ناشکری ہے۔ حضرت حکیم الامت "بیان القرآن" کے حاشیہ مسائل السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ مِنَ الصُّوْفِیَاءِ وَالسَّالِکِیْنَ یُنْسِبُوْنَ کَمَالَاتِھِمْ اِلٰی مُجَاھَدَاتِھِمْ فَھٰذَا عَیْنُ الْکُفْرَانِ[۱٦٩]

بعض صوفیا و سالکین اپنے کمالات کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف کرتے ہیں یہ عین ناشکری ہے۔

ھٰکَذَا اَنْعَمَ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ
بِالنَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی خَیْرِ الْاَنَامِ

اے خدا! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں یہ انعامات ہم پر مبذول فرماتے رہیے یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں۔

---

۱٦٨ جامع الترمذی: ۲/۱۹۷، (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایچ ایم سعید

۱٦٩ بیان القراٰن: ٦/۴، ابراھیم، ایچ ایم سعید

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا

با تو یادِ ہیچ کس نبود روا

اے خدا! آپ کا فضل ہی حاجت روائی کرتا ہے، آپ کی یاد کے ساتھ کسی اور کی یاد ناروا ہے یعنی حاجت روائی صرف آپ ہی کے لیے خاص ہے اس میں کسی اور کو شریک کرنا جائز نہیں کیوں کہ آپ کے سوا کوئی بندوں کے کام نہیں بنا سکتا۔

ایں قدر ارشاد تو بخشیدۂ

تا بدیں بس عیبِ ما پوشیدۂ

اے خدا! جو ارشادات وہدایات آپ نے اپنے دین کے ذریعے ہمیں عطا فرمائیں یہاں تک کہ ان ہدایات پر عمل نہ کرنے کے ہمارے عیب کو بھی آپ کے کرم نے چھپایا، اور ہمیں رُسوا نہ فرمایا۔

عظمت تعلق مع اللہ

دامنِ فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری

ذرّۂ دردِ وغم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات

وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب علیہ الرحمہ

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۷ر ذو قعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۹۳ء

بروز اتوار، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

قطرۂ دانش کہ بخشیدی زپیش
متصل گرداں زدریاہائے خویش

اے اللہ! علم کا وہ قطرہ جو آپ نے اپنی طرف سے مجھے بخشا ہے، اس کا اتصال اپنے غیر محدود دریائے علم سے فرمادیجیے یعنی میرے محدود علم کو اپنے علم لامحدود سے ملادیجیے تاکہ میرا وہ قطرۂ علم صرف کُتب بینی تک محدود نہ رہے بلکہ قُطب بینی سے مشرف ہوکر آپ کے غیر محدود دریائے علم سے متصل ہوجائے۔ جو لوگ صرف کتب بینی سے علم کے حروف اور نقوش حاصل کرتے ہیں ان کے علم کی مثال حوض کی سی ہے جس کا پانی ایک دن ختم ہوجائے گا، اور جو لوگ کُتب بینی کے ساتھ قُطب بینی بھی کرتے ہیں یعنی رسمی علومِ ظاہرہ کی تحصیل کے ساتھ کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت حاصل کرتے ہیں، اپنے نفس کی اصلاح کراتے ہیں، گناہوں سے بچنے میں ہر مجاہدہ ومشقت کو، ہر غم کو برداشت کرتے ہیں ان کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے کنویں کی گہرائی میں زمین کے اندر سے سوتہ پھوٹ جائے تو اب اس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ پس جب کوئی عالم کسی اللہ والے کی صحبت کی برکت سے صاحبِ نسبت ہوجاتا ہے تو اس کے قطرۂ علم کا اتصال حق تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہوجاتا ہے اور اس کا علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ عالمِ غیب سے اس کے قلب پر ایسے علوم وارد ہوتے ہیں کہ کتب بینی والے حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ یہ علوم اس کو کہاں سے آرہے ہیں جو ہم نے کتابوں میں نہیں پڑھے۔ ان اہلِ ظاہر کو پتا نہیں کہ اس کے علم کا خفیہ رابطہ کس غیر محدود دریائے علم سے ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خم کہ از دریا در او راہے شود

پیشِ او جیحونہا زانو زند

جس مٹکے کا رابطہ خفیہ طور پر سمندر سے ہو جائے تو اس کے سامنے بڑے بڑے دریائے جیحون و فرات زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں، کیوں کہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہو سکتا ہے لیکن اس مٹکے کا پانی کبھی خشک نہیں ہو گا، کیوں کہ اس کے اندر مخفی راستے سے سمندر کا پانی آرہا ہے۔ پس جس کو کسی صاحبِ نسبت کی صحبت سے اللہ کی محبت حاصل ہو گئی اور اپنے علم پر عمل کی توفیق ہو گئی اس کو علم کی رُوح حاصل ہو گئی، کیوں کہ علم کی رُوح عمل ہے، علم اسی وقت علم ہوتا ہے جب اس پر عمل کی توفیق ہو جائے، ورنہ جس کو اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں، مثلاً غضِ بصر کا حکم معلوم ہو گیا لیکن عمل نہیں کرتا تو اس کو ابھی علم حاصل نہیں ہوا، علم کے صرف نقوش حاصل ہوئے، لیکن جب کوئی حسین شکل سامنے آئی اور غضِ بصر کے حکم کو اس نے اپنی آنکھوں پر نافذ کر لیا تو علم غضِ بصر اس کو اب حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ جو علم مقرون بالعمل نہ ہو علم کہلانے کا مستحق نہیں صرف اضافۂ معلومات اور ذہنی تعیش ہے۔

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

جو علم اللہ کا راستہ نہ دکھائے یعنی جس علم کے بعد اللہ کا راستہ طے کرنے کی توفیق نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اَیُّھَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَةِ

کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَةٌ

اے وہ قوم جو مدرسہ میں تحصیلِ علم میں مصروف ہے جب تک تمہارا علم مقرون بالعمل نہ ہو گا تو یہ تمہارا محض وہم و گمان ہے کہ تمہیں علم حاصل ہو گیا۔

علم نبود الّا علمِ عاشقی
مابقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

علم سے مراد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا آجائے، اللہ کے راستے پر چلنا آجائے ورنہ آدمی صرف عالمِ منزل ہو گا، بالغِ منزل نہ ہو گا اور مقصدِ علم بالغ منزلِ مولیٰ ہونا ہے۔ اگر علم کسی کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ نہ ہوا تو یہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے۔ مولانا کا یہ شعر دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ مولانا نے صرف یہ مانگ کر کہ اے اللہ! میرے قطرۂ علم کو اپنے علم کے غیر محدود سمندر سے متصل کر دیجیے اس اتصال کا طریقہ اور جملہ لوازماتِ سلوک سب مانگ لیے جس کی تفصیل مولانا ہی کی برکت سے الحمدللہ بیان ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اگلے شعر میں مولانا فرماتے ہیں۔

قطرۂ علم است اندر جانِ من
وارہانش از ہوا و از خاکِ تن

اے خدا! علم کا جو قطرہ آپ نے میری جان کو بخشا ہے وہ میری خواہشاتِ نفسانیہ کی خاک سے آلودہ ہے یعنی اس قطرۂ علم کا نور میرے رذائلِ نفسانیہ اور عناصرِ اربعہ کے تقاضائے خبیثہ کی ظلمتوں میں چھپا ہوا ہے۔ پس آپ اپنے کرم سے اسے اجزائے خاکی اور ہوائے نفس کی قید سے رہائی دلا کر اپنے دریائے نور سے متصل کر دیجیے، کیوں کہ آپ کے نور کے سامنے نفس کی ظلمات نہیں ٹھہر سکتیں اور جب ان ظلمات سے میرا قطرۂ علم پاک ہو جائے گا تب ہی اس کا نور صاف میرے لیے مفید ہو گا۔ پس اے اللہ! جلد از جلد اسے خواہشاتِ نفس سے رہائی دلا دیجیے۔

پیش ازاں کیں خاکہا خسفش کند
پیش ازاں کیں بادہا نشفش کند

ارشاد فرمایا کہ خسف کے معنیٰ ہیں گہن اور نشف کے معنیٰ ہیں چوسنا، پونچھنا،

صاف کرنا۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ قبل اس کے کہ اس قطرۂ علم کو یہ خاک گہن لگادے۔ مولانا یہاں خاک کی جمع خاکہا کیوں لائے؟ اس لیے کہ جسم کی خاک مختلف انواع میں تقسیم ہے: آنکھوں کی خاک حرام نظارے چاہتی ہے، کانوں کی خاک گانے سننا چاہتی ہے، زبان کی خاک اجنبیہ عورت یا اَمرد سے باتیں کرنا چاہتی ہے، ہاتھوں کی خاک حسینوں کو چھونا چاہتی ہے، یہ خاک خاک پرستی چاہتی ہے، ایک مٹی دوسری مٹی کو پوجنا چاہتی ہے، مراد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ کہیں میرے قطرۂ علم کو بالکل ہی ضایع نہ کردیں، اور دوسرے معنٰی یہ ہیں کہ قبل اس کے کہ قبر کی مٹی اس قطرۂ علم کو فنا کردے اور قبل اس کے کہ ہوائیں اس کو چوس کر ختم کردیں اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کا مصداق بنادیں۔

گرچہ چوں نشفش کند تو قادری

کش از ایشاں واستانی وخری

لیکن اے اللہ! خواہشاتِ نفسانیہ اس قطرۂ علم کو اور نورِ تقویٰ کو بالکل فنا کردیں تو بھی آپ قادر ہیں کہ نفس کے چنگل سے اس کو واپس لے کر اس کے نور کو دوبارہ بحال کردیں اور غفلت سے حیاتِ مُردہ کو اپنی یاد سے دوبارہ زندہ کردیں۔

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت

از خزینہ قدرتِ تو کے گریخت

جو قطرہ ہواؤں میں بکھر کر فنا ہوگیا یا خاک میں گر کر ضایع ہوگیا یعنی ہمارا نورِ تقویٰ گناہوں کی ظلمتوں میں چھپ گیا لیکن اے خدا! آپ کے خزانۂ قدرت سے نکل کر وہ کہاں بھاگ سکتا ہے، آپ ہمارے اس نورِ تقویٰ کو شیطان و نفس سے ہمیں دوبارہ واپس دلاسکتے ہیں یعنی توفیقِ توبہ دے کر ظلماتِ معاصی سے چھڑا کر ہمیں دوبارہ اپنی محبت و تقویٰ کا نور عطا فرماسکتے ہیں۔

گر در آید در عدم یا صد عدم
چو بخوانید او کند از سر قدم

اگر اس قطرۂ علم پر سینکڑوں عدم طاری ہو جائیں لیکن اگر آپ اس کو بلائیں گے تو وہ سر کے بل آئے گا، عدم سے پھر وجود پا جائے گا۔

صد ہزاراں ضدّ ضد را می کشد
باز شاں فضلِ تو بیروں می کشد

لاکھوں ضدیں اپنے ضد کو کھینچ رہی ہیں۔ تقویٰ کا ضد فجور ہے۔ تقویٰ کے نور کو ظلماتِ معاصی اپنے طرف کھینچ کر فنا کر رہے ہیں، لیکن آپ کا فضل توبہ واستغفار کی توفیق سے اس کو پھر ظلمات سے باہر کھینچ لیتا ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ[۱۷۰]

اللہ اہلِ ایمان کا ولی ہے، ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے۔

از عدم ہا سوئے ہستی ہر زماں
ہست یارب کارواں در کارواں

عالمِ عدم سے عالمِ وجود میں اے رب ہزار ہا قافلے آپ لا رہے ہیں۔ جس طرح کائنات میں ہر لمحہ ہزاروں بچے پیدا ہو رہے ہیں، عدم سے وجود میں آرہے ہیں اسی طرح ظلماتِ معاصی میں غرق ہزاروں انسانوں کو توفیقِ توبہ سے آپ حیاتِ ایمانی عطا فرما کر ظلمت سے نور اور عدم سے وجود عطا فرما رہے ہیں۔

خاصہ ہر شب جملہ افکار و عقول
نیست گردد غرق در بحرِ نغول

۱۷۰؎ البقرۃ:۲۵۷

اور ہر رات کو تمام افکار و عقول اور ہوش و حواس عدم کے بحرِ عمیق میں غرق ہو جاتے ہیں اور نیند سے ان کے وجود پر گویا عدم طاری ہو جاتا ہے۔ مولانا رُومی ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

نیند قیدیوں کو قید خانے سے بے خبر کر دیتی ہے اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت سے بے خبر کر دیتی ہے۔

تا زوقتِ صبح چوں اللّٰہیاں
می زنند از بحر سر چوں ماہیاں

لیکن صبح کے وقت وہ افکار و عقول مثل اللہ والوں کے پھر بیدار ہو جاتے ہیں اور عدم کے بحرِ عمیق سے یعنی بے ہوشی کے سمندر سے مچھلیوں کی طرح پھر سر نکالتے ہیں۔

(درسِ مناجاتِ مثنوی کے دوران حضرتِ مُرشدی دامت برکاتہم نے مثنوی کے چند اشعار کی شرح فرمائی جو اگرچہ مناجات کے نہیں ہیں لیکن نہایت نافع ہیں اس لیے وہ اشعار مع شرح یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں۔

قوتِ جبریل از مطبخ نبود
بود از درگاہِ خلّاقِ و دود

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور جملہ فرشتوں کے اندر جو طاقت ہے وہ ان کو روٹی سے نہیں ملی کیوں کہ کوئی فرشتہ روٹی نہیں کھاتا، ان کی طاقت اللہ کی طرف سے ہے، عطائے حق ہے۔ فرشتے نور سے ہیں، وہ روٹی کے محتاج نہیں، لیکن ان کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جن کے پانچ سو بازو ہیں، انہوں نے اپنا صرف ایک بازو استعمال کیا تھا اور قومِ لوط کی چھ لاکھ کی چھ بستیوں کو اُٹھا کر آسمان تک لے گئے اور اُلٹ دیا:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ[۱۷۱]

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہم سب کو رُوحانی طاقت نصیب فرمائے۔ اس رُوحانی طاقت سے ہی انسان نفس اور شیطان کو پچھاڑ سکتا ہے، روٹی کھا کر تو شہوتِ نفس اور شیر بنے گی۔ لہٰذا اللہ کے ذکر سے، گناہوں سے بچنے سے اور اللہ والوں کی صحبت سے رُوح میں طاقت آتی ہے اور انسان اس طاقت سے ہی نفس و شیطان کو شکست دے سکتا ہے۔ اگر رُوحانی طاقت نہ ہوگی تو نفس و شیطان اس کو پچھاڑ دیں گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

دوست مارا زر دہد منت نہد

رازق مارزق بے منت دہد

ہم کو ہمارے دوست احباب تھوڑا سا پیسہ قرضہ دے دیتے ہیں اور پھر منت اور احسان رکھتے ہیں کہ ہم نے اپنے دوست کی مدد کی تھی، اس کی شادی میں ہم نے دس ہزار روپیہ دیا تھا، زیور بنائے تھے وغیرہ اور ہمارا رزق دینے والا ہم کو بغیر احسان جتائے رزق دیتا ہے۔ کیا کبھی اللہ میاں نے احسان جتلایا کہ ہم نے سورج سے تمہارا غلّہ پکایا اور پھر تم کو روٹی پہنچائی؟ اور یہ روٹی ہم نے تم کو کس طرح پہنچائی کہ سورج، چاند، بادل، ہوا اور پانی کو تمہارا رزق تیار کرنے کی خدمت میں لگادیا۔ تمہارے ایک لقمے میں ساری کائنات کی خدمات شامل ہیں، اور تمہیں صحت دی کہ جس کی برکت سے تم رزق کھارہے ہو، تمہارے معدے میں جس سے تم آج کھارہے ہو السر اور کینسر نہیں پیدا ہونے دیا ورنہ اگر معدے میں کینسر اور السر ہوجاتا تو تم روٹی نہیں کھاسکتے تھے۔ ہمارا رازق کیسا کریم ہے، ہمیں رزق دیتا ہے اور ہم پر کوئی احسان نہیں جتاتا۔

عقل می گوید کہ بر اسباب پر

عشق می گوید مسبّب را نظر

---

۱۷۱ الحجر: ۷۴

عقل کہتی ہے کہ تم اسباب پر اُڑو اور عشق کہتا ہے کہ سبب کے پیدا کرنے والے پر نظر رکھو۔ اسباب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کے تابع ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اسباب میں اثر پیدا کر دیتے ہیں اور اسباب کے مطابق نتیجہ بر آمد ہو جاتا ہے اور جب ان کی مشیت نہیں ہوتی تو اسباب کو بے اثر کر دیتے ہیں اور باوجود اسباب کے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اس کی ایک مثال دیتا ہوں، بہت عجیب علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ روٹی سبب ہے پیٹ بھرنے کا اور پانی سبب ہے پیاس بجھانے کا، لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ان اسباب کو بے اثر کر دیتے ہیں۔ ایک مرض ہے جس کا نام طبِ یونانی میں ''جوع البقر'' ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ چاہے کتنی ہی روٹیاں کھاتے چلے جاؤ لیکن بھوک ختم نہیں ہوتی۔ اور ایسے ہی ایک اور مرض ہے جس کا نام ''استسقاء'' ہے جس میں آدمی پانی پیتے پیتے مر جاتا ہے لیکن پیاس نہیں بجھتی چاہے ایک حوض پانی پی لے۔ اگر اسباب مؤثر بالذات ہوتے تو روٹیاں ہمیشہ بھوک کو سیر کر دیتیں اور پانی ہمیشہ پیاس کو بجھا دیتا۔ معلوم ہوا کہ اسباب اپنی تاثیر میں حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اسبابِ اپنی صفات کے مظہر ہیں، لیکن ہر مظہر اپنی صفتِ مَظہریت کے ظہور میں ہر وقت محتاج ہے مظہِر کا یعنی اللہ تعالیٰ کا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی شانِ مظہریت اثر انداز نہ ہوگی تو اسباب کی مظہِریت مؤثر نہیں ہو سکتی۔ جیسے برف صفتِ برودت اور ٹھنڈک کا مَظہر ہے اور آگ صفتِ حرارت کی مَظہر ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نارِ نمرود کو حکم دیا کہ

يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ[۱۷۲]

تو آگ نے اپنی صفتِ حرارت چھوڑ دی اور ٹھنڈی ہو گئی اور بجائے جلانے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آرام پہنچانے لگی۔ معلوم ہوا کہ تمام اسبابِ عالم مُسبِّبِ حقیقی کے تابع ہیں، اس لیے اسباب پا کر مُسبِّب سے بے خبر اور مستغنی نہ ہو۔ اسباب تو اختیار کرو کیوں کہ دنیا دار الاسباب ہے، ان اسباب کے پردے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو چھپا لیا، ورنہ نظامِ عالَم درہم برہم ہو جاتا اور عالَمِ غیب عالَمِ غیب نہ رہتا۔ اب بظاہر اسباب

۱۷۲ الانبیاء:۶۹

سے نظامِ عالم چلتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن در حقیقت اسباب کے پردے میں ان ہی کا دستِ قدرت کار فرما ہے، اس لیے حکم ہے کہ تدابیر واسباب کو اختیار کرو لیکن ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھو۔ اسباب کو اختیار کرکے اعتماد اللہ تعالیٰ پر کرو کہ اگر وہ چاہیں گے تو ان تدابیر واسباب میں اثر ڈال دیں گے اور اگر نہ چاہیں گے تو یہ اسباب ہمارا کام نہیں بناسکتے۔ اسی لیے ایک صحابی نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے اللہ کے بھروسے پر اُونٹ کو کھلا چھوڑ دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُونٹ کو رسّی سے باندھو، پھر رسّی پر بھروسہ نہ کرو، اللہ پر بھروسہ کرو۔ اسی کو مولانا رُومی نے فرمایا۔

گفت پیغمبر بہ آوازِ بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

ترجمہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بھروسے پر اُونٹ کو رسّی سے باندھ دے، لیکن رسّی پر بھروسہ نہ کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں توکّل کی شرعی تعریف یہ ہے: تَرْكِيْبُ الْاَسْبَابِ دُوْنَ الْاِعْتِمَادِ وَالْاِعْتِمَادُ عَلَى اللهِ۔ اسباب کو اختیار کرنا لیکن ان پر اعتماد نہ کرنا اور اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۸؍ ذوقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۰؍ مئی ۱۹۹۳ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

شد صفیرِ بازِ جاں در مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن

ارشاد فرمایا کہ دین کی شکار گاہ میں باز شاہی یعنی جاں بازِ الٰہی کی آواز مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کے نعرے ہیں کہ میں فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا اور سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف رُخ نہیں کرتا اور بجز رضائے الٰہی کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا، اور نعروں سے مراد محض زبانی نعرے نہیں بلکہ غیر اللہ سے عملی اعراض اور قول مقرون بالعمل ہے لہٰذا شاہ بازِ حق، جاں بازِ الٰہی اور عاشقِ حق سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر فانی شکلوں پر مرنے لگے اور مثل گدھ کے مُردہ لاشوں کو کھانے لگے اور جس طرح بازِ شاہی مُردہ جانوروں کی لاشوں سے صَرف نظر کرتا ہوا صرف زندہ شیر کا شکار کرتا ہے اسی طرح عاشقِ حق دنیائے مردار اور حسنِ فانی کی طرف رُخ کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے اور صرف زندہ حقیقی حَیٌّ وَقَیُّوْم تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک اس کا محبوب و مطلوب و مقصود ہے۔

باز دل را کز پئے تو می پرید
از عطائے بے حدت چشمے رسید

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ بازِ قلب جو آپ کے لیے آپ کی طرف اُڑ رہا تھا اور آپ کی رضا کے اعمال کے اختیار کرنے اور غیر رضا کے اعمال سے بچنے کے مجاہدات کر رہا تھا آپ کے کرمِ غیر محدود کے صدقے میں اس کو چشمِ بینا عطا ہوگئی یعنی اہل اللہ کی مصاحبت، ذکر اللہ پر مداومت، گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنت

پر مواظبت کی برکت سے اس کی جان نسبتِ خاصہ مع اللہ کے نور سے مشرف ہوگئی۔

رَبِّ اَتْمِمْ نُوْرَنَا بِالسَّاهِرَة
وَاَنْجِنَا مِنْ مُّفْضِحَاتِ الْقَاهِرَة

اے اللہ! ہمارے نور کو روزِ محشر تام فرمادیجیے اور وہاں کی سخت رُسوائیوں سے ہمیں نجات دیجیے۔

یار شب را روزِ مہجوری مدہ
جانِ قُربت دیدہ رادوری مدہ

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے التجا کررہے ہیں کہ اے اللہ! آدھی رات کے بعد تہجد ومناجات وگریہ وزاری واشکباری کی توفیق عطا فرماکر جس کو آپ نے اپنا دوست بنالیا اس کو جدائی کا دن نہ دکھایئے اور جس جان نے آپ کے قُرب کا مزہ چکھ لیا اس کو دوری کا عذاب نہ دیجیے یعنی گناہ اور نافرمانی کے ان اعمال سے حفاظت بھی مقدر فرمادیجیے جو آپ سے بُعد اور دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔

بُعدِ تو مرگے ست بادرد و نکال
خاصہ بُعدے کاں بود بعد از وصال

اے اللہ! آپ کا بُعد اور دوری تو خود ایک موت ہے اور یہ موت بھی ایسی ہے کہ جس کے بعد بھی چین نہیں ملتا بلکہ الم وعقوبت ساتھ ہوتا ہے، خاص کر وہ دوری تو اور زیادہ تلخ اور الم انگیز ہوتی ہے جو لذّتِ قُرب ملنے کے بعد ہو۔ پس زندگی آپ کے تعلق ومحبت کے بعد زندگی کہلانے کی مستحق ہے ورنہ وہ زندگی نہیں موت ہے، جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ [۱۷۳]

---

[۱۷۳] الانعام: ۱۲۲

کیاوہ شخص جو (بوجہ کفر کے) مردہ تھا پس ہم نے اس کو (ایمان عطافرماکر) زندہ کر دیا۔

معلوم ہوا کہ ایمانی حیات ہی اصلی حیات ہے اور اللہ سے دوری موت ہے، اور یہ اس وقت ہے جبکہ اللہ کے قُرب کا مزہ چکھاہی نہ ہو، اور جس کو قُربِ الٰہی کی لذت مل گئی پھر کسی شامتِ عمل سے وہ اللہ سے دور ہو گیا تو نور کے بعد ظلمت کا احساس نہایت شدید ہوتا ہے، جیسے ایک بینا آدمی کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہے تو اس کو ظلمت سے سخت بے چینی وپریشانی ہوگی، برعکس نابینا کے کہ اگر اندھیرے پر اندھیرے طاری ہوتے رہیں تو نابینا کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ ذاکر ہیں اور اہل اللہ کے تعلق کی برکت سے ہر وقت انوار میں رہتے ہیں ان سے اگر کبھی خطا ہو جاتی ہے تو گناہ کی ظلمت کا احساس ان کو نہایت شدید ہوتا ہے اور ان کے دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود

گر ز باغِ دل خلالے کم بود

سالک پر غموں کے ہزاروں پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے دل میں باغِ قرب سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے۔ اسی کو مولانا نے وصال سے تعبیر فرمایا کہ وصل وقُرب کے بعد فراق زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اللہ سے غافل اور نافرمان جو غرق ظلماتِ معاصی ہیں، گناہوں کے مسلسل ارتکاب سے ان کے باطن میں ظلمت پر ظلمت چڑھتی جاتی ہے، لیکن مثل نابینا کے ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہر ایک کو بچائے۔

آں کہ دیدستت مکن نادیدہ اش

آب زن بر سبزۂ بالیدہ اش

جس نے آپ کو دیکھ لیا اس کو ایسا نہ ہونے دیجیے کہ جیسے اس نے کبھی آپ کو دیکھا ہی نہ تھا یعنی جو توفیقِ اعمالِ صالحہ سے آپ کے قُرب سے مشرف ہو گیا اس کو اپنی ناراضگی کے اعمال میں مبتلا نہ ہونے دیجیے، کیوں کہ جس نے آپ کو دیکھا ہی نہیں وہ اگر آپ کی

نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن جو آپ کے قُرب سے مشرف ہوا اس کا دوری کے عذاب میں مبتلا ہونا سخت تعجب وحیرت اور عبرت کی بات ہے کہ قُرب کا مزہ چکھنے والا کس طرح تلخیٔ فراق پر صبر کیے ہوئے ہے۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود

بازِ سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

اگر چمگادڑ تاریکیوں میں جا کر غلاظت کو چاٹ رہا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، لیکن وہ بازِ شاہی جس نے بادشاہ کی نگاہیں دیکھی ہیں اس کو کیا ہو گیا کہ چمگادڑ کی طرح غلاظتوں میں ملوث ہو رہا ہے۔

لہٰذا اے اللہ! جس نے آپ کا روئے زیبا دیکھ لیا یعنی آپ کے قُرب سے مشرف ہو گیا اس کو اپنی دوری اور بُعد سے معذب نہ ہونے دیجیے بلکہ اس کے نوخیز سبزۂ معرفت کی آبیاری کیجیے یعنی توفیقِ نالہ وفغاں وگریہ وزاری واشکباری سے اس کی محبت ومعرفت میں ترقی عطا فرمایئے۔

ہیں مراں از روئے خود او را بعید

آں کہ او یک بار روئے تو بدید

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی کس عاشقانہ انداز سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں کہ جس شخص نے ایک بار بھی آپ کا جمال دیکھ لیا اس کو کبھی اپنے پاس سے نہ بھگایئے یعنی اپنے کرم سے آپ نے جس کو ایک بار بھی اعمالِ صالحہ، ذکر وفکر اور اپنی یاد اور محبت کی توفیق دے کر اپنا پیارا بنالیا پھر اس کو اپنے قُرب سے محروم نہ فرمایئے یعنی اس کے نفس کے حوالے نہ فرمایئے کہ گناہوں میں مبتلا ہو کر وہ آپ سے دور ہو جائے اور شقاوت وبد بختی اس کو پکڑ لے۔

دید روئے جز تو شد غَلِ گلو

كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ

اے خدا! آپ کے حسن وجمال کے سوا کسی غیر کی طرف رُخ کرنا گلے کا طوق ہے، مصیبت اور غلامی ہے، کیوں کہ آپ کے سوا ہر چیز فانی، باطل اور لاشے ہے۔ یعنی آپ سے صحیح تعلق اور اطاعت وفرماں برداری غیر فانی سکون واطمینان کا سبب ہے کیوں کہ آپ کی ذات پاک باقی، قدیم اور غیر فانی ہے اور آپ کے سوا کسی اور سے دل لگانا بے سکونی، اضطراب اور بے چینی کا ذریعہ ہے کیوں کہ آپ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے اور جو چیز علی معرضِ فنا وزوال ہو اس سے حاصل ہونے والا سکون بھی فانی اور باعثِ تشویش واضطراب ہوگا۔

اور ماسوٰی ہر وہ چیز ہے جس سے مقصود اللہ نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ بھی نہ بن سکتی ہو۔ اس میں ہر گناہ ونافرمانی اور اللہ سے غافل کرنے والے اسباب داخل ہیں کیوں کہ یہ بالکل غیر اللہ ہے جو نہ مقصودِ حق ہو سکتا ہے نہ ذریعۂ مقصود بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا وہ چیزیں جن کا مقصود اللہ ہے یا جو ذریعہ اور وسیلہ ہیں وصول الی اللہ کا وہ ہر گز غیر اللہ نہیں اس لیے وہ بھی مقصود ہیں جیسے اللہ والوں سے تعلق، ماں باپ بیوی بچوں اعزا واقربا کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ سب مقصود ہیں کیوں کہ یہ ذریعہ ہیں حق تعالیٰ کی رضا کا اور رضائے حق مقصود ہے اور مقصود کا ذریعہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ جو تعلق **لِلْحَقِّ** ہوتا ہے وہ **بِالْحَقِّ** ہوتا ہے یعنی جو تعلق اللہ کے لیے ہے وہ اللہ ہی کا تعلق ہے اس کو غیر اللہ سمجھنا نادانی ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! کیوں کہ آپ کے سوا ہر چیز فانی ہے اس لیے آپ کے سوا کسی اور کو چاہنا اپنے گلے میں مصیبت کا طوق ڈالنا ہے۔

باطل اند و می نمایندم رشد
زانکہ باطل باطلاں را می کشد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری نگاہ غلط بیں میں باطل اور فانی چیزیں مثلاً دنیائے فانی کی رنگینیاں اور حسینانِ مجازی وغیرہ جو اصلاً آپ کے غیر ہیں اپنی ظاہری کشش اور ملمع سازی سے مجھے رُشد وصواب معلوم ہوتے ہیں حالاں کہ یہ سب غیر حق اور باطل ہیں لیکن چوں کہ میرا نفس باطل اور **اَمَّارَۃٌ**

بِالسُّوْٓءِ اور مُلْھِمٌ بِالْفُجُوْرِ ہے اس لیے باطل باطل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جس کا علاج اسبابِ فجور سے مکمل دوری اختیار کرنا ہے ورنہ نفس گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا۔

زیں کشش ہاے خدائے راز داں
تو بجذبِ لطفِ خودماں دہ اماں

اے وہ ذاتِ پاک جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ[۱۷۴] ہے! ہمارے سینوں کے تمام رازوں کی رازداں ہے! باطل کے اس انجذاب سے ہمیں اپنے اس جذبِ خاص کے صدقے میں پناہ دیجیے جو آیت اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ[۱۷۵] میں مذکور ہے۔ بس آپ اپنی صفتِ اجتباء کا عکس ہم پر ڈال دیجیے اور ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے کیوں کہ جس کو آپ جذب فرمائیں پھر کون اس کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے نہ اس کا نفس نہ ابلیس نہ ابلیس کی گمراہ کن ایجنسیاں غرض دنیا بھر کی کوئی طاقت اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید ر درماندگاں را واخری

اے اللہ! آپ کی نافرمانی پر اُکسانے والا ہمارا نفس امارہ بالسوء اور گناہ میں مبتلا کرنے والے اسباب مثلاً حسن مجازی یہ سب جذب و کشش رکھتے ہیں اور ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں لیکن اے اللہ! آپ سب پر غالب ہیں اس لیے آپ کی قوتِ جذب بھی سب پر غالب ہے لہٰذا اگر ساری دنیا کے جاذب اور اہلِ کشش ہمیں اپنی طرف کھینچنا چاہیں اور ابلیس اور ابلیس کا لشکر اور اس کی گمراہ کن ایجنسیاں اور دنیا بھر کی طاغوتی قوتیں اجتماعاً ہمارے نفس امارہ بالسوء کو مقناطیسی کمک پہنچائیں تب بھی اے اللہ! وہ آپ کی قوتِ جذب پر غالب نہیں آسکتے کیوں کہ آپ غالب ہیں، عزیز ہیں اور عزیز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ۔[۱۷۶] جو ہر چیز پر

---

[۱۷۴] الانعام:۱۲۲

[۱۷۵] الشوریٰ:۱۳

[۱۷۶] صحیح مسلم:۲/۳۴۳،باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی اللہ،ایچ ایم سعید

غالب ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی اس کو عاجز نہ کرسکے۔ پس اے اللہ! آپ ہم درماندوں اور کمزوروں کے خریدار ہیں شاید کہ آپ ہمیں خرید لیں کیوں کہ آپ نے قرآنِ پاک میں اعلان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ[۱۷۷] اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بدلہ میں جنت کے۔ پس اے اللہ! ہماری جانوں کو جذب فرمالیجیے پھر کوئی جاذب ہمیں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا اور ہم آپ کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغؔر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

احقر کا شعر ہے۔

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

❖❖❖❖

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاؔ
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

۱۷۷؎ التوبة:۱۱۱

از مناجات خاتمِ مثنوی

۱۹/ ذوقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۹۹۳ء

بروز منگل، بعد نمازِ مغرب، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدا سازندۂ عرشِ بریں
شام رادادی توزلفِ عنبریں

اے خدا! اے عرشِ عظیم کے خالق! وہ عرشِ عظیم جو سارے عالم پر محیط ہے اور ساتوں آسمان اور کرسی جس کی وسعت میں مثل ایک حلقۂ انگشتری کے ہیں ایسی عظیم الخلقت مخلوق کے پیدا کرنے والے اللہ! آپ نے شام کو زلفِ عنبریں عطا فرمائی جس کی تاریکی میں نصف شب کے بعد آپ کے عاشقوں کو آپ کی خوشبوئے قرب ملتی ہے اور لذتِ عبادت ومناجات میں ترقی عطا ہوتی ہے۔ مولانا نے صاحبِ عرشِ عظیم کی عظمت بیان کرنے کے لیے عرشِ اعظم کا تذکرہ فرمایا اور خوشبوئے قربِ محبوب کی رعایت سے شام کو زلفِ عنبریں سے تشبیہ دی۔

روز را با شمع کافور اے کریم
کردۂ روشن تراز عقلِ سلیم

اے کریم! آپ نے دن کو شمعِ آفتاب سے ایسا روشن کردیا جس کی روشنی اس لحاظ سے عقلِ سلیم سے زائد ہے کہ اس میں اشیاء بداہتاً نظر آجاتی ہیں جبکہ عقلِ سلیم کو حقیقتِ اشیاء تک رسائی کے لیے دلائل وبراہین واستدلال کا سہارا لینا پڑتا ہے اور عقلِ سلیم پر دن کی یہ فضیلت مِنْ بَعْضِ الْوُجُوْہِ ہے مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ نہیں کیوں کہ دن اور عقلِ سلیم دونوں آپ کی مخلوق ہیں اس لیے من بعض الوجوہ نورِ عقل کو نورِ آفتاب پر فضیلت حاصل ہے مثلاً: عقلِ سلیم دلائل واستدلال سے وجودِ باری تعالیٰ کا ادراک کرتی ہے جبکہ دن کی روشنی یہ استدلال نہیں کرسکتی نہ دوسروں کو قائل کرسکتی ہے۔

خوں بنافِ نافہ مشکے می کنی
سنبل وریحاں چرِ دپشکے کنی

اے خدا! آپ کی قدرتِ قاہرہ خون جیسی گندی اور نجس چیز کو ایک ہرن کی ناف میں خوشبودار مشک بنادیتی ہے اور دوسرا ہرن سنبل وریحان جیسے خوشبودار پھول چرتا ہے لیکن یہ عمدہ غذا اس کے پیٹ میں مینگنی بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص سوکھی روٹی کھاتا ہے اور اس روٹی سے جو طاقت پیدا ہوئی اس سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اس سوکھی روٹی سے اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا مشک پیدا فرمارہے ہیں اور ایک شخص کباب قورمہ اور پلاؤ کھا کر اللہ کے رزق سے پیدا شدہ طاقتوں کو اللہ کی سرکشی و طغیانی میں خرچ کررہا ہے۔ یہ خوشبودار عمدہ غذا اس کے اندر نافرمانی کی غلاظت پیدا کررہی ہے۔ ایک غذا ایک شخص کو مشرف بالقرب کررہی ہے اور وہی غذا دوسرے کو معذب بالبعد کررہی ہے۔ اسی غذا سے ایک شخص ولی اللہ بن رہا ہے اور اسی غذا سے دوسرا مردودِ بارگاہ ہورہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تصرفاتِ عجیبہ اور قدرتِ قاہرہ سے ہمیشہ ڈرتا رہے اور یہ دُعا کرتا رہے: **یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ**[۱۷۸] اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو دین پر قائم فرما۔

قادرا قدرت تو داری بر کمال
اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ ذُوالْجَلَال

اے قادرِ مطلق! تو قدرتِ کاملہ رکھتا ہے، تو ہی میرا رب ہے کہ تو نے رفتہ رفتہ میری پرورش کرکے مجھے اتنا بڑا کردیا۔ ربوبیت کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ کسی چیز کو **شَیْئًا فَشَیْئًا** درجۂ کمال تک پہنچانا، پس تو ہی میرے لیے کافی ہے اور تو ذوالجلال یعنی صاحب الاستغناء المطلق ہے، ہر ایک سے مستغنی ہے لیکن چوں کہ تو رب بھی ہے اس لیے رحمان و رحیم بھی ہے، تیری ربوبیت شانِ رحمت کے ساتھ ہے۔ پس تیری ربوبیت اور تیری کفایت اور تیری شانِ استغناء کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے گناہوں سے مایوسی نہیں بلکہ اُمیدِ

۱۷۸؎ جامع الترمذی: ۳۶/۲، باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن، ایچ ایم سعید

مغفرت ہے بوجہ گناہوں پر ندامت کے۔

اے خدا قربان احسانت شوم
کانِ احسانی بقربانت روم

اے خدا! میں آپ کے احسانات پر قربان ہو جاؤں کہ آپ احسانات کا مخزن و سرچشمہ ہیں پس میری جان آپ پر فدا ہو جائے۔

معدنِ احسانی و ابرِ کرم
فیضِ تو چوں ابر ریزاں بر سرم

اے معدنِ احسان و ابرِ کرم! آپ کا خزانۂ احسان اور فیضِ بخشش و عطا میرے سر پر مثل ابر باراں کے رحمت کی بارش کر رہا ہے۔

از عدم دادی بہ ہستی ارتقا
زاں سپس ایمان و نور اھتدا

آپ نے عدم سے ہمیں وجود کی طرف ترقی دی یعنی عدم سے وجود بخشا اور اس کے بعد ایمان اور نورِ ہدایت بھی عطا فرمایا تاکہ اس زندگی میں اعمالِ صالحہ یعنی امتثالِ اوامر واجتناب عن النواہی کے ذریعے ہماری عبدیت کو عروج وارتقا کی آخری منزل نصیب ہو جائے اور آپ ہماری عبدیت کے سر پر اپنی ولایت ورضامندی کا تاج رکھ دیں۔

اے خدا احسانِ تو اندر شمار
می نتانم با زبانِ صد ہزار

اے خدا! اگر مجھے ایک لاکھ یعنی بے شمار زبانیں عطا ہو جائیں تو بھی میں آپ کے احسانات کو ان زبانوں سے شمار نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ کے احسانات بے حد اور بے شمار ہیں اس لیے آپ نے قرآنِ پاک میں فرمادیا کہ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا[۱۷۹] اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

[۱۷۹] ابراھیم: ۳۴

من بخواب و پاسبانِ من توئی
من چو طفل و حرزِ جانِ من توئی

جب میں سوتا ہوں تو اے اللہ! آپ ہی میری پاسبانی کرتے ہیں اور میں آپ کے سامنے مثل بچہ کے ہوں پس آپ ہی میری جان کی حفاظت کرتے ہیں اور میرے خورد ونوش ولباس وجملہ ضروریات کی کفالت فرماتے ہیں۔

ہندوستان کے بادشاہ عالمگیر نے ایک بزرگ کو خط لکھا کہ میں حیدر آباد دکن فتح کرنے جارہاہوں ورنہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، پس اگر آپ اپنے بزرگوں کی زیارت کے لیے دِلّی تشریف لائیں تو میں بھی آپ کی قدم بوسی کرلوں گا۔ سبحان اللہ! پہلے بادشاہوں کے قلب میں اہل اللہ کا کیا ادب تھا۔ ان بزرگ نے بادشاہ کو جواب تحریر فرمایا کہ:

فقیر را با بزمِ سلطانی چہ کار۔ کریمے دارم چوں گرسنہ می شوم
مہمانی می کند، چوں بخسپم پاسبانی می کند۔ کریمے مابس باقی ہوس

ترجمہ: فقیر کو بادشاہوں کی بزم سے کیا کام۔ میں ایک کریم رکھتا ہوں، جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو وہ میری مہمانی کرتا ہے اور جب سوجاتا ہوں تو میری پاسبانی کرتا ہے۔ مجھے میرا اللہ بس ہے (یعنی کافی ہے) باقی سب ہوس ہے۔

من بعصیاں صَرف وقتِ خود کنم
بینی و از حلم می پوشی برم

میں اپنے اوقاتِ زندگی کو گناہوں میں گزار رہاہوں، جو زندگی آپ کی فرماں برداری کے لیے تھی میں اسے آپ کی نافرمانی میں صَرف کررہاہوں اور آپ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن آپ کا حلم وکرم میری پردہ پوشی کرتا ہے اور مجھے رُسوا نہیں کرتا۔

روزیت را خوردہ عصیاں می کنم
نعمت از تو من بہ غیرے می تنم

آپ کا رزق کھاکر میں آپ ہی کی نافرمانی کرتاہوں۔ آہ! میں کتنا کمینہ ہوں کہ آپ کی دی

ہوئی روٹی سے میرے جسم میں خون بنا، اسی خون سے میرے جسم میں قوت آئی، وہی خون میری آنکھوں میں جا کر قوتِ باصرہ بنا، کانوں میں جا کر قوتِ سامعہ بنا، ناک میں قوتِ شامہ بنا، زبان میں قوتِ ذائقہ بنا لیکن میں آپ کے دیے ہوئے رزق سے پیدا شدہ قوتوں کو اور آپ کی عطا فرمودہ جملہ نعمتوں کو آپ کی نافرمانی میں صَرف کرتا ہوں۔ نعمت تو آپ کی طرف سے ہے لیکن بجائے آپ پر فدا ہونے کے میں آپ کے غیروں سے دل لگاتا ہوں، ان پر متوجہ اور ملتفت ہوں، یہ میرا انتہائی کمینہ پن اور احسان فراموشی اور دناءت ہے۔ جو ایک لقمہ میں حلق سے اُتارتا ہوں اس میں زمین و آسمان، چاند و سورج، ہواؤں اور بادلوں کی خدمات شامل ہیں، ساری کائنات کی خدمت ایک نوالۂ رزق میں لگی ہے تب یہ نوالہ مجھ تک پہنچا ہے لیکن آہ! میں کس غفلت سے اللہ کا رزق کھا کر کس جرأت و بے حیائی سے گناہ کرتا ہوں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادل ہوا، چاند سورج، زمین و آسمان اللہ نے تیری خدمت میں لگا دیے تاکہ جب تو روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت کے ساتھ نہ کھائے بلکہ استحضار رہے کہ میری خاطر پوری کائنات کو میری خدمت میں لگا دیا گیا تب مجھے یہ روٹی ملی ہے۔ ساری کائنات میری مطیع و فرماں بردار بنادی گئی بس یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے۔

جملہ بینی و نہ گیری انتقام
از درِ حلم وکرم آئی مدام

اے اللہ! آپ ہماری سب بے وفائیاں اور کوتاہیاں اور دناءت و کمینہ پن دیکھتے ہیں، مگر

انتقام نہیں لیتے اور اپنے بندوں سے ہمیشہ حلم و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں۔

بر دلِ من سی صد و شصت از نظر
می کنی ہر روز اے ربّ البشر

اے تمام انسانوں کے رب! سال میں تین سو ساٹھ دن ہیں، لیکن آپ کی رحمت پر قربان کہ آپ ہر روز ہمارے دل پر تین سو ساٹھ بار نظرِ کرم فرماتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ بے شمار رحمت ہمارے دلوں پر محیط ہے۔ ان کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

لیک من غافل ز لطفِ بے کراں
چشم دارم ہر زماں با ایں و آں

آپ کی تو مجھ پر ایسی نگاہِ کرم ہے لیکن میں ہوں کہ آپ کے لطف بے کراں سے غافل ہو کر ہمہ وقت ہر کس و ناکس پر نگاہ رکھتا ہوں، آپ کے علاوہ دوسروں سے اپنی اُمیدیں وابستہ کرتا ہوں حالاں کہ میری نگاہ تو ہمہ وقت آپ ہی کی طرف لگی رہنی چاہیے تھی، چشم زدن کو مجھے آپ سے غافل نہ ہونا چاہیے تھا۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ترجمہ: اے سالک! اس شہنشاہ حقیقی تعالیٰ شانہٗ سے ایک لمحے کو بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ تیری طرف نگاہِ کرم فرمائے اور غفلت کی وجہ سے تجھے خبر بھی نہ ہو۔ اور عاشق کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

عالمِ قرب و حضوری میں جب قلب خاصانِ خدا پر تجلیاتِ خاصۂ الٰہیہ کا انکشاف ہوتا ہے تو پلک جھپکنا بھی گراں معلوم ہوتا ہے بوجہ مُخلِ نظارہ ہونے کے۔ یعنی ایک لمحے کی غفلت بھی باعثِ کلفت ہوتی ہے۔

دوست را بر من نظر شد دوختہ
حیف من با دیگراں دل دوختہ

وہ محبوبِ حقیقی تو مجھ پر اپنی خاص نظرِ عنایت کیے ہوئے ہے لیکن افسوس کہ میں نے اپنا دل غیروں سے لگایا ہوا ہے۔

من گنہ آرم تو ستاری کنی
جرمِ من آرم تو معذاری کنی

میں گناہ کرتا ہوں اور آپ ستّاری و پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ میں جرم کرتا ہوں اور آپ اپنے کرم سے معاف فرمادیتے ہیں۔

جرم ہا بینی و خشمے ناوری
اے بقربانت چہ نیکو داوری

اے اللہ! میرے جرائم کو آپ دیکھتے ہیں لیکن اپنا قہر وغضب مجھ پر نازل نہیں فرماتے یہ آپ کا احسان وکرم ہے ورنہ اے اللہ! آپ سے کون بچ کر جاسکتا ہے۔ پس اے میرے مالک! آپ کے اس احسان وکرم پر میں فدا ہوں۔

در مصائب در حوادث ہائے زار
چوں کہ بر من تنگ شد از درد کار

جب مصائب وحوادث وآفات سے زندگی اور زندگی کے اوقات مجھ پر تنگ ہوئے اور میں ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَ ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ[۱۸۰] کی سخت اُلجھن اور گھٹن میں مبتلا ہوگیا۔

یار وخویشانم مرا بگزاردند
زار در دست غمم بسپاردند

---

[۱۸۰] التوبۃ:۱۱۸

جب مجھ کو میرے دوستوں نے بھی چھوڑ دیا اور مجھ بے کس، کمزور اور حیراں و سرگرداں کو غم کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا۔

جز تو کے دیگر دراں سختی رسد
در متاعب ہا تو گشتستی مدد

اس وقت آپ کے سوا کون اس سختی میں میری مدد کو آیا، ان سخت حالات میں آپ ہی نے میری مدد فرمائی۔

در رسیدی زود بگرفتی مرا
وا خریدی از ہمہ سختی مرا

آپ کا کرم ہی اس وقت ہماری مدد کو پہنچا اور ہم گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا اور تمام سختیوں، مصائب و آفات سے ہم کو خرید لیا یعنی بچالیا۔

چوں شمارم من ز احسانِ تو چوں
گر زباں ہر مو شود لطفت فزوں

اگر میرا ہر بُنِ مو یعنی میرا رُواں رُواں اور بال بال زبان بن جائے تب بھی میں آپ کے احسانات کو شمار نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ کا لطف و کرم بے شمار ہے اور زبان محدود۔ اور محدود خواہ کتنی ہی اکثریت میں ہو محدود ہے۔ پس محدود غیر محدود کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے، اس لیے میرا شکر ہمیشہ آپ کے لطف و کرم سے کم ہو گا بلکہ دونوں میں اتنی نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

شکرِ احسان ترا چوں سر کنم
اندریں رہ گو قدم از سر کنم

آپ کے احسان و کرم کا شکر ادا کرنے کے لیے اگر راہِ تشکر میں ہم سر کے بل چلیں تب بھی حقِ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

جان و گوش و چشم و ہوش و پاو دست
جملہ از دُرہائے احسانت پُر است

ہماری جان اور کان آنکھیں اور ہوش اور ہاتھ پاؤں سب آپ کے احسانات کے موتیوں سے پُر ہیں۔ ہماری جان میں ایمان کا خزانہ رکھ دیا، کانوں میں شنوائی کا خزانہ رکھ دیا، آنکھوں میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا وغیر ذالک اور یہ ایسے خزانے ہیں جو نایاب ہیں اور بازارِ دنیا میں دستیاب نہیں۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک اپنے جسم میں انمول، بے مثل اور نایاب خزانے لیے پھرتا ہے۔ ایسے کریم مالک کے شکر کا حق کون ادا کرسکتا ہے۔

ایں کہ شکرِ نعمت تو می کنم
ایں ہم از تو نعمتے شد مغتنم

یہ جو میں آپ کا شکر ادا کر رہا ہوں یہ توفیقِ شکر خود ایک نعمت مغتنم ہے یعنی مفت بخشی ہوئی نعمت ہے۔ پس جب یہ توفیق بھی نعمت ہے تو اس پر شکر واجب ہوا پھر اس توفیقِ شکر پر شکر واجب ہو گا، لہٰذا ادائے شکر میں تسلسل لازم آتا ہے جو عقلاً محال ہے، اس لیے ثابت ہوا کہ کوئی آپ کے احسانات کے شکر کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں۔

شکرِ ایں شکر از کجا آرم بجا
من کئیم از تست توفیق اے خدا

توفیقِ شکر پر شکر ہم کہاں تک کرسکتے ہیں کیوں کہ ہر شکر دوسرے شکر کو مستلزم ہے جس کا تسلسل عقلاً محال ہے یعنی مسلسل شکر پر قدرت عقلاً محال ہے پس ہم کیا ہیں جو حقِ شکر ادا کرسکیں، لہٰذا آپ کے شکر کا حق ادا کرنے میں ہم عاجز و قاصر ہیں۔ جو کچھ شکر کی توفیق ہے وہ سب آپ کے کرم کی ممنون ہے اگرچہ وہ شکر آپ کی نعمتوں کے مقابلے میں بے حقیقت ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

آج سے تقریباً سات سو سال قبل حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں محبتِ الٰہیہ کی آگ روشن ہوئی جو بعد ازاں حضرت جلال الدین رومی کے سینے میں منتقل ہوئی اور اشعار کی صورت میں مثنوی مولانا روم میں تاقیامت محفوظ ہوگئی۔ آج اسی مثنوی شریف کی شرح رومی ثانی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سارے عالم میں نشر ہورہی ہے اور لاکھوں قلوب کو اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت سے تڑپا رہی ہے۔

پیش نظر کتاب "فغانِ رومی" شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جلال الدین رومی کے مناجاتیہ اشعار کی اپنے مخصوص ومنفرد عاشقانہ انداز میں نہایت درد بھری شرح فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناجاتِ رومی کی ایسی شرح آج تک نظر سے نہیں گزری۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کتاب کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کے حضور نہ صرف دعا مانگنے کا طریقہ آئے گا بلکہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ بھی لگ جائے گی۔

www.khanqah.org

ناشر

کتب خانہ مظہری

فغانِ رومی



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

فغانِ رومی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

به فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
به اُمیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : فُغانِ رُومی

مؤلف : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : یکے از خدام حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل : جمادی الاوّل ۱۴۲۱؁ھ اگست ۲۰۰۰؁ء

اشاعتِ ثانی : ۴؍ جمادی الثانی ۱۴۳۷؁ھ مطابق ۱۴ مارچ ۲۰۱۶؁ء بروز پیر

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، 92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

دروسِ مناجاتِ رُومی

از مناجات خاتمِ مثنوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مرتب

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، اَمَّا بَعۡدُ

سات سو سال پہلے حضرت شمس الدین تبریزی کے سینے کی آگ جو حضرت جلال الدین رومی کے سینے میں منتقل ہوئی اور آتش فشاں بن کر مثنوی کی صورت میں زبانِ رومی سے بر آمد ہوئی، اس کی شرح سات سو برس بعد اس زبان مبارک سے ہوئی جس کو عصرِ حاضر کے بڑے بڑے علماء حتیٰ کہ ایران کے صاحبِ زبان اہلِ حق علماء نے بھی رُومی ثانی کا لقب دیا ہے اور جن کی آتشِ درد اور آہِ دل عصرِ حاضر کے شمس تبریزی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روشن کردہ و پروردہ ہے، جیسا کہ شارحِ مثنوی حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے خود فرمایا ہے کہ ؎

آہِ من پروردۂ آہِ شما
دردِ من پروردۂ دردِ شما

ترجمہ: اے شاہ عبد الغنی! میری آہ آپ کی آہوں کی تربیت یافتہ اور میرا درد آپ کے درد کا پروردہ ہے۔

پیش نظر کتاب "فُغانِ رُومی" مولانا جلال الدین رُومی کے مناجاتیہ اشعار کی درد بھری شرح ہے جو مُرشدی و مولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔ یہ خالی لفظی شرح نہیں ہے بلکہ حضرت والا کی وہ آتشِ دردِ دل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو خاص فرمایا اور جو اُمت میں خال خال ہی کو عطا ہوئی بلکہ بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس دردِ دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو منفرد فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مناجاتِ رُومی کی ایسی شرح آج تک نظر سے نہیں گزری اور شاید ہی کسی زبان میں موجود ہو، کیوں کہ جب ایسے قلوب ہی نایاب ہیں تو زبان کہاں سے آئے گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ[1]

کسی کے دو شعر کیا خوب ہیں جو حضرت والا کے مقامِ عشق اور دردِ محبت کی انفرادی شان کے ترجمان ہیں ؎

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

میں حیرت وحسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

راقم الحروف عرض رسا ہے کہ الحمد للہ تعالیٰ! حضرت والا سراپا محبت ہیں، عشق کا سمندر ہیں، نہ جانے کتنے دریائے محبت حضرتِ اقدس کے سینۂ مبارک میں موجزن ہیں، لیکن ہم جیسے کور باطن اس کا کیا ادراک کرسکتے ہیں۔ در حقیقت حضرت والا دامت برکاتہم مولانا رُومی کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
واندرونِ من نہ جست اسرارِ من

ترجمہ: ہر شخص اپنے گمان کے مطابق میرا دوست بنا ہوا ہے، لیکن میرے دل کے رازِ محبت سے کوئی واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو وہ نظر عطا فرمائے جو حضرت والا کو پہچان سکے ؎

ترے صدقہ میں اسے چشمِ بصیرت ہو عطا
آہ عشرت نے بھی اب تک تجھے پہچانا نہیں

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت والا کی صحیح معنوں میں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور صحیح معنوں میں استفادہ کی توفیق دے اور حضرت کا سایۂ عاطفت ایک سو بیس سال تک مع صحت وعافیت ودین کی عظیم الشان وبے مثال خدمت اور شرفِ قبولیت کے ہمارے سروں پر قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

---

[1] سنن ابن ماجۃ:۲/۴۰۵،باب فضل الحامدین،المکتبۃ الرحمانیۃ

اس کتاب کے مطالعے سے ان شاء اللہ تعالیٰ صرف دُعا مانگنے کا طریقہ ہی نہیں آئے گا بلکہ دل میں اللہ کی محبت کی آگ بھی لگ جائے گی۔

مناجاتِ رُومی کے اس درس کا اکثر حصہ ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۹۹۱؁ء میں ری یونین سے تشریف لانے والے حضرت والا سے منسلک بعض علماء اور دیگر حضرات کی درخواست پر دیا گیا۔ یہ حضرات تقریباً آٹھ ماہ تک خانقاہ میں مقیم رہے، اس لیے وقتاً فوقتاً درس ہوتا رہا۔ اس کے بعد بقیہ حصہ ۱۴۱۳؁ھ مطابق ۱۹۹۳؁ء میں مکمل ہوا جب یہ حضرات ری یونین سے دوبارہ تشریف لائے اور اب ۱۴۲۱؁ھ مطابق ۲۰۰۰؁ء میں الحمد للہ تعالیٰ! اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ حضرت والا کے بعض مضامینِ جدیدہ و علومِ نافعہ اور اشعار وغیرہ مضمون کی مناسبت کی وجہ سے بعض مقامات پر شامل کر دیے گئے ہیں جو دورانِ درس بیان نہ ہوئے تھے۔ بعض جگہ تو اس کی نشان دہی کر دی گئی کہ یہ مضمون بعد کا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اظہار نہیں کیا جاسکا، کیوں کہ مقصود نفع رسانی ہے نہ کہ تاریخی ریکارڈ کی درستگی۔

الحمد للہ! آج مؤرخہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۲۱؁ھ مطابق ۲۸/ جولائی ۲۰۰۰؁ء بروز جمعہ ''فغانِ رومی'' کی کمپوزنگ مکمل ہوئی اور طباعت کے لیے دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور قیامت تک اُمتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائیں، آمین۔

جامع و مرتب

یکے از خدّام

عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

دامت ظلالهم علينا وعلىٰ سائر المسلمين

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فُغانِ رُومی

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۱؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدائے باعطا و باوفا
رحم کن بر عمرِ رفتہ بر جفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ باعطا بھی ہیں اور باوفا بھی ہیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ عطا کو وفا سے کیا نسبت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہر عطا کا سبب وفا اور محبت ہے۔ حق تعالیٰ کے جو بے پایاں عطا و انعامات ہیں ان کا سبب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے۔ اور دنیا کے جتنے باعطا لوگ ہیں کسی مرحلے پر وہ وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہوجاتے ہیں، مثلاً: کسی کا گہرا دوست مقروض ہوگیا اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے دوست کی مدد کرے لیکن اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ اس کا قرض ادا کرسکے یا دوست کی دشمن پٹائی کررہے ہیں اور یہ دوست کی مدد کو آیا لیکن چار دشمنوں نے اسے بھی پکڑ لیا، یہ شخص باوفا ہونے کے باوجود باعطا ہونے پر قادر نہیں، وفا سے مجبور اور عطا سے معذور ہوگیا۔ لیکن اے اللہ! صرف آپ کی ذات ہے کہ کوئی چیز آپ کی عطا میں مانع نہیں ہوسکتی کیوں کہ آپ عَزِیۡز ہیں،

زبردست طاقت والے ہیں، اور عَزِیْز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ [۲] یعنی جو ہر چیز پر قادر ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی چیز اس کو عاجز نہ کرسکے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ [۳]

یہ لَا نفی جنس کا ہے کہ اے اللہ! جنس کی کوئی نوع یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ آپ عطا فرمانا چاہیں اور وہ اس میں مانع ہوجائے اور جس کو آپ اپنی عطا سے محروم کریں تو کوئی عطا کرنے والا اس کو عطا نہیں کرسکتا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہ تین اندھیروں میں تھے: رات کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور دریا کی تہہ کا اندھیرا اور فَھُوَ کَظِیْمٌ [۴] وہ گھٹ رہے تھے۔ وہاں کون تھا جو آپ کے پیغمبر کو اس امتحان سے نجات دیتا، لیکن آپ کی عطا میں کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور دریا کی تہہ میں آپ نے سنگ ریزوں سے پڑھوادیا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [۵]

اور اشارہ دے دیا کہ یہ پڑھ لو تو نجات پاجاؤ گے۔ اور سُبْحٰنَكَ میں یہ علم پوشیدہ ہے کہ اس وقت بھی جبکہ مچھلی نے نگل لیا ہے آپ اس وقت بھی پاک ہیں ہر ظلم سے، آپ ظالم نہیں ہیں، میں ہی ظالم ہوں۔ تو آپ ایسے باعطا ہیں۔ اور باوفا کیسے کہ اپنے پیاروں اور وفاداروں کی سات پشت بلکہ دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا [۶]

اور وہ دیوار جس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا، گر رہی تھی، آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کو بنوادیا تاکہ ظالم بادشاہ اس خزانے کو نہ چھین سکے اور اس عطا

۲؎ مرقاۃ المفاتیح:۵/۴۶۳، باب قصۃ حجۃ الوداع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۳؎ صحیح البخاری:۱/۱۱۷(۸۴۸)، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، المکتبۃ المظھریۃ

۴؎ یوسف:۸۴

۵؎ الانبیاء:۸۷

۶؎ الکھف:۸۲

اور کرم کی وجہ آپ نے قرآنِ پاک میں بیان فرمائی وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کہ ان دونوں بچوں کا باپ ہمارا وفادار اور پیارا تھا۔ اور یہ باپ کون تھا؟ روایت میں ہے کہ كَانَ الْاَبَ السَّابِعَ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلْاَبَ الْعَاشِرَ [۷] یہ ساتواں باپ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ دسواں باپ تھا۔ آہ! آپ کیسے باوفا ہیں کہ جو آپ کا ہوجاتا ہے آپ اس کی دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں۔ دنیا میں بھی ہمارے ساتھ ہیں، قبر میں بھی ہمارے ساتھ ہوں گے، میدانِ محشر میں بھی اور پلِ صراط پر بھی اللہ ہی ساتھ دے گا۔ ہمارا مالک دونوں جہاں کا مالک ہے اور دونوں جہاں میں صرف وہی باوفا ہے۔

اور دنیا کے باعطا بادشاہ اگر مجرموں کو معاف بھی کرتے ہیں تو عدالتِ عالیہ میں اس کا سابقہ ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اگر آیندہ کبھی وہ پھر بے وفائی کرے تو اس کا سابقہ ریکارڈ فردِ جرم عائد کرنے میں ثبوت فراہم کرے، لیکن اے اللہ! آپ ایسے باعطا ہیں کہ جس کو معاف کرتے ہیں اس کا سارا ریکارڈ ضایع کردیتے ہیں، تاکہ میرا بندہ قیامت کے دن رُسوا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَى اللهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوْبَهٗ وَاَنْسٰى ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ وَمَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللهِ بِذَنْبٍ [۸]

جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہوں کو بھلادیتے ہیں اور اس کے جوارح یعنی اعضائے جسم جو اس کے خلاف گواہی دیتے ان کو بھی بھلادیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا (اور وہ زمین اس کے خلاف گواہ ہوتی) اس زمین سے بھی اس کے گناہوں کے نشانات کو مٹادیتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہوں پر کوئی شہادت دینے والا نہ ہوگا۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ تو ایسے باعطا اور باوفا ہیں اور ہم اتنے ہی بے وفا اور پُر جفا ہیں۔

۷؎ روح المعانی: ۱۶/۱۱۳، الکہف (۸۲)، داراحیاء التراث، بیروت

۸؎ کنز العمال: ۴/۲۰۹ (۱۰۱۷۹)، باب فضل التوبۃ والترغیب فیہا، مؤسسۃ الرسالۃ

مجھ سے طغیانی و فسق و سرکشی
تجھ سے بندہ پروری ہوتی رہی

لٰہذا اے اللہ! ہماری جفاؤں پر اور ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمایئے کہ آپ کریم ہیں، آپ ہماری اس عمر پر جو گناہوں میں گزر گئی رحم فرما دیجیے۔

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہمیں ایسی زندگی بخشی ہے کہ جس کے ایک روز کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے۔ اس کی ایک سانس میں انسان کافر سے مومن، فاسق سے ولی، جہنمی سے جنتی بن سکتا ہے اور اگر اس کی قیمت نہ پہچانی اور زندگی کو ضایع کر دیا تو موت کے وقت حسرت ہوگی کہ آہ! جس سانس میں ہم اللہ کو راضی کر کے دائمی جنت حاصل کر سکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں ضایع کر دیا اور موت کے وقت وہ مہلت ختم ہوگئی۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا[۹]

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کی میعاد (عمر) ختم ہونے پر آجاتی ہے۔ اس وقت اس زندگی کی ایک سانس کی قیمت معلوم ہوگی کہ اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دے کہ مجھے ایک لمحے کی مہلت دے دو تا کہ میں توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لوں تو مہلت نہ ملے گی۔ یہ ایسی قیمتی زندگی ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں توفیق دے دیجیے کہ ہم آپ کو یاد کر کے اور آپ کو راضی کر کے اور مہلتِ حیات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر ابدی کامیابی حاصل کر لیں۔

خرچ کردم عمرِ خود را دمبدم
در دمیدم جملہ را در زیر و بم

اے خدا! ایسی قیمتی زندگی کو میں نے زیر و بم یعنی لہو و لعب میں پھونک ڈالا۔

---

۹ المنافقون:۱۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۲؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خدا فریاد ازیں فریاد خواہ
داد خواہم نے زکس زیں داد خواہ

ارشاد فرمایا کہ یہاں فریاد سے پہلے بشنوید محذوف ہے یعنی اے خدا! اس شخص کی فریاد کو سن لیجیے جو اس وقت فریاد کر رہا ہے۔ میں کسی سے انصاف نہیں چاہتا مگر اس ذات سے جو انصاف عطا فرمانے والی ہے، یعنی اے داد خواہی کرنے والے! اپنے نفس ہی کے ظلم کی آپ سے داد خواہی کرتا ہوں اور آپ سے انصاف چاہتا ہوں۔ اور دوسرے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ میں بخشش چاہتا ہوں اس ذات سے جس کو بخشش کرنا محبوب ہے۔

مولانا کی مراد یہ ہے کہ اے فریادیوں کی فریاد سننے والے! آپ سے فریاد ہے کہ آپ نے آیت فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[1] نازل فرما کر ہمیں دو قسم کا اختیار دیا ہے: تقویٰ کا بھی اور فسق و فجور کا بھی، جس سے ہم بہت بڑی آزمایش میں ہیں۔ فرشتے تو مجبورِ اطاعت ہیں، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، لیکن ہمارے اختیار کے درخت میں دو شاخیں ہیں: ایک شاخ اطاعت کی ہے اور دوسری شاخ نافرمانی کی ہے کہ اگر چاہو تو تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا میٹھا پھل حاصل کرلو اور اگر چاہو تو گناہ کرکے اللہ کے غضب کا کڑوا پھل لے لو، یعنی ہمیں اختیار ہے کہ چاہو تو اللہ کے فرماں بردار بن کر ولی اللہ اور رشک بایزید بن جاؤ اور چاہو تو نافرمانی کرکے ننگِ ابلیس اور ننگِ یزید بن جاؤ۔

اے خدا! فریاد ہے کہ اختیارِ خیر و شر کی کشمکش سے ہم سخت آزمایش میں ہیں کیوں کہ ہمارا نفس بہت نالائق ہے جس سے ہمیں سخت خطرہ ہے کہ آپ کے دیے ہوئے

---

[1] الشمس: ۸

اختیار کو غلط استعمال کر جائے گا یعنی اطاعت وفرماں برداری کی شاخ پر بیٹھنے کے بجائے فسق ونافرمانی کی شاخ پر بیٹھ جائے گا کیوں کہ اس کی فطرت آپ نے بیان فرمادی کہ **لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ**[۱۱] ہے، لہٰذا اندیشہ ہے کہ نیکی اور بدی کے اختیار میں اپنی فطرت کے سبب یہ بدی کو ہی اختیار کرے گا، لہٰذا اپنے اس ظالم نفس کے خلاف آپ کی عدالتِ عالیہ میں فریاد داخل کر رہا ہوں کہ اس نفس نالائق کو آپ مجھ پر اختیار نہ دیجیے، اس کے اختیار سے مجھ کو خرید لیجیے اور اپنے خاص کرم اور خاص توفیق سے مجھے نیک کاموں پر مضطر کر دیجیے۔

دراصل مولانا کا یہ شعر مشکوٰۃِ نبوت سے مستنیر ہے اور اس حدیثِ پاک کی شرح ہے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ، اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ، وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۱۲]

جب دشمن ستاتا ہے تو مظلوم سرکار کی عدالتِ عالیہ میں استغاثہ دائر کرتا ہے اور وہ مُدَّعی کہلاتا ہے اور جس کے خلاف استغاثہ دائر ہوتا ہے اس کو مدعیٰ علیہ کہتے ہیں اور فریاد کے مضمون کو استغاثہ کہتے ہیں۔

اس دُعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھادیا کہ جب تمہیں کوئی ستائے خواہ وہ تمہارا داخلی دشمن نفس ہو یا خارجی دشمن شیطان یا انسان ہو تو تم حیّ و قیّوم کی سرکارِ عالیہ میں اپنا استغاثہ وفریاد داخل کر دو، کیوں کہ یہ وہ سرکارِ عالیہ ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں، حق تعالیٰ کی ذات حَیّ ہے: **اَیْ اَزَلًا اَبَدًا وَحَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا** یعنی اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی سے ہر شے کی حیات قائم ہے اور اللہ **قَیُّوْمٌ** بھی ہے یعنی **قَآئِمٌ بِذَاتِہٖ، وَیُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاھِرَۃِ** یعنی جو اپنی ذات سے قائم ہے اور دوسروں کو اپنی صفتِ قیومیت سے سنبھالے ہوئے ہے، یہ معنیٰ ہیں **حَیٌّ وَقَیُّوْمٌ** کے۔

اور جس عدالت میں یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ حق تعالیٰ کی رحمت کی

---

[۱۱] یوسف:۵۳

[۱۲] کنزالعمال:۱۳۹/۲، (۳۴۹۸)، الباب الثامن: الدعاء، الفصل الخامس: أدعية المؤقتة، الفرع الثالث: أدعية الصباح والمساء، مؤسسة الرسالة

عدالت ہے **بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی عدالت میں اپنی فریاد داخل کرتا ہوں۔ اور مضمونِ استغاثہ ہے:

اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

جس میں فریاد کا ایک مثبت اور ایک منفی مضمون ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر حالت کی اصلاح کی مثبت فریاد ہے اور نفس کے حوالے نہ کرنے کی منفی فریاد ہے، اور دنیوی عدالتوں میں جب مظلوم فریاد کرتا ہے تو مضمونِ استغاثہ طویل ہو جاتا ہے اور پھر بھی کثرتِ الفاظ میں مفہوم قلیل ہوتا ہے لیکن کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ دو مختصر جملوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جہاں کی حاجتیں پیش فرمادیں، کیوں کہ آپ **جَوَامِعُ الْكَلِمِ** یعنی کلماتِ جامعہ سے نوازے گئے تھے۔ **جَوَامِعُ الْكَلِمِ** کے معنٰی ہیں کہ قلیل الفاظ میں کثیر معانی پنہاں ہوتے ہیں۔

فریاد کا مثبت مضمون **اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ** ہے، یعنی میری ہر حالت کو درست فرمادیجیے، خواہ وہ حالت دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ مثلاً: اگر کوئی دشمن ستارہا ہے تو اس کی ایذا رسانیوں سے نجات دے دیجیے، کوئی جسمانی خطرناک مرض پیدا ہو رہا ہے تو اس کو شفا عطا فرمادیجیے۔ اسی طرح آخرت کے کاموں میں غفلت ہو رہی ہو، نماز روزہ میں سستی ہو رہی ہو تو اس کو دور فرمادیجیے، کسی گناہ کی عادت ہو تو اس سے توبہ کی توفیق دیجیے اور تقویٰ کی دولت عطا فرمادیجیے۔ یعنی جسمانی صحت بھی عطا فرمائیے اور رُوحانی صحت بھی عطا فرمائیے اور بگڑی کو بنادیجیے اور اپنے نام کی لذت اور عبادت کی مٹھاس اور ایمان کی حلاوت نصیب فرمادیجیے اور **كُلَّهٗ** تاکید ہے یعنی ہماری کوئی حالت ایسی نہ رہنے پائے جس پر آپ اپنی نگاہِ کرم نہ ڈالیں اور ہماری بگڑی کو نہ بنادیں۔ بس دنیا کی ہر حالت کی درستگی کی اور آخرت کی ہر حالت کی درستگی کی فریاد **اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ** کے اس مختصر سے جملے میں ہے۔ کلامِ نبوت کی جامعیّت کا یہ اعجاز ہے۔

اور استغاثہ کا منفی مضمون **وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ** ہے، اور جس

کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ مدعیٰ علیہ کون ہے ؟یعنی وہ کون دشمن ہے جس کے خلاف رحمتِ الٰہیہ کی عدالت میں یہ فریاد داخل کی جارہی ہے ؟ وہ نفس ہے جس کا ذکر استغاثہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ سب سے بڑادشمن میرا نفس ہے اور یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پلک جھپکنے میں وار کرکے آدمی کو تباہ کرسکتا ہے۔ دیکھیے کتنا ہی بڑا دشمن ہو، حملے کے لیے پہلے کچھ اسلحہ سنبھالے گا،کچھ خود سنبھلے گا،وار کے لیے کچھ نشانہ لگائے گا، پلک جھپکتے ہی وار نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ صرف نفس دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو ہلاک کرسکتا ہے، پلک جھپکی اور قصداً کفر کا عقیدہ دل میں ڈال دیا اور اسی وقت کافر بنادیا یا پلک جھپکنے میں کسی گناہ کا ارادہ دل میں ڈال دیا اور گناہ میں مبتلا کرکے فاسق بنادیا۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو سکھارہے ہیں کہ اے اللہ !پلک جھپکنے بھر کو مجھے میرے نفس دشمن کے حوالے نہ کیجیے کیوں کہ میرا سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ[۱۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے اور اس سے مراد نفس ہے جو پہلو میں چھپا بیٹھا ہے اور گھر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، شیطان تو باہر کا دشمن ہے، وہ تو ایک بار وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ایک ہی آدمی کے پیچھے لگا رہے، لیکن نفس تو ہر وقت پہلو میں ہے لہٰذا بار بار گناہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ میں یہی فرق ہے کہ اگر ایک بار گناہ کا تقاضا ہوا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جب بار بار گناہ کا تقاضا ہو تو ہوشیار ہوجاؤ کہ یہ نفس کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی حقیقت بتادی کہ

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

---

۱۳ روح المعانی:۱/۵۷، البقرة (۱۲۳)، ذکرہ فی باب الاشارات، دار احیاء التراث، بیروت/مرقاة المفاتیح:۳/۲۷۲، باب التطوع، دار الکتب العلمیة، بیروت

یعنی کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے، بہت زیادہ بُرائی پر اُکسانے والا ہے لہٰذا نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ جس پر حق تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ ما ظرفیہ زمانیہ مصدریہ ہے جس کا ترجمہ ہوگا اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ[۱۴] کہ جس وقت میرے رب کی رحمت کا سایہ ہوگا تب نفس کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

پس اسی حدیثِ پاک کی روشنی میں مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں کہ اے فریادیوں کے فریاد رس! میری فریاد کو سن لیجیے کہ میں اپنے نفس کی بیداد کی آپ ہی سے دادرسی چاہتا ہوں کہ مجھے میرے اس نفسِ امّارہ کے اختیار کے حوالے نہ کیجیے ورنہ یہ نفس مجھ کو بدی کی راہ پر لے جائے گا، لہٰذا نفس کے ہاتھوں سے مجھے خرید کر اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے۔ اگر آپ کی رحمت کا سایہ اس نفس پر پڑ گیا تو یہ کرگس بھی پھر بازِ شاہی اور بازِ سلطانی کا کردار ادا کر سکتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں سجدہ ریز و اشکبار ہو سکتا ہے، اور میرے قلب و جاں آپ سے اس درجہ چپک سکتے ہیں کہ ساری کائنات مجھے آپ سے ایک بال کے برابر جدا نہیں کر سکتی، لہٰذا آپ ہمیشہ اور ہر لحہ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے، ایک لمحے کے لیے مجھ کو میرے نفس کے سپرد نہ کیجیے، ورنہ خوف ہے کہ یہ راہِ طاعت و سعادت کو چھوڑ کر راہِ شقاوت اختیار کر لے، کیوں کہ معصیت شقاوت کی راہ ہے اور ترکِ معصیت نزولِ رحمت کی دلیل ہے، اسی لیے ہمیں حدیثِ پاک میں یہ دُعا بھی سکھائی گئی:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِكَ[۱۵]

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرمادے جس سے ہمیں گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو اور اپنی نافرمانی سے ہمیں شقی اور بدبخت نہ ہونے دیجیے وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اور ہمیں ایک پل کے لیے ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔ اس شعر میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یہی فریاد کر رہے ہیں جس کی تعلیم مذکورہ حدیثِ پاک میں دی گئی ہے۔

---

[۱۴] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۵] کنز العمال: ۲/۱۷۶ (۳۶۱۷)، باب جوامع الادعیة، مؤسسة الرسالة

داد خود چو من ندادم در جہاں
عمر شد ہفتاد سال از من جہاں

میں نے دنیا میں خود اپنے ساتھ انصاف نہیں کیا یعنی گناہ کر لیے اور اپنے اُوپر ظلم کیا یہاں تک کہ عمر کے ستر سال گزر گئے اور میں تن پروری و تن پرستی میں مشغول رہا۔ جسم کا جو گھوڑا مجھے اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے میں آخرت کا سفر طے کروں یعنی اپنے اعضاء سے نیک اعمال کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کروں، لیکن میں جسم کی سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا اور اس کی آرایش وزیب وزینت میں مشغول ہو کر سفر سے غافل ہو گیا حالاں کہ یہ سواری مقصود نہ تھی، ذریعۂ مقصود تھی، منزلِ مقصود رضائے حق اور فلاحِ آخرت تھی، لیکن آہ! میں نے ظلم کیا کہ اپنے مقصود سے غافل ہو گیا اور آخرت کا سفر طے کرنے کے بجائے اس جسم کو حرام لذتیں دیتا رہا، یہاں تک کہ اب میں عمر کے آخری حصے میں پہنچ گیا اب سوائے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا[۱۶] کے کوئی چارہ نہیں۔ پس آپ میری نالائقیوں کو معاف فرمادیجیے اور توبہ سے میرے ماضی کو معاف اور حال کو اصلاحِ اعمال سے درست اور مستقبل کو عزم علی التقویٰ سے روشن فرمادیجیے۔

دادِ خود از کس نیابم جز مگر
زانکہ ہست از من بمن نزدیک تر

میں کسی سے بخشش ورحم وانصاف نہیں پاسکتا حتّٰی کہ اپنے نفس اور اپنی جان سے بھی نہیں پاسکتا، بلکہ صرف اس ذات سے پاسکتا ہوں جو میری رُوح اور نفس سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہے، یعنی اے اللہ! بخشش وانصاف میں صرف آپ سے پاسکتا ہوں، کیوں کہ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[۱۷]

---

۱۶ الاعراف:۲۳

۱۷ قٓ:۱۶

ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ احقر کا ایک قطعہ اس مقام کے مناسب ہے اس لیے نقل کرتا ہوں۔

ایسا محبوب کوئی دکھلائے
ہو جو ہر دم دلِ حزیں کا حبیب

جو ہو موجود دل کی دھڑکن میں
رگِ جاں سے بھی ہو زیادہ قریب

پس جب میرا نفس اور میری رُوح آپ کے مقابلے میں مجھ سے دور ہیں اور آپ میرے نفس و رُوح سے بھی نزدیک تر ہیں، لہٰذا آپ ہی بخشش و عطا کے اہل ہیں، اس لیے میں آپ ہی سے فریاد رسی و داد خواہی کروں گا، فَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ کیوں کہ آپ ہی اس قابل ہیں جس سے مدد طلب کی جائے اور ہماری مدد کو پہنچنا آپ پر احساناً و تفضّلاً واجب ہے، اور ہم میں گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر آپ کی حفاظت سے اور نیکیوں کی قوت نہیں ہے مگر آپ کی مدد سے۔

ایں چہ غل است اے خدا بر گردنم
ورنہ غل باشد کہ گوید من منم

اے خدا! یہ کیسا طوق ہے جو مثل قیدیوں کے میری گردن میں پڑا ہوا ہے۔ دراصل یہ عُجب و کِبر کا طوق ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ طوق میری گردن میں نہ ہوتا یعنی عُجب و کِبر میں ابتلاء نہ ہوتا تو کون کہتا کہ میں میں ہوں۔ یہ میں میں کرنا دلیل ہے کہ یہ شخص عجب و کبر میں گرفتار ہے۔ عُجب نام ہے خود بینی و خود ستائی کا یعنی اپنے کو اچھا سمجھنا اور کسی خوبی اور صفت مثلاً اپنے علم و عمل یا حسن و جمال یا دولت و مال وغیرہ کو اپنا ذاتی کمال سمجھنا، عطاءِ حق نہ سمجھنا اور کبر یہ ہے کہ اپنے کو اچھا بھی سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو قبول نہ کرنا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں کبر کی علامت بیان فرمائی

گئی کہ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ[۱۸]۔ اور عُجب و کِبر دونوں حرام ہیں اور اللہ کے قُرب سے محروم کرنے والے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عُجب و کبر کا یہ طوق اتنا خبیث ہے جو نفس کا قیدی بنادیتا ہے اور ایسا شخص اپنی ہی صفات پر نظر رکھتا ہے کہ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں اور یہ احمق نہیں جانتا کہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی طرف سے چند روز کے لیے امتحاناً مستعار عطا ہوئی ہیں جس وقت چاہے اللہ ان کو چھین سکتا ہے اور موت کے وقت تو یقیناً چھین لی جائیں گی، اسی لیے معجب (عُجب والا) اپنی ذات سے وابستہ اور حق تعالیٰ کی رحمت سے دور اُفتادہ ہوتا ہے۔ حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ جس وقت اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں بُرا ہوتا ہے اور جس وقت اپنی نظر میں بُرا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھا ہوتا ہے، اسی لیے مستحقِ رحمت ہوتا ہے۔ اور اپنے کو اچھا سمجھنے والا مستحقِ لعنت ہوتا ہے۔ اور خود بینی کی ایک مثال میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ جیسے کوئی عشق کا دعویٰ کرنے والا محبوب کے سامنے ہو اور بجائے محبوب کو دیکھنے کے آئینے میں اپنے ہی خدوخال دیکھ رہا ہو تو بتایئے ایسے عاشق کو محبوب پسند کرے گا؟ یا جوتے مار کر بھگا دے گا؟ اسی طرح خود ستائی و خود بینی والا حق تعالیٰ کی نظر میں سخت مبغوض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قُرب سے محروم فرمادیتے ہیں۔ یہی مضمون احقر نے اپنی فارسی مثنوی میں بیان کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

ہمچنیں عاشق کہ معشوقے بدید
پیشِ آں معشوق روئے خود بدید

پس چرا غیرت نیاید دلبراں
ہمچنیں عشاق را چو خر براں

جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کے سامنے ہو، لیکن محبوب کو دیکھنے کے بجائے آئینے میں

۱۸ صحیح مسلم: ۶۵/۱، باب تحریم الکبر و بیانہ، ایچ ایم سعید

اپنے چہرے کو دیکھ رہا ہو، تو کیا محبوب کو غیرت نہ آئے گی اور ایسے عاشق کو گدھے کی طرح ہانک کر اپنے پاس سے بھگا نہ دے گا؟

اور کبر عُجب سے اشدّ ہے کہ متکبّر خود کو اچھا ہی نہیں سمجھتا دوسروں کو حقیر بھی سمجھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں اور مخلوق کی نظر میں بھی ذلیل کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَّفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِّنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ [۱۹]

جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کو خدا گرا دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے مگر اپنے دل میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

مولانا کا مقصد اس شعر سے یہ ہے کہ اے اللہ! عجب و کبر کا طوق ہماری گردن میں ہے اور ہم اس سے پاکی اور براءت کا اعلان کیسے کر سکتے ہیں جب کہ اس کی علامات واضح طور پر ہمارے اندر موجود ہیں کہ ہم خود بینی و خود ستائی میں مبتلا ہیں، پس آپ اس طوق کو ہماری گردن سے نکال دیجیے اور اپنی محبت کا طوق ہماری گردن میں ڈال دیجیے تاکہ ہم آپ کے نور میں غرق ہو جائیں، جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سر و بر گردنم مانندِ طوق

آپ کا نور میرے دائیں بائیں اُوپر نیچے ہو اور میرے سر اور گردن میں مانند طوق آ جائے، یعنی آپ کے ذکر و طاعت کے نور میں ہم غرق ہو جائیں۔ مولانا کا یہ شعر دراصل مقتبس ہے اس حدیثِ پاک سے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ

[۱۹] مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّلَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا [۲۰]

ترجمہ: اے اللہ! عطا فرما میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور میرے بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور عطا فرما میرے لیے ایک خاص نور اور میرے اعصاب میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور اور مجھے نورِ عظیم عطا فرما اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور، یا اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

زانکہ خاصاں را تو مہرو کردۂ

ماہِ جانم را سیہ رو کردۂ

مولانا رُومی حق تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ خاص بندوں کی جان کو بہ برکتِ تقویٰ آپ نے ماہ رو کردیا یعنی چاند کی طرح روشن کردیا اور ہماری جان کو بوجہ ہماری شامتِ اعمال سیاہ رو کردیا۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مولانا نے سیاہ رو کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اس سے بظاہر بے ادبی لازم آتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں ہے بلکہ نسبت اپنی شامتِ اعمال اور معاصی پر استمرار کی نحوست کی طرف ہے جس پر بطورِ سزا یہ سوءِ قضا مسلّط کی گئی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۲۰؎ جامع الاصول فی احادیث الرسول: ۴/۲۱۳-۲۱۴، (۲۱۸۹)، الکتاب الاول فی الدعاء فی الصلٰوۃ مطلقا مشترکا، مکتبۃ الحلوانی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [۲۱]

مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ جب اللہ نے مہر لگادی تو ایمان نہ لانے میں اہلِ کفر کا معذور ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب حکیم الاُمت نے ''بیان القرآن'' میں دیا کہ ان کے مسلسل کُفر وطغیان اور بُغض و عناد اور مخالفتِ حق کے سبب ان کے اندر قبولِ حق کی استعداد ہی ختم ہوگئی، حالاں کہ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر قبولِ حق کی استعداد رکھ کر دنیا میں بھیجا ہے، لیکن آدمی اپنی اغراضِ نفسانی وخود غرضی اور ضد اور سرکشی کے سبب حق کی مخالفت کرتا ہے جس سے وہ استعداد فنا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جب انہوں نے طے کرلیا کہ ہم تمام عمر کفر پر قائم رہیں گے اور کبھی ایمان نہ لائیں گے، ہمیشہ حق کی مخالفت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی کہ جب تم نے قبولِ حق کی اپنی استعداد ہی برباد کرلی تو جاؤ اب کفر ہی پر مرو، تو اس مہر لگانے کا سبب ان کا کفر ہے نہ کہ یہ مہر اُن کے کفر کا سبب ہے، یعنی ان کے مسلسل کفر کے سبب یہ مہر لگادی گئی، یہ نہیں کہ مہر لگانے سے کفر ان کا مقدّر ہوا۔ اور اس کی مثال حضرت حکیم الاُمت نے عجیب دی کہ جیسے کوئی کریم کسی مفلس کا ہزار روپے وظیفہ مقرر کردے، لیکن وہ نالائق بجائے قدر کرنے کے ہزار روپے کے نوٹوں کو جلاکر ضایع کردیتا ہے۔ اس کریم نے بارہا اس نامعقول حرکت سے منع بھی کیا لیکن وہ نالائق اپنی حرکت سے باز نہیں آتا، تب وہ کریم اعلان کرتا ہے کہ اس نے مسلسل ہمارے عطیہ کی ناقدری کی، لہٰذا اب ہم اس کا وظیفہ بند کرتے ہیں اور اب کبھی اس کو وظیفہ نہ دیں گے۔ بس یہی ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور قرآنِ پاک کی ایک

---

۲۱ البقرة:۷

آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، چناں چہ اس آیت کی تفسیر دوسری آیت میں ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: بَلْ طَبَعَ اللهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر جو مہر لگائی ہے اس کا سبب ان کا کُفر ہے کہ ان کا ارادہ تاحیات اس طغیان وسرکشی پر قائم رہنے کا ہے، لہٰذا یہ مہر ان کے کُفر وسرکشی کا خمیازہ ہے۔

حکیم الاُمت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کافر مثلاً پچاس سال کفر کرتا ہے اور مومن پچاس سال ایمان پر رہتا ہے، تو عدل کا تقاضا یہ تھا کہ کافر کو پچاس سال دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور مومن کو پچاس سال کے لیے جنت دے دی جاتی، لیکن کافر کے لیے خُلُوْدٌ فِي النَّارِ اور مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِي الْجَنَّةِ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خُلُوْدٌ بوجہ ان کی نیت اور ارادہ کے ہے، چوں کہ کافر کا ارادہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہوں گا تو کفر پر ہی قائم رہوں گا لہٰذا اس کی اس نیت کی وجہ سے خُلُوْدٌ فِي النَّارِ ہے اور مومن کی نیت چوں کہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہا تو ایمان پر ہی رہوں گا، اللہ ہی کا ہو کر رہوں گا، اس لیے مومن کے لیے خُلُوْدٌ فِي الْجَنَّةِ ہے۔

❖❖❖❖

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کر دُوں میں تجھ پر اپنی جاں کو

گنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اخترؔ کہکشاں کو

اخترؔ

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۶؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳؍فروری ۱۹۹۱ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

خواجہ تاشانیم امّا تیشہ ات
می شگافد شاخ را در بیشہ ات

ارشاد فرمایا کہ ایک بادشاہ کے کئی غلام آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ ہمارے مالک ہیں اور ہم سب بندے آپس میں خواجہ تاش ہیں اور دنیا کے جنگل میں آپ کا تیشہ شاخوں کی تراش خراش اور اصلاح کرتا رہتا ہے، یعنی بندوں کے نفوس کے اصل مُزکّی آپ ہیں، اگر آپ نہ چاہیں تو کسی کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جس طرح جس باغ کے درختوں کا کوئی مالی نہ ہو تو اس کی شاخیں بے ہنگم اور ٹیڑھی میڑھی ہوتی ہیں اور جن درختوں کا مالی ہوتا ہے تو وہ درخت نہایت موزوں، خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں، کیوں کہ بے ہنگم شاخوں کو مالی اور باغبان کاٹتا رہتا ہے، اسی طرح جو شیخ سے اپنی اصلاحِ نفس کا تعلق رکھتے ہیں ان کے اخلاق واعمال نہایت معتدل اور پیارے ہوتے ہیں کہ جو اُن کو دیکھتا ہے ان کے اخلاقِ حمیدہ سے متأثر ہوتا ہے، لیکن حقیقی مزکّی اور مصلح اللہ تعالیٰ ہیں، مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ تزکیہ کا دروازہ اور ظاہری وسیلہ رجال اللہ ہیں، اسی لیے قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۲۲]

اے موسیٰ! اپنی قوم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالیے۔ حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ مسائل

[۲۲] ابراھیم:۵

السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

إِسْنَادُ الْإِخْرَاجِ إِلَى النَّبِيِّ مَعَ كَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِيْقِيِّ هُوَ اللهُ فِيْهِ أَقْوٰى دَلِيْلٍ أَنَّ لِلشَّيْخِ مَدْخَلًا عَظِيْمًا فِيْ تَكْمِيْلِ الْمُرِيْدِ

ظلمتوں سے نور کی طرف اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا باوجود یہ کہ مُخرجِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس میں نہایت قوی دلیل ہے کہ شیخ کو مُرید کی تکمیلِ اصلاح میں زبردست دخل ہے۔ بس اہل اللہ دروازۂ تزکیہ ہیں، وسیلۂ تزکیہ ہیں، اصل مُزکّی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ [۲۳]

اللہ تعالیٰ ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ [۲۴]

اس آیت کے مخاطبِ اوّل صحابہ ہیں، صحابہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قیامت تک تم میں سے کوئی پاک نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ فرماتا ہے۔ تو جب صحابہ جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کی صحبت حاصل تھی، اُس آفتابِ نبوّت کی صحبت کہ ایسا آفتاب نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا، ان کا تزکیہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ومشیّت پر موقوف ہے تو پھر کس کا منہ ہے جو اس فضل ورحمت ومشیّت کا محتاج نہ ہو۔ پس اے اللہ! ہم آپ سے اس تیشۂ تزکیہ کی بھیک مانگتے ہیں جو بندوں کی اصلاح کا اصل سبب ہے، لہٰذا آپ اپنا وہ فضل اور وہ رحمت اور وہ مشیت ہمارے شاملِ حال کر دیجیے جس پر تزکیہ موقوف ہے۔

۲۳؎ البقرۃ:۲۵۷

۲۴؎ النور:۲۱

باز شاخے را موصّل می کنی
شاخ دیگر را معطل می کنی

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ایک شاخ کو تو آپ درخت سے جوڑ دیتے ہیں اور دوسری شاخ کو قطع کر دیتے ہیں، یعنی جس پر آپ کا فضل ورحمت اور مشیت ہوتی ہے جو آیتِ پاک میں مذکور ہے، اس کو آپ اپنے سے ملالیتے ہیں، اپنا قُرب عطا فرماتے ہیں یعنی اس کا تزکیہ فرمادیتے ہیں اور جس پر آپ کا فضل اور آپ کی رحمت اور آپ کی مشیت نہیں ہوتی اس کا کبھی تزکیہ نہیں ہوتا اور مثل شاخ بُریدہ کے وہ آپ کے گلستانِ قُرب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کی تکوینی مشیت ایک کو مقبول اور ایک کو مردود کرتی ہے۔ اسی کو صاحبِ گلزار ابراہیم فرماتے ہیں ؎

کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
لاوے بت خانے سے وہ صدیق کو
زادۂ آزر خلیل اللہ ہو
اور کنعاں نوح کا گمراہ ہو
اہلیہ لوط نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہو وے طاہرہ
دیر کو مسجد کرے مسجد کو دیر
غیر کو اپنا کرے اپنے کو غیر
فہم سے بالا خدائی ہے تری
عقل سے برتر خدائی ہے تری

شاخ را بر تیشہ دستی ہست نے
ہیچ شاخ از دستِ تیشہ رست نے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ شاخوں کو تیشہ پر کوئی قدرت نہیں کہ وہ تیشہ کو مجبور کر سکیں کہ

تراش خراش کر کے انہیں سنوار دے اور کوئی شاخ تیشہ کی دسترس سے باہر نہیں کہ تیشہ جس شاخ کی قطع وبُرید کرنا چاہے اور وہ شاخ اس کے قبضۂ قدرت سے بچ جائے۔ مراد یہ کہ بندے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے محتاج اور فقیر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ[۲۵]

اے دنیا بھر کے انسانو! تم سب میرے فقیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات صمد ہے جس کے معنیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں: اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ أَحَدٍ وَّالْمُحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ أَحَدٍ جو ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک جس کا محتاج ہے، لہٰذا ہر شے ان کے دستِ قدرت کے تحت ہے، پس وہ قادرِ مطلق جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے ارادے پر مراد کا ترتّب لازم اور تخلّف محال ہے۔

پس کوئی لاکھ چاہے کہ اپنے دست وبازو کے زور پر میں اپنا تزکیہ کرلوں گا اور اللہ تعالیٰ کی مشیّت نہ ہو تو ہرگز اس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا اور اگر حق تعالیٰ ارادہ فرمالیں تو اس کا تزکیہ یقینی ہے چاہے وہ لاکھ خود کو برباد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت شاملِ حال ہوگئی۔ اسی کو میرے شیخ فرماتے تھے ؎

لاکھ ابھاگن مر گئیں جگت جگت بو رائے
پیا جا کو چاہے سوتت لیے جگائے

لاکھوں لوگ اپنے دست وبازو پر ناز کے سبب باوجود مجاہدہ ومحنت کے اللہ تک نہ پہنچ سکے اور جس کو اللہ اپنا بنانا چاہتے ہیں سوئے ہوئے کو جگادیتے ہیں۔

حقِ آں قدرت کہ آں تیشہ نماست
از کرم کن ایں کژی ہا را تو راست

اے خدا! صدقے میں اپنی قدرت کے جو تیشہ نما ہے کہ جس طرح تیشہ درخت کی ٹیڑھی کبڑی شاخوں کو سیدھا اور ہموار کردیتا ہے آپ اپنے کرم سے میرے نفس کی

۲۵؎ الفاطر:۱۵

کجی کو بھی سیدھا کر دیجیے، یعنی میرے نفسِ امّارہ کو نفسِ مطمئنّہ بنا دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا[۲۶]

اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ اور پرہیز گاری دے دے اور اس کو پاک کر دے کہ تو ہی سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک ہے اور تو ہی اس کا مولیٰ ہے۔

اے خداوند ایں خم و کوزہ مرا
در پذیر از فضل اللہ اشتری

ارشاد فرمایا کہ خُم بِضَمِّ خاء مٹکے کو کہتے ہیں اور کوزہ پیالے کو کہتے ہیں۔ کوز در عربی بمعنیٰ کوزہ وہر ظرف دستہ دار (غیاث اللغات) تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اے اللہ! میری چھوٹی بڑی طاعت، چھوٹی بڑی عبادت، چھوٹی بڑی دینی خدمت کو قبول فرمالیجیے۔ اور خَم بفتحِ خاء کجی اور ٹیڑھا پن۔ کوز در فارسی بمعنیٰ خمیدہ ودوتاشدہ و بمعنیٰ پشت خمیدہ (غیاث اللغات) تو شعر کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اے اللہ! میری کجی اور ٹیڑھے پن کو یعنی میرے نفسِ بد اور کج رو کو اپنے اس فضل کے صدقے میں خرید لیجیے، جو آپ نے قرآنِ پاک میں ظاہر فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ[۲۷]

اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اَنْفُسَھُمْ فرمایا قُلُوْبَھُمْ اور اَرْوَاحَھُمْ نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو کریم ہوتا ہے وہ بازار میں عیب دار سودے کو خریدتا ہے، تاکہ اس کا مالک جو سمجھتا ہے کہ میرے اس عیب دار مال کو کون خریدے گا، خوش ہو جائے[۲۸]

---

۲۶ کنز العمال: ۲/۱۷۷ (۳۶۱۹)، الباب الثامن، الدعاء، مؤسسۃ الرسالۃ
۲۷ التوبۃ: ۱۱۱
۲۸ روح المعانی: ۱۱/۵۴، التوبۃ (۱۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

تو قلب اور رُوح کے مقابلے میں نفس کیوں کہ عیب دار سودا تھا، اس لیے اس کریم مالک نے اس کو خریدنے کی بشارت دے دی تا کہ بندے خوش ہو جائیں کہ ہمارا عیب دار سودا خرید لیا گیا۔

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں کے نفوس کو خرید لیا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، میرے نفس کو بھی آپ خرید لیجیے اور اس کی کجی اور بدخوئی پر نظر نہ فرمائیے۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام
کاندر و بے حرف می روید کلام

مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! میری جان کو تو وہ مقام دکھادے جہاں کلام حروف کا محتاج نہیں ہوتا۔ سلوک میں ایک عمر اہل اللہ کی مصاحبت اور ذکر اللہ پر مداومت اور گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنّت پر مواظبت کی برکت سے جب فنائیتِ کاملہ نصیب ہو جاتی ہے اور قلب کا رُخ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل پر الہامات وعلوم ومعارفِ غیبیہ کا ورود ہونے لگتا ہے، جیسے ریڈیو کی سوئی کا رُخ اگر ماسکو کی طرف ہو جائے تو گانا بجانا اور فسق وفجور کی خبریں آنے لگتی ہیں اور اگر مکہ شریف کی طرف ہو جائے تو لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ اور اذان وتکبیر کی آوازیں آنے لگتی ہیں، اسی طرح جب دل کی سوئی کا رخ حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل میں عالمِ آخرت کی خبریں آنے لگتی ہیں، الہامات اور وارداتِ غیبیہ کا نزول ہونے لگتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ دنیا کے ریڈیو کی آواز تو الفاظ وحروف کی محتاج ہے لیکن یہ کلامِ غیبی حروف والفاظ سے مبرّا ہوتا ہے اور جس کو یہ نصیب ہوتا ہے وہی جان سکتا ہے دوسرا ان حالاتِ خاصّہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو یہ مقامِ قُرب نصیب فرمائے۔ اسی کو حضرت حکیم الاُمت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس حروف والفاظ نہیں ہوتے، لیکن دل میں ہر وقت آواز آتی رہتی ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اسی مقام کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

یہی وہ ربطِ خفی ہے جس کو حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اصحابِ کہف جو نہایت نادار اور غریب خاندان کے لڑکے تھے، جب کافر بادشاہ کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[۲۹] ہم نے ان کے دلوں سے اپنا رابطہ قائم کرلیا، اپنے تعلّق و رابطے کا خاص فیضان ان کے قلوب پر ڈالا جس کے بعد وہ بادشاہ سے نہ ڈرے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ میرے پیارے مُرشد مجی و محبوبی عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب فِدَاهُ اَبِیْ وَاُمِّیْ طَالَتْ حَیَاتُهٗ اِلٰی مِأَةٍ وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً مَعَ الصِّحَّةِ وَالْعَافِیَةِ وَدَامَتْ فُیُوْضُهُمْ وَاَنْوَارُهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کے اشعار جو بحالت غلبۂ تجلیاتِ مقربات حضرت والا کے اس مقامِ قُرب کے ترجمان اور رُوح کو وجد میں لانے والے ہیں اور کیفِ رُوحانی کے ساتھ دنیا کے ادبِ عالیہ میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں، یہاں نقل کرتا ہوں، جو درسِ مناجاتِ مثنوی کے وقت حضرت والا نے نہیں سنائے کیوں کہ اس وقت وارد نہ ہوئے تھے، لیکن بعد میں حضرت والا دامت برکاتہم کے مجموعۂ کلام فیضانِ محبت میں شایع ہوچکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

سجدہ سے سر اُٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

۲۹؎ الکھف:۱۴

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہومِ قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

جلوے تو سامنے تھے مگر یہ جہاں نہ تھا
دردِ نہاں تو تھا مگر اشکِ رواں نہ تھا

مخفی تھا دل میں جو کبھی آتش فشاں نہ تھا
اک کیفِ پُر سکوں تھا کوئی ایں و آں نہ تھا

ہوش و خرد کا نظم بھی جیسے وہاں نہ تھا
لیکن وہاں نہاں جو تھا گویا نہاں نہ تھا

اس بے خودی میں پاس کوئی بوستاں نہ تھا
طائر نہ تھے اور ان کا کوئی آشیاں نہ تھا

اک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
ان کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

اے دردِ دل ہو تجھ کو مبارک ترا یہ فیض
دنیا سے لے کے باغ جناں تک نہاں نہ تھا

اس بزم کا اک عالم ہُو نام ہے اخترؔ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

تا کہ سازد جانِ پاک از سر قدم
سوئے عرصہ دورِ پہنائے عدم

تا کہ اپنے کو اس مقامِ قرب پر فائز دیکھ کر وہ جان پاک سراپا تشکّر بن جائے اور سر کے بل چلے عالمِ غیب کی وسعتوں کی طرف، یعنی امتثالِ اوامر اور اجتناب عَنِ النواہی میں اور سرگرم ہو جائے۔

اے محبِّ عفو از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناسُورِ کہن

اے معافی کو محبوب رکھنے والے اللہ! ہمارے جرائم کو معاف فرما دیجیے اور اے رذائلِ نفسانیہ کے پُرانے ناسور کی تکلیف کو شفا دینے والے! اگرچہ پُرانا ناسور اطبّاء کے نزدیک لاعلاج ہے لیکن آپ کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں، پس آپ تمام رذائل اور امراضِ باطنیہ سے میرے نفس کو پاک فرما دیجیے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

مولانا کا یہ شعر اس حدیثِ پاک سے مقتبس ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[۳۰]

اولیاء اللہ کو جو کچھ عطا ہوتا ہے مشکوٰۃ نبوت سے عطا ہوتا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مُنیر ہے اور یہ شعر مُستنیر ہے اور آپ کا کلام مُفید ہے اور یہ شعر مُستفید ہے آپ کے کلامِ نبوّت سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں، کثیر العفو ہیں، نالائقوں کو اور ناقابلِ معافی مجرموں

۳۰؎ جامع الترمذی: ۱۹۱/۲، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

اور خطاکاروں کو آپ صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ آپ کی ایک صفت اور بھی ہے کہ تُحِبُّ الْعَفْوَ بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے

تُحِبُّ الْعَفْوَ اَیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ[۳۱]

اپنے گناہ گار بندوں پر اپنی صفتِ عفو کا ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے، یعنی اپنے گناہ گاروں کو بخشنے کے عمل سے خود آپ کو پیار ہے۔ ہم جب اپنے کسی ستانے والے کو معاف کرتے ہیں تو بوجہ بشریت کے ہم کو مزہ نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ اُلوہیت اور شانِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کے مزاجِ عظیم الشّان کا عارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب اور مقرّب ہیں کہ آپ کے صدقہ میں یہ کائنات پیدا کی گئی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ[۳۲]

اے محمد! اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی نہ پیدا کرتا۔ صاحبِ ''قصیدہ بردہ'' کا کیا پیارا شعر ہے ۔

فَکَیْفَ تَدْعُوْا اِلَی الدُّنْیَا ضَرُوْرَۃُ مَنْ
لَوْلَاہُ لَمْ تُخْرَجِ الدُّنْیَا مِنَ الْعَدَمِ

دنیوی ضرورت آپ کو دنیا کی طرف کیسے بلا سکتی ہے جب کہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود میں نہ آتی۔ دنیا اپنے وجود میں آپ کی محتاج تھی تو آپ کیسے دنیا کے محتاج ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مزاجِ مبارک وعالی شان کے سب سے بڑے مزاج شناس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لیے آپ اُمت کو آگاہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے رب کا مزاج عظیم الشان یہ ہے کہ اپنے بندوں کو معاف کرنا ان کو بہت

۳۱؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۴، باب لیلۃ القدر، المکتبۃ الامدادیۃ

۳۲؎ کشف الخفاء للعجلونی: ۱۶۴/۲ (۲۱۲۳)، حرف اللام، مکتبۃ العلم الحدیث

زیادہ محبوب ہے، لہٰذا کہو فَاعْفُ عَنِّیْ ہم کو معاف فرما دیجیے اور کیوں کہ معاف کرنا آپ کو محبوب ہے لہٰذا آپ کے اس عمل کے لیے کوئی معمول، کوئی سبب، کوئی میدان، نزولِ رحمت کے لیے کوئی بہانہ تو ہونا چاہیے، لہٰذا ہم نالائق اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار اور توبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوگئے ہیں اور فَاعْفُ عَنِّیْ کی درخواست کر رہے ہیں کہ معاف کرنے کا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجیے اور لوگ جب دور دراز سے بادشاہوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے مزاج کے موافق قیمتی ہدایا و تحائف لے کر آتے ہیں، لیکن ہم تو ایسے بے مایہ و تہی دامن ہیں کہ ندامت کے چند آنسوؤں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے ۔

چند آنسو کے سوا کچھ مرے دامن میں نہیں
لوگ حیرت سے مرا زادِ سفر دیکھیں گے

لیکن آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا اور حدیثِ قدسی میں ہمیں خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ

گناہ گاروں کی آہ وزاری مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یہی دلیل ہے کہ آپ ہمارے سچے اللہ ہیں، دنیوی بادشاہ تو اپنی تعریف کے محتاج ہیں کیوں کہ تعریف سے ان کی عزت بڑھتی ہے، چناں چہ اگر ان کو استقبالیہ دیا جارہا ہو اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہوں اس وقت اگر کوئی مصیبت زدہ آکر رو رو کر فریاد کرنے لگے، تو اس کو بھگا دیتے ہیں کہ کہاں ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا، لیکن اے اللہ! آپ اپنی تعریف و تسبیح و تحمید سے بے نیاز ہیں، کیوں کہ اس سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر ساری دنیا کے بادشاہ ایمان لا کر سجدے میں گر جائیں اور دنیا میں ایک فرد بھی کافر نہ رہے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّے کا اضافہ نہیں ہو گا، اور اگر ساری دنیا کافر اور آپ کی باغی ہو جائے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہو گی۔ آپ مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ پس اگر آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ ہوتے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہم مایوس ہوجاتے، لیکن مزاج شناس اُلوہیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایوسیوں کے اندھیروں میں آفتابِ اُمید طلوع فرمادیا کہ اگر تم سے گناہ ہوگئے تو تمہارا رب معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا اس سے معافی مانگ لو اور کہو فَاعْفُ عَنِّیْ کہ معاف فرمانے کا محبوب عمل ہم پر جاری فرمادیجیے۔ آپ کا محبوب عمل ہوجائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہوجائے گا اور فَاعْفُ عَنِّیْ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاءِ تعقیبیہ لگادی کہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجیے، جلد معاف فرمادیجیے۔ معاف کرنا جب آپ کو خود محبوب ہے تو جلد کرم فرمائیے۔ سبحان اللہ! جلبِ رحمتِ حق کے لیے کلامِ نبوت کیا بلیغ وجامع ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمٖ

پردہ اے ستّار از ماوا مگیر
باش اندر امتحاں ما را مجیر

اے ستّار العیوب! اے ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والے! آپ نے اپنے کرم سے ہماری پردہ پوشی فرمائی، آیندہ بھی پردہ پوشی فرمائیے اور بسبب ہماری شامتِ اعمال اپنا پردۂ ستّاریت نہ اُٹھائیے اور موقعِ امتحان میں ہمیں اپنی پناہ میں لے لیجیے، یعنی دنیا میں بوقت تقاضائے معصیت ہماری حفاظت فرمائیے اور آخرت کے امتحان قبر و حشر و نشر وغیرہ کے ہولناک حالات میں ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دیجیے۔

یارب ایں جرأت ز بندہ عفو کن
توبہ کردم من نگیرم زیں سخن

اے میرے رب! گناہوں پر میری دلیری کو معاف کردیجیے، میں نے توبہ کرلی ہے۔ اب کبھی ایسی بات نہ کروں گا، لہٰذا اس جرم پر میرا مواخذہ نہ فرمائیے۔

يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اهْدِنَا

لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کے فریاد رس! ہمیں ہدایت کے راستے پر چلائیے۔ کیوں کہ ہم اپنے علم کی وجہ سے آپ کے فضل و رحمت سے مستغنی نہیں ہو سکتے، اس لیے اپنے علوم پر ہمیں کوئی فخر نہیں۔ ہمارا ہر سانس آپ کی ہدایت کا، آپ کی مدد و نصرت کا، آپ کے فضل و رحمت کا محتاج ہے، کیوں کہ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو علم کے باوجود عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

لَا تُزِغْ قَلْبًا هَدَيْتَ بِالْكَرَمْ

وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِیْ خُطَّ الْقَلَمْ

اے ہمارے رب! جس قلب کو آپ نے اپنے کرم سے ہدایت کا سیدھا راستہ دکھایا اس قلب کو گناہوں کی سزا میں ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے، یعنی گمراہی اور انحرافِ حق سے محفوظ فرمائیے اور صراطِ مستقیم پر قائم فرمائیے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہماری شامتِ عمل کے سبب جو سوءِ قضا لوحِ محفوظ میں ہمارے لیے لکھ دی گئی اسے حسنِ قضا سے بدل دیجیے یعنی جو فیصلے ہمارے لیے بُرے ہیں ان کو ہمارے حق میں اچھے فیصلوں سے بدل دیجیے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔ بندے جو عمل کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے لکھ دیا کہ فلاں بندہ فلاں فلاں عمل کرے گا، لہٰذا لکھے جانے کی وجہ سے بندہ عمل نہیں کر رہا ہے، بلکہ جو کچھ وہ کرنے والا تھا وہ لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی جن اعمال کا بندوں سے صدور ہو رہا ہے ان میں بندوں کو اللہ نے مجبور نہیں کیا کہ تم یہ اعمال کرو، بلکہ جو عمل وہ کرنے والے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے اعتبار سے تقدیر میں لکھ دیے ہیں۔ اس کی مثال میرے موجودہ شیخ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی ہے کہ جیسے ریلوے کا ٹائم

ٹیبل ہوتا ہے جس میں تحریر ہوتا ہے کہ ریل فلاں وقت فلاں اسٹیشن پر پہنچے گی، تو ریل کا اسٹیشن پر پہنچنا ٹائم ٹیبل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ ریل کے پہنچنے کا وقت اپنے علم کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل میں لکھ دیا گیا ہے، لیکن ہمارا علم چوں کہ ناقص ہے لہٰذا اس میں کبھی تخلّف بھی ہوجاتا ہے کہ ریل کبھی وقت پر نہیں پہنچتی، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے، ان کو علم ہے کہ فلاں وقت پر فلاں بندہ یہ عمل کرے گا اس میں تخلّف نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقدیر میں جو لکھا ہے اس کی وجہ سے بندے اعمال نہیں کررہے ہیں، بلکہ جو اعمال وہ کرنے والے تھے وہ تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا نہ کہ امرِ الٰہی کا۔

مولانا کی یہ دُعا بھی قرآنِ پاک کی اس دُعا سے مقتبس ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [۳۳]

اس دُعا کا معمول دین پر استقامت اور حسنِ خاتمہ کا بہترین نسخہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے (حق سے منحرف نہ ہونے دیجیے) بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت دے چکے ہیں اور ہم کو آپ اپنے پاس سے رحمتِ خاصّہ عطا فرمائیے (راہِ حق پر استقامت عطا فرمائیے) بے شک آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ (از بیان القرآن)

علامہ آلوسی ''رُوح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ اَلْاِنْعَامُ الْخَاصُّ وَهُوَ التَّوْفِیْقُ لِلثَّبَاتِ عَلَی الْحَقِّ

عدمِ ازاغت کے لیے جس رحمت کو طلب کرنے کا ذکر ہورہا ہے اس رحمت سے مراد رحمتِ خاصّہ ہے اور وہ توفیق ہے حق پر قائم رہنے کی۔ اور لفظِ ''ہبہ'' سے مانگنے میں یہ تعلیم ہے:

۳۳؎ اٰل عمرٰن:۸

اِنَّ ذَالِكَ مِنْهُ تَفَضُّلٌ مَحْضٌ بِدُوْنِ شَائِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ تَعَالٰى شَانُهٗ

استقامت کی یہ نعمت فضلِ محض ہے، عطائے حق ہے، ہبہ ہے۔ جس طرح ہبہ بغیر معاوضہ ہوتا ہے، محض ہبہ کرنے والے کی عنایت سے ہوتا ہے اسی طرح دین پر استقامت کی نعمت ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہوسکتی، محض حق تعالیٰ کے فضل وعنایت سے ملتی ہے۔ اور اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے یعنی لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[۳۴] تو معنٰی یہ ہوئے کہ ہم آپ سے اس رحمتِ خاصّہ کو کیوں مانگتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ بہت بخشش کرنے والے، بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

بگزراں از جانِ ما سوء القضا
و امبر ما راز اخوان الصفا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! اگر میری تقدیر میں کوئی سوءِ قضا، کوئی شقاوت اور بد بختی لکھ دی گئی ہو تو اس سُوءِ قَضا کو حُسنِ قَضا سے تبدیل فرمادیجیے یعنی شقاوت کو سعادت سے، بد نصیبی کو خوش نصیبی سے بدل دیجیے۔ حدیثِ پاک میں بھی سُوءِ قضا سے پناہ آئی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ
وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ[۳۵]

معلوم ہوا کہ اگر سُوءِ قضا کا حُسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا تو حدیثِ پاک میں اُمت کو یہ دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم نہ فرماتے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق نہیں بدل سکتی اللہ تعالیٰ تقدیر کو بدل سکتے ہیں جیسا کہ مولانا رُومی نے مثنوی میں فرمایا کہ اے اللہ! آپ کو اپنے فیصلوں پر بالا دستی حاصل ہے، قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں، آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالا دستی

۳۴؎ روح المعانی: ۹۰/۳، اٰل عمرٰن (۸)، دار احیاء التراث، بیروت
۳۵؎ صحیح البخاری: ۹۳۹/۲ (۶۳۸۱)، باب التعوذ من جهد البلاء، المکتبة المظهرية

حاصل نہیں، لہٰذا جو فیصلے میرے حق میں بُرے ہیں ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجیے۔ کیوں کہ آپ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہے کہ وہ تو عینِ عدل وانصاف اور عینِ حکمت ہے، لیکن میری شامتِ عمل سے کیوں کہ وہ میرے حق میں برا ہے، اس لیے اس کو بدل دیجیے تا کہ میں تباہی و ہلاکت سے بچ جاؤں، جیسے عادل جج کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سناتا ہے تو فی نفسہٖ یہ فیصلہ بُرا نہیں کیوں کہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ اس کے جرائم کی وجہ سے ہوا ہے اس مجرم کے لیے بُرا ہے۔ اسی لیے حضرت حکیم الاُمت تھانوی نے فرمایا کہ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے، یعنی بُرائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کی طرف ہے، فیصلہ بُرا نہیں لیکن جس کے خلاف ہے اس کے لیے بُرا ہے اور جس طرح جب مجرم عدلیہ سے مایوس ہو جاتا ہے تو بادشاہِ وقت یا صدر مملکت سے رحم کی اپیل کرتا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ دُعا تعلیم فرمادی کہ سوءِ قضا سے حفاظت مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیریں بدلو الو کہ عدل کے اعتبار سے تو ہم مستحقِ سزا ہیں، لیکن آپ سے آپ کے فضل اور آپ کے مراحم خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں کہ ہماری بُری تقدیر کو محض اپنے رحمِ شاہی کے صدقے میں اچھی تقدیر سے بدل دیجیے۔ مولانا کا یہ شعر بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیثِ پاک سے مستنیر ہے۔

اگلے مصرع میں مولانا حق تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اپنے خاص بندوں سے الگ نہ فرمایئے۔ سوال ہوتا ہے کہ سوءِ قضا سے پناہ مانگ کر مولانا عباد صالحین سے الگ نہ ہونے کی درخواست کیوں کررہے ہیں؟ اس لیے کہ اہل اللہ کی رفاقت اور ان سے محبتِ للّٰہی سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے، کیوں کہ وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّہَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ [۳۶] کا خطاب ان ہی کو سننا پڑے گا جو قلباً و قالباً واعتقاداً عبادِ صالحین سے نہ ہوں گے، وہی مجرمین ہوں گے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام

[۳۶] یٰسٓ:۵۹

اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ[۳۷] کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں تو پھر غیر نبی کا کیا منہ ہے جو اِلۡحَاقۡ بِالصَّالِحِیۡنَ کی اہمیت کا منکر ہو۔

اہل اللہ کی رفاقت سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو صرف اللہ کے لیے کسی بندے سے محبت کرے اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہو جائے گی۔ اور حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں نقل کرتے ہیں کہ ایمان کی حلاوت جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی نہیں نکلتی اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے، کیوں کہ جب ایمان قلب سے نکلے گا ہی نہیں تو خاتمہ ایمان ہی پر ہو گا۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت قلب میں حلاوتِ ایمانی پانے کا ذریعہ ہے اور حلاوتِ ایمانی کا قلب میں داخل ہونا سوءِ خاتمہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنَا مِنۡہُ۔

اس لیے سوءِ قضا سے پناہ مانگنے کے ساتھ مولانا اہل اللہ کی معیت مانگ رہے ہیں تاکہ سوءِ قضا سے حفاظت رہے، اور ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اہل اللہ کا ساتھ نصیب نہ ہونا خود سوءِ قضا ہے جس سے پناہ مانگی جارہی ہے۔

❁❁❁❁

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

---

[۳۷] یوسف:۱۰۱

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۴؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعرات بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی جدائی کے غم سے زیادہ کوئی چیز دنیا میں کڑوی نہیں ہے، اور آپ سے جدائی گناہوں سے ہوتی ہے اور گناہ کی تھوڑی دیر کی لذّت آپ کے قُرب کی حلاوت کو فراق کی کڑواہٹ میں تبدیل کردیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا[۳۸]

جو مجھے بھول جاتا ہے اس کی زندگی تلخ کردی جاتی ہے۔ جیسے مچھلی کو پانی سے نکال لو تو جس طرح وہ تڑپتی ہے اسی طرح ہماری روح آپ سے دور ہو کر تڑپتی رہتی ہے، کیوں کہ آپ سے دوری کا عذاب کس دوزخ سے کم ہے اور آپ کی خوشی کس جنت سے کم ہے، اسی لیے ہمارے پیارے نبی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خوشی اور رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور آپ کی ناراضگی کو جہنم پر مقدم فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُکَ رِضَاکَ وَالۡجَنَّۃَ وَاَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ سَخَطِکَ وَالنَّارِ[۳۹]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رضا وخوشی کو طلب کرتا ہوں اور جنت کو درجۂ ثانوی میں طلب کرتا ہوں اور آپ کی

۳۸؎ طٰہٰ:۱۲۴

۳۹؎ المسند للامام الشافعی:۱۲۳/ تفسیر اللباب لابن عادل:۵۱۹/۱۷، الفتح(۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ناراضگی سے پناہ چاہتاہوں اور دوزخ سے درجۂ ثانوی میں پناہ چاہتاہوں۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ محبی و محبوبی عارف باللہ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے حال ہی میں یعنی شوال ۱۴۲۰؁ھ میں ایک الہامی مضمون بیان فرمایا جو موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہاں شامل کیا جاتا ہے)

ارشاد فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُکَ رِضَاکَ وَالۡجَنَّۃَ سے معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ نعمت اللہ کی محبت، اللہ کی رضا ہے، ذاتِ حق ہے، جنت کی نعمت اور جنت کی لذّات درجۂ ثانوی میں ہیں۔ جنت تو معاوضہ ہے، بدلہ ہے، جو دراصل عطا ہے لیکن بصورتِ جزاء ہے، لیکن جنت اللہ کی ذات نہیں ہے، غیر ذات ہے، رضا کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے، رِضَاکَ سے مراد ہے کہ اے اللہ! آپ ہم سے خوش ہوجائیے یہ ہمارے لیے جنت سے عزیز تر ہے، آپ کی خوشی کے مقابلے میں جنت بھی کوئی چیز نہیں ہے، اسی لیے جان پاک نبوت جنت کو مقدم نہیں کررہی ہے، آپ کی رضا اور آپ کی خوشی کو مقدم کررہی ہے۔ جان پاک نبوت کا یہ اسلوبِ کلام خود دلیل ہے کہ نبی اللہ کا کتنا بڑا عاشق ہوتا ہے کہ جنت سے پہلے آپ کی رضا مانگ رہا ہے اور رِضَاکَ کے بعد وَالۡجَنَّۃَ میں واؤ عاطفہ داخل فرمایا اور سارے علمائے نحو کا اس پر اجماع ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت لازم ہے، جس کے معنٰی یہ ہوئے کہ آپ کی رضا کی جو لذّت ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور جنت کی لذّت کچھ اور ہے۔ اللہ کی ذات کا، اللہ کی محبت، اللہ کے نام کا مزہ اور ہے اور جنت کا مزہ اور ہے۔ جنت مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے، لہٰذا لذّتِ مخلوق خالق کی لذّت کو کہاں پاسکتی ہے؟ اسی لیے میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل فرماتے تھے کہ جب جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو اہلِ جنت اتنا مزہ پائیں گے کہ اس وقت جنت ان کو یاد بھی نہ آئے گی کہ کہاں جنت ہے، کہاں حوریں ہیں اور کہاں نعمائے جنت ہیں ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرح وبیاں رکھ دی
زبان بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے اہلِ جنت کو جنت کا ہوش نہ رہے گا۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

جب اللہ کے مقابلے میں جنّت اور لذّاتِ جنّت کی کوئی حقیقت نہیں تو دنیا کیا بیچتی ہے، کیوں کہ دنیا کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے یعنی دنیا پہلے نہیں تھی پھر اللہ نے پیدا کی اور قیامت کے دن ہمیشہ کے لیے فنا کر دی جائے گی۔ تو دنیا کی شراب غیر ازلی غیر ابدی ہے اور جنت کی شراب ابدی غیر ازلی ہے، یعنی جنت ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں ہے، یعنی پہلے نہیں تھی پھر پیدا کر دی گئی اور کبھی فنا نہیں ہو گی لیکن ہمیشہ سے نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تو جنت کی شراب اللہ کی خاص ذات کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی محبت کے مزے کو کہاں پاسکتی ہے، کیوں کہ جنت ابدی سہی، لیکن شانِ ازلیّت اور لذتِ ازلیّت سے محروم ہے۔ اور جب اعلیٰ قسم کی چیز منہ کو لگ جاتی ہے تو ادنیٰ منہ کو نہیں لگتی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کے نام کی لذت کو پاگئے، اللہ کی محبت کا مزہ جن کے منہ کو لگ گیا، جن پر اللہ کی محبت چھاگئی تو دنیا کی لذتوں کی شراب ان کے منہ کو کیا لگے گی جبکہ جنت بھی ان کو ثانوی درجہ میں ہو جاتی ہے، لیکن جنت کو مانگتے ہیں کیوں کہ محلِّ دیدارِ الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے سوال کا حکم دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ [۴۰]

تم لوگ ہماری نعمتوں پر لالچ کرو۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں پر ہمیں لالچ کرنے کا حکم دیں تو وہ ظالم ہے جو قناعت کرے۔

---

۴۰ المطففین:۲٦

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جب وہ سلطان دین ہم سے طمع چاہے تو قناعت کے سر پر خاک ڈالو۔ تو جس طرح اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، جس کی دلیل اس حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے کہ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ مانگی اور دوزخ سے پناہ کو مؤخّر فرمایا۔ یہاں بھی واؤ عطف کا ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں مغایرت کو لازم کرتا ہے، یعنی آپ کی ناراضگی اور جہنم کی عقوبت برابر نہیں ہوسکتی، آپ کا ناراض ہوجانا عذابِ جہنم سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْھَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ[۴۱]

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیں۔ دیکھو اگر باپ، یا اُستاد، یا شیخ اپنا چہرہ ناراضگی سے پھیر لے تو لائق بیٹا اور لائق شاگرد اور لائق مُرید پر کیا گزر جائے گی؟ پٹائی کے ڈنڈے سے زیادہ اس پر اپنے باپ یا شیخ کی ناراضگی شاق ہوتی ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ناراضگی کو دوزخ پر مقدم فرمایا کہ عذابِ دوزخ کا سبب تو ان کی ناراضگی ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کو اپنی رؤیت سے محروم کرنے کو موقعِ سزا میں بیان فرمایا، جو حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی عظیم الشّان دلیل ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[۴۲]

ہر گز نہیں، یہ (فار) قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

---

[۴۱] المعجم الکبیر للطبرانی: ۷/۲۵۸- کنز العمال: ۷/۴۳۲ (۱۹۶۴۳)، فصل فی ارکان الصلوٰۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

[۴۲] المطففین: ۱۵

بطور سزا کے مجوبی کا اعلان اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ دنیا میں کسی سلطانِ وقت نے کسی مجرم کو یہ سزا نہیں سنائی کہ ہم تجھے اپنے دیدار سے محروم کرتے ہیں، کیوں کہ دنیوی بادشاہ حاکم محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے۔ ان کے مجرمین تو صرف سزا سے بچنا چاہتے ہیں، بادشاہوں کے دیدار کے حریص نہیں ہوتے، لیکن موقعِ سزا میں حق تعالیٰ کے اس اعلان سے ثابت ہوا کہ ان کے دیدار سے محرومی کافروں کے لیے خود ایک عذاب ہوگی اور کفار سخت ضیق اور گھٹن میں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری اور ان کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اسی کو دوزخ میں ڈالے گا، اور دوزخ کا حاصل اللہ تعالیٰ سے جدائی ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ سے جدا ہو جاتا ہے، اور دوزخ میں دوزخیوں کا جو حال ہوگا کہ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی[۴۳]

نہ مرے گا نہ جیے گا، موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوگا اسی طرح گناہ گار کی زندگی اللہ تعالیٰ کی دوری کے عذاب سے دنیا ہی میں تلخ ہو جاتی ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ گناہ کرکے اے اللہ! آپ سے دور ہو جانا دنیا میں اس سے زیادہ کڑوی کوئی اور چیز نہیں۔ پس جو گناہ کرتا ہے وہ کبھی آپ کا مقرّب نہیں ہو سکتا اور آپ کے قُرب کی لذّت سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی حفاظت اور آپ کی پناہ کے بغیر ہر طرف اُلجھن ہی اُلجھن اور پریشانی ہی پریشانی ہے، یعنی اگر آپ کی رحمت کا سایہ نہ ہو تو نفسِ امّارہ کے شر سے کوئی بچ نہیں سکتا اور آپ کی جدائی کی تلخی سے نجات نہیں پا سکتا۔

رختِ ماہم رختِ ما را راہزن
جسمِ ما مرجانِ ما را جامہ کن

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارا سامان ہمارے ہی سامان پر ڈاکہ

---

[۴۳] الاعلیٰ:۱۳

ڈال رہا ہے، یعنی ہمارے مکسوباتِ سیئہ (بُرے اعمال) ہمارے مکسوباتِ حسنہ (نیک اعمال) کو ضایع کر رہے ہیں، مثلاً: ذکر و عبادت و تلاوت کر کے رُوح میں نور پیدا ہوا اور بعد میں بد نظری کرلی، جھوٹ بول دیا یا حرام مال کھالیا اور اس نور کو ضایع کر دیا۔ پس ہماری سیئات ہمارے حسنات کے لیے تباہ کن ہیں۔ اور ہمارا جسم خود ہماری جان کے لباسِ تجلیات کو چھین کر اسے برہنہ کرنا چاہتا ہے، یعنی ہماری خواہشاتِ نفس اور اعضاو جوارح کے خبیث اعمال ہماری رُوح کو انوارِ اعمالِ حسنہ اور جامۂ تجلّیاتِ الٰہیہ سے محروم کرنے والے ہیں۔ پس خواہشاتِ نفسانیہ اور اعمالِ سیئہ دولتِ باطنی کے لیے راہزن اور ڈاکو ہیں۔

دست ما چو پائے ما رامی خورد

بے امان تو کسے جاں کے برد

جب ہمارا ہاتھ ہمارے پاؤں کو کھانے کو تیار ہے تو آپ کی امان و حفاظت کے بغیر کون اپنی جان کو سلامتی سے لے جاسکتا ہے، یعنی جب ہمارے ہاتھوں کے کرتوت اور بُرے اعمال ہمیں تباہ کر رہے ہیں اور راہِ سلوک کے راہزن ہیں تو بغیر آپ کی مدد و نصرت کے کون اپنی جان کو منزلِ آخرت تک صحیح سلامت لے جاسکتا ہے۔

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں

مر ترا آں می رسد اے کامراں

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اگر آپ اپنے بندوں کو طعنہ دیں کہ تم بڑے نالائق اور نااہل ہو اور اگر آپ فرمادیں اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا [۴۴] انسان بڑا ظالم جاہل ہے تو اے مالک! آپ کو اس کا حق ہے اور یہ آپ کو زیب دیتا ہے۔

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اور جیسا کہ مولانا منصور الحق ناصر صاحب سلمہٗ کے دو شعر ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں۔

۴۴ الاحزاب:۷۲

دل یہ کہتا ہے کہ ذکر اپنا میں مولیٰ سے سنوں
اپنا افسانۂ درد اپنے مسیحا سے سنوں
جو بھی ہو شکوہ شکایت اسی محبوب سے ہو
اور جواب اس لبِ شیرینِ شکر خا سے سنوں

شکوہ شکایت سے مراد اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللهِ [۴۵] کی تعبیر عاشقانہ ہے۔

ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا
ور تو قدِ سرو را گوئی دوتا

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ چاند اور سورج کو حقارت سے فرمادیں کہ تم بے نور ہو، مخفی مخلوق ہو، تم پر نور کی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ نور وہ ہے جو ظَاهِرٌ لِّنَفْسِهٖ مُظْهِرٌ لِّغَيْرِهٖ ہو یعنی جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو اور تمہارا نور ذاتی نہیں، میری دی ہوئی بھیک ہے جس سے تم روشن ہو۔ پس تم تو ظَاهِرٌ لِّنَفْسِهٖ بھی نہیں ہو تو مُظْهِرٌ لِّغَيْرِهٖ کیسے ہوسکتے ہو؟ اور غروب کے وقت روزانہ تم کو بے نور کرکے تمہاری حقارت کا تماشا کائنات کو دکھاتا ہوں کہ نہ تم خود روشن رہتے ہو نہ کائنات کو روشن کرنے کے قابل رہتے ہو اور تمہاری یہ بھیک بھی عارضی ہے کہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ایک دن میں تمہیں لپیٹ دوں گا اور ہمیشہ کے لیے فنا کردوں گا۔ پس اے اللہ! اگر آپ شمس و قمر کو طعنۂ خفا دیں کہ اے چاند اور سورج! میرے نورِ قدیم واجب الوجود کے سامنے تمہارا نور حادث وفانی کیا بیچتا ہے، تم تو مکمل خِفا اور استتار ہو، کہاں نورِ قدیم اور کہاں حادث وفانی، کہاں خالق کہاں مخلوق!

اور اے اللہ! اگر قد سرو کو جس سے حُسن پَرست اور دنیوی شعراء قدِ معشوقان مجازی کو تشبیہ دیتے ہیں آپ فرمادیں کہ اے سرو کے درختو! تم میں کجی اور انحنا ہے، تم

---

۴۵ یوسف:۸۶

عیب دار اور ٹیڑھے ہو، کیوں کہ تمہاری یہ رعنائی، قد تمہاری ذاتی صفت نہیں میرے حُسنِ ازلی کی ادنیٰ سی بھیک ہے۔

ور تُو کان و بحر را گوئی فقیر
ور تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اور اے اللہ! اگر سونے چاندی کی کانوں کو اور ساحلِ سمندر میں چھپے ہوئے موتیوں کے خزانوں کو اور معدنیات کے انمول ذخیروں کو آپ فرمادیں کہ تم سب میرے فقیر اور بھک منگے ہو اور اگر آپ ساتوں آسمانوں کو اور عرش اعظم جیسی عظیم مخلوق کو فرمادیں کہ تم سب انتہائی حقیر مخلوق ہو تو۔

آں بہ نسبت باکمالِ تو رواست
ملک و اقبال و غنا ہا مر تو راست

اپنی مخلوق کو ان عنوانات و تعبیرات سے مخاطب کرنا آپ کے کمالات کے پیش نظر آپ کو زیبا ہے، کیوں کہ ملک و سلطنت و اقبال مندی و غنا صرف آپ کے لیے خاص ہے، کسی اور کا حصہ نہیں۔

کہ تو پاکی از خطر و ز نیستی
نیستاں را موجد و مُفنیستی

کیوں کہ آپ پاک ہیں اندیشۂ عیب و نقصان و فنائیت سے کہ آپ ''قُدُّوس'' ہیں یعنی وہ ذات جس کا ماضی عیب سے پاک ہو، اور آپ (سَلَام) بھی ہیں یعنی وہ ذات جس کے مستقبل میں اندیشۂ عیب نہ ہو۔ تو چوں کہ آپ عیب و نقص اور فنا و زوال سے پاک ہیں پس آپ معدوم چیزوں کو ایجاد کرتے ہیں، عدم کو وجود بخشتے ہیں اور معدوم کو موجود کرکے پھر اس پر عدم و فنا طاری کردیتے ہیں، لہٰذا آپ موجد بھی ہیں اور مُفنی بھی ہیں یعنی معدوم کو موجود کرنے والے اور موجود کو پھر فنا کرنے والے ہیں اور فنا کرکے قیامت کے دن پھر

ان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا[۴۶]

آپ کی شان بے انتہا کو
کس طرح لائے اختؔر بیاں میں

ما ہمہ نفسی و نفسی می زنیم
گر نخواہی ما ہمہ اہرمنیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وقت ہم نفسی نفسی کرتے رہتے ہیں یعنی نفس کے تقاضے ہر وقت ہمیں گناہوں پر اکساتے رہتے ہیں، پس اے خدا! اگر آپ کا فضل و رحمت ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم ان تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کرنے لگیں اور بالکل شیطان بن جائیں۔

زاں ز اہرمن رہید ستیم ما
کہ خریدی جانِ ما را از عمٰے

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم شیطان کے کید اور مکّاریوں سے اس لیے بچے ہوئے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہماری جان کو اس اندھے نفس کے ہاتھوں سے خرید لیا ہے اور اپنے سایۂ رحمت میں لے رکھا ہے ورنہ اس اندھے کی لاٹھی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی۔ اور یہ اندھا نفس تو خود ظلمت پسند اور امّارہ بالسوء ہے، پھر اس کی عَصا کشی اور راہبری اگر شیطان کرتا تو نہ جانے کس چاہِ ضلالت اور قعرِ مذلّت میں ہلاک کر دیتا۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں اس نفس کے حوالے نہ فرمایئے۔ اس لیے ہم آپ سے وہی دُعا مانگتے ہیں جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی:

يَاحَيُّ يَاقَيُّوۡمُ بِرَحۡمَتِكَ اَسۡتَغِيۡثُ اَصۡلِحۡ لِيۡ شَاۡنِيۡ كُلَّهٗ
وَلَا تَكِلۡنِيۡ اِلٰى نَفۡسِيۡ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ[۴۷]

---

[۴۶] بنی اسرآءیل:۴۳

[۴۷] كنزالعمال:۱۳۹/۲،(۳۴۹۸)الباب الثامن:الدعاء،أدعية الصباح والمساء،مؤسسة الرسالة

اے اللہ! اے زندہ حقیقی! اور اپنے بندوں کو سنبھالنے والے! میری ہر حالت کی اصلاح فرمادیجیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ ہونے دیں ورنہ جو نفس کے سپرد ہو گیا اس کا شیطان کے قبضے میں آنا کیا مشکل ہے، کیوں کہ نفس تو شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے اور آپ کے نبی صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے:

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ[۴۸]

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے۔ پس اے اللہ! پلک جھپکنے بھر کو یعنی ایک لمحہ کو بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ فرمائیے، کیوں کہ یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پل بھر میں وار کرتا ہے اور ولی کو فاسق اور مومن کو کافر بنا دیتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ[۴۹]

اے اللہ! مجھ کو رُشد وہدایت الہام کرتے رہیے اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچاتے رہیے۔

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگی ست
بے عصا و بے عصا کش کور چیست

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جو لوگ حیاتِ ایمانی سے مشرف ہیں اور اہلِ صلاح واہلِ تقویٰ ہیں، وہ بھی ہمہ وقت جب آپ کی عصا کشی یعنی راہبری وہدایت والہاماتِ رشد کے محتاج ہیں تو وہ کورِ باطن جن کو آپ کی عصائے ہدایت وراہنمائی نصیب نہ ہو کہ نہ خود ہدایت کے راستے پر ہیں، نہ ہدایت کی توفیقات ونصرت کی لاٹھی نصیب ہے اور آپ ان کے عصا کش نہیں وہ کس طرح راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پاسکتے ہیں۔ ان کی مثال اس اندھے کی سی ہے جو راہ سے بھی بے خبر ہے اور جس کی لاٹھی پکڑ کر کوئی راہ پر چلانے والا بھی نہیں۔

۴۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۷۳، باب التطوع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۴۹؎ جامع الترمذی: ۲/۱۸۶، باب ماجاء فی جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

غیرِ تو ہر چہ خوش است وناخوش ست
آدمی سوز ست و عینِ آتش ست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کے سوا جتنی چیزیں بھی ہیں چاہے وہ ہمارے دل کو کتنی ہی محبوب ہوں یا اس کے برعکس کتنی ہی ناپسندیدہ اور مکروہ ہوں، لیکن اگر آپ ان سے خوش نہیں ہیں تو اے اللہ! ہمارا ذوق بھی یہ ہے کہ ؎

جو ان کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

اسی کو مولانا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من
جاں فدائے یار و دل رنجانِ من

اے اللہ! جس چیز سے آپ ناخوش ہیں ہم بھی اس سے ناخوش ہیں اور اس سے ناخوش ہو کر خوش ہیں چاہے ہمارے دل کو وہ کتنی ہی خوش گوار ہو لیکن آپ کی خوشی پر ہم اپنی خوشی کو خوشی خوشی فدا کرنے پر خوش ہیں، کیوں کہ اپنی مرضی سے زیادہ آپ کی مرضی ہمیں عزیز ہے، لہٰذا ہماری جان بھی آپ پر فدا اور ہمارا دل بھی، جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا منصور الحق صاحب ناصر سلمہ کا شعر ہے ؎

عظیم جرم ہے قانونِ عشق میں ناصرؔ
کسی کی ان سے بغیر ان کے آرزو کرنا

کیوں کہ جو آپ کے عاشق ہیں اگر آپ کی ناخوشی کی راہوں سے ان کے دل میں کبھی کوئی خوشی آجاتی ہے، تو وہ غم سے رونے لگتے ہیں کہ آہ! میں نے اپنے مالک کو ناراض کر دیا، اور آپ کو راضی کرنے کے لیے جب اپنی خوشیوں کا خون کرتے ہیں تو دل کو

غمگین کر کے وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا دل تو غمگین ہوا لیکن ہمارا مالک تو خوش ہو گیا۔ اسی کو میں نے اس قطعہ میں بیان کیا ہے ؎

رضائے دوست کی خاطر یہ حوصلے ان کے
ہنسی لبوں پہ ہے گو دل پہ زخم کھاتے ہیں
عجیب جامع الاضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں

اور عزیزم تائب سلمہٗ کا شعر بھی اس مضمون پر نہایت عمدہ ہے کہ اہلِ دنیا اور اہل اللہ کے غم اور خوشیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اہلِ دنیا تو گناہوں کی لذت اُڑا کر خوش ہوتے ہیں اور گناہ ہاتھ سے نکل جانے سے غمگین ہو جاتے ہیں اور اہل اللہ کے دل میں اگر کبھی گناہ کی ایک ذرّہ خوشی داخل ہو جائے تو ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے اور ساری کائنات باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو جاتی ہے، جیسا کہ ہمارے میر صاحب کا شعر ہے ؎

شب صحرا مہیب سناٹا
موت ہو جیسے زندگی پہ محیط
یا صدورِ گناہ سے دل کی
تنگ ہونے لگے فضائے بسیط

اور اسی طرح گناہ سے بچنے میں ان کے دل کو جو غم ہوتا ہے اس غم پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ فرق ہے اہل اللہ اور اہلِ دنیا کے غم اور خوشیوں میں، جس کو تائب صاحب نے بہت عمدہ بیان کیا ہے ؎

غم اور طرح کے ہیں طرب اور طرح کے
عشاق کے جینے کے ہیں ڈھب اور طرح کے

تو مولانا فرماتے ہیں کہ جو چیزیں بھی خواہ ہمارے دل کو اچھی لگتی ہوں یا بُری، ہمارے دل

میں محبوب ہوں یا مکروہ، لیکن اے اللہ! اگر آپ ان سے راضی نہیں ہیں تو وہ انسانیت سوز ہیں، ظاہر و باطن کی تباہ کاری میں بالکل آگ ہیں اور انسانیت کے شرف و کرامت کو جلا کر خاکستر کرنے والی ہیں، کیوں کہ اے اللہ! جس سے آپ خوش نہیں ہیں وہ سور اور کتے سے بدتر ہے۔ آپ کو چھوڑ کر اور غیر کا ہو کر کوئی چین سے نہیں جی سکتا، نہ مر کے چین پا سکتا ہے، کیوں کہ ہماری جانوں کا مرکز اور محور اور سہارا صرف آپ ہیں ؎

چھوڑ کر تجھ کو غیر کو چاہوں
مرے اللہ یہ پستی میری
غیر کو چھوڑ کر تجھے چاہوں
رشک جبرئیل یہ ہستی میری

ہر کرا آتش پناہ و پشت شد
ہم مجوسی گشت و ہم زردشت شد

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جس کے لیے آگ اس کی پناہ، ٹھکانہ اور سہارا ہو جائے یعنی جو خواہشاتِ نفسانیہ کو اپنی جان کا سہارا بنا رہا ہے یہ گویا شہوت کی آگ کی پوجا بھی کر رہا ہے اور سکھا بھی رہا ہے، یہ ضالّ بھی ہے اور مُضِلّ بھی ہے، گمراہ بھی ہے اور گمراہ کرنے والا بھی ہے، اس کی معصیت لازمہ بھی ہے اور متعدّیہ بھی، یہ بانی ہو رہا ہے گناہوں کا، لہٰذا سب کے گناہوں کا بار اس کی گردن پر ہو گا۔

كُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
اِنَّ فَضْلَ اللّٰهِ غَيْمٌ هَاطِلٌ

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ ہے یعنی جس کا مقصود اللہ نہیں اور جو مقصودِ حق کا ذریعہ بھی نہیں وہ باطل، مجاز اور فانی ہے اور حق تعالیٰ کا فضل ہی موسلا دھار برسنے والا ابر ہے۔ پس اے باطل اور فانی چیزوں سے دل

لگانے والو! اس حماقت سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ابر کے نیچے آجاؤ۔

اے خدائے پاک بے انباز و یار
دستگیر و جرمِ مارا در گزار

ارشاد فرمایا کہ انباز کے معنیٰ ہیں شریک، مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، آپ **لَا شَرِيْكَ لَكَ** ہیں اور ہمارے مولیٰ ہیں، پس ہماری دستگیری فرمایئے اور ہمیں گناہوں کی دلدل سے نکال کر ہمارے تمام جرائم کو معاف فرمادیجیے۔

یاد دہ مارا سخن ہائے رقیق
کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہی ہمارے ولی ہیں، لہٰذا آپ ایسے درد انگیز، دل گداز و رقّت آمیز مضامین دُعا ہمارے دل میں ڈال دیجیے کہ جو آپ کی رحمت کو جوش میں لائیں، آپ کی رحمت کو احساناً و فضلاً واجب کرنے والے ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ [۵۰]

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کو واجب کردیں اور تیری مغفرت کو میرے لیے ضروری کردیں اور سوال کرتا ہوں ہر بھلائی میں اپنے حصے کا اور ہر گناہ سے حفاظت کا۔ اے اللہ! میرا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑ جس کو تو بخش نہ دے اور کوئی غم ایسا نہ رہنے دے جس کو تو دور نہ کردے اور کوئی حاجت جس

---

۵۰ جامع الترمذی: ۱۰۸/۱، باب ما جاء فی صلوۃ الحاجۃ، ایچ ایم سعید

میں تیری رضا شامل ہو پوری کیے بغیر نہ چھوڑ اے ارحم الراحمین!

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

اے اللہ! ہمارا دُعا مانگنا بھی آپ کے کرم سے ہے اور آپ کا قبول کرنا بھی آپ کی عنایت سے ہے، اُدۡعُوۡنِیۡ کا حکم بھی آپ کے کرم سے ہے اور اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ بھی آپ کا کرم وانعام ہے جس کا ہم کو کوئی استحقاق نہیں، اور امن وسکون بھی آپ ہی دیتے ہیں اور خوف وہیبت بھی آپ کی طرف سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان بَیۡنَ الۡخَوۡفِ وَالرَّجَاءِ ہے۔ پس یہ سکون واطمینان اور خوف وہیبت دونوں مطلوب ہیں، لہٰذا اے اللہ! یہ بھی آپ کا انعامِ عظیم ہے۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن
مصلحی تو اے تو سلطانِ سخن

اگر دُعا کے آداب وتعبیرات وعنوانات میں ہم سے خطا اور کوتاہی ہوگئی ہو اور ہماری کوئی تعبیر وعنوان آپ کو پسند نہ آیا ہو تو آپ تو سلطانِ سخن ہیں، کلام کے بادشاہ ہیں، اپنی رحمت سے ہماری اصلاح فرمادیجیے اور ہمارے دل میں وہ عنوان وتعبیر ڈال دیجیے جو آپ کو پسند ہو۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت عجیب کیمیا ہے جو ہمارے بُرے اخلاق واعمال اور سیئات ورذائل کے دریائے خون کو حسنات وفضائل کے دریائے نیل سے تبدیل کرسکتی ہے یعنی آپ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کرنے پر قادر ہیں۔ کیمیا اس کو کہتے ہیں جو قلب ماہیت کردے، اور بیانِ قدرت کا مقصد ظہورِ قدرت کی درخواست ہے یعنی مولانا کے اس بیان میں یہ مضمونِ دُعا پوشیدہ ہے کہ اے اللہ! آپ بس ہمیں

تبدیل کرنے کا ارادہ فرمالیں پھر آپ کے ارادے پر مراد کا تخلّف محال ہے اور ترتّب لازم ہے، لہٰذا پھر ہمارے اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حمیدہ بننے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ کے ارادے کے بعد یہ قلب ماہیت لازم ہے جیسا کہ مولانا نے ایک اور مقام پر فرمایا۔

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود
خمرش از تبدیلِ یزداں خل شود

مولانا فرماتے ہیں کہ ابدال کون ہے ؟ جس کے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں، جیسے دنیوی شراب میں اگر تھوڑا سا سرکہ ڈال دیا جائے تو پوری شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ابدال وہ ہے جس کے رذائل وسیئات کی شراب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حسنات وفضائل سے تبدیل ہو جائے اور جب شراب سرکہ بن گئی تو پھر اس کو شراب کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح جب کوئی گناہ گار اللہ والا ہو گیا تو اب یہ کہنا جائز نہیں کہ پہلے یہ ایسے ویسے تھے۔

طعنہ نہیں ماضی کا دیا جائے کہ ہم لوگ
تب اور طرح کے تھے ہیں اب اور طرح کے

ایں چنیں مینا گری ہا کارِ تست
ایں چنیں اکسیر ہا ز اسرارِ تست

ایسی ایسی مینا گری وصناعی اے خدا! آپ ہی کا کام ہے کہ مٹی سے کیسے کیسے خوبصورت نقش ونگار آپ پیدا فرماتے ہیں اور نطفہ کے ناپاک پانی پر صورت گری فرما کر مُردہ منی کو آپ حسین انسانی وجود بخشتے ہیں اور گنّے سے شکر اور لکڑی کی شاخوں سے پھل پیدا فرماتے ہیں۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ ست بر آب صورت گری

شکر از نے میوہ از چوب آوری
از منی مردہ بت خوب آوری

اور اخلاقِ رذیلہ کے دریائے خون کو اخلاقِ حمیدہ کے دریائے نیل سے تبدیل فرماتے ہیں اور تمام ظاہری و باطنی امراضِ لادوا کی اکسیر آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

سینکڑوں کو تو کرے گا جنتی
ایک یہ نا اہل بھی ان میں سہی

✧✧✧✧

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاء
جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

درسِ مناجاتِ رُومی

۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

یارب ایں بخشش نہ حدِ کارِ ماست
لطفِ تو لطف خفی را خود سزا است

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کی بخششیں اور عنایات والطاف ہمارے اعمال وعبادات کا ثمرہ ومعاوضہ وجزا نہیں ہوسکتے، یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری نماز، روزہ، حج وعمرہ اور نوافل وتلاوت سبب ہیں آپ کے انعامات کا، کیوں کہ ہمارے ہر عمل میں فِیْہِ نَظَرٌ ہے اور ریا وعدمِ اخلاص وشہرت وجاہ وغیرہ نفس کی آمیزشوں کا احتمال ہے۔ ہمارا کوئی عمل آپ کی عظمت کے لائق نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہمارے اعمال محدود اور ناقص ہیں اور محدود وناقص غیر محدود کا حق ادا کرہی نہیں سکتا۔ پس حقوق عظمتِ غیر محدود کا ادا کرنا محال ہے، کیوں کہ اس سے غیر محدود کا محدود ہونا لازم آتا ہے کہ محدود ہی محدود کا احاطہ کرسکتا ہے۔ پس جب عظمتِ الٰہیہ غیر محدود ہے اور ہم محدود ہیں، ہمارے اعمال محدود ہیں، لہٰذا ادائے حقِ عظمتِ الٰہیہ کے لیے ہمارے اعمال کا ناکافی اور ناقابل ہونا عقلاً ثابت ہوگیا، لہٰذا مولانا رومی کی نظر کہاں تک پہنچ گئی کہ فرمایا: اے ہمارے رب! آپ کی یہ بخششیں اور مہربانیاں ہمارے اعمال کا نتیجہ وثمرہ وپھل نہیں ہیں، یعنی آپ کی عنایات اور نزولِ رحمت کا سبب ہماری عبادات نہیں ہیں، پھر کیا سبب ہے؟ فرماتے ہیں۔

لطف تو لطف خفی را خود سزا ست

آپ کی عنایاتِ ظاہرہ آپ کی عنایاتِ مخفیہ کے مظاہر ہیں، یعنی آپ کے جو الطاف وکرم ہمارے اُوپر ظاہر ہیں بصورت توفیقاتِ اعمالِ صالحہ، التزامِ طاعات واجتناب عن المعاصی

اور صحت وعافیت وغیرہ اس تمام رزقِ ظاہری وباطنی کے پیچھے آپ کا لطف پوشیدہ ہے، ان عنایاتِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ مخفی ہے، آپ کی ظاہری مہربانی کا سبب آپ کی پنہاں مہربانی ہے، ہمارے اعمال نہیں ہیں۔ میرا شعر ہے ؎

مری بے تابیٔ دل میں ان ہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ ان ہی کے لطف کا ممنونِ احساں ہے

آپ کی یاد میں ہماری بے تابی واشکباری آپ کے جذبِ کرم ہی کی ممنونِ احسان ہے۔ غرض آپ کے جو الطاف وعنایات ہم پر ظاہر ہوتے ہیں وہ آپ کی مخفی عنایات کا عکس اور پرتو ہیں جیسے ہم لوگ کسی پر کوئی احسان اور شفقت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دل میں محبت کا ایک پوشیدہ احساس ہوتا ہے، پھر وہ شفقت کسی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ پہلے قلب میں محبت آتی ہے پھر اس کا ظہور قالب سے ہوتا ہے۔ تو جب مخلوق کے اندر یہ خاصیت ہے کہ ہمارا لطفِ ظاہر ہمارے لطفِ باطن کا نتیجہ ہوتا ہے تو اے اللہ! آپ کی جو ظاہری مہربانیاں اور انعامات ہم پر ہیں وہ آپ کے لطفِ مخفی اور پوشیدہ کرم کے عکاس کیوں نہ ہوں گے۔ پہلے اللہ کا ارادہ ہوتا ہے جو مخلوق سے مخفی ہوتا ہے، پھر ان کے انعامات وعنایات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب ہمارے اعمال وعبادات اس لیے نہیں ہوسکتے کیوں کہ اللہ کی عظمتِ غیر محدود کا حق ہمارے ناقص ومحدود اعمال سے ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا اللہ کی عطا کے لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے فلاں مجاہدے کی وجہ سے ملی ہے یا ہم نے اتنے سال بزرگوں کی صحبت اُٹھائی ہے یا ہم نے اتنی محنتیں کی ہیں تب ہمیں یہ سب ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات کو اپنے اعمال کی طرف منسوب کرنا ناشکری ہے جیسا کہ حکیم الاُمت نے تفسیر "بیان القرآن" کے حاشیہ میں فرمایا:

فَاِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ الْمُعْجِبِیْنَ یُنْسِبُوْنَ
کَمَالَاتِہِمْ اِلٰی مُجَاھَدَاتِہِمْ وَھُوَ عَیْنُ الْکُفْرَانِ[۵۱]

بعض نادان صوفی اپنے کمالات کو اپنے مجاہدات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم نے

۵۱؎ بیان القرآن: ٦/٤١، ابرٰھیم، ایچ ایم سعید

اتنے دن شیخ کے ساتھ گزارے یا اتنے دن ہم نے محنت کی اس وجہ سے ہمیں یہ انعام ملا، حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ یہ عینِ کفرانِ نعمت ہے، عینِ ناشکری ہے۔ لٰہذا یوں مت کہو بلکہ یہی کہو کہ اے اللہ! ہمارے مجاہدات اس قابل نہیں تھے کہ آپ اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں یہ انعامات عطا فرماتے، بلکہ آپ کی عطا کا سبب صرف آپ کی عطا ہے، آپ کی رحمت کا سبب صرف آپ کی رحمت ہے، آپ کے کرم کا سبب صرف آپ کا کرم ہے، ہمارا عمل نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دو سو برس عبادت کی تھی اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ کی رحمت سے تمہاری مغفرت ہوگی، تو اس عابد نے کہا کہ نہیں، ہم نے تو دو سو سال عبادت کی ہے، عبادت سے ہم کو بخشش ملے گی، کیا ہماری دو سو برس کی عبادت ضایع ہو جائے گی؟ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے قریب سے گزاریں گے جس سے اس کو شدید پیاس لگ جائے گی، آگ کی لپٹ اور گرمی سے اس کی زبان باہر آجائے گی تو وہ فرشتے سے کہے گا کہ پانی پلادو، فرشتہ اس کو ایک پیالہ پانی پیش کرے گا اور کہے گا کہ پہلے اس کی قیمت ادا کردو۔ پوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو جواب ملے گا: اپنی دو سو برس کی عبادت دے دو تو ایک پیالہ پانی ملے گا، وہ ایک پیالہ پانی کے عوض دو سو برس کی عبادت دے دے گا۔ اس کے بعد اس کو پھر پیاس لگے گی تو وہ پھر پانی مانگے گا، فرشتہ کہے گا کہ اب اپنی عبادت لاؤ تو پانی ملے گا، تمہاری دو سو برس کی عبادت پیاس میں ایک پیالہ پانی کے برابر نہیں، بتاؤ تم نے دنیا میں کتنا پانی پیا ہے اللہ کا! لٰہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم عبادت سے بخشے جائیں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے بخشے جائیں گے، کیوں کہ ہماری مجموعی عبادات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ نعمت کا سبب، معاوضہ اور بدلہ نہیں ہوسکتیں۔ اب یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ مجاہدات کی توفیق دے اور ان کو قبول فرمالے اور اس سے صلاحیت پیدا کردے، مجاہدات سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے اخذِ نُور کی، لیکن یہ سب اسباب ہیں۔ جیسے زمین پر محنت کی، ہل جوتا، کنکر پتھر ہٹائے تو غلہ پیدا ہو گیا۔ ایسے ہی دل کی زمین پر محنت کی، اخلاقِ رذیلہ کے کنکر پتھر نکالے، بُرائیوں سے توبہ کی، گناہوں کے تقاضوں کو

برداشت کیا اور ان پر عمل نہیں کیا، تو اس غم سے صلاحیت پیدا ہوتی ہے جذبِ تجلیاتِ الٰہیہ کی، لیکن اس کو سبب مت کہو، بس یہ کہو کہ یہ توفیقِ مجاہدہ بھی ان ہی کے کرم سے ہے۔ اگر خدا توفیق نہ دیتا تو ہم گناہوں کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر گناہ کر لیتے، لیکن گناہوں کے تقاضوں کے باوجود گناہوں سے بچنے کی اللہ نے جو ہم کو ہمت و توفیق عطا فرمائی یہ بھی ہمارا کمال نہیں، اللہ کا کرم ہے، لہٰذا ابتدا تا انتہا اللہ کی عطا ہی عطا ہے۔

مری طلب بھی ان ہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ کے انعامات والطافِ ظاہرہ کا سبب آپ کا لطفِ پنہاں ہے، ہمارے اعمال آپ کے لطفِ فراواں کے لائق نہیں، بلکہ آپ کا لطفِ خفی ہی ان الطافِ ظاہرہ کے لائق ہے، یعنی آپ کا پوشیدہ کرم ہی سبب ہے ان تمام انعامات کا جو ہم پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

دیکھو جیسے ایک پوشیدہ کرم اللہ نے مولانا حافظ داؤد اور ان کے رُفقاء پر کیا جو ری یونین سے آئے ہیں، ورنہ کہاں ری یونین اور کہاں کراچی۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ مثنوی کا درس ہو جائے اور درسِ مثنوی شروع ہو گیا۔ بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ طلب دیتے ہیں اور اس طلب کی برکت سے دین کا کام شروع ہو جاتا ہے، لیکن یہ طلب بھی اللہ کے مخفی کرم ہی کا صدقہ ہوتی ہے، وہ نہ چاہیں تو طلب ہی نہ پیدا ہو۔ پس کام وہ بناتے ہیں، نام ہمارا ہوتا ہے۔

دست گیر از دستِ ما ما را بخر
پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ارشاد فرمایا کہ دست گیر کا معنیٰ ہے ہاتھ پکڑنے والا، مدد کرنے والا۔ خریدن معنیٰ خریدنا، بخر اس کا امر ہے یعنی خرید لیجیے۔ بردار بدار تھا، ضرورتِ شعری کی وجہ سے بر لگا دیا گیا جس کے معنیٰ ہیں قائم رکھیے۔

مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! میرے ہاتھ سے مجھ کو خرید لیجیے، یعنی ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمارے ہاتھ کی جو طاقتیں گناہوں میں ملوث ہو رہی ہیں تو گویا ہم اپنے ہاتھوں گناہوں کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں، لہٰذا آپ ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید لیجیے اور گناہوں سے ہم کو چھڑا لیجیے۔ بہت عبرت اور خوف کا مقام ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں اللہ کے غضب اور نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے اس کا ظاہر بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور باطن بھی ناپاک اور ستیاناس ہو جاتا ہے، قلب و قالب دونوں گناہوں سے برباد ہو جاتے ہیں، سکون بھی چھن جاتا ہے۔ کیا بتاؤں گناہ گار کی زندگی کس قدر تلخ ہوتی ہے۔ تو مولانا رُومی نے فرمایا کہ اے دستگیر! اے مدد کرنے والے! ہم کو ہمارے ہاتھوں کے حوالے نہ کیجیے اور ہمارے ہاتھوں سے ہم کو خرید کر یعنی اپنی مدد خاص ہمارے شاملِ حال فرما کر گناہوں سے ہم کو نجات دلا دیجیے۔ اگر آپ نے ہمیں ہمارے نفس کے حوالے کر دیا تو ہم ایسے نالائق ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لیں گے، لہٰذا آپ ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنی نافرمانی نہ کرنے دیجیے، کیوں کہ ہمارا ہاتھ تو گندگی میں جاتا ہے، گندے گندے کاموں کی طرف بڑھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ اپنی امّاں سے کہہ دے کہ اے امّاں! میں نادان ہوں، میری تو فطرت ہی خراب ہے، میرے اندر بھلے بُرے کی بھی تمیز نہیں، پس اگر میں پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالوں تو قبل اس کے کہ وہ گندگی میں ملوث ہو اس وقت آپ میرا ہاتھ پکڑ لیا کیجیے۔ تو اے خدا! اس وقت ماں اس کی کیسی حفاظت کرے گی۔ اے اللہ! آپ تو ماؤں کی محبت اور مامتا کے خالق ہیں۔

مادراں را مہر من آموختم

ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے، لہٰذا ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں: اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ[۵۲] کہ آپ ہماری ایسی حفاظت کیجیے جیسے ماں

۵۲؎ مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹)، باب الادعیۃ المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار الفکر/ مسند ابی یعلٰی: ۹/۳۹۶ (۵۵۲۷)

اپنے چھوٹے بچے کی کرتی ہے، کیوں کہ اے خدا! مومن کے لیے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل ترین کام نہیں کہ وہ آپ کی نافرمانی کرکے اپنے قلب اور قالب کو ناپاک کرلے اور آپ سے دور ہو جائے، لہٰذا اے اللہ! ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کیجیے اور اپنی خاص مدد شاملِ حال کرکے نفس کے ہاتھوں سے ہمیں چھڑا لیجیے۔

پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ہمارے اندر گناہوں کے جو تقاضے اور گناہوں کا جو خبیث ذوق ہے اس پر اپنی رحمت اور ستّاری کے پردے کو قائم رکھیے، اس پردے کو اُٹھنے نہ دیجیے، اپنی ستّاری اور پردہ پوشی کا پردہ نہ پھاڑیے یعنی ہمارے عیبوں کو ظاہر نہ کیجیے ورنہ ہم ذلیل ورُسوا ہو جائیں گے کیوں کہ اے اللہ! گناہوں پر مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ جس سے انتقام لیتے ہیں تو اس کا پردۂ ستّاریت پھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ سارے عالم میں رُسوا ہو جاتا ہے، لہٰذا۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے اللہ! اپنے اس بندے کو رسوا نہ کیجیے۔ اگرچہ میں انتہائی نالائق ہوں، لیکن میری نالائقیوں اور میرے عیبوں کو اپنے بندوں پر ظاہر نہ کیجیے۔

باز خر مارا ازیں نفسِ پلید
کاردش تا استخوانِ ما رسید

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میں اتنا نالائق ہوں کہ میں نے خود کو نفس کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے اور میں نفس کا غلام بن چکا ہوں، لیکن اے خدا! آپ ارحم الراحمین ہیں، اس ناپاک نفس سے مجھے دوبارہ خرید لیجیے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ ظالم نفس گوشت تو کاٹ کے کھا گیا، ہڈی رہ گئی تھی تو اب اس کی چھری ہڈی تک پہنچ رہی ہے۔ اگر ہڈی بھی کھا جائے گا تو پھر میں کیا رہوں گا؟ مراد یہ ہے کہ نفس کی بُری بُری خواہشات نے ہمارے دین کو تباہ کر دیا ہے، لہٰذا اے اللہ! میری مدد فرمائیے اور نفس کے چنگل سے مجھے رہائی دلائیے۔

از چو ما بیچارگاں ایں بندِ سخت
کہ کشاید جز تو اے سلطانِ بخت

نفس کے اس سخت قید وبند سے ہم جیسے عاجزوں کو سوائے آپ کے کون رہائی دلا سکتا ہے؟ ہم تو نفس کی سخت بندشوں اور بُرے بُرے تقاضوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف سے نفس نے ہمیں باندھ رکھا ہے لہٰذا ہم بے چاروں، عاجزوں کو نفس کی سخت بندشوں سے آزادی عنایت کرنا صرف آپ کی رحمت کا کام ہے۔ پس اے ہماری قسمتوں کے بادشاہ! نفس کے بُرے تقاضوں کی رسیوں سے ہمیں سوائے آپ کے کون کھول سکتا ہے؟ آپ ہمارے نصیبوں کے سلطان ہیں۔ اگر ایک بدمعاش، مجرم، کمینے اور ذلیل وخوار پر آپ اپنی ایک نگاہ کرم ڈال دیں تو اسی وقت اس کا نصیب جاگ اٹھے گا اور اس کا کام بن جائے گا اور اسی لمحہ وہ نفس کے قید وبند سے رہائی پا جائے گا۔ وہ دل جو گناہوں کے شدید میلان میں مبتلا تھا آپ کی نگاہِ کرم کے بعد اس کو گناہوں کا وہ شدید میلان نہیں ہوتا جتنا عام لوگوں کو ہوتا ہے، بس ہلکا سا ایک طبعی میلان ہوگا، لیکن اے اللہ! آپ کی مہربانی سے اس کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ آپ کے کرم سے حُسنِ مجازی کی فنائیت اور فانی اجسام کے اندر کی گندگی اس کو نظر آجاتی ہے جس سے فانی جسموں سے ایک نفرتِ طبعیہ اے اللہ! آپ اس کو عطا فرمادیتے ہیں، کیوں کہ انسان عقل کے بل بوتے پر کب تک لڑے گا؟ عقلی استدلال کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں، اس لیے اے اللہ! ہمیں گناہوں سے طبعی کراہت نصیب فرما دیجیے تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے۔ ورنہ حُسنِ فانی کی ملمع سازی کا فریب بُرے بُرے تقاضوں کو اور شدید کر دیتا ہے، مگر جس پر اے خدا! آپ فضل فرمادیں تو اس کو نظر آجاتا ہے کہ ان فانی جسموں کی چمک دمک ظاہری ہے، اندر گُو بھرا ہوا ہے۔ جیسے کوئی پاخانہ پر سونے اور چاندی کا ورق لگادے، جو ورق کی چمک دمک سے دھوکا کھائے گا وہ پاخانہ ہی پائے گا، لہٰذا اے نفس! بالوں اور گالوں سے اور رانوں سے دھوکا نہ کھا ورنہ پیشاب پاخانہ کی گندگی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ تو جسمانی اور حسّی بے عزتی ہوئی، لیکن اگر اے اللہ! آپ نے

ستّاری نہ فرمائی تو ہم مخلوق میں بھی ذلیل ہو جائیں گے، کیوں کہ ستّاریت ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ جب تک ہم چاہیں اپنے عیب کو چھپائیں، بلکہ پردۂ ستّاریت اے اللہ! آپ کے اختیار میں ہے، جب چاہیں ہٹادیں اور ساری دنیا ہماری رُسوائی کا تماشا دیکھ لے۔ اسی لیے مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ نفس کی چالوں اور مکّاریوں اور اس کے بُرے بُرے تقاضوں کی قید سے اے اللہ! آپ کے سوا کون نجات دلا سکتا ہے، کیوں کہ تقلیبِ ابصار سے گناہ حسین اور نیکیاں بُری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ حدیثِ پاک کی دُعا ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ اے اللہ! حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ [۵۳] اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب اور پرہیز کی توفیق کا رزق دے دے۔ یعنی رزقِ اتباعِ خیرات وحسنات نصیب فرما اور رزقِ اجتناب عن الباطل بھی نصیب فرما۔ اپنی رضا کے اعمال نصیب فرما اور ناراضگی کے اعمال سے حفاظت نصیب فرما۔

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودود
کہ تو اند جز کہ فضلِ تو کشود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہمارے نفس نے گناہوں کے اور بُری بُری خواہشات کے ایسے بھاری تالے لگائے ہوئے ہیں کہ اے محبت کرنے والے اللہ! ہم آپ کا راستہ چلنا چاہتے ہیں، اللہ والا بننا چاہتے ہیں لیکن خواہشات کے یہ تالے ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتے، لہٰذا سوائے آپ کے فضل کے کون ان تالوں کو کھول سکتا ہے؟ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ [۵۴] اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو اپنے ذکر سے کھول دے۔ اے اللہ! جب آپ کا فضل اپنی یاد اور ذکر کی توفیق دے گا تب ہی خواہشاتِ نفسانیہ کے دل پر لگے ہوئے یہ تالے کھلیں گے، ورنہ نفس کے ان بھاری تالوں کا کھلنا مشکل ہے، یعنی ان گندے تقاضوں اور گناہوں سے نجات ملنا مشکل

۵۳؎ التفسیر لابن کثیر: ۲۵۰/۱

۵۴؎ کنز العمال: ۶۹۹/۷ (۲۰۹۹۰)، الفصل الرابع فی الاذان والترغیب فیہ... الخ، مؤسسۃ الرسالۃ

ہے جو اللہ کی راہ کی سب سے بڑی رُکاوٹ اور حجاب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کسی اُمّتی نے پوچھا کہ اللہ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی جواب عطا ہوا کہ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ نفس کی حرام خواہشوں کو چھوڑ دے اور میرے پاس چلا آ۔ بس یہی نفس اللہ کی راہ کا حجاب ہے ورنہ اللہ کا راستہ بالکل آسان اور صاف ہے۔ جب تک خواہشاتِ نفسانیہ سے نجات نہیں ملے گی اللہ کے راستے کے تالے نہیں کھل سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاہوا تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک خواہشاتِ نفسانیہ تازہ اور ہری بھری ہیں تب تک ایمان سرسبز و تازہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ خواہشات ہی بارگاہِ حق کے دروازے کا تالا ہیں۔ جب یہ تالا کھولو گے تب ہی بارگاہِ حق میں رسائی ہو سکتی ہے اور عموماً جوانی ان ہی چیزوں میں مشغول ہو جاتی ہے، اور جوانی کا وہ بہترین زمانہ جب خواہشات کا عالمِ شباب اللہ پر فدا کر کے انسان اپنی رُوح میں ایک غیر فانی عالمِ شباب اور غیر فانی بہار لا سکتا ہے، وہ زمانہ عموماً خواہشات کی فانی بہار کی فانی لذتوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کاش! یہ جوان کچھ دن کسی صاحبِ نسبت کی صحبت میں رہ کر جوانی اللہ پر فدا کرتے اور خواہشات کے تالے توڑ دیتے، تو ایسی لذّتِ قُرب اور ایمان کی حلاوت ملتی جس کے سامنے دونوں جہاں کی لذتیں گرد معلوم ہوتیں، لیکن فانی لذتوں کا فریب اہل اللہ کے پاس نہیں رہنے دیتا، اور بعضے لوگ جو بزرگوں سے بھاگے ہیں وہ اپنے نفس کے گندے تقاضوں کی وجہ سے بھاگے ہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہاں رہیں گے تو گناہ کیسے کریں گے اور اسی لیے وہ ذکر اللہ بھی نہیں کرتے کہ کہیں نسبت مع اللہ زیادہ قوی نہ ہو جائے اور گناہ چھوٹ جائیں اور ان سے شیطان بھی یہی کہتا ہے کہ ذکر مت کرو، ذکر کرنے سے اللہ سے تعلق قوی ہو گا پھر گناہ کیسے کرو گے؟ اور ایسا شخص توبہ بھی نہیں کرتا کہ اگر توبہ کر لیں گے تو پھر دوبارہ گناہ کیسے کریں گے؟ کچھ دن پیٹ بھر کے گناہ کر لو اس کے بعد پھر توبہ

کر لینا اور مسجد سنبھال لینا، حالاں کہ کیا گارنٹی ہے کہ موت مسجد سنبھالنے بھی دے گی۔ بہر حال اگر مہلت مل بھی گئی تو ان کا یہ حال ہوتا ہے ؎

پاس جو کچھ تھا وہ صرف مے ہوا

اب نہ کیوں مسجد سنبھالی جائے گی

چلو آخری عمر کے سجدے بھی رائیگاں نہیں جاتے، یہ بھی نعمت ہیں۔ لیکن جنھوں نے اپنی جوانی اللہ پر فدا کی ہے جس کی برکت سے ان کی رُوح پر جو ایک غیر فانی عالمِ شباب طاری ہے اس کی لذت کو کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا، اس کے برعکس جو لوگ گناہ سے نہیں بچتے تو گناہوں کے ایٹم بم ان کی رُوحانیت کے شہر کو بالکل ہیرو شیما کر دیتے ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

۞۞۞۞

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں

آشیاں سے نہ محروم کر باغباں　　تجھ پہ رحمت کرے خالِق دوجہاں

بجلیوں سے بچاتا ہے ربِّ جہاں　　ایک تدبیرِ کمزور سے ہے آشیاں

چشمِ ترخوں فشاں آہ سُوئے سماں　　ہیں مرے دردِ دل کے یہ سب ترجماں

کیا یہ شمس و قمر یہ زمیں آسماں　　اپنے خالق کا دیتے نہیں ہیں نشاں

کیا جہاں میں نمودار خود ہو گئے؟　　ہر وجود اپنے موجد کا خود ہے نشاں

ہستی انساں کی خالق پہ شاہد ہے خود　　تیرے اندر ہے وہ خالِق دوجہاں

ہو کے مخلوق خالق کا منکر بنے　　اس حماقت پہ ہے لعنتِ دوجہاں

یہ صدا سُن لو اختر کی اے دوستو

خالِقِ جاں پہ کر دو فدا اپنی جاں

درسِ مناجات رُومی

۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۶؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز شنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز خود سوئے تو گردانیم سر
چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے اپنی ذات سے بے زاری ظاہر کرکے اپنا رُخ آپ کی طرف کرلیا ہے، یعنی جو توجہ ہمیں اپنی ذات پر اور اپنے دست وبازو پر تھی کہ ہم گناہ سے بچیں گے، لیکن ہم اپنے آپ سے اب بالکل بے زار اور مایوس ہوچکے ہیں، لہٰذا اب آپ کی طرف آسرا لگارہے ہیں، آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ ربّا ہماری مدد کو آئے، جیسے بچہ اپنی پوری طاقت سے اغوا کرنے والے غنڈے سے لڑا، لیکن آخر میں اس غنڈے نے کلائی مروڑی اور دبوچ کر اپنی جھولی میں ڈال لیا، اس وقت بچہ اپنے ابّا ہی کا سہارا تلاش کرتا ہے کہ ابّا آئے اور اس کو جھولی سے چھین لے۔ آج کل بچّوں کو اغوا کرنے والے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیتے ہیں اور کار میں بٹھا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح نفس وشیطان بھی آنکھوں پر شہوت اور بُری خواہشات کی پٹی باندھ دیتے ہیں پھر اس کو نظر ہی نہیں آتا کہ حق کس طرف ہے؟ اور آہ وفغاں، نالہ وفریاد اور دعا سے روکنے کے لیے معصیت وشہوت کا کپڑا اس کے دل میں ٹھونس دیتے ہیں تاکہ یہ دعا بھی نہ کرے، اللہ سے پناہ بھی نہ مانگے لیکن آپ کی توفیق سے ہم نے اپنا رُخ اے اللہ! آپ کی طرف کرلیا ہے، چوں کہ ہماری ذات سے زیادہ آپ ہم سے قریب ہیں اور مصیبت میں آدمی اپنے قریبی ہی کو مدد کے لیے بلاتا ہے۔ اے اللہ! آپ میرے نفس سے، میری رُوح سے،

میری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ آپ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[۵۵]

میں تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اے اللہ! جب آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اقرب کا حق زیادہ ہوتا ہے، لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ پھر بھی آپ پر جان فدا نہیں کرتے اور گناہوں کے تقاضوں کو برداشت نہیں کرتے اور آپ کو ناخوش کرکے اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں جبکہ ہم سے زیادہ آپ ہمارے نزدیک ہیں، آپ کے مقابلے میں ہماری جان اور ہمارا نفس بھی ہم سے دور ہے، اس لیے ہم نے سارے جہاں سے رُخ پھیر کر اب آپ پر اپنی نظر جمالی ہے اور ہم آپ ہی کو پکارتے ہیں، کیوں کہ اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے تحت آپ کا حق سب سے زیادہ ہے، اس لیے اگر ہم اپنی جان کو شہادت کے لیے پیش کرکے جان آپ پر فدا کردیں تو یہ آپ کا حق ہے کہ جان اپنے قریبی مولیٰ پر فدا کی لیکن حق پھر بھی ادا نہ ہو گا کیوں کہ ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

با چنیں نزدیکی دوریم دور
در چنیں تاریکئے بفرست نور

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں اے اللہ! آپ ہماری جان سے زیادہ ہمارے قریب ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ لیکن اس نزدیکی کے باوجود ہم آپ سے بے انتہا دور ہیں۔ دوریم دور کا مبالغہ ہے، تکرارِ لفظ بلاغت کے لیے آتا ہے۔ تو باوجود اس قُرب کے کہ آپ ہماری جان سے زیادہ قریب ہیں پھر ہم آپ سے اتنی دور کیوں ہیں؟ اس دوری کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ نفس ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے،

۵۵؎ قٓ:۱۶

جیسے زمین کا گولا چاند کو آفتاب کے نور سے محروم رکھتا ہے۔ جب کرۂ ارض سورج اور چاند کے درمیان میں پورا حائل ہو جاتا ہے تو پورا چاند بے نور ہو جاتا ہے اور پھر جب حرکت کرتے کرتے یہ زمین کا گولا تھوڑا ہٹتا ہے اور سورج کی تھوڑی سی شعاعیں پڑتی ہیں تو چاند تھوڑا سا روشن ہو جاتا ہے اور وہ چاند کی پہلی تاریخ بنتی ہے اس کے بعد زمین اور ہٹی تو دوسری تاریخ آگئی، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ زمین کا پورا گولا چاند اور سورج کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے، اس دن پورا چاند روشن ہو جاتا ہے۔ نفس کو مٹاتے مٹاتے جس دن خدائے تعالیٰ یہ مقامِ توفیق عطا فرمادیں کہ شہوت اور غضب کی کوئی حالت نفس کے تابع نہ رہے اور وہ کسی حالت میں استقامت سے الگ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہر وقت جان فدا کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس شخص کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کے قلب کا پورا دائرہ نسبت مع اللہ کے چاند سے روشن ہو گیا، پھر اس شخص کے الفاظ میں بھی فنائے نفس کے اثرات ہوتے ہیں۔ جس کا نفس جس قدر زندہ ہے اسی قدر تاریکیاں اس کے کلام میں پائی جائیں گی، چاہے وہ قرآن وحدیث ہی کیوں نہ بیان کر رہا ہو، اور جس کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کا پورا دائرۂ قلب نسبت مع اللہ سے روشن ہو گیا تو اس کا نور اس کے کلام میں بھی شامل ہو گا، چاہے وہ دنیا ہی کی باتیں کر رہا ہو۔ اسی وجہ سے اگر کوئی بددین قرآن وحدیث بیان کرتا ہے تو اس سے گمراہی پھیلتی ہے، کیوں کہ اس کے دل میں گمراہی ہے، اور اگر کوئی اللہ والا انگریزی اور سائنس وغیرہ کی دنیوی تعلیم دیتا ہے تو اس کے شاگردوں میں دین آئے گا کیوں کہ اس کا دل اللہ والا ہے۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے۔

کفر گیرد ملتی ملت شود
دین گیرد علتی علت شود

کوئی اللہ والا اگر کفر کو ہاتھ میں لے تو وہ دین بن جاتا ہے اور کوئی بددین اور گمراہ دین کو بھی گمراہی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ کسی گمراہ اور بددین شخص سے اپنے بچوں کو قرآن وحدیث نہ پڑھواؤ، ورنہ وہ بچے بھی گمراہ ہو جائیں

گے اور اگر دنیوی تعلیم دلوانی ہے تو کسی اللہ والے سے پڑھواؤ تو بچے بھی دین دار ہو جائیں گے۔ اسی لیے نفس کو مٹانے کا حکم دیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر مرنا جینا آجائے، اخلاقِ رذیلہ جاتے رہیں اور اخلاقِ حمیدہ پیدا ہو جائیں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ تصوف نفس کو مٹانے کا نام ہے۔ ملفوظات یاد کر لینے کا اور دین کی کتابیں لکھ دینے کا اور وعظ و تقریر کر لینے کا نام تصوف نہیں ہے، ان سب کی کچھ حقیقت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے افنائے نفس اور افنائے خواہشاتِ غیر شرعیہ سے۔ کوئی کہے کہ صاحب! نفس کیا چیز ہے، ہم کیسے نفس کو مٹادیں، نفس کی کیا ماہیت ہے؟ تو نفس کی تعریف حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے: مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ یعنی طبیعت کے وہ تقاضے جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی اس کا نام نفس ہے۔ اور علامہ آلوسی نے کیا تعریف کی ہے اَلنَّفْسُ كُلُّهَا ظُلْمَةٌ وَسِرَاجُهَا التَّوْفِيْقُ[۵۶] نفس سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ اللہ کی توفیق ہے۔

اسی کو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں ہم جو اللہ سے دور ہیں اس کی وجہ ہمارے گناہ ہیں، اور اس دور میں اللہ سے دوری کا سب سے بڑا سبب حسین شکلیں ہیں اور شیطان ان کو اور مزیّن کر دیتا ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا[۵۷] کیا حال ہے اس شخص کا کہ بُرے عمل جس کے لیے مزیّن کر دیے گئے اور ان کو وہ حسین دیکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھو کہ ان حسینوں کا حسن جسمِ اعلیٰ میں ہوتا ہے یعنی آنکھوں میں اور چہرے میں لیکن جو حسنِ اعلیٰ انسان کو مقامِ اسفل کی طرف لے جائے، یہی دلیل ہے کہ یہ چیز خراب ہے، اور جو ناپاک کردے یہ دلیل ہے کہ یہ محبت ناپاک ہے، مثلاً: ایک حسین کو ایک آدمی دیر تک دیکھتا رہتا ہے اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ مذی آگئی اور شیطان کہہ رہا تھا کہ ارے بھئی! خالی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو حُسن کے جلووں میں تجلیاتِ الٰہیہ

۵۶؎ روح المعانی: ۸/۱۳، یوسف (۱۱۱)، دار احیاء التراث، بیروت

۵۷؎ فاطر: ۸

دیکھتے ہیں۔ اگر آپ تجلیاتِ الٰہیہ دیکھ رہے تھے تو یہ مذی کیوں نکلی، آپ بے وضو کیوں ہو گئے؟ وضو شکن چیز تو ناپاک ہوتی ہے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ ناپاک محبت ہے اور ناپاک نظر ہے۔ آپ کسی اللہ والے کو دس گھنٹہ دیکھیں مذی نہیں آئے گی، قرآن شریف کو تمام عمر دیکھو، کعبہ شریف دیکھو، لیکن یہ شیطان بہکاتا ہے کہ ارے خالی دیکھ لینے سے کیا ہوتا ہے، لیکن آپ بلڈ پریشر میں ذرا نمک کھائیے کہ واہ میرے اللہ! آپ نے کیا نمک پیدا کیا ہے! پھر دیکھیے پریشر ہائی ہو گا یا نہیں اور ڈاکٹر دو طمانچے لگائے گا۔ ہر حسن انسان کو اسفل کی طرف لے جاتا ہے۔ عشقِ مجازی اُوپر سے شروع ہوتا ہے یعنی آنکھوں سے اور گالوں سے اور کالے بالوں سے، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ ناف کے نیچے گندے مقامات پر لے جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بہت ہی دھوکے باز تاجر ہے کہ نمونہ اور سیمپل (Sample) دکھاتا ہے آنکھ اور گال کا اور مال دیتا ہے کتنے گندے مقام کا۔ دیکھو شیطان حُسن دکھا کر کس مقام پر انسان کو ذلیل کرتا ہے۔ اتنا ذلیل کرتا ہے کہ عاشق و معشوق دونوں ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتے ہیں کہ پھر کوئی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔ رحم آتا ہے ایسے ظالم پر جو اپنی اور دوسرے مومن کی آبرو کو ضایع کرتا ہے۔ یہ اللہ کا حلم ہے ورنہ ایسے خبیثوں کو بھوسہ بھروا کر دفن کر دیتا۔ اور نفس بھی ایسا احمق اور بدھو اور بے وقوف اور کمینہ ہے کہ بارہا تجربہ کر چکا کہ حسینوں سے کچھ نہیں ملتا سوائے بے چینی واضطراب اور پریشانی کے، جیسے مچھلی چارے کی لالچ سے دریا سے نکل جاتی ہے لیکن ریت میں جا کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اللہ کے دریائے قُرب سے مت نکلو چاہے شیطان کتنی ہی گناہ کی لذّت پیش کرے کیوں کہ اس کا انجام اضطراب اور بے چینی ہے۔ لہٰذا اگر راحت چاہتے ہو تو دونوں جہاں کی راحتیں تقویٰ میں، اللہ کی رضا میں اور ان کی یاد میں ہیں، کیوں کہ اللہ خالقِ دو جہاں ہے، وہ دونوں جہاں کی لذتوں کا خالق ہے۔ تو جو اللہ پر عاشق ہوتا ہے، محبت سے اللہ کا نام لیتا ہے تو دونوں جہاں کی لذتیں بصورتِ کیپسول اس کی رُوح میں اُتر جاتی ہیں۔ حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں ہے جو اللہ

کے نام میں ہے۔ کیوں کہ حور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم واجب الوجود ہے اور قدیم غیر محدود ہوتا ہے تو غیر محدود اللہ کے نام کی لذّت کے مقابلے میں مخلوق اور حادث کی کیا حقیقت ہے؟ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[۵۸] نکرہ تحت النفی واقع ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے، لہٰذا ان کے نام کی لذت کا بھی کوئی مثل نہیں۔ پس جو اللہ کا نام لیتا ہے وہ دونوں جہاں کی لذّتوں سے بڑھ کر مزہ پاتا ہے ؎

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

یہ انتہائی بے وقوفی اور نادانی ہے جو غیر اللہ کی طرف انسان بڑھتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! باوجود آپ کے نزدیک ہونے کے ہم آپ سے جو دور ہیں اس کی وجہ نفس کی سازشیں اور آویزشیں اور شہوات اور غصے کی بیماریاں ہیں جو ہمیں اللہ سے دور رکھتی ہیں۔ اس نزدیکی کے باوجود جو ہم اللہ سے دور ہیں اس کا سبب وہی ہے جو ہمارے اکابر نے فرمایا کہ اگر قلب میں نسبت مع اللہ کا چاند پورا روشن نہیں ہوا اور قلب کا تھوڑا سا کنارہ بھی بے نور ہے تو لطف ختم ہو جاتا ہے، اس لیے گناہ پر تھوڑی سی بھی جرأت مت کرو۔ جس طرح رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ[۵۹] میں تنوین تقلیل کے لیے ہے کہ اللہ کا تھوڑا سا راضی ہو جانا اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ہے، اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ الْعَالَمِ ہے، سارے جہانوں سے ان کی رضامندی بڑی ہے، اسی طرح ان کی تھوڑی سی ناراضگی بھی عظیم الشان ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت، کوئی پریشانی نہیں۔ لہٰذا یہ نہ سوچو کہ یہ بات تو مکروہ ہے، یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے، کیوں کہ اگر اللہ ذرّہ بھر ناراض ہو جائے تو سمجھ لو کہ ساری دنیا ہی اُجڑ گئی، کیوں کہ ان کا ذرّہ بھی بہت بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے شخص سے بڑھ کے ظالم اور کون ہو گا جو محبت کا نام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض بھی کرتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ محبت کے کیا حق ہیں؟ کون نہیں جانتا کہ محبت کے دو حق ہیں: محبوب ہر وقت خوش

۵۸؎ الاخلاص:۴

۵۹؎ التوبۃ:۷۲

رہے اور محبوب کسی وقت ناراض نہ ہو۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو محبت حاصل ہے ورنہ یہ محبت نہیں، یہ تو محبت کا مذاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی فکر نہ ہو اور غیر اللہ میں بندہ مشغول ہو جائے حالاں کہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا ہمارے دل کو چین سے رکھنے والا کوئی نہیں۔ اللہ کے سوا پورے عالم اور پوری کائنات میں دل کو چین سے رکھنا اور کوئی جانتا بھی نہیں اور چین سے رکھنے پر قادر بھی نہیں۔ نہ جانتے ہیں، نہ قادر ہیں کہ وہ ہمارے دل کو چین سے رکھ سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[٦٠]

اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اس میں حصر ہے تَقۡدِیۡمُ مَا حَقُّہُ التَّاخِیۡرُ یُفِیۡدُ الۡحَصۡرَ کے قاعدے سے۔ اصل عبارت یوں تھی اَلَا تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ بِذِکۡرِ اللّٰہِ فعل پہلے ہوتا ہے پھر فاعل ہوتا ہے، متعلقات بعد میں ہوتے ہیں، لیکن جب متعلقات کو مقدم کر دیا جائے تو معنیٰ حصر کے پیدا ہو جاتے ہیں جس کا ترجمہ ہوا کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ اور اللہ جزائے خیر دے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو، وہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ کَمَا اَنَّ السَّمَکَۃَ تَطۡمَئِنُّ فِی الۡمَاءِ لَا بِالۡمَاءِ[٦١] مچھلی پانی کے ساتھ نہیں چین پاتی، پانی میں جب غرق ہو جائے کہ اُوپر بھی پانی ہو نیچے بھی پانی ہو، دائیں بھی پانی ہو بائیں بھی پانی تب چین پاتی ہے۔ اور اگر بالماء ہے کہ مثال کے طور پر پورا جسم مچھلی کا پانی میں ہو، لیکن صرف سر کھلا ہوا ہو تو بتاؤ مچھلی چین پائے گی؟ بس سمجھ لو کہ اگر آنکھیں گناہ گار ہیں، کسی نامحرم یا اَمرد کو دیکھ رہی ہیں، اگر کان کسی حسین کی بات سن رہے ہیں، زبان سے اس سے باتیں چبا چبا کر کر رہے ہو، تو ساری زندگی عذاب میں مبتلا رہنے کا جس کا ارادہ ہو وہی یہ سب کام کرے گا۔ ایسے لوگ ساری زندگی عذاب میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ کے قُرب کے دریا سے محروم رہتے

---

[٦٠] الرعد:۲۸

[٦١] التفسیر المظھری: ۲۶۱/۱۰، الفجر (۲٦)، المکتبۃ الرشیدیۃ

ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ باوجود اتنی نزدیکی کے کہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پھر بھی ہم اپنے نفس کی غلامی اور نفس کی شہوتوں کی اتباع سے آپ سے دور ہیں۔

در چنیں تاریکئے بفرست نور

اپنے نفس کی غلامی اور نفس کے غلبے سے ہم تاریکی میں ہیں۔ اے اللہ! آپ کے آفتابِ نور اور ہمارے قلب کے درمیان ہمارے نفس کا گولا آگیا ہے، جس سے ہمارا قلب آپ کے نور سے محروم ہو کر بالکل تاریک ہو گیا ہے۔ جس پر نفس غالب آجاتا ہے وہ گناہ پر جری ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے قلب کی دنیا میں اس وقت ایک ذرّہ نور نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے دوستوں اور رفیقوں کے لیے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایک سانس بھی اپنی ناراضگی اور نافرمانی میں نہ جینے دے، کیوں کہ حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کی سب سے بُری گھڑی وہ ہے کہ جس گھڑی وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، مومن کی وہ سانس نہایت ہی منحوس اور لعنتی ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کا غضب خریدتا ہے اور وہ سانس نہایت مبارک ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے۔

پس اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے، اپنی نالائقیوں سے اور اپنی بد اعمالیوں سے انتہائی شدید تاریکی میں ہیں اور آپ سے دور ہیں، لہٰذا آپ ہمارے دل کی تاریک دنیا میں اپنی رحمت سے نور بھیج دیجیے، گناہوں کے اندھیروں میں تقویٰ کا نور بھیج دیجیے (فرستادن معنیٰ بھیجنا، بفرست اس کا امر ہے) یعنی ہمارے اندھیروں میں اپنی رحمت سے آپ اپنی توفیق کا نور بھیج دیجیے، تاکہ ندامت کی برکت سے گناہوں کے اندھیروں سے ہم نجات پا جائیں۔

اور توفیق کی کیا تعریف ہے:

۱) تَوْجِیْهُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ اللہ تعالیٰ اسبابِ خیر پیدا کر دیں۔ **توجیہ** **وجہ** سے ہے، اور **وجہ** کا معنیٰ ہے چہرہ، باب تفعیل میں جا کر **توجیہ** ہو گیا جس کے معنیٰ یہ ہو جاتے ہیں کہ چہرے کے سامنے کوئی چیز آجانا، لہٰذا توفیق

کے معنٰی ہوئے کہ بھلائیوں کے اسباب سامنے آجائیں۔

۲) تَسْهِيْلُ طَرِيْقِ الْخَيْرِ۔ خیر کے راستے آسان ہوجائیں اور تَسْدِيْدُ طَرِيْقِ الشَّرِّ شر کے راستے مسدود ہوجائیں۔

۳) خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ۔[٦٢] عبادت واطاعت کی طاقت اللہ پیدا کردے۔ یہ نہیں کہ گناہوں کے اسباب دیکھ کر بھوسہ اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح ہوجائے کہ صاحب! ہم تو پاگل ہوجاتے ہیں گناہوں کے اسباب کو دیکھ کر۔ اس میں اتنی دفاعی قوت موجود ہو کہ وہ گناہ سے بچ جائے۔

نفس کے بندے

چین اِک پل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے

دفن کرکے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

٦٢؎ شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعۃ دیوبند

درسِ مناجاتِ رُومی

یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۷؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز اتوار، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، ۲ کراچی

ایں دعا ہم بخشش و تعلیمِ تست
ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

ارشاد فرمایا کہ رستن روئیدن کے معنیٰ ہیں اُگنا، اور گلخن کہتے ہیں بھٹی کو، آتش کدہ کو جس میں آگ جلتی ہے روٹی اور کھانا وغیرہ پکانے کے لیے یا لوہا اور سونا وغیرہ پگھلانے کے لیے۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ہم جو یہ دُعا کر رہے ہیں اے خدا! یہ توفیق بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور آپ ہی کی بخشش اور انعام ہے اور آپ ہی کی تعلیم ہے۔ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو دُعا کی توفیق بھی نہ ہو، چناں چہ بعضے لوگ جب گناہ کے لیے چلے تو دُعا نہیں مانگی کہ اللہ! ہمیں بچانا، کیوں کہ وہ نیت کر کے چلے تھے کہ منہ کالا کرنا ہے، ایسا شخص پھر کہاں دُعا کرتا ہے۔

پس اے خدا! اگر آپ کا کرم نہ ہوتا اور آپ توفیقِ دُعا نہ دیتے تو ہم تو شہوت کی آگ میں جل جاتے۔ آگ میں پھول کیسے اُگ سکتا ہے؟ یا اللہ! جہاں آگ جل رہی ہو اس میں گلستان کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو آتش کدۂ شہوت میں آپ کی محبت کے پھل اور پھول اور آپ کی یاد کا گلستاں کہاں سے پیدا ہوتا؟ یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کے شدید تقاضوں کے باوجود تقویٰ پر عمل کے لیے دُعا کی یہ توفیق آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی بخشش اور کرم کا ثمرہ ہے، ورنہ شہوت کی آگ میں آپ کی محبت اور دُعا کے قُرب کا گلستاں پیدا ہونا محال تھا، لیکن اجتماعِ ضدّین ہمارے لیے

محال ہے آپ کی قدرتِ قاہرہ کے لیے محال نہیں۔ لٰہذا یہ آپ ہی کا کرم، آپ ہی کی بخشش اور آپ ہی کی تعلیم کا اثر ہے کہ نفس کے شدید تقاضوں کی آگ میں سلامتیٔ تقویٰ کے لیے توفیقِ دُعا نصیب فرما کر آپ نے آگ میں اپنی محبت کا گلستاں کھلا کر اجتماعِ ضدّین کو اپنی قدرتِ قاہرہ سے ممکن کر دیا۔ پس یہ دُعا آپ کی عطا ہے، آپ ہی نئے نئے مضمون دل میں ڈال رہے ہیں۔ بعض جاہلوں کے دل میں اللہ تعالیٰ ایسا مضمون ڈالتے ہیں کہ علماء حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک اَن پڑھ بزرگ اللہ سے کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! آپ کا نام بہت بڑا نام ہے، جتنا بڑا آپ کا نام ہے اتنا ہی بڑا اہم پر رحم کر دیجیے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ آپ سوچیے! کسی کریم کے پاس آدمی جائے اور کہے کہ صاحب! میں نے آپ کا بڑا نام سنا ہے، جتنا بڑا ہم نے آپ کا نام سنا ہے بس اتنا بڑا اہم پر کرم فرما دیجیے، تو بتاؤ اس کریم کے کرم میں کتنا جوش ہو گا!

تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دُعا آپ کی بخشش اور آپ کی تعلیم ہے ورنہ آگ کی بھٹی میں کہیں گلستاں اُگتا ہے؟ یہ آپ کا نام لینے کی توفیق ہے کہ دُعا کی برکت سے شہوت کی آگ میں آپ تقویٰ اور محبت کے پھول کھلاتے ہیں۔ حضرت اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

میں نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

زندگی کی فانی بہار کو قربان کر کے ہم نے اللہ کی محبت حاصل کی ہے، یعنی حرام خواہشات کے رنگین پھولوں کو فدا کر کے اللہ کے قُرب کی غیر فانی بہار حاصل ہوئی ہے اور تم زندگی کی فانی بہار کو بھی چاہتے ہو اور دردِ دل بھی چاہتے ہو، دونوں ناممکن ہیں۔ اللہ کے لیے جس نے کائنات کے چمن کو لٹا دیا پھر اس نے پایا سب سے زیادہ مزہ ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

یہ دنیا اپنی بہاروں اور اس کی رنگینیوں پر ناز کر رہی تھی، لیکن تقویٰ کی برکت سے جب

دل میں اللہ تعالیٰ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوا تو دنیا کی فانی بہاریں نگاہوں سے گر گئیں۔ جس کو یہ دولتِ قُرب نصیب ہوگئی پھر وہ دنیا کے حسینوں پر فدا کرکے اپنی زندگی کو تباہ نہیں کرتا۔ ساری دنیا کے حسین اس کو مجموعۂ بول وبراز نظر آتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت کو ایسا لطیف کردیتے ہیں کہ حسینوں پر اچانک نظر پڑتے ہی اس کو ان کے جسم کے گراؤنڈ فلور کی گٹر لائنیں نظر آجاتی ہیں۔ ساری دنیا مُردہ ہے، موت تو بعد میں آئے گی، ارے جیتے جی ان کی شکلیں ایسی بگڑ جاتی ہیں کہ حُسن کا سارا جغرافیہ ختم ہوجاتا ہے۔ ذکر کی لطافت سے اللہ والوں کی طبیعت اتنی لطیف ہوجاتی ہے کہ حسینوں کے عینِ عالمِ شباب میں ان کے بڑھاپے کا انجام نظر آجاتا ہے۔ الٰہ آباد کے ایک بزرگ تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، کسی زمانے میں بڑے پہلوان تھے، انہوں نے اتنا ذکر کیا تھا کہ جانور جب ان کے سامنے سے گزرتے تھے تو ان کی نظر آرپار ہوجاتی تھی، جانوروں کا دل گردہ آنتیں وغیرہ سب ان کو نظر آجاتی تھیں۔ تو یہ ذکر اللہ کا اثر تھا جو کمالات میں سے تو نہیں ہے، مگر حالات میں سے ہے۔

درمیانِ خوں وروده فہم و عقل
جز ز اکرامِ تو نتواں کرد نقل

ارشاد فرمایا کہ جس طرح بدبودار کھاد سے اللہ تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے، اسی طرح خواہشاتِ نفس کی گندی کھاد سے تقویٰ اور محبت کے پھول پیدا فرمادیے کہ مادّۂ فجور کو دبانے سے، خواہشاتِ نفس کو جلانے سے یعنی تقاضائے معصیت پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور پیشاب اور خون کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ پیدا فرمادیا۔ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح اے خدا! آپ کی قدرت کا کمال ہے کہ خون کے اجزاء کے درمیان آپ نے عقل و فہم کو پیدا فرمادیا اور وہ عقل و فہم نظر بھی نہیں آتے۔ ہم سائنس دانوں سے کہتے ہیں کہ دماغ کا ایکسرے یا آپریشن کرکے دکھائیں کہ عقل و فہم کہاں ہے یا حافظِ قرآن کا قرآنِ پاک ہی تلاش کرلیں کہ دکھلاؤ کہاں ہے وہ قرآنِ پاک جو وہ محراب میں سناتا ہے؟ جسم

کے اندر روٹی سے خون بنا، کانوں میں جا کر وہی خون قوتِ سامعہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ دیکھنے لگے، آنکھوں میں جا کر وہی خون قوتِ باصرہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سامعہ بن جائے، زبان میں جا کر وہی خون قوتِ ذائقہ بنتا ہے، مجال نہیں کہ وہ سونگھنے لگے، ناک میں وہی خون قوتِ شامہ بنا، مجال نہیں کہ وہ چکھنے لگے۔ وہی خون دماغ میں جا کر عقل و فہم بن گیا۔ جس مقام پر وہ خون جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ قاہرہ سے اسی مقام کی طاقت اس کو بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی غذا ہے، ایک ہرن میں وہ مینگنی بن جاتی ہے اور اسی غذا کو دوسرا ہرن کھاتا ہے تو وہی غذا مشک بن جاتی ہے۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں۔ وہی کھانا کھا کر ایک ولی اللہ اشکبار آنکھوں سے سجدے میں خدا کو یاد کر رہا ہے اور وہی روٹی کھا کر ایک شخص بدمعاشی کر رہا ہے، زنا کر رہا ہے، بدنظری کر رہا ہے، ذرا سوچو کہ روٹی وہی ہے لیکن ایک شخص کی روٹی اسے عرشِ اعظم تک لے جاتی ہے اور دوسرے کی روٹی اس کو اَسۡفَلُ السَّافِلِیۡنَ میں پہنچاتی ہے۔ ایک روٹی اس کو مقامِ عزّت پر لے جاتی ہے اور وہی روٹی کھا کر دوسرا ذلّت اُٹھاتا ہے۔ ایک شخص روٹی کھا کر نیک اعمال کی توفیق سے ولایتِ خاصّہ سے مشرف ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کے قدموں کو چومے اور دوسرا وہی روٹی کھا کر مادّۂ شہوت میں مبتلا ہو کر بازار میں جوتے کھا رہا ہے اور ہر شخص کہہ رہا ہے کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ میر صاحب کا چشم دید واقعہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ایک شخص کو پولیس پکڑ کے لے جا رہی تھی، ہر دوکاندار کہہ رہا تھا کہ مارو خبیث کو میری طرف سے بھی دو جوتے۔ تو دیکھیے روٹی وہی ہے، ایک روٹی کی طاقت سے اس پر جوتوں کی بارش ہو رہی ہے اور وہی روٹی کھا کر اہل اللہ پر اللہ کی رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ ایک نے روٹی سے پیدا شدہ طاقت کو صحیح استعمال کیا اس پر رحمتوں کی بارش ہے اور ایک نے غلط استعمال کیا اس پر جوتوں کی بارش ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے کرم اور آپ کی مہربانی کے سوا خون کے درمیان عقل و فہم کی دولت کو کون پیدا کر سکتا ہے، کیوں کہ خون تو ناپاک ہے اور ناپاک چیز سے بُری اور مذموم شے مثلاً بے عقلی و بدفہمی کا پیدا ہونا تو قرینِ قیاس تھا، لیکن

اس سے عقلِ سلیم وخوش فہمی کا پیدا کرنا یہ عطا صرف آپ کا فضل ہے۔ پس کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو خون کے اندر عقل و فہم، محبت و تقویٰ، خوف و خشیت اور اعمالِ صالحہ کی توفیقات پیدا کر دے سوائے آپ کے اے پروردگار!

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار
عہدِ تو چوں کوہ ثابت برقرار

اے خدا! ہمارا عہدِ توبہ ہزاروں لاکھوں بار ٹوٹ گیا، ہزاروں بار ہم نے عہد کیا کہ اب ہم کبھی بد نظری نہیں کریں گے، کبھی کسی نامحرم لڑکی یا اَمرد کو نہیں دیکھیں گے، کبھی گناہ نہیں کریں گے، لیکن جب بازار گئے جہاں آج کل بے پردہ لڑکیاں پھرتی ہیں تو سارے بریک فیل ہو گئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ سے گناہ سے بچنے کا عہد کیا تھا اور ابھی توڑ دیا۔ اور کس سے توڑا اور کس سے جوڑا؟ اللہ سے توڑا اور شیطان سے جوڑا۔ ہمارا عہد تو ایسا بودا اور ضعیف ہے، لیکن یہ ہم نالائقوں کا حال ہے، اہل اللہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ میں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ راستے میں کبھی دائیں بائیں بھی نہیں دیکھتے تھے، سامنے زمین پر نظر کیے ہوئے تلاوت کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ حضرت جانتے ہی نہیں تھے کہ دنیا کہاں ہے۔ حضرت نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ حضرت! جب میں دنیا کی زمین پر چلتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں، مجھے دنیا کی زمین دنیا کی نہیں معلوم ہوتی بلکہ آخرت کی معلوم ہوتی ہے۔ حکیم الاُمت نے حضرت کا خط پڑھ کر فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا صدیق ہے، اولیائے صدّیقین کو ایسی نسبت دی جاتی ہے کہ یہ دنیا ان کے لیے حجاب نہیں رہتی۔

مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

یہ میرا شعر ہے، آسمانوں کے حجابات اللہ اپنی رحمت سے اُٹھا دیتا ہے۔

تو مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے عہد کی شکستگی کا یہ حال ہے کہ

ہم سینکڑوں ہزاروں مرتبہ وعدہ کرتے ہیں کہ گناہ نہیں کریں گے اور ہزاروں دفعہ شکستِ توبہ کرتے ہیں اور اے اللہ! آپ کا عہد مثل پہاڑ کے ثابت و برقرار ہے۔ یہ تو محض سمجھانے کے لیے مولانا فرماتے ہیں کہ آپ کا عہد بھی مثل پہاڑ کے ہے، ورنہ کہاں پہاڑ اور کہاں اللہ! پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہیں پہاڑوں کو ہلا دیں اور قیامت کے دن رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑا دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے ہمیشہ سے قائم ہیں اور قیامت تک اسی طرح قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۶۳]

آپ آپ ہیں آپ سب کچھ ہیں
اور اور ہے اور کچھ بھی نہیں

عہدِ ما کاہ و بہر بادے زبوں
عہد تو کوہ و ز صد کہہ ہم فزوں

کاہ معنیٰ گھاس، تنکا۔ ہمارے عہد اور ہمارے وعدے گھاس اور تنکوں کی طرح ذلیل و خوار ہیں کہ جدھر کی ہوا ہوئی اُدھر کو اُڑ گئے۔ خواہشاتِ نفس کی آندھیوں کے سامنے اے اللہ! ہمارے تمام عہد و قرار مثل گھاس اور تنکوں کے اُڑ جاتے ہیں اور ہواؤں کے غلام بن جاتے ہیں۔ ابھی سجدے میں رو رہے ہیں اور آپ سے وفاداری کے عہد و پیمان کر رہے ہیں اور ذرا سی دیر میں خواہشِ نفس کی رو میں بہہ کر گناہ کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کی حفاظت نہ ہو تو ہم گھڑی میں اولیاء اور گھڑی میں بھوت ہو جاتے ہیں۔ پس ہمارے وعدوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے وعدے اور ہمارے عہد تو نہایت ضعیف اور بودے اور ذلیل و خوار ہیں اور آپ کا عہد سینکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے، کیوں کہ پہاڑوں کی آپ کے سامنے کیا حقیقت ہے، آپ تو ان کے خالق ہیں۔

---

[۶۳] الشوریٰ:۱۱

حق آں قدرت کہ بر تلوینِ ما
رحمتے کن اے تو میرِ لونہا

اے اللہ! ہم آپ کو آپ کی اس قدرت کا واسطہ دیتے ہیں جو ہماری تلوین پر آپ کو حاصل ہے کہ آپ اپنی وہ رحمت نازل فرمادیجیے کہ ہماری تلوین تمکین سے تبدیل ہوجائے، یعنی ہم جو رنگ بدلتے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ولی اور ذرا سی دیر میں شیطان، تو یہ ہماری تلوین اور رنگ بدلنا، یعنی استقامت پر نہ رہنا اس پر آپ کو قدرت حاصل ہے کہ آپ ہماری بے استقامتی کو نعمتِ استقامت سے تبدیل فرمادیں، کیوں کہ آپ ہماری تلوین پر پوری طرح قادر ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم تلوین سے نجات پاجائیں اور ہمارا مقامِ تلوین تمکین واستقامت سے مشرّف ہوجائے۔ اے اللہ! آپ تو خالقُ الالوَان ہیں، دنیا میں جتنے الوان اور رنگ ہیں سب کے خالق آپ ہیں اور آپ کو ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، پس میں آپ کی اس قدرت کا صدقہ مانگتا ہوں کہ میری تلوین وعدم استقامت کو تمکین واستقامت سے تبدیل فرمادیجیے، یہ رحمتِ خاص مجھ پر نازل فرمادیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِكَ [۶۴]

اے اللہ! مجھ پر وہ خاص رحمت نازل فرما جس سے گناہ ترک ہوجائیں اور اپنی نافرمانی سے مجھے بدبخت نہ ہونے دیجیے۔

خویش را دیدیم و رُسوائی خویش
امتحانِ ما مکن اے شاہِ بیش

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! بارہا ہم نے اپنے دست وبازو کو آزمالیا اور بارہا اپنے دست وبازو کی شکست اور نفس سے اپنی مغلوبیت کی ذلّتیں اور رُسوائیاں بھی دیکھ لیں کہ ہزاروں بار ہم عہد شکنی اور توبہ شکنی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا اے اللہ! اگر آپ کا

---

[۶۴] جامع الترمذی: ۱۹۷/۲ (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایچ ایم سعید

فضل نہ ہو تو اپنے ارادوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے ارادوں کی تکمیل بھی آپ کے فضل کی محتاج ہے، کیوں کہ ہمارے ارادے ناقص ہیں اور تقویٰ کی جو استطاعت آپ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کے استعمال میں ہم ہمّت چوری کے مجرم ہیں پس اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ذرا سی دیر میں سب پڑھا لکھا اور اللہ والوں کی صحبتیں اور ان کی نصیحتیں انسان فراموش کر دیتا ہے اور جو سالک تہجد پڑھ رہا ہے، رمضان مبارک میں روزے رکھ رہا ہے، یہی کبائر و فواحش میں مبتلا ہو کر رُسوا ہو جاتا ہے۔ پس اے مالک! اب آپ ہمارا مزید امتحان نہ لیجیے، کیوں کہ آپ کے امتحان میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تا فضیحت ہائے دیگر را نہاں

کردہ باشی اے کریم مستعاں

ارشاد فرمایا کہ مستعان اسمِ ظرف ہے، باب ثلاثی مزید فیہ کا مفعول ہی ظرف ہوتا ہے، یعنی مرکزِ اعانت، جس سے اعانت طلب کی جاتی ہے۔

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ ہماری بہت سی فضیحتیں اور رُسوائیاں جو ابھی پوشیدہ ہیں اور مستقبل میں ان کا ظہور ہونے والا ہے ان کو اے خدا! ظاہر نہ فرمایئے اور اپنے پردۂ ستّاریت میں ان کو چھپا رہنے دیجیے ورنہ ہم رُسوا ہو جائیں گے اور یہ سوال میں آپ سے کیوں کر رہا ہوں؟ کیوں کہ آپ کریم بھی ہیں اور مستعان بھی ہیں، یعنی آپ ہی کی وہ ذات ہے جو نالائقوں پر بدون استحقاق فضل فرماتی ہے اور ہماری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرماتی ہے اور آپ ہی کی ذات ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا میں آپ ہی سے مدد مانگ رہا ہوں کہ میری دوسری رُسوائیاں جن کو آپ نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے ان کو آپ ظاہر نہ فرمایئے۔ اپنے پردۂ ستّاریت میں ہمیشہ کے لیے چھپا لیجیے اور اس نالائق پر فضل فرما دیجیے جو آپ کے فضل کا مستحق نہیں۔ اور میری اُمیدوں سے زیادہ عطا فرما دیجیے۔

بے حدی تو در جلال و در کمال

در کژی ما بے حدیم و در ضلال

اے خدا! آپ جلال اور کمال میں غیر متناہی ہیں اور ہم کجی، بُرائی اور گمراہی میں گویا غیر متناہی ہیں، یعنی بُرائیوں میں کمال کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں، جس طرح آپ اپنی جلالتِ شان اور عظمتوں میں بے انتہا بالاتر اور غیر متناہی مقام رکھتے ہیں، ایسے ہی ہم نالائقی میں کمال اور انتہا کی حدوں کو پار کر گئے ہیں۔ یعنی ہم انتہائی نالائق، ٹیڑھے، کج رو اور بے حد گمراہی میں مبتلا ہیں۔ بندوں کی بدی اور گمراہی کو بے حد و غیر متناہی تعبیر کرنے سے مولانا کی مراد مبالغہ فی الرذائل ہے، یعنی ہم لوگ بُرائی اور کجی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

بے حدی خویش بگمار اے کریم

بر کژی بے حدِ مشتے لئیم

ارشاد فرمایا کہ گماشتن کے معنٰی ہیں مقرر کرنا اور بگمار اس کا امر ہے یعنی مقرر کر دیجیے۔

مولانا رُومی بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ جب ہم بُرائی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، لہٰذا اے کریم! اپنے جلال و کمال اور فضل و رحمت سے اپنے کرم کی غیر متناہی صفت کو ہماری اس کمینہ مشت خاک کی بے انتہا نالائقی و گمراہی و ضلالت اور ٹیڑھے پن پر مقرر فرما دیجیے یعنی متوجہ فرما دیجیے۔ یعنی جتنے ہم نالائق ہیں اتنا ہی اپنا کرم بقدر ہماری نالائقی کے ہم پر مبذول فرما دیجیے، اس کمینہ مشت خاک کے انتہائی کمینہ پن پر اپنے بے انتہا کرم کی بارش فرما دیجیے۔

دیدۂ اشکبار یدہ

لذتِ قربِ خدا مست گریۂ زاری میں ہے

قرب کیا جانے جو دیدۂ اشکبار یدہ نہیں

اختؔر

درسِ مناجاتِ رُومی

۲؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۸؍ فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز دوشنبہ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ہیں کہ از تقطیع ما یک تار ماند
مصر بودیم و یکے دیوار ماند

ارشاد فرمایا کہ ہیں کا معنیٰ ہے خبر دار اور تقطیع باب تفعیل **قطعٌ** سے ہے معنیٰ پارہ پارہ کرنا۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری جلد خبر گیری فرمایئے کہ ہم نے شیطان کے کہنے میں آکر اپنے لباسِ دین، لباسِ تقویٰ اور **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ**[۶۵] کے لباسِ شرف کو گناہوں کی قینچی سے ایسا پارہ پارہ کیا ہے کہ بس اب ایک تار باقی رہ گیا ہے۔ اور ہم دین کے ایک شہر تھے، شرف و تکریم کے بلدِ عظیم تھے، لیکن اپنے گناہوں کی تباہ کاریوں سے اب صرف ایک دیوار رہ گئے ہیں، شیطان نے ہمارے گناہوں سے دین و تقویٰ کا سارا شہر تباہ کر دیا، اب ایک دیوار رہ گئی ہے۔ جیسے جب زلزلہ آتا ہے تو ایک جھٹکے میں ایک محلّہ گر گیا، دوسرے جھٹکے میں دوسرا محلّہ گر گیا، پھر تیسرا گر گیا، اس طرح شہر کا شہر تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اے اللہ! کبھی بد نظری کر کے ہم نے اپنے دین کے شہر کا ایک محلّہ گرا دیا، کبھی حسینوں سے باتیں بنا کے دوسرا محلّہ گرا دیا، کبھی ان کو دل میں بسا کے تیسرا محلّہ گرا دیا، یہاں تک کہ ہمارے دین اور تقویٰ کا شہر گناہوں کے زلزلوں اور بموں کی تباہ کاریوں سے کھنڈر بن گیا ہے۔ اے اللہ! ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو اس طرح تباہ کیا ہے کہ ہمارے شہر دین میں بس ایک دیوار باقی ہے اور ہمارے لباسِ دین میں صرف ایک تار باقی ہے۔

---

۶۵ بنی اسرآءیل:۷۰

البقیہ البقیہ اے خدیو
تانہ گردد شادِ کلّی جانِ دیو

ارشاد فرمایا کہ جب پورا شہر تباہ ہو جائے اور صرف ایک دیوار رہ جائے تو کیا حسرت ہوتی ہے۔ مولانا رُومی کتنے پیارے آدمی ہیں! کس ندامت وفنائیت ودرد سے دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے خدا! اب تو بچا لیجیے، اب تو بچا لیجیے، ہمارے دین کے تباہ شدہ شہر کی جو ایک دیوار باقی رہ گئی ہے، اس کو تو نہ گرنے دیجیے ورنہ تو ہم بالکل ہی تباہ ہو جائیں گے۔ ہماری نالائقیوں کے باوجود محض اپنے کرم سے اس دیوار کے سہارے کچھ تو اب شہرِ محبت میں ہمیں زندہ رہنے دیجیے، ورنہ اگر یہ سہارا بھی گر گیا تو ہمارا کہیں ٹھکانہ نہ ہو گا۔ یعنی جو تھوڑا سا دین رہ گیا ہے یہ ظالم شیطان چاہتا ہے کہ اس کو بھی گناہ کرا کے ہم سے چھین لے، لہٰذا ہمارے لباسِ دین کا جو ایک تار بچا ہے اور شہرِ دین کی جو ایک دیوار بچی ہے اس کو بچا لیجیے، ورنہ شیطان پورے طور سے خوش ہو جائے گا، لہٰذا اے اللہ! اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے اور ہماری نالائقیوں کی وجہ سے ہمیں اس کے حوالے نہ کیجیے۔ آہ! جس طرح ایک بدوی نے روضۂ مبارک پر دُعا مانگی تھی۔ بعض وقت اللہ تعالیٰ دیہاتیوں کے دل میں ایسا مضمون عطا فرماتے ہیں کہ علماء عش عش کرتے ہیں۔ ایک دیہاتی روضۂ مبارک پر حاضر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اگر تو نے مجھے معاف کر دیا اور میرے گناہوں کو بخش دیا تو تیرا محبوب جو یہاں آرام فرما ہے خوش ہو جائے گا اور تیرا دشمن غمگین ہو جائے گا، اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو تیرا دشمن خوش ہو جائے گا اور تیرا محبوب غمگین ہو جائے گا، لہٰذا اب تو خود فیصلہ کر لے کہ تجھے اپنے محبوب کو خوش کرنا پسند ہے یا اپنے دشمن کو خوش کرنا پسند ہے۔ آہ! کیا مضمونِ دُعا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں مکمل تباہی سے بچا لیجیے اور ہمارے دین و تقویٰ کی بقیہ دیوار کو نہ گرنے دیجیے، اس کو سنوار دیجیے اور آفت زدہ علاقے کی جب ایک دیوار کو شاہ سنوارتا ہے تو پورا شہر پھر سے آباد کر دیتا ہے۔ اے اللہ! آپ تو شاہوں کے شاہ ہیں، سلطان السلاطین ہیں، ہمارا شہرِ دین آباد کرنا آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔ پس

ہمیں اپنی حفاظت میں لے لیجیے اور اپنے دشمن کو خوش نہ ہونے دیجیے۔

بہرِ مانے بہر آں لطفِ نخُست
کہ تو کردی گمرہاں را باز جُست

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ہماری کسی لیاقت و قابلیت وصلاحیت کی وجہ سے ہم پر مہربانی و فضل نہیں فرماتے، کیوں کہ ہمارے اعمال تو ایسے نالائق ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم طرد و بُعد اور دوری کے مستحق ہیں کہ آپ ہمیں اپنی بارگاہ سے ٹھکرا دیں۔ جس طرح ہم اپنے نافرمان ملازم کو نکال دیتے ہیں، تو ہم آپ کی نافرمانی کی وجہ سے اس قابل تھے کہ آپ کی بارگاہِ قُرب سے نکال دیے جاتے لہٰذا آپ کی مہربانی ولُطف ہماری وجہ سے نہیں ہے، بلکہ آپ کے لُطف کا سبب آپ کا لطفِ سابق، لطفِ مخفی اور احسان قدیم ہے جس نے بے شمار گمراہوں کو دوبارہ ڈھونڈ لیا اور اپنا بنالیا۔ اگر آپ کا یہ فضل وکرم نہ ہوتا تو بھلا عازمِ قتلِ نبی اور قاتلِ عمِ نبی کو ہدایت ہوسکتی تھی؟ اگر ہمارا کوئی اکلوتا بیٹا ہو اور اتنا پیارا ہو کہ کائنات میں اس سے زیادہ ہمیں کوئی پیارا نہ ہو اور ہمیں پتا چل جائے کہ کوئی اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے، تو زندگی بھر ہم اس کی صورت دیکھنا پسند نہ کریں بلکہ اگر بس چلے تو اس کو نیست ونابود کردیں، لیکن اے اللہ! آپ کے فضل ورحمت بے پایاں اور حلم وکرم کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کائنات میں کوئی آپ کا پیارا نہیں جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں اور آپ نے فرمایا **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ**۔[۲۶] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو زمین وآسمان کو بھی پیدا نہ کرتا، تو ایسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کو اے اللہ! آپ کے کرم نے ہدایت دے دی اور نہ صرف یہ کہ ان کو معاف کردیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا جاں نثار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا پیارا بنادیا کہ وہ خلیفۂ دوم ہیں۔ اسی

---

[۲۶] کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۵۹/۱، (۹۱)، مکتبۃ العلم الحدیث

طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو اے اللہ! آپ نے اپنابنالیا۔ آپ کی رحمتِ غیر محدود کو وہم وقیاس میں نہیں لایاجاسکتا۔

اے بلند از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

اے اللہ! آپ ہمارے قیل و قال اور وہم وخیال سے بالاتر ہیں، آپ کی ذات وصفات کی عظمتوں کی کوئی تمثیل نہیں پیش کی جاسکتی، کیوں کہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۲۷] کوئی شئے آپ کے مثل نہیں۔ تو مولانا رُومی فرماتے ہیں: اے اللہ! آپ کی رحمت نے کتنے گمراہوں کو گمراہی کے بیابانوں سے دوبارہ ڈھونڈ لیا اور اپنا ولی بنالیا۔ کتنے ڈاکو آپ کی رحمت سے ولی اللہ ہوگئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض کتنے بڑے ڈاکو تھے کہ جن سے مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں کہ چپ ہو جا فضیل آرہا ہے اور آج وہ سید الطائفہ ہیں، شجرۂ چشتیہ میں ان کا نام آتا ہے۔ اے اللہ! آپ جو لُطف وکرم اپنے بندوں پر فرماتے ہیں، خصوصاً وہ بندے جو بے راہ ہوگئے تو اس کا سبب محض آپ کا لطف وکرم ہے، جیسے کوئی نالائق بیٹا باپ سے بھاگ جائے تو باپ کا کرم پھر اس کو تلاش کرکے اپنے گلے سے لگالیتا ہے، ایسے ہی وہ بندے جو نفس وشیطان سے مغلوب ہوکر آپ سے دور بھاگ گئے، آپ کا کرم ان کو تلاش کرکے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

باز آمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

آپ سے بھاگا ہوا بندہ اپنی آبرو کو گناہوں سے برباد کرکے آپ کے جذبِ کرم کے صدقے میں پھر آپ کے پاس آگیا، اور اس کی وجہ ہمارے اعمال نہیں ہیں بلکہ آپ اپنے لطف وکرم سے گمراہوں کو دوبارہ تلاش کرلیتے ہیں اور توفیقِ ہدایت دے دیتے ہیں اور اپنابنالیتے ہیں۔

---

[۲۷] الشوریٰ:۱۱

چوں نمودی قدرتت بنمائے رحم
اے نہادہ رحم ہا در لحم و شحم

اے اللہ! جب آپ نے اپنی قدرت کا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم کو عنایت فرمادیجیے۔ آپ کی قدرت تو ہر طرف ظاہر ہے، پس اگر آپ کا رحم بھی ظاہر ہو جائے تو ہمارا کام ہی بن جائے۔ رحم سے مراد وہ رحمتِ مخفیہ ہے جس سے بندوں کو آپ اپنا بناتے ہیں، ورنہ آپ کی رحمتِ عامہ تو ہر لحہ ہر آن بندوں پر ہے اور آپ کی قدرت نے ہمیں وجود بخشا، منی جیسی ناپاک چیز پر آپ نے کیا فٹنگ کی ہے کہ اس پر آنکھ کان ناک بنادیے، ورنہ ماں کے پیٹ میں ہم خونِ حیض اور باپ کا نطفۂ ناپاک تھے۔ اسی قطرۂ منی کو آپ نے بینا کردیا، گویا کردیا، جس سے آج ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، بول رہے ہیں، ہنس رہے ہیں، ایک دوسرے کی سن رہے ہیں، ایک دوسرے کی سمجھ رہے ہیں، ایک ناپاک قطرے کو آپ نے کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ جب آپ نے اپنی قدرت کا اتنا ظہور فرمادیا تو اپنا رحم بھی ہم پر ظاہر فرمادیجیے، کرم بھی فرمادیجیے۔ اے وہ ذات کامل القدرۃ جس نے لحم و شحم میں رحم رکھ دیا، مثلاً ماں باپ کے گوشت اور چربی میں مامتا اور رحمت و شفقت کا مادہ رکھ دیا۔ انسان کا پورا جسم لحم و شحم سے بنا ہوا ہے۔ اس لحم و شحم میں رحم کا مال آپ کا رکھا ہوا ہے، ماں باپ کے کلیجے میں اولاد کی مامتا اور شفقت اور محبت آپ کی رکھی ہوئی ہے، جس سے آپ کی مخلوق کا یہ حال ہے کہ ماں باپ اولاد پر اپنی جان قربان کرتے ہیں، تو جب آپ کی عطا فرمودہ مخلوق کی رحمت کا یہ حال ہے تو آپ تو رحمت کا سرچشمہ، مرکز اور منبع ہیں اور آپ رحم کرنے میں لحم و شحم سے بے نیاز ہیں، لہٰذا آپ ہم پر براہِ راست رحم فرمادیجیے۔

ایں دعا گر خشم افزاید ترا
تو دعا علیم فرما مہترا

اگر میری یہ دُعا بوجہ میرے نقصانِ فہم اور کوتاہیٔ تعبیر اور نقصِ عرض و معروض کے اپنے عنوان و مضمون کے اعتبار سے آپ کو ناپسند اور میرے لیے موجبِ غضب ہے تو اے

میرے پیارے اللہ! مجھے دُعا کا مضمون بھی تعلیم فرمائیے، مجھے مانگنا سکھا دیجیے، ایسی دُعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیے اور ایسے مضامینِ دُعا الہام فرمائیے جس سے آپ خوش ہو جائیں۔

آتنا فی دار دنیانا حسن

آتنا فی دار عقبانا حسن

اے اللہ! آپ ہم کو دنیا میں بھی بھلائیاں دیجیے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عنایت فرمائیے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر رُوح المعانی میں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً[۶۸] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا کی بھلائیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دُعا میں مانگنے کا حکم دیا ہے یہ ہیں:

نیک بیوی، نیک اولاد، رزقِ حلال، علم و عمل، ثنائے خلق یعنی مخلوق میں تعریف اور نیک نامی، عافیت اور مخلوق کی محتاجی سے حفاظت، دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت، کتاب اللہ کی فہم یعنی دین کی سمجھ اور نیک بندوں کی صحبت۔[۶۹]

حَسَنَۃً کی جو تفسیر بیان ہوئی اس کو تو سب مانتے ہیں لیکن بعض لوگ صحبتِ صالحین کو حَسَنَۃً فِی الدُّنْیَا نہیں سمجھتے، لیکن مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ جو اہل اللہ سے دور ہے وہ دنیا کی بہت بڑی بھلائی سے محروم ہے۔ اور آخرت کی حَسَنَۃ جنت ہے، محشر کی ہولناکیوں اور سوءِ حساب سے حفاظت اور دیدارِ الٰہی کی لذت ہے۔ پس اے اللہ! ہمیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے اور آخرت کی بھلائیاں بھی عطا فرمائیے، آمین۔

راہ را بر ما چوں بستاں کن لطیف

مقصدِ ما باش ہم تو اے شریف

مولانا رُومی دُعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم پر اپنے راستے کو یعنی راہِ سلوک کو مثل باغ

۶۸؎ البقرۃ:۲۰۱

۶۹؎ روح المعانی:۲/۹۱، البقرۃ(۲۰۱)، دار احیاء التراث، بیروت

کے لطیف، لذیذ اور خوشگوار کر دیجیے جس طرح باغ میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو لیے ہوئے آتی ہیں اسی طرح ہمارے لیے اپنے راستے کو مزے دار کر دیجیے۔ آپ کا راستہ تو اے اللہ! مزے دار ہے ہی لیکن ہم گناہ کر کے آپ کے راستے کو بے مزہ کرتے ہیں۔ جو لوگ گناہ کی عادت میں مبتلا ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ بوستان نہیں رہتا کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے وہ ہر وقت کشمکش میں مبتلا ہیں اور کثرتِ معصیت سے تقاضائے شہوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب تک نماز پڑھتے ہیں، جب تک تلاوت کرتے ہیں، جب تک ذکر میں مشغول ہوتے ہیں سکون سے رہتے ہیں اور جہاں فارغ ہوئے ان کو پھر پُرانا پاپ یاد آجاتا ہے اور پھر کشمکش اور دوزخی زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور جو گناہوں سے محفوظ ہیں ان کے لیے اللہ کا راستہ باغ ہی باغ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص جارہا ہے اور راستے کے دونوں طرف درخت ہی درخت اور باغ ہی باغ ہیں اور درختوں کے سائے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں چلا جارہا ہے، اس کا راستہ نہایت آسان، مزے دار اور خوشگوار ہے اور دوسرا شخص جو نماز روزہ اور ذکر و تلاوت بھی کرتا ہے لیکن گناہوں میں بھی مبتلا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جب تک ذکر و تلاوت میں مشغول ہے تو گویا درخت اور باغ کے سائے میں جارہا ہے، لیکن جیسے ہی گناہ کا مرتکب ہوا تو باغ کا سایہ دار راستہ ختم ہو گیا اور کڑاکے کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں آگیا۔ شہواتِ نفسانیہ اور تقاضائے معصیت کے ارتکاب کا راستہ اضطراب اور بے چینی کی شدید دھوپ اور گرم لُو کا راستہ ہے جہاں چین اور اطمینان کا خواب بھی نظر نہیں آتا۔ اگر احساسِ صحیح اور قلبِ سلیم ہے تو گناہ کے نقطۂ آغاز اور زیرو پوائنٹ ہی سے پریشانی اور بدحواسی شروع ہو جاتی ہے، مثلاً: ایک شخص نے اپنے قلب کا رُخ نوے ڈگری اللہ کی طرف کیا ہوا ہے، لیکن جیسے ہی ذرا سا کسی حسین کی طرف جھکا تو قلب میں اسی وقت پریشانی کا آغاز ہو جائے گا۔ گناہ کے میلان اور تقاضوں پر عمل کا مبہم خیال اور نقطۂ آغاز اللہ کے قُرب سے اسی قدر دور کر دیتا ہے اور قلب کا سکون چھین لیتا ہے، کیوں کہ ہر گناہ منافی ذکر ہے اور ذکر پر اطمینانِ قلب موعود ہے، تو جس درجہ ذکر کا ضد ہو گا

اسی درجے کی بے اطمینانی عقلاً مستلزم ہونی چاہیے۔ یہ میں منطق کی عقلی دلیل پیش کر رہا ہوں، کیوں کہ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[۲۸] میں حصر ہے، لہٰذا جب اطمینانِ قلب اللہ کے ذکر ہی پر موقوف ہے تو ذکر سے جتنے درجہ دوری ہوگی اتنے ہی درجہ بے اطمینانی مستلزم ہوئی۔ اگر اللہ کی یاد سے ایک اعشاریہ دوری ہوئی تو قلب میں ایک اعشاریہ بے اطمینانی پیدا ہونا لازم ہے۔ اور اگر گناہ کر لیا تو قلب مکمل طور سے بے چین ہو جائے گا، کیوں کہ گناہ خلافِ ذکر ہے بلکہ غفلت کا فردِ کامل ہے۔ محض غفلت سے باطن کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا گناہ سے پہنچتا ہے، مثلاً: تھوڑی دیر کھانے پینے میں ایسا مشغول ہوا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا یا کسی کے لطیفوں میں ایسا غرق ہوا کہ پیٹ کی گہرائی سے ہنسنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس وقت اس کے دل میں اللہ کی یاد نہیں رہی تو اس غفلت سے اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا کسی معصیت کی طرف ایک اعشاریہ قلب کا میلان ہو جائے تو دیوارِ استقامت کی بنیاد خطرے میں پڑ جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ معصیت کا ارتکاب کر لیا تو دیوارِ استقامت ہی گر جاتی ہے اور قلب بالکل بے چین ہو جاتا ہے۔

اسی لیے مولانا رُومی دُعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! تقاضائے معصیت کی کشمکش اور دوزخی زندگی اور مجاہدہ و مشقتِ شدیدہ اور جہدِ بلاء سے ہمیں بچا لیجیے اور اپنی راہ کو ہم پر مثلِ بوستان و باغ کے لطیف فرما دیجیے اور یہ نعمت کب حاصل ہوگی ؎

مقصد ما باش ہم تو اے شریف

اے ربّ العزت! اے میرے معزز و مکرم اللہ! جب ہر سانس اور ہر لمحہ آپ ہمارے مقصود و مراد اور مقصدِ اعظم بن جائیں، ہمارا قصد و ارادہ صرف آپ کی طرف رہے، ہماری تمنّاؤں کا مرکز صرف آپ کی ذات ہو، جب یہ مقام آپ ہم کو عطا فرمائیں گے تب جا کر ہمیں آپ کا راستہ بوستان اور باغ کی طرح لطیف ہو جائے گا۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے کو باغ کی طرح لطیف اور پُر لطف بنانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہر سانس میں اپنا مقصود اور مراد بنا لے۔ ''مقصد ما باش'' اگرچہ مولانا کا جملہ انشائیہ دُعائیہ ہے لیکن

---

[۲۸] الرعد:۲۸

ساتھ ساتھ انہوں نے اس کے اندر جملہ خبریہ بھی شامل کر دیا ہے کہ کبھی خبر بصورتِ امر اور کبھی امر بصورتِ خبر ہوتا ہے جیسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ[۱]

جب تجھ سے حیا ختم ہوگئی تو پھر جو چاہے کر۔ تو کیا نعوذ باللہ! شریعت اجازت دے رہی ہے کہ شرم کو ختم کر کے جو چاہو کرو۔ نہیں! یہ صورتاً امر ہے حقیقتاً خبر ہے کہ اگر تجھ سے حیا جاتی رہی تو پھر تو ہر گناہ کرے گا کیوں کہ ہر گناہ کا سبب بے حیائی ہے۔ اگر بد نظری کر رہا ہے تو اس کا سبب بے حیائی ہے، زنا کر رہا ہے تو نہایت درجے کا بے حیا ہے کہ دوسروں کی ماں بہنوں کے ساتھ ایسا کر رہا ہے جو اپنی ماں بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتا اور اس کو پروا نہیں کہ اللہ نے اگر مخلوق پر ظاہر کر دیا تو کس قدر رُسوائی ہوگی۔ اس کے علاوہ خدا کے حکم کو توڑنا خود بے حیائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ بول رہا ہے تو وہ بے حیا ہے۔ حیا والا آدمی سوچے گا کہ اگر کبھی میرا جھوٹ ظاہر ہوگیا تو کیا منہ دکھاؤں گا۔ غرض ہر گناہ کی جڑ میں بے حیائی پوشیدہ ہے۔ گناہ بغیر بے حیائی و بے غیرتی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مولانا کے اس جملۂ انشائیہ میں جملۂ خبریہ پوشیدہ ہے کہ اللہ کو اپنا مراد بنالو۔

پس جس کی زندگی کی ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود و مراد ہو کہ ایک لمحہ بھی اس کا اللہ سے غافل نہ ہو تو ایسا شخص چاہے مسجد میں ہو، چاہے دوکان میں سودا بیچ رہا ہو، چاہے بیوی بچوں سے باتیں کر رہا ہو یا دوستوں سے خوش طبعی کر رہا ہو یہ ہر وقت باغِ قُرب میں ہے اور اللہ کا راستہ اس کے لیے گویا پھولوں کے جھرمٹ اور درختوں کے سائے میں نہایت سُکون وعافیت سے گزر جائے گا اور بہت مزے میں یہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ اسی لیے مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! صرف آپ ہی ہمارا مقصد، ہمارا مقصود، ہماری مراد، ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بن جائیں تا کہ آپ کا راستہ ہم پر نہایت آسان اور انتہائی لذیذ ہو جائے۔

تاچہ دارد ایں حسود اندر کدو
اے خدا فریاد ما را زیں عدو

---

[۱] صحیح البخاری: ۲/۹۰۴، (۶۱۴۸)، باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت، المکتبة المظهریة، اخرجه بلفظ: فاصنع

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حاسد اپنے اندر کس قدر کینہ رکھتا ہے۔ حاسد سے مراد شیطان ہے اور نفس بھی مراد ہو سکتا ہے کیوں کہ دونوں ہی کی دشمنی منصوص ہے۔ شیطان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ [۲]

شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور نفس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَعۡدٰی عَدُوِّكَ فِیۡ جَنۡبَیۡكَ [۳]

تیرا سب سے بڑا دشمن تو تیرے پہلو میں ہے۔ اور نفس و شیطان دونوں بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، لیکن شیطان کا یہاں مراد ہونا زیادہ اقرب الی القیاس ہے کیوں کہ دشمن ازلی اور مردودِ ازلی ہے، اس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی، اور نفس کا اگر تزکیہ ہو جائے تو یہ ولی اللہ بھی ہو جاتا ہے۔ ''تا چہ'' مبالغہ ہے، یعنی یہ ظالم ہم سے کتنا حسد رکھتا ہے۔ پس اے خدا! میں اس دشمن کے خلاف آپ سے فریاد کرتا ہوں۔ جیسے کوئی دشمن کسی بچے کو مار رہا ہو تو وہ بچہ اپنے ابّا کو پکارتا ہے، پس اے اللہ! اس دشمن شیطان اور دشمن نفس کے ستانے پر ہم آپ ہی کو پکار رہے ہیں کہ آپ سے ہماری فریاد ہے کہ اس دشمن کی پٹائی سے ہمیں بچا لیجیے۔

گر یکے فصلِ دگر در من دمد

بر دخواہد از من ایں راہ زن نمد

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اعمالِ صالحہ کی کوئی دوسری فصل میرے اندر پیدا ہو جائے تو یہ ڈاکو اس کو بھی کاٹ کر اُٹھالے جائے گا۔ یعنی اگر آپ کی حفاظت نصیب نہ ہوگی تو جو کچھ تہجد و اشراق اور اوّابین کی کمائی ہوگی وہ سب کی سب شیطان لے جائے گا، مثلاً: دکھاوا کرادیا، یا دل میں بڑائی ڈال دی، یا کسی پر بے جا غصہ کرادیا، یا حسینوں پر بدنگاہی کرادی، یا غیبت کرادی تو نیک اعمال کا جو اسٹاک تھا اس طرح سب ختم ہو گیا اور اسے خبر بھی نہیں

۲؎ البقرۃ:۱۶۸

۳؎ روح المعانی:۱/۵۷، البقرۃ (۱۲۳)، ذکرہ فی باب الاشارات، دار احیاء التراث، بیروت

کہ میرا سارا مال چلا گیا، یعنی اعمال ضایع ہو گئے۔

این حدیثش ہمچو دود است اے الٰہ
رحم کن ورنہ گلیمم شد سیاہ

اے خدا! نفس و شیطان کی گفتگو یعنی ان کی دعوۃ الی الباطل اور ترغیبات الی المعاصی مثل دھواں کے ہے، آپ مجھ پر رحم کیجیے اور مجھے تقویٰ پر استقامت عطا فرمائیے ورنہ میری دین کی کملی سیاہ ہو جائے گی۔ یعنی گناہوں سے میرے قلب و جاں بے نور اور سیاہ ہو جائیں گے اور گناہوں کی ظلمت اللہ کے قُرب سے مجھے محروم کر دے گی۔

من بہ حجت بر نیا یم با بلیس
کوست فتنہ ہر شریف و ہر خسیس

یعنی میں حجت، بحث اور دلائل سے ابلیس پر غالب نہیں آسکتا، کیوں کہ وہ کمینوں اور گمراہوں کے لیے بھی فتنہ ہے اور بڑے بڑے شرفاء کے لیے بھی فتنہ ہے۔ ذرا سی دیر میں بڑے بڑے اتقیا، علماء و صوفیا کو فتنے میں مبتلا کر دیتا ہے، لہٰذا اے اللہ! اس پر غالب آنا آپ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔

يَا غِيَاثِيْ عِنْدَ كُلِّ كُرْبَةٍ
يَا مَعَاذِيْ عِنْدَ كُلِّ شَهْوَةٍ

اے فریاد سننے والے ہمارے کرب و بے چینی کے وقت! اور اے ہماری پناہ گاہ ہماری شہوتِ نفس کے وقت! آپ مصیبت کے وقت ہمارے کرب اور بے چینی کو دور کر سکتے ہیں اور غلبۂ شہوت کے وقت آپ ہی کی پناہ ہمیں نفس کی مغلوبیت سے بچا سکتی ہے۔

يَا مُجِيْبِيْ عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ
يَا مَلَاذِيْ عِنْدَ كُلِّ مِحْنَةٍ

اے جواب دینے والے میری ہر پکار پر! یعنی اے سننے والے میری ہر دُعا کے اور اے ہر تکلیف میں میرے سہارے!

درسِ مناجاتِ رُومی

۳ر شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز منگل، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

اے خداوندا اے قدیم احسانِ تو
آں کہ دانم واں کہ نے ہم آنِ تو

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کی شان قدیم ہے یعنی آپ ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ قدیم کے معنیٰ ہیں واجب الوجود، غیر حادث، غیر فانی، جس پر کبھی عدم و فنا طاری نہ ہوا ہو۔ اور ہم لوگ حادث ہیں، جنت بھی حادث ہے اور نعمائے جنت بھی حادث ہیں۔ حادث اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زمانہ عدم کا گزرا ہو، وہ چیز نہ رہی ہو، چاہے ہونے کے بعد پھر وہ ہمیشہ قائم رہے، جیسے جنت پہلے نہیں تھی پھر پیدا کی گئی لیکن اب ہمیشہ رہے گی، اور دنیا فانی ہے، ایک دن نہیں تھی، اب ہے اور ایک دن نہیں رہے گی۔ دنیا اور اس کی لذتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی، اس لیے یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے، اور جنت اور اس کی نعمتوں کی شراب ازلی تو نہیں ہے لیکن ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے نہیں تھی، پھر اللہ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی اور اب کبھی فنا نہیں ہو گی، اور اللہ کی ذات قدیم واجب الوجود غیر حادث غیر فانی ہے، ازلاً ابداً ہے یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہیں، ان پر کوئی زمانہ عدم کا نہیں گزرا، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا اللہ کی محبت کے نشے کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی شرابِ ازلی ابدی کو جنت کی شراب ابدی بھی نہیں پاسکتی، تو دنیا کی فانی شراب کی کیا حقیقت ہے جو نہ ازلی ہے نہ ابدی، جنت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اور حادث کی لذت قدیم کی لذت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ قدیم غیر محدود ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی کفو نہیں وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ [۴۷] میں نکرہ تحت النفی واقع

[۴۷] الاخلاص: ۴

ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے اور اس عموم میں جنت بھی داخل ہے، حوریں بھی داخل ہیں، جنت کی ساری نعمتیں بھی داخل ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے تو ان کے نام کے نشے کا، ان کے نام کی لذت کا، ان کے نام کی مٹھاس کا بھی مثل کیسے ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مع اپنی صفات کے بے مثل ہے۔ چناں چہ اللہ کے نام کی لذت، ذکر کی لذت، سجدہ کی لذت، تلاوت کی لذت کو جنت کی حوریں بھی نہیں پاسکتیں، کیوں کہ اللہ کے نام کی تیز والی ازلی ابدی شراب جو پی لیتا ہے پھر کم تیز والی اس کے منہ کو نہیں لگتی، لہٰذا اللہ کے عاشقوں کو اللہ کے نام میں جنت سے زیادہ مزہ دنیا ہی میں آجاتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعض مجاذیب ایسے ہوں گے جو جنت کی حوروں کو دیکھیں گے بھی نہیں، بس ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتے رہیں گے۔ اور اللہ میں کیا لذت ہے اور کیا کشش ہے یہ جب پتا چلے گا جب دیدارِ الٰہی ہو گا کہ اس وقت کسی جنتی کو جنت کی کوئی نعمت یاد بھی نہ آئے گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنت سے ہم مستغنی ہیں، بلکہ ہم لالچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت پر لالچ کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ جنت محلِ دیدارِ الٰہی ہے، لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عاشق اللہ کو جنت سے زیادہ چاہتے ہیں۔

مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے خدا! اے قدیم ذات! آپ کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی وحادث ہیں اس لیے آپ ہی محبت کے قابل ہیں۔ آپ کے وہ تمام احسانات جن کو ہم جانتے ہیں اور وہ تمام احسانات جن سے ہم واقف نہیں سب آپ ہی کی شان اور آپ ہی کی عطا ہیں۔ بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کا ہم کو علم ہے، مثلاً: انسان بنایا، کتّا اور سور اور جانور نہیں بنایا، مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا اور ایمان واسلام کی دولت عطا فرمائی اور اپنے نام کی لذّت عطا فرمائی، سچے اللہ والوں سے تعلق کی توفیق عطا فرمائی اور نماز روزہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشی، ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو اور جرائم کو معاف فرمایا اور ستّاری فرمائی، رُسوا نہیں فرمایا، اس کے علاوہ صحت وعافیت، بیوی بچے، نیک دوست احباب اور بے شمار انعامات عطا فرمائے جن کو ہم اگر شمار کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اے خدا! ہم ہر بُن مُو سے آپ کے احسانات کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن شکر

کا حق پھر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

اور بہت سے احسانات ایسے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے، جیسے ماں کے پیٹ میں جب ہم بن رہے تھے تو ہمیں کچھ پتا نہیں تھا کہ کس طرح ہماری آنکھیں بن رہی تھیں اور کس طرح اللہ میاں ان میں روشنی رکھ رہے تھے اور کب ناک بنا رہے تھے اور کب اس میں سونگھنے کی طاقت رکھ رہے تھے، کب کان بنائے اور کانوں میں سننے کا خزانہ کب رکھا، کب زبان بنائی اور کب اس میں چکھنے کی قوت رکھی، جسم کے ایک ایک اعضا کو کب بنایا اور کب دل بنایا اور کب اس کو حرکت عطا فرمائی کہ وہ چلنے لگا اور جسم کے اندر ایک پورا کارخانہ چالو ہو گیا، رگوں اور شریانوں میں خون دوڑنے لگا وغیرہ بے شمار احسانات ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ اسی طرح ہمارے لیے پوری کائنات خلق فرمائی، کب سورج کو ساڑھے نو کروڑ میل پر لگایا، کب چاند بنایا، کب پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور کس طرح ہمارے رزق کا انتظام فرمایا، سورج کس طرح غلّہ پکاتا ہے اور سمندر سے بھاپ بنا کر بادل کیسے اُٹھاتا ہے اور کس طرح بارش برساتا ہے۔ اے اللہ! یہ آفتاب بھی آپ کا ہے، بادل بھی آپ کے ہیں، یہ سارا کارخانہ آپ نے ہماری تربیت اور پرورش میں مصروف کر رکھا ہے، لیکن ہم کو آپ نے اپنے لیے بنایا ہے، اپنی معرفت وعبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے مگر افسوس! ہم آپ کے ہونے کے بجائے ان ہی چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو بھولے ہوئے ہیں، اور آپ کے احسانات جن کا ہم کو علم ہے اور جن کا علم نہیں، سب آپ کی عطا اور مہربانی ہے لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ آپ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے یعنی تقویٰ اختیار نہیں کرتے جو اصلی شکر ہے۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: فَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ[۵]

ایں دعا بشنو ز بندہ کاے خدا
ثروتے بے رنج و روزی کن مرا

---

[۵] اٰل عمرٰن: ۱۲۳

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کر رہے ہیں کہ اے خدا! اس بندے کی یہ دُعا سن لیجیے کہ مجھے مال داری اور روزی بغیر رنج اور بغیر مشقت کے عطا فرمایئے، یعنی آسان رزق عطا فرمایئے اور مجھے مال بھی دیجیے مگر بغیر مشقت کے۔

مولانا رُومی نے مثنوی میں یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کئی سال سے یہی دُعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ! مجھے اپنی رحمت سے بغیر محنت و مشقت کے روزی عطا فرما۔ ایک دن ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی۔ اس نے جھٹ اسے پٹکا اور چھری سے ذبح کر کے اس کا گوشت پورے گھر میں جگہ جگہ ٹانگ دیا اور روزانہ اس میں سے بھون بھون کر کھانے لگا، جس کی گائے تھی اس نے تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی، سی آئی ڈی نے تفتیش کرتے کرتے پتا لگایا کہ ایک آدمی بہت غریب تھا لیکن آج کل وہ روزانہ گوشت اُڑا رہا ہے، لہٰذا اس کے گھر کی تلاشی لی تو جگہ جگہ گائے کا گوشت لٹکا ہوا پایا۔ پولیس اس کو پکڑ کر تھانے لے گئی اور عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ جج نے پوچھا کہ یہ گائے تمہاری تھی؟ اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے اس کو کیوں ذبح کیا؟ کہا کہ میرے گھر میں گھس آئی تھی۔ جج نے کہا کہ پھر تم نے پتا کیوں نہیں لگایا کہ یہ کس کی ہے؟ کہا کہ کیوں پتا لگاتا، میں تو دو سال سے اللہ میاں سے رو رہا تھا کہ مجھے بغیر محنت روزی دیجیے۔ جب اللہ نے روزی بھیج دی تو میں کیوں اِدھر اُدھر پوچھتا کہ یہ کس کی ہے۔ جج نے کہا کہ بھئی! یہ آدمی کوئی بھولا بھالا مجذوب ولی اللہ معلوم ہوتا ہے اور سی آئی ڈی کو حکم دیا کہ ذرا پتا تو لگاؤ کہ یہ کس کی گائے ہے؟ اس سے پہلے کس کے پاس تھی؟ تفصیلی رپورٹ پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ اس کے دادا کی گائے کسی نے چرالی تھی اور یہ گائے اس کو وراثت میں ملنی چاہیے تھی، اس کا شرعی حق بنتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بھولے بھالے مجذوبوں کا اس طرح انتظام فرماتے ہیں کیوں کہ مجذوب غیر مکلف ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ احکامِ شریعت کے مکلّف ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ بدون تحقیق کسی کا مال لے لیں۔

چوں مرا تو آفریدی کاہلے
زخم خوارے سست جنبے منبلے

ارشاد فرمایا کہ جنب عربی لفظ ہے بمعنی پہلو اور منبل معنٰی ڈھیلا، پتھر۔ مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا یعنی نہایت سست بلکہ ''بحر الکاہل'' اور میرا دل روزی میں اور دنیا کمانے میں نہیں لگ رہا ہے، میں آپ کی محبت کا زخم خوردہ، دنیا کے معاملے میں نہایت سست اور مٹی کے ڈھیلے کی طرح بے کار ہوں، جیسے شیر کو کوئی زخمی کردے اور وہ تکلیف میں پڑا ہوا سانس لے رہا ہو کہ جیسے مر رہا ہے تو اس وقت وہ کنکر پتھر سے بھی زیادہ بے کار ہوتا ہے۔ اسی لیے میں دنیاوی کاموں میں نہایت سست پہلو ہو رہا ہوں کہ کروٹ لینے میں بھی دشواری ہے، تو پھر کیسے دوکان کھولوں، کیسے تجارت کروں، کیسے دفتر جاؤں۔

جی اس کا کیا لگے گا کسی کاروبار میں
دل جس کا پھنس گیا ہو کسی زلفِ یار میں

سچی بات یہ ہے کہ جس کا دل اللہ سے لگ جاتا ہے پھر وہ دل کسی کاروبار میں نہیں لگتا، مجبوراً پیٹ کی روٹی کے لیے کام کرتا ہے، ورنہ اگر مفت کی مل جائے تو یہ کبھی کوئی کام نہ کرے۔ اسی لیے مولانا رُومی نے فرمایا۔

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بے کار ماند

خوب یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا بنانا چاہتا ہے سارے جہاں کے کاموں سے اسے بے کار کردیتا ہے اور پھر اس کو اپنے دین کے لیے قبول کرتا ہے، کیوں کہ اگر دین کے کسی خادم کا جی ان چیزوں میں لگ جائے تو پھر وہ دین کا کام کیسے کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کا مزاج ہی بدل دیتے ہیں کہ اپنے کام کے علاوہ کسی کام میں لگنے ہی نہیں دیتے، ورنہ کون آدمی ہے جس کے لیے سازگار حالات پیدا ہوجائیں اور پھر بھی وہ دنیا کے کام میں نہ لگے۔ مثال کے طور پر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہے اور ایک ہزار مریضوں کی لائن صبح شام لگی رہے تو اس کے لیے کاروبار چھوڑنا بڑا مشکل ہوجائے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا انتظام ہوتا ہے کہ اس کا دل کسی کام میں لگتا ہی نہیں اور اگر وہ خود بھی کسی طرف

متوجہ ہونا چاہے تو ان اسباب ہی کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

جسے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے نشیمن میں رکھنا چاہتے ہیں تو کسی شاخ نشیمن پر اس کا گزارہ نہیں ہونے دیتے، جس شاخ کو تلاش کرے گا کہ یہاں گھونسلہ بنالوں اسی شاخ کو کٹوادیں گے۔ دیکھتا ہے کہ اتنی محنت سے گھونسلہ بنایا تھا لیکن دیکھا کہ شاخِ چمن کہیں پڑی ہوئی ہے، گھونسلہ کہیں پڑا ہوا ہے۔ آخر کار گھوم پھر کے وہ پھر اللہ کا بن جاتا ہے اور اللہ کے قرب کا وہ مزہ پاتا ہے کہ سارے دنیا کے غموں کو بھول جاتا ہے۔ میرا شعر ہے۔

وہ جلا اس کا نشیمن وہ اٹھا اس سے دھواں
یوں کیا صیاد نے طائر کا سامانِ وصال

صیّاد نے چڑیا کو شکار کرنے کے لیے اس کے نشیمن میں آگ لگوادی، اب چڑیا دیکھ کر پَر پھڑ پھڑا رہی ہے کہ نشیمن جل رہا ہے اور اس سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور مارے ڈر کے گھونسلے کے اندر بھی نہیں جارہی ہے، آس پاس، اِدھر اُدھر اڑ رہی ہے کہ اتنے میں شکاری نے اس کو پکڑلیا۔ اس طرح بعض وقت مصائب اس لیے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، کیوں کہ بعض وقت یہ نفس آسانی سے اللہ والا نہیں بنتا۔ لہٰذا غیبی طور پر ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ اس کا دل دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ہوتا چلا جاتا ہے، اور جس کو اللہ جذب کرتا ہے وہ خود بھی آثارِ جذب محسوس کرتا ہے کہ مجھ کو اللہ اپنا بنانا چاہ رہا ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

ہمہ تن ہستی خوابیدہ مری جاگ اُٹھی
ہر بُنِ مو سے مرے اُس نے پکارا مجھ کو

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغؔر
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دہ ہم زراہِ کاہلی

اے غنی! اے خزانوں کے مالک اللہ! جب آپ نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو مجھ کو روزی بھی کاہلی کی راہ سے دیجیے یعنی آسان رزق عطا فرمائیے۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود
خفتم اندر سایۂ احسان وجود

اے خدا! میں کاہل وناتواں ہوں اور آپ کے سایۂ جود وکرم میں بے فکر سویا ہوا ہوں، آپ کی رحمت کے سائے میں جی رہا ہوں۔ کیوں کہ میں دنیا کے کسی کام کا نہیں، اس لیے آپ کی مہربانی کے سہارے، آپ کے احسان وکرم کے زیرِ سایہ چین کی نیند سو رہا ہوں۔

کاہلاں و سایہ خسپاں را مگر
روزئے بنہادۂ نوعِ دگر

لیکن کاہلوں اور سایۂ رحمت میں سونے والوں کے لیے آپ نے روزی دوسرے طریقوں سے رکھی ہوئی ہے۔ یعنی ان کی روزی کے دوسرے ذرائع عام ذرائع سے ہٹ کر بنائے ہوئے ہیں، رزق کے عام ذرائع سے وہ مستثنٰی ہیں۔ آپ کی رحمت کے بھروسے پر جو دنیا کے کاموں سے کاہل بنے ہوئے ہیں، ان کا معاملہ عام لوگوں سے الگ تھلگ ہے کہ وہ کھاپی رہے ہیں لیکن بظاہر اسباب نظر نہیں آتے۔ کاہلی کی یہ اصطلاحات خاصہ ہیں، یہ مطلب نہیں کہ نفس کی کاہلی کی وجہ سے وہ کوئی کام نہیں کرتے اور سوئے ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کاموں سے وہ کاہل ہیں اور دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، بظاہر روزی کے ذرائع میں انہماک نہیں کرتے، نہ دوکانداری، نہ فیکٹری، اللہ تعالیٰ کی محبت کا ان پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ اللہ کے کام کے علاوہ وہ کسی اور کام کے قابل ہی نہیں رہے، اس لیے

دین کے کام میں منہمک ہیں اور دنیا سے مستغنی ہیں، اس لیے ان کی روزی کا انتظام اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کام سے بچنے کے لیے مکر کرکے بیٹھ گئے ہیں، جیسے نواب واجد علی کے یہاں کچھ کاہل لوگ آکے لیٹ گئے تھے جب اس نے شہر میں اعلان کرادیا کہ جو لوگ معذور ہیں، کچھ نہیں کرسکتے ان کو شاہی خزانے سے کھانا کھلایا جائے گا۔ کاہل خانہ کچھ دنوں میں کاہلوں سے بھر گیا تو منشی نے جاکر کہا کہ بادشاہ سلامت! کاہلوں کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے آپ کہاں تک ان کو کھلائیں گے؟ کہا کہ پھر کیا کیا جائے؟ منشی نے کہا کہ کاہل خانہ میں آگ لگوادیجیے، جو اصلی کاہل ہوگا پڑا رہے گا اور جتنے نقلی ہیں سب بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب آگ لگائی گئی تو جتنے نقلی کاہل تھے نو دو گیارہ ہوگئے اور جو اصلی کاہل یعنی معذور تھے، پڑے رہے۔ بس ان کی روٹی باقی رکھی گئی اور سب کو بھگادیا گیا۔

مولانا رُومی دُعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ایسے بندے جو اصلی کاہل ہیں یعنی جن پر آپ کی محبت ایسی غالب ہوگئی کہ آپ کے کام کے علاوہ کسی اور کام پر وہ قادر نہیں ان کے لیے آپ روزی کا انتظام فرمائیے ؎

عارفاں از کل جہاں کاہل ترند
در رہِ عقبیٰ زمہ گومی برند

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کو پہچان لیا وہ سارے عالم میں دنیاوی کام میں سب سے زیادہ کاہل ہیں اور اس کاہلی میں وہ سارے عالم میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے زیادہ ان کی رفتار تیز ہے۔ کبھی تہجد پڑھ رہے ہیں، کبھی اشراق پڑھ رہے ہیں، کبھی تلاوت کررہے ہیں، کبھی دین کی محنت کے لیے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر شہروں شہروں، جنگل جنگل مارے مارے پھر رہے ہیں، لیکن دنیاوی کاموں میں ان کے قدم نہیں اُٹھتے۔ اگر یہ کاہل ہیں تو اے دنیا والو! جو محنت یہ کررہے ہیں تم ذرا کرکے دکھادو۔ تم ساری ساری رات اپنی فیکٹریوں کے لیے جاگ سکتے ہو لیکن دو رکعات تہجد نہیں پڑھ سکتے، تو تم جس طرح دین میں کاہل ہو یہ اللہ والے دنیا میں کاہل اور سایہ خسپاں ہیں، لیکن دین کے معاملات

میں یہ چاند سے زیادہ تیز رفتار رکھتے ہیں۔ مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ دین میں تیز اور دنیا میں کاہل لوگوں کو اے خدا! آپ دوسری طرح سے روزی عطا کرتے ہیں، عالمِ غیب سے ان کے لیے اسباب پیدا فرماتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ہدایا اللہ تعالیٰ بھجواتے ہیں، کیوں کہ جب آدمی سرکاری ہو جاتا ہے تو سرکار سے اس کو وظیفہ ملتا ہے۔ حکیم الاُمت فرماتے ہیں کہ جس کو ہدیہ آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب اس سے سرکاری کام یعنی دین کا کام لیا جائے گا۔

ہر کہ را پاہست جوید روزئے
ہر کہ راپا نیست کن دل سوزئے

مولانا فرماتے ہیں کہ جس کے پیر ہیں وہ چل پھر کر روزی کمالیتا ہے اور جس کے پیر نہیں وہ اللہ تعالیٰ سے روئے اور نالہ وفریاد وآہ وفُغاں میں دل سوزی کرے۔ یعنی جس کو اللہ نے صلاحیت اور ہنر عطا فرمایا ہے وہ اپنے ہنر کو استعمال کر کے روزی کمالیتا ہے اور جس کو کچھ نہیں آتا، کوئی ہنر نہیں جانتا، دنیا کے کاموں میں جس کا دل نہیں لگتا، اس کو معلوم ہی نہیں کہ روزی کیسے کمائی جاتی ہے وہ اللہ ہی سے آہ وفغاں کرتا ہے، اشکبار آنکھوں سے اللہ سے مانگتا ہے۔ سوائے اللہ کے اس کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے
اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
اور عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے

بس وہ اللہ کے دروازے پر پڑا رہتا ہے، دین ہی میں لگا رہتا ہے کہ مالک! مجھے تو کمانا آتا نہیں، بے ہنر ہوں، تو جیسے ابا اپنے کسی کاہل بیٹے کے نام جس کے پاس کچھ ہنر نہیں لیکن باپ کو راضی رکھتا ہے تو کوئی مکان یا دوکان لکھ دیتا ہے کہ وہ کرایہ ہی کھاتا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے سرکاری بندوں کے لیے غیب سے روزی کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں کہ ان کو نہایت عزت کے ساتھ بے محنت ومشقت روزی ملتی ہے، ایسے بندوں پر وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ [۶۷] کا خاص فیضان ہوتا ہے۔

۶۷؎ الطلاق: ۳

رزق را می راں بسوئے ایں حزیں
ابر را باراں بسوئے ہر زمیں

ارشاد فرمایا کہ راندن کے معنیٰ ہیں ہانکنا، می راں امر ہے یعنی ہانکیے۔

مولانا رُومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا یہ بندہ روزی کے معاملے میں غمگین ہے لہٰذا رزق کو میری طرف بھیج دیجیے، کیوں کہ رزق چل سکتا ہے لیکن میں نہیں چل سکتا بوجہ کاہلی و بے ہنری کے، جیسے زمین نہیں چل سکتی بادل چل سکتے ہیں، لہٰذا بادلوں کو حکم دیجیے کہ پیاسی زمین پر برس جائیں۔

چوں زمیں را پا نباشد جودِ تو
ابر را راند بسوئے اود تو

ارشاد فرمایا کہ اود تو کے معنیٰ ہیں؟ متواضعاً یعنی جھکے ہوئے۔

مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کررہے ہیں چوں کہ زمین کے پیر نہیں ہوتے تو آپ کا کرم بادلوں کو حکم دیتا ہے کہ راکعاً متواضعاً اس زمین کی طرف چلے جائیں بارش برسانے کے لیے۔ جیسے اطاعت و فرماں برداری میں آدمی جھک جاتا ہے ایسے ہی اے خدا! آپ کے حکم پر بادل حاضر حضور کرتے ہوئے اس زمین پر جاتے ہیں جہاں بارش کا حکم ہوجاتا ہے۔

طفل را چوں پا نہ باشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ برسرش

جب شیر خوار بچہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی ماں اس کے سر پر آکر اس کی خوراک کا وظیفہ اس کو پہنچاتی ہے، یعنی خود آکر اس کو دودھ پلاتی ہے۔

روزئے خواہم بہ ناگہ بے تعب
کہ ندارم من زکوشش جز طلب

اے اللہ! میں آپ سے ایسی روزی مانگتا ہوں جو اچانک، بے شان و گمان اور بغیر مشقت کے مل جائے کیوں کہ مجھے کوشش اور محنت کرنا نہیں آتا۔ مجھے تو بس آپ سے مانگنا اور

گڑ گڑانا آتا ہے، محنت اور مشقت ہم سے نہیں ہوتی، ہم تو بس آپ سے روتے ہیں اور مانگتے ہیں کہ ایسی جگہ سے بے مشقت رزق عطا فرما دیجیے کہ جہاں سے ہمارا وہم و گمان بھی نہ ہو۔ اس میں تقویٰ کی دعا بھی مولانا مانگ رہے ہیں کہ بے شان و گمان رزق کا وعدہ اہلِ تقویٰ کے لیے ہے **وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ** لہٰذا اس میں یہ دُعا شامل ہے کہ اے اللہ! آپ ہم کو متقی بنا دیجیے تا کہ بغیر وہم و گمان ہمیں رزق عطا ہو۔

اور کاہلی سے مولانا کی مراد شرعی کاہلی نہیں ہے، عرفی کاہلی مراد ہے، یعنی عرف میں دنیا اللہ والوں کو کاہل سمجھتی ہے، کیوں کہ یہ دنیا کے کاموں میں نہیں لگتے، لیکن اگر یہ شرعاً کاہل اور سست ہوتے تو نمازِ تہجد میں کیسے اُٹھتے؟ نماز روزہ حج زکوٰۃ کیسے ادا کرتے؟ دین کی خاطر بال بچوں کو چھوڑ کر سارے عالم میں کیوں مارے مارے پھرتے، اگر یہ آسان ہے تو ان دنیا دار سیٹھوں سے کہو کہ ذرا یہ کام کر کے دکھائیں جو یہ اہل اللہ کر رہے ہیں۔ سنتے ہی نانی مر جائے گی اور چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ تمہیں دنیا پر یقین ہے اس لیے تمہیں دنیا کے کام آسان لگتے ہیں اور ان اہل اللہ کو آخرت پر یقین ہے اس لیے ان کو آخرت کے کام آسان ہیں۔ تم آخرت کے باقی رہنے والے کاموں میں کاہل ہو اور اللہ والے دنیا کے فانی کاموں میں کاہل ہیں۔ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی پتا لگے گا کہ کون فائدے میں تھا اور کون گھاٹے میں۔

فَسَوۡفَ تَرٰی اِذَا انۡکَشَفَ الۡغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحۡتَ رِجۡلِکَ اَمۡ حِمَارٌ

عن قریب دیکھ لوگے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

❁❁❁❁

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جل جلالہٗ سے ملاتے ہیں سُنّت کے راستے

درسِ مناجاتِ رُومی

۱۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰؍ فروری ۱۹۹۱ء

بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اوّل و آخر توئی و منتہا

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ میں تمام عالمِ اسباب سے نااُمید ہوچکا ہوں اے خدا! آپ اوّل بھی ہیں اور آخر بھی ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا اور ہمارا آخری دروازہ ہیں۔ اگر آپ ہمیں مایوس کردیں تو پھر ہمارا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ آپ ہماری آخری اُمید گاہ ہیں۔ جہاں سارے پردۂ اسباب جل جائیں اور دنیا کی ساری تدابیر ختم ہوجائیں تو اے اللہ! آپ ہی سے ہماری اُمید قائم رہتی ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم سلطنتِ بلخ چھوڑ کر اللہ کی محبت میں دریائے دجلہ کے کنارے اشکبار آنکھوں سے اللہ اللہ کر رہے تھے کہ ایک شخص پُل سے دریا میں جھانکتے ہوئے اچانک گر پڑا، دریا میں سیلاب تھا، بظاہر اس کے بچنے کا کوئی سامان نہ تھا کہ اچانک حضرت سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ سے نکل گیا کہ یا اللہ! اس کو بچا۔ جانے کس خاص کیفیت کے ساتھ کہا۔ بس فوراً وہ اللہ کا بندہ پُل اور دریا کے درمیان معلق ہوگیا، اللہ کی بے شمار غیر مرئی مخلوق ہے، فرشتوں کی اور جنات کی بے شمار فوج ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی، جس کو چاہیں حکم دے دیں، لوگوں نے جب دیکھا کہ اللہ کا ایک بندہ عجیب انداز سے ہوا میں معلق کھڑا ہے تو اُوپر سے رسی لٹکا کر اسے نکال لیا۔

اللہ کی غیبی مدد کا ایک اور واقعہ سن لیجیے اور یہ بمبئی کا واقعہ ہے جو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے سنایا کہ ایک مرتبہ حاجیوں کو لے جانے والا آخری ہوائی جہاز بمبئی سے پرواز کرگیا اور تین حاجی تھوڑی سی تاخیر کے سبب رہ گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ فلائٹ نکل گئی تو رونے لگے، حالتِ احرام میں تھے، بس مصلّٰی بچھایا اور صلوٰۃِ حاجت پڑھ کر رونا شروع کردیا کیوں کہ وہ آخری جہاز تھا۔ اسی جہاز

میں میرے شیخ بھی تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جہاز کو کراچی سے ہوتے ہوئے جدہ جانا تھا اور بمبئی سے کراچی ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن پندرہ منٹ کے بعد ہی شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو سب حیران رہ گئے کہ اتنی جلدی کراچی کیسے آگیا! اتنے میں جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ ہم دوبارہ بمبئی پہنچ رہے ہیں کیوں کہ جہاز میں کچھ فنی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ خیر جیسے ہی جہاز زمین سے لگا تو ایئرپورٹ کے عملے نے رونے والوں سے کہا کہ جلدی سے جا کر اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ، کیوں کہ تمہارے ہی آہ و نالوں نے جہاز میں فنی خرابی پیدا کرادی اور جہاز کا رُخ بدل دیا۔ اسی لیے میرا ایک شعر ہے ؎

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا

آہ کو کمزور مت سمجھو، یہ بڑی زبردست چیز ہے، ساتوں آسمان کو عبور کرلیتی ہے۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم سارے عالم سے نااُمید ہوگئے لیکن آپ سے ہم نااُمید نہیں ہیں، کیوں کہ آپ ہی اوّل ہیں اور آپ ہی آخر ہیں اور آپ ہی ہماری منتہا ہیں۔ اور اس تعریف اور حمد و ثنا کی غرض یہ ہے کہ آپ کا وہ بندہ جو آپ کے ماسوا سے نااُمید ہے اب آپ اس کی نااُمیدی کے بادلوں سے اُمید کا چاند طلوع فرمادیجیے، ہم کو عالمِ اسباب کے سپرد نہ کیجیے بلکہ آپ ہماری مدد کیجیے، کیوں کہ آپ کے علاوہ ہم ہر ایک سے مایوس ہوچکے ہیں، اپنے ارادوں کو اور اپنے دست و بازو کو ہزاروں بار آزمالیا کہ ہم آپ کے بن جائیں، لیکن نفس و شیطان کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر ہم اپنے ارادوں کی شکست بارہا دیکھ چکے ہیں، جس سے اپنی پستی اور آپ کی عظمتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ہم اور ہمارے ارادے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ کا فضل نہ ہو تو ہم اپنے دست و بازو سے آپ تک نہیں پہنچ سکتے، ہمارے ارادوں کی شکست آپ کی عظمتوں کا ثبوت ہے ؎

تیری ہزار رفعتیں تیری ہزار برتری
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ [۲۷] میں

---

[۲۷] الایمان لابن تیمیة: ۳۱۶/۱، المکتب الاسلامی

نے اپنے ارادوں کی شکست سے اپنے رب کو پہچانا۔

کرد گارا منگر اندر فعل ما

دستِ ماگیر اے شہ ہر دو سرا

اے پرورد گار! اے میرے پالنے والے! میرے فعل پر نظر نہ ڈالیے، میں ایک نالائق انسان ہوں، آپ کا ایک نالائق بندہ ہوں، اے دونوں جہاں کے بادشاہ اور دونوں جہاں کے مالک! میرا ہاتھ پکڑ لیجیے یعنی میری مدد کیجیے، میری دستگیری فرمائیے۔ دستگیری کے معنیٰ مدد کرنے کے ہیں، میری کشتی پار کر دیجیے، نفس و شیطان کے طوفان میں ڈوبنے نہ دیجیے۔ اے اللہ! اگر آپ ہمارے اعمال پر نظر ڈالیں تو ہم میں سے کوئی بھی پار نہیں ہو سکتا۔ اگر ہمارے اعمال کے مطابق آپ فیصلہ کریں تو پھر ہمارے لیے جہنم تیار ہے۔ اس لیے مولانا اللہ میاں سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے فعل کو نہ دیکھیے، اپنے کرم کو دیکھیے، جیسے ایران کے ایک بادشاہ نے اپنے ملازم رمضانی سے کہا تھا کہ ''رمضانی! مگساں می آیند'' یعنی رمضانی! مکھیاں آرہی ہیں۔ تو اس ظالم نے کیا جواب دیا کہ ''حضور! ناکساں پیش کساں می آیند'' حضور! نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ مکھیاں تو نالائق ہیں لیکن آپ تو لائق ہیں اگر نالائق لائق کے پاس نہ آئیں گی تو یہ جائیں گی کہاں؟ اسی طرح مولانا رُومی عرض کررہے ہیں کہ اے اللہ! ہم نالائق ہیں مگر آپ ہماری نالائقی پر نظر نہ کیجیے، اپنے کرم پر نظر کیجیے، نالائقوں کا ٹھکانہ لائق کے سوا کہاں ہے۔

خوش سلامت ما بہ ساحل باز بر

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اے خدا! مجھے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیجیے، میرے نفس کی خواہشات کے سمندر میں طوفان آرہا ہے اور اس کے اندر میری کشتی ایمان و تقویٰ کی چل رہی ہے۔ مجھے اپنا ایک بہت پرانا شعر یاد آیا ؎

ہٹو میری نظروں سے امواجِ رنگیں

یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے

یعنی اگر رنگین موجیں سامنے آجائیں اور یہ کشتی وہیں کھڑی ہو کر تماشا دیکھنے لگے تو

منزل طے ہو گی؟ اس لیے میں نے کہا ہے کہ اے رنگین موجوں! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ حسینوں کو رنگین موجوں سے میں نے تعبیر کیا ہے۔ یہ حسنِ فانی بڑے بڑوں کو اپنے چکر میں لے لیتا ہے اور بندہ اللہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد حسن بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سب سڑنے گلنے والی لاشیں ہیں۔ قبروں میں دیکھو کہ ان حسینوں کا کیا حال ہے۔ اسی لیے میں نے کہا کہ ؎

یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے

یعنی یہ کشتی اللہ کی طرف جا رہی ہے، ہمارے پیارے اللہ کے پاس جا رہی ہے، اس لیے حسینوں سے صَرفِ نظر ضروری ہے، ورنہ اگر ان حسین موجوں کی رنگینیوں میں پھنس گئی تو میرے ایمان و تقویٰ کی کشتی اللہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی لیے مولانا رُومی اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ساحل تک مجھے سلامتی سے پار کر دیجیے۔ اور آپ سے ہم کیوں فریاد کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ آپ ہی کی وہ ذات ہے جس کا دستِ قدرت خشکی میں بھی پہنچا ہوا ہے اور سمندروں میں بھی پہنچا ہوا ہے، اس لیے بحر ہو یا بَر جہاں بھی کوئی آفت آئے گی ہم آپ ہی کو پکاریں گے کیوں کہ ہر جگہ آپ کی قدرت کام کر رہی ہے۔ کوئی سمندر کی گہرائی میں ڈوب جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کو صحیح سلامت نکالنے پر قادر ہے، جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور ان کو لے کر بھاگی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے مچھلی! میرا بندہ یونس تیری خوراک نہیں ہے۔ میں نے تیرے پیٹ کو ان کے لیے قید خانہ بنایا ہے، وہ تیرے پاس امانت ہیں، ان کی حفاظت تیرے ذمہ واجب ہے۔ خبردار! ان کو پیسنا مت۔ اور اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے معدے کا فعل روک دیا۔ چناں چہ وہ صحیح سلامت رہے اور سمندر کی تہہ میں جب مچھلی گئی تو سمندر کی کنکریوں کو حکم دیا کہ اے کنکریو! تم پڑھو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ[۸۱]

تاکہ میرے پیغمبر کو پتا چل جائے کہ اس وقت مجھے یہ وظیفہ پڑھنا ہے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ

۸۱؎ الانبیاء: ۸۷

کی قدرتِ قاہرہ۔ پس اے اللہ! اپنی اس قدرت کے صدقے میں جو بحر و بَر پر محیط ہے آپ ہماری کشتی ایمان و تقویٰ کو سلامتی سے پار لگا دیجیے۔

اے کریم واے رحیم سرمدی
در گزر از بدسگالاں ایں بدی

اے کریم اور اے رحیم سرمدی، یعنی ہمیشہ رحم کرنے والے اے اللہ! آپ ہمیشہ کریم ہیں اور ہمیشہ رحیم ہیں، ایسا نہیں ہے کہ آپ کا کرم کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے اور آپ کی رحمت کبھی آپ کی ذات سے الگ ہو جائے، لہٰذا جتنے لوگ مجھے ستانا چاہتے ہیں اور میرے بارے میں بُرائی کی سوچ رکھنے والے ہیں ان کے شر سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی مجھ کو ان کے حوالے نہ فرما، کیوں کہ جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

اے بدادہ رائیگاں صد چشم و گوش
نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

ارشاد فرمایا کہ رائیگاں معنیٰ میں مفت کے ہے۔ مولانا رُومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ نے ہم کو آنکھیں اور کان مفت میں دے دیے اور آنکھوں کی بینائی اور کان کی شنوائی کی طاقتوں کے خزانے بھی آپ نے ہمیں مفت میں دیے ہیں اور عقل و ہوش بھی ہم کو مفت میں عطا فرما دیے جن کی بدولت ہم بھلے بُرے کی تمیز کرتے ہیں ورنہ اگر عقل صحیح نہ ہو تو آدمی جانور سے بدتر ہوتا ہے، اور آپ نے ان نعمتوں کا ہم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا، نہ ہمارے ماں باپ سے مانگا کہ تم ہمیں اتنا پیسہ دو یا اتنی عبادت کرو یا اتنا صدقہ خیرات کرو تب میں تمہیں اولاد دوں گا، اور ان کو آنکھیں اور کان دوں گا۔ اے کریم! آپ نے اپنی مخلوق پر بدون معاوضہ انعامات کی بارش فرمادی کیوں کہ آپ احتیاج سے پاک ہیں اور ساری مخلوق آپ کی محتاج ہے۔ آپ اپنی مخلوق پر کرم فرماتے ہیں اور مخلوق سے مستغنی ہیں۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا
دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

اے اللہ! آپ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے جانتے تھے کہ ہم کیا کیا کرنے والے ہیں، کیسی کیسی نالائقیاں اور کیسے کیسے گناہ ہم کریں گے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی عطاؤں سے ہمیں محروم نہیں فرمایا اور استحقاق کے بغیر ساری چیزیں عطا فرمادیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا یہ نوکر آیندہ ہم سے بے وفائی کرے گا یا خیانت کرے گا یا بغاوت کرے گا تو ہم اس کے ساتھ کوئی عنایت نہیں کرسکتے، لیکن اے اللہ! آپ کو ہماری تمام نالائقیوں کا علم تھا اور اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا تو سب کچھ علم کے ہوتے ہوئے کہ یہ جھوٹ بولے گا، عورتوں کو بُری نظر سے دیکھے گا، نماز میں سستی کرے گا آپ نے ہمیں بینائی، شنوائی وغیرہ بے شمار نعمتیں بخش دیں۔ آپ کا کتنا کرم ہے کہ ہماری تمام نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کرکے ایمان سے نوازا، ورنہ کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو کے ہاں پیدا کردیتے تو ہم کیا کرلیتے۔ رام پرشاد کے ہاں پیدا ہوتے تو ہم لوگ بتوں کو پوج رہے ہوتے اور کسی چمار کے یہاں ہوتے تو سور چرا رہے ہوتے۔ اے اللہ! آپ کے بے پایاں احسان و کرم کا صدقہ ہے کہ ہماری نالائقیوں کا علم ہوتے ہوئے بھی اپنے فضل و کرم کی ہم پر بارش فرمادی۔

اے عظیم از ما گناہانِ عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

اے اللہ! اگر ہمارے گناہ عظیم ہیں تو آپ ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ ہمارے گناہوں کی عظمتیں آپ کی عظمتوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں۔ چاہے زمین و آسمان ہمارے گناہوں سے بھر جائیں لیکن آپ کی عظمتوں کے سامنے وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی نہیں کیوں کہ آپ کی عظمتیں غیر محدود اور ہمارے گناہ محدود ہیں اور کثیر محدود بھی غیر محدود کے سامنے ایک بے حقیقت اقلیت ہوتا ہے۔ پس اگر حرمِ کعبہ کے اندر بھی ہم سے کوئی گناہِ عظیم ہو جائے تو اے اللہ! آپ اس کو بھی معاف کرنے پر قادر ہیں، کیوں کہ بڑے سے بڑا گناہ بھی آپ کی رحمت سے بڑا نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ اس کو بھی معاف کرسکتے ہیں کیوں کہ آپ قادرِ مطلق ہیں۔ سبحان اللہ! مولانا رُومی نے اللہ تعالیٰ کی کیا عظمت بیان کی۔

درسِ مناجاتِ رُومی

۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۱؁ھ مطابق ۲۱؍فروری ۱۹۹۱؁ء

بروز جمعرات، بعد نمازِ عشاء، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال ۲، کراچی

ما ز حرص و آز خود را سوختیم
ویں دعا را ہم ز تو آموختیم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے حرص اور طمع اور شہوتوں سے خود کو سوختہ کر دیا، یعنی ہم نے لالچ اور شہوت اور نفسانیت سے اپنے کو جلا کے خاک کر دیا، کیوں کہ ہر گناہ سے آگ پیدا ہوتی ہے، ہر گناہ گار تڑپتا رہتا ہے، بے چین رہتا ہے۔ اسی لیے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

اُف کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

گناہ گاروں کی دنیا کس قدر اندھیری ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی دنیا انوار سے بھری ہوئی ہے ؎

شاہوں کے سروں میں تاجِ گراں سے دردسا اکثر رہتا ہے
اور اہلِ صفا کے سینوں میں اک نور کا دریا بہتا ہے

اہلِ تقویٰ اور اہلِ معصیت دونوں کے چہروں سے پتا لگ جاتا ہے کہ اہلِ تقویٰ کے دلوں میں سکون واطمینان کی سلطنت ہے اور اہلِ معصیت کے دلوں میں بے سکونی اور بے چینی کا راج ہے۔ عاشقانِ خدا اللہ تعالیٰ کے نور میں غرق ہیں اور اہلِ رومانٹک بے چینی کے بحر اٹلانٹک میں غرق ہیں۔ جنھوں نے نفس کی بات مانی انہیں پل بھر کو چین نہیں ملتا۔ اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! نفس نے ہم کو جلا کے خاک کر دیا لیکن یہ دعا

بھی ہم نے آپ ہی سے سیکھی ہے:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ[۹]

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ مندرجہ ذیل ملفوظ حضرت مُرشدی دامت برکاتہم نے جزیرہ ری یونین خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سینٹ پیر میں ۳۰؍جون ۱۹۹۸ء کو بیان فرمایا۔ احبابِ ری یونین کی دعوت پر حضرت مُرشدی دامت برکاتہم کا یہ پانچواں سفر تھا۔ اس مضمون کو سن کر بعض بڑے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے وجد میں آگئے اور فرمایا کہ اس آیت کی ایسی تشریح نہ ہم نے کہیں دیکھی نہ سنی۔ لہٰذا موضوع کی مناسبت کی وجہ سے یہ مضمون یہاں شامل کیا جاتا ہے۔ جامع)

جب کوئی بادشاہ خود معافی کا مضمون بتائے تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے اور ہماری بگڑی کو بنانا چاہتا ہے۔ اے اللہ! آپ احکم الحاکمین ہیں، سلطان السلاطین ہیں، آپ کا یہ معافی کا مضمون نازل فرمانا گویا آپ کی طرف سے اعلان ہے کہ فکر نہ کرو، تمہاری بربادی کی منتہا کو یعنی تمہاری منتہائے تخریب اور منتہائے بربادی کو ہم اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست کرسکتے ہیں، ہم سو برس کے کافر اور ڈاکو کو پل بھر میں ولی اللہ بنا سکتے ہیں ؎

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

پس رَبَّنَا ہی میں آپ نے اپنی محبت کا رس گھول دیا، رَبَّنَا کہلا کر اپنی محبت کی چھری سے ہمیں ذبح کر دیا کہ اے ظالمو! میں تمہارا پالنے والا ہوں، کہیں اپنے پالنے والے کی بھی نافرمانی کی جاتی ہے اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا انتہائی بے وفائی، بے غیرتی اور کمینہ پن ہے، تم کتنے بے غیرت ہو کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کرتے ہو۔ اور رَبَّنَا کُلّی مشکک ہے اور کلی مشکک وہ کلی ہے جس کے افراد متفاوت المراتب ہوتے ہیں، لہٰذا ہر شخص کا رَبَّنَا الگ الگ ہے۔ اولیائے صدیقین کا رَبَّنَا الگ ہے، عام مؤمنین کا رَبَّنَا الگ ہے،

[۹] الاعراف:۲۳

گناہ گاروں کا رَبَّنَا الگ ہے، ہر ایک کا رَبَّنَا بقدر اس کی ندامت کے الگ الگ ہو گا اور ہر شخص کی ندامت بقدر اس کے تعلق اور محبت کے الگ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنا شدید تعلق ہو گا اتنی ہی شدید ندامت اس کو ہو گی اور جتنی شدید ندامت ہو گی قلب کی اتنی ہی گہرائی سے اس کا رَبَّنَا نکلے گا، لہٰذا رَبَّنَا کے افراد متفاوت المراتب ہیں۔

اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ ملائکہ کے لیے نہیں ہے کیوں کہ ان سے خطا نہیں ہوتی، وہ معصوم الفطرت ہیں، لہٰذا یہ ہمارے لیے بذریعہ بابا آدم علیہ السلام عطا فرمایا۔ گناہ گاروں کے لیے معافی کا یہ سرکاری مضمون ہے جس کے ایک ایک لفظ میں پیار ہے، ورنہ مجرم کو سخت الفاظ میں ڈانٹتے ہیں کہ معافی مانگ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیار سے سمجھایا ہے کہ تم سے خطا ہو جائے تو کہو: رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے۔ ان کلماتِ استغفار میں ہی تمہیں ہمارا پیار مل جائے گا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا پیار نہیں ہے کہ رَبَّنَا سکھا کر اپنا رشتہ بتا دیا کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں ورنہ خالی اَللّٰھُمَّ بھی سکھا سکتے تھے، لیکن یہاں رَبَّنَا سکھایا تاکہ میرے بندوں کو معافی کی اُمید ہو جائے کیوں کہ پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے جیسے ماں باپ بچوں کو جلد معاف کر دیتے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُمید دلا دی کہ گھبراؤ مت، ہم تمہارے پالنے والے ہیں، تمہاری جلد معافی ہو جائے گی، اگر ہمیں تم کو معاف کرنا نہ ہوتا تو ہم تم سے رَبَّنَا نہ کہلاتے۔ جب باپ اپنے بچے کو سکھائے کہ یوں کہو کہ اے میرے ابو! مجھے معاف کر دیجیے تو معلوم ہوا کہ باپ کا ارادہ معافی ہی دینے کا ہے ورنہ سزا کا یہ عنوان نہیں ہوتا۔ اگر باپ بیٹے کو ڈنڈے لگانا چاہتا ہے تو یہ نہیں سکھائے گا کہ کہو: یَا اَبَوِیَّ بلکہ دوڑا لے گا کہ ٹھہر نالائق! ابھی تیری پٹائی لگاتا ہوں۔ یا ابوی سکھانا دلیل ہے باپ کی شفقت کی اور رَبَّنَا سکھانا دلیل ہے حق تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے نزول کی۔ لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ سکھانا کہ مجھے صرف اللہ نہ کہو، خالی رب بھی نہ کہو بلکہ کہو رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے، یہ پیار کا جملہ دلیل ہے کہ باوجود تمہاری خطاؤں کے اب ہم تمہیں پیار کرنے والے ہیں، تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، اب تمہیں اپنا پیارا بنانے والے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر گناہوں سے معافی بھی دے دی اور رَبَّنَا کا مزہ اور نشہ بھی دے دیا۔ گناہ گاروں کو مزہ دے دے کر معافی دے رہے ہیں ورنہ مزہ دینا اللہ تعالیٰ

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ في الدین

فقہائے گجرات

اوراُن کی فقہی خدمات

مرتب:

عبدالقیوم راجکوٹی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک، گجرات انڈیا

تفصیلات

اسم کتاب:......................................فقہائے گجرات اور ان کی فقہی خدمات

مرتب:............مفتی عبدالقیوم راجکوٹی (معین مفتی دارالافتاء جامعہ ڈابھیل)

طباعت:............ بہ موقع فقہی سمینار ہانسوٹ ضلع بھروچ ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء

اجمالی فہرست

☆☆☆

اللہ تعالی نے جن کو تفقہ عطا کیا انہوں نے ہر عہد میں امت کی
رہنمائی کی اور بدلتے ہوئے حالات میں انفرادی اور اجتماعی
امور میں واضح ہدایات پیش کیں۔ پندرہ سو سال کی اسلامی
تاریخ گواہ ہے کہ فقہاء نے ہر دور میں اپنا خون جگر جلا کر اور
قرآن وسنت کے بحر معانی میں ڈوب کر مسائل کا حل پیش کیا
اور اصول وقواعد فقہیہ مرتب کیے، نیز احکام کے استنباط میں
پوری زندگی قربان کردی، اللہ کے ان بندوں کا پیش کردہ عظیم
فقہی وعلمی سرمایہ امت کا بہت بیش قیمت اور قابل فخر سرمایہ
ہے۔ (قاضی مجاہد الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)
(فتاوی قاضی)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ازمرتب: عبدالقیوم راجکوٹی

یہ جوکہا گیا ہے: "تهيج صغيرات الامور كبيرها" بالکل صحیح ہے۔

رابطۂ ادب اسلامی جمبوسر، گجرات بمناسبت سہ روزہ مذاکرۂ علمی میں ٦ تا ٨/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، جس کی شروع کی تین نشستوں میں پڑھے گئے بعض مقالوں کے اہم اقتباسات سنے، اندازہ ہوا کہ مقالہ نگار حضرات نے گجرات کے مفسرین، محدثین اور صوفیاء کی علمی و ادبی خدمات کو اپنے اپنے انداز میں اجاگر فرمایا۔ گجرات کے فقہاء کی علمی خدمات پر مستقل کوئی مقالہ ان نشستوں میں نہیں سنا، اپنے اس قلبی احساس کو رقعہ میں لکھ کر صدر مجلس کی خدمت میں پیش کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: "گجرات کے فقہائے کرام کی علمی وادبی خدمات پر اب تک کسی نے مقالہ پیش نہیں کیا، صدر صاحب سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس احساس کو حاضرین کی خدمت میں پیش فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ سامعین اہل علم کی توجہ اس تشنہ گوشہ کی طرف بھی ہو جائے"۔

صدر صاحب نے احقر کا احساس ظاہر کرتے ہوئے مجھ ہی کو مکلّف بنایا کہ تو ہی لکھ دے۔ اسی حکم کی تعمیل میں اپنے مقام پر آکر گجراتی فقہاء کی علمی خدمات کے مظان کی طرف رجوع کیا، بالخصوص حضرت مولانا عبدالحی حسنی ندویؒ (م۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) کی کتاب "نزہۃ الخواطر" کا مطالعہ کیا، تو متعدد شہروں کی

طرف منسوب کئی گجراتی فقہاء نظر سے گزرے، ان کے صحیح حالات اور واقعات زندگی، ان کی علمی ودینی خدمات اور تصنیفی کارنامے دنیا کے سامنے کرنا، جن میں نئی نسل اوراہل ذوق کے لیے استفادہ ورہنمائی اورادبی شہ پاروں کا وافر سامان ہے، یہ کام تو کسی دیدہ ور، وسیع النظر اور کہنہ مشق مصنف کا ہے، یہ راقم اس کا اہل نہیں۔

اس تحریر کے ذریعہ سرِ دست گجراتی فقہاء کی تعارفی فہرست پیش کرنا مقصود ہے۔جن لوگوں کی رسائی ''نزہۃ الخواطر'' تک نہیں اور نہ ان کے مشاغل ایسی ضخیم کتاب کی ورق گردانی کی اجازت دیتے ہیں، ایسے حضرات کم ازکم اس تحریر سے حضرات فقہاء کے اسمائے گرامی اوران کی فقہی تصانیف سے واقفیت حاصل کرلیں، شاید یہ واقفیت ان کے لیے کسی علمی و تصنیفی امر کے لیے پیش خیمہ ثابت ہو۔وما ذلك على الله بعزيز.

واضح رہے کہ اس تحریر میں صرف مرحومین فقہاء اوران کی فقہی تصانیف کی نشان دہی کی گئی ہے، موجودہ فقہاء اوران کی فقہی خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس مختصر تحریر میں فقہاء اور ان کی فقہی تصانیف کا تذکرہ ہے، اس سے نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے کہ علمائے گجرات نے علوم قرآن وحدیث وتصوف کی طرح فن فقہ میں بھی اپنے نقوش وآثار ثبت کئے، ان کی بعض مصنفات گجرات و بیرون گجرات میں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

علمائے اسلام اوراکابر فقہاء کی یادگار کتابوں کے وہ قلمی نقوش ان لائبریریوں اوراکاڈمیوں سے نکال کر منصۂ شہود پر لانا وقت کا اہم تقاضہ اور فریضہ ہے۔

شاعرمشرق علامہ اقبالؒ نے یورپ کے کتب خانوں میں بزرگان امت کی ان یادگاروں کودیکھ کراپنے تأثرات کوذیل کے تحسّر بھرےاوردردانگیز الفاظ میں نظم کیاہے:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اللہ تعالیٰ اس تحریرکوقبول فرمائے،اوردارالافتاء کےجن طلباء نے اس کی تیاری میں تعاون فرمایاہےانھیں مزیدخدمات علمیہ ودینیہ کے لیےموفق فرمائے۔آمین

فقط والله الموفق. ربّنا تقبّل منّا انّك انت السميع العليم بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم.

احقر:عبدالقیوم راجکوٹی

معین مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل،سملک

۱۵؍صفرالمظفر ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرات کے فقہاء وقضاۃ تاریخ کے تناظر میں

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم:

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے چار سال بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وارد ہند ہونے کا ثبوت تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے، یہ حضرات صحابہؓ جہاد کی غرض سے ہندوستان آئے، تھانہ اور بھروچ کی بندرگاہوں کو فتح کیا، دارالخلافہ سے ان علاقوں کے عمال وولاۃ کا تقرر ہوا، ان میں بہت سے والی حضرات خود قضاء وافتاء کا کام بھی انجام دیا کرتے تھے۔ راقم کو اپنی ناقص جستجو میں اس عہد زریں میں کسی قاضی یا صاحب فتوی بزرگ کا پتہ نام کی تعیین کے ساتھ معلوم نہ ہوسکا، تاہم اتنی بات تو یقینی ہے کہ ان معرکوں میں شریک ہونے والے حضرات نے گجرات میں رہتے ہوئے احادیث مبارکہ کا مذاکرہ ضرور کیا ہوگا، کیوں کہ ان حضرات کا ہر قول وعمل سنت رسول ﷺ کی روشنی میں ہوا کرتا تھا۔

اسی امر کی طرف مشہور مؤرخ قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی یہ عبارت مشیر ہے:

وهكذافى ايام عمر بن الخطابؓ الى خاتمة الدولة الاموية كانت تكون جماعة من رواة الاحاديث والآثارفى الغزوات والولايات وانهم وان لم يحدثوهافى الهند فى هذاالوقت على طريق الرواية فمن الطبيعى ان يحدثوهافيمابينهم على طريق المذاكرة كماهو دأب الصحابة والتابعين. (العقدالثمين فى فتوح الهندومن وردفيهامن الصحابة والتابعين، ۲۸۲)(اودھ میں افتاء کے مراکز ص:۸۰)

۱۵۹ھ میں خلیفۃ المہدی باللہ عباسی کے دورخلافت میں عبدالملک شہاب مسمعیؒ بڑی جماعت کے ساتھ باربد(اب بھاڑ بھوت جوشہر بھروچ سے کچھ فاصلہ پرواقع ہے) آئے وہاں قیام کاارادہ بھی کیا،لیکن ایک مہلک وبا پھیل جانے کے نتیجہ میں ایک ہزار کےقریب افراد انتقال کر گئے،ان سب کی قبریں بھاڑ بھوت میں ہیں،جن میں ابوبکرابن صبیح السعدی البصریؒ بھی تھے جن کوتابعی ہونے کاشرف حاصل تھا۔

فاضل چلپیؒ صاحب کشف الظنون کی رائے میں مسلمانوں میں یہ پہلا شخص ہےجس نے کتاب تصنیف کی ہے۔ھواول من صنف فی الاسلام (گجرات کےعلمائے حدیث وتفسیر:ص:۲)،(یادایام:ص:۴۶)

علامہ بلاذریؒ نے’’حضرت ابوبکرابن صبیحؒ‘‘کوفقہائے محدثین میں شمارکیا ہےاور’’فتوح البلدان‘‘میں ایک جگہ آپ کو’’الفقیہ‘‘کےلقب سے یادکیاہے۔ (اسلامی ہندکی عظمت رفتہ:ص:۱۳۸)

یوں کہنا بیجانہ ہوگا کہ ہندوستان کی سرزمین میں سب سے پہلے گجرات کی سرزمین کویہ شرف حاصل ہے کہ اس کےآغوش محبت میں اسلام کاسب سے پہلا مصنف مدفون ہےجوبقول علامہ بلاذری فقیہ بھی ہے۔

محمدابن قاسمؒ نے ہندوستان میں فاتحانہ قدم رکھاتو جگہ جگہ مسلمانوں کو بسایا،قاضیوں کاتقررکیا،مگرساتھ ساتھ مقامی ہندوؤں اوربدھسٹوں کووہ تمام مراعات دیں جواہل کتاب یہودونصاری کوشریعت اسلامیہ میں حاصل تھیں،حتی کہ بعض

علاقوں میں ہندو راجاؤں نے اپنے علاقوں میں مسلمان قضاۃ اور حکام مقرر کیے، یہ ان راجاؤں کی وسعت ظرفی اور مذہبی رواداری کی بات ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوریؒ رقمطراز ہیں: یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ خالص غیر اسلامی ماحول اور غیر مسلم حکومت میں اسلامی احکام وقوانین کا نفاذ ہوتا تھا اور راجوں مہاراجوں نے اپنی طرف سے مسلمان حاکم اور قاضی مقرر کر رکھے تھے جو ان کے علاقہ کے مسلمانوں کے امور ومعاملات اسلامی قانون کے مطابق حل کرتے تھے۔اسی عہد کو ''ہنرمند'' اور عہدیدار کو ''ہنرمن'' کہتے تھے۔یہ اسلامی عدالت ہوتی تھی۔(اودھ میں افتاء کے مراکز،ص:۸۱)

چنانچہ ''عجائب الہند'' میں بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ چیمور (گجرات) میں عباس ابن ماہان، راجہ کی طرف سے مسلمانوں کے ہنرمن یعنی قاضی تھے اور شہر کے مسلمانوں کے معاملات انہی کے پاس جاتے اور وہ اسلامی احکام وقوانین کی رو سے ان کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔(ایضاً ۸۲)

آٹھویں صدی ہجری میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے فوراً بعد جس سرعت سے علوم دینیہ کی ترقی وترویج عمل میں آئی،اس کا ایک اہم سبب سلاطین اور امرائے گجرات کی علم دوستی ہے،شاہان گجرات نے اپنی ڈیڑھ دوسوسالہ زمانۂ فرماں روائی میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے، دہلی کی ۶۰۰ سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی، یہ صرف ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ گجرات کے چند بڑے شہر مثلاً احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملک حجاز کا حصہ

معلوم ہونے لگے تھے۔شیراز و یمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ و برگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بودوباش اختیار فرمائی جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالامال ہوگیااور خود گجرات میں اس پایہ کے علماء پیدا ہوئے جن کے فیوض علم کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں۔(یاد ایام بحوالۂ مؤمن قوم ۴۲)

علماء گجرات میں محدثین،مفسرین ومتصوفین کے حالات اوران کی تصانیف کا تذکرہ باربارسنااوران کی بعض تصانیف کی اشاعت ہندوبیرون ہند میں ہوئی،لیکن گجرات کے فقہاء اورقضاۃ کا تذکرہ بہت کم سننے میں آیا،حالانکہ فقہاء گجرات اورقضاۃ کی ایک طویل فہرست ہے،ان کی سوانح اورحالات زندگی لکھے جائیں تو کئی دفتر درکار ہوں گے،ان کی فقہی خدمات اورفتاویٰ سے طویل عرصہ تک ایک عالم مستفید ہوا،ان کی تصانیف قلمی نسخوں کی صورت میں کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں،بعض تصانیف تو اہم اورفن فقہ کے جوہر کی حیثیت کی حامل ہیں،مگرافسوس! کہ ہم گجراتی ان فقہاء کے نام اوران کی فقہی کتابوں سے ناواقف ہیں،عوام تو عوام خواص کے حلقوں میں بھی ان سے ناواقفیت پائی جاتی ہے،لہذا اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہم اپنے گجراتی فقہاء کے شروع سے اب تک کے اسماء،مناصب اوران کی فقہی خدمات کا نزدیک سے جائزہ لیں اور ان فقہاء کی فراموش شدہ دولت علمی سے واقف ہوکرفائدہ اٹھائیں تاکہ گجرات میں علم فقہ میں جو کچھ پیش رفت ہوئی ہے اس کا خاکہ ہمارے سامنے آئے۔

اس مقالہ میں گجرات کے فقہاء، مفتیان اور قضاۃ کے اسماء اوران کی جائے خدمت کی نشاندہی کی گئی ہے، ان کے احوال زندگی سے تعرض نہیں کیا، جن کوان کے احوال وسوانحی خاکوں سے واقفیت حاصل کرنا مطلوب ہووہ مأخذ کی طرف مراجعت کرلیں، البتہ ان فقہاء نے فن فقہ میں کوئی کتاب تصنیف کی ہو یا کسی فقہی کتاب کی شرح تحریر فرمائی یا حاشیہ تحریر فرمایا ہوتو اس کی ضرورنشاندہی کی ہے، تاکہ تحقیق وجستجو کے بعد اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے کتابوں کی یہ نشاندہی مشعل راہ ثابت ہو۔

اسلامی حکومتوں میں جب تک اسلامی قانون جاری رہااوراسلامی حکومتیں کسی نہ کسی حدتک دین کی ذمہ داری محسوس کرتی رہیں، اس وقت تک ایک طرف محکمۂ عدلیہ قضاء کانظام جاری رہااوردوسری طرف علماء امت کے ذریعہ ہروقت افتاء کاکام ہوتارہا، اسلامی حکومتیں دارالافتاء کی طرح دارالقضاء کی سرپرستی بھی کرتی رہیں، اسی وجہ سے فقہاء کی تصریح کے مطابق قاضی کے لیے علوم فقہ سے واقفیت ضروری اورشرط کے درجہ میں ہے، لہٰذاہرقاضی کے لیے فقہ سے شناوری ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے دریافت کیا گیاکہ آدمی کے لیے فتوی دینااورقاضی بننا کب جائز ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: جب آدمی حدیث شریف اورقیاس سے پوری طرح واقف ہوجائے اوروہ امام اعظمؒ کے اقوال کوپوری طرح جانتا ہواوروہ اس کوخوب محفوظ ہوں۔ (شرح عقودرسم المفتی: ص: ۱۳۰)

امام ابویوسفؒ باوجودجلالت شان کے ہمیشہ سفروحضر میں جامع صغیر

ساتھ رکھتے تھے اور علی رازیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اس کتاب کو سمجھ لے وہ احناف میں فہیم ترین آدمی ہے۔اور احناف جب تک اس کتاب میں امتحان نہیں لیتے تھے کسی کو عہدۂ قضاء پر فائز نہیں کرتے تھے۔(شرح عقود رسم المفتی:ص:۹٦)

قاضی کے لیے فقہ سے واقفیت کی شرط کی بناء پر اس مقالہ میں گجرات کے قاضیوں کو فقہاء کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے۔علمی اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ قاضی اور فقیہ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر قاضی فقیہ ضرور ہوگا،لیکن فقیہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عملاً قاضی بھی ہو۔

اس مقالہ کا سب سے بڑا ماٴخذ،قابل اعتماد تصنیف حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ(م.۱۳۴۱ھ) کی ''نزہۃ الخواطر'' ہے،جواب ''الإعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام'' کے نام سے طبع ہوئی ہے،جس میں مصنفؒ نے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء،فضلاء،ملوک وامراء اور ہندوستان کی مشہور شخصیتوں کے حالات اوران کی خدمات دینیہ وعلمیہ محفوظ کر دی ہیں،اس کتاب میں گجراتی علماء،فقہاء،محدثین،متصوفین اور ملوک وسلاطین وغیرہ کا ذکر ہے۔

علماء گجرات میں بکثرت ایسی شخصیتیں گذری ہیں جن کو متعدد علوم وفنون اور اصناف کمال میں دخل اور مشارکت رہی ہے،ان کے احوال زندگی اور خدمات دینیہ کے پیش نظر ان کی شخصیت جامع علوم وکمالات نظر آتی ہے۔

لیس علی الله بمستنکر	أن یجمع العالم في واحد

ایک ہی وقت میں ایک عالم فقیہ بھی تھا،محدث ومفسر بھی،اصولی اور متکلم

بھی، ماہر مدرس اور کامیاب مصنف بھی؛ لیکن اس جامعیت کے باوجود کوئی نہ کوئی ایک ذوق اس پر ایسا غالب رہا اور ایک فن اس کی علمی زندگی میں ایسی مرکزی حیثیت کا حامل رہا جو اس کے لیے اس کے زمانہ اور طبقہ میں اس کا مابہ الامتیاز بن گیا، اس میں اس کے معاصرین پر امتیاز سب کو تسلیم تھا۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' نے جس شخصیت کا ترجمہ وتعارف تحریر فرمایا ہے اس کے خاص موضوع اور امتیازی امر کو ابتدائی تعارفی کلمات میں سمو دیا ہے، مثلاً ''فلان الفقیہ''... ''فلان المتکلم'' لکھا تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کی شخصیت کا مابہ الامتیاز وصف اور فن جو ان کی علمی زندگی میں مرکزی حیثیت کا حامل رہا اور ان کی شخصیت کی معرفت کے لیے کلید کی حیثیت رکھتا ہے، یہی ہے۔ اسی خصوصیت کے پیش نظر راقم نے اپنی تحریر میں نزہۃ الخواطر سے صرف انہی گجراتی فقہاء کو شمار کیا ہے جن کے تراجم میں الفقیہ .....جیسے القاب لکھے گئے، کیونکہ یہ تحریر فقہاء گجرات کے موضوع سے متعلق ہے، دیگر خصوصیات وفن میں ماہرین علماء کو بیان کرنا اس کا موضوع نہیں۔ یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ایک قیمتی ملفوظ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے ''نزہۃ الخواطر'' کی خصوصیت کے متعلق بیان فرمایا:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''حیات عبدالحی''میں رقمطراز ہیں:

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت کیا کہ جانتے ہو کہ ابن خلکان کی کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس کی ''وفیات

الاعیان'' کوعلماء نے ہرزمانہ میں حرز جان بنایاہے؟ راقم نے اپنے محدود علم ومطالعہ کی بناء پر کچھ عرض کیا، فرمایا کہ ابن خلکان کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس کا ترجمہ لکھتاہے اس کے اصل موضوع اورامتیازی علم کاتعین ابتدائی تعارفی عبارت ہی میں کرادیتاہے، مثلاً ''فلان النحوی''، ''فلان الجدلی''، ''الفقیہ'' پھر جتناغور ومطالعہ کیاجائے اس کواس جگہ سے ہٹانا مشکل ہوجاتاہے، اس کے بعد فرمایاکہ ''یہی خصوصیت مولاناعبدالحی صاحبؒ کی نزہۃ الخواطر میں ہے''۔ (حیات عبدالحیؒ، ازحضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ: ص:۳۰۳)

فقہاء گجرات کو''نزہۃ الخواطر'' میں متعدد نسبتوں سے تعبیر کیا گیا ہے، الگجراتی، احمدآبادی، السورتی، البروجی، النہروالی، الفتنی۔

نہروالا کی مردم خیز سرزمین پر بڑے بڑے علماء، مشائخ اوراصحاب طریقت مقیم رہے ہیں۔ نہروالی اورفتنی ایک ہی جگہ سے نسبت ہے، نہروالا خطہ کوآج کل ''پٹن'' کہاجاتاہے۔

راقم الحروف نے جوعبارت جہاں سے لی ہے اس کاحوالہ لکھ دیاہے، البتہ عربی عبارت کا ترجمہ طوالت کے خوف سے ترک کردیاہے۔ مقالہ کے قاری اہل علم ہوں گے، ان کوترجمہ کی ضرورت بھی نہیں۔

☆☆☆

ہر عہد اور ہر علاقہ میں محقق اور صاحب نظر علماء فریضۂ افتاء کو انجام دیتے رہے ہیں، اہل علم نے لکھا ہے کہ اس امت کے سب سے پہلے مفتی خود حضور اکرم ﷺ تھے؛ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"واول من قام بهٰذا المنصب الشريف سيد المرسلين ﷺ"

(اعلام الموقعين ۱/ ۱۱)

☆☆☆

آٹھویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ حسین بن عمر عریضی، غیاث پوری، چشتیؒ (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۶ء)

دہلی سے آکر پٹن میں بس گئے تھے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۲/۳۳)

(۲) شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی، چشتیؒ (م ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء)

اپنے دور کے ہر فن کے ماہر عالم تھے، ہدایہ کے حافظ تھے۔

كان عليماً كبيراً بارعاً فى الفقه والاصول والتصوف وكان يحفظ الهداية فى الفقه. (نزہۃ الخواطر: ۲/۷۳)

(۳) شیخ کمال الدینؒ (م ۷۵۶ھ، ۱۳۵۵ء)

آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے خلیفۂ اعظم اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے، آپ علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ (مشائخ احمد آباد، ۱/۹۶)

(۴) مولانا یعقوب پٹنیؒ (م ۷۹۸ھ ۱۳۹۶ء)

بڑے صالح اور فقیہ تھے، حال ووجد والے بزرگ تھے، خراسان کے بادشاہوں کی نسل سے تھے، پٹن آکر بس گئے تھے اور پٹن ہی میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ۳/۱۷۴)

نوویں صدی کے فقہاء

(۱) قاضی اسماعیل اصفہانیؒ (م۸۶۵ھ ۱۴۶۱ء)

بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ اصفہان سے ہجرت کرکے گجرات آئے تھے، پہلے بھروچ کے قاضی رہے پھر سلطان محمود (ثانی) کے دور میں احمد آباد کے قاضی رہے، احمد آباد میں انتقال ہوا۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه والاصول. (نزهة الخواطر، ۳/ ۳۱)

(۲) شیخ تاج الدین نہروالیؒ (پٹنی)

پٹن میں شیخ حسام الدینؒ کے مقبرہ میں درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے، ایک عالم آپ کے علوم سے مستفید ہوا۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه و العربيه. (نزهة الخواطر ۳/ ۴۵)

(۳) قاضی حمادالدین گجراتیؒ

نہروالہ (پٹن) کے فقیہ اور قاضی القضاۃ تھے، حنفیہ کی مشہور کتاب ''الفتاوی الحمادیہ'' آپ ہی کے حکم سے مفتی رکن الدین ناگوریؒ نے تالیف فرمائی تھی (اس کتاب کا ذکر اسی مقالہ میں آگے آرہا ہے) کتاب کے شروع میں مصنفؒ نے قاضی حمادالدینؒ کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے۔ (نزہۃ الخواطر۳/ ۵۱)

(۴) شیخ حسین بن محمد بھروچیؒ

شیخ کمال الدین قزوینی بھروچیؒ کے مرید اور فقیہ تھے، بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ سے مستفید ہوئے۔

احد العلماء المبرزين فی الفقه و التصوف(نزهة الخواطر ۳/۵٦)

(۵) شیخ حسین بن محمد گجراتیؒ (م۸۰۷ھ،۱۴۰۴ء)

فقیہ تھے، گجرات کے مشہور مشائخ میں آپ کا شمار ہے۔نوساری میں شیخ نصیر بن جمال نوساروی ؒ کی صحبت اختیار کر رکھی تھی، احمد آباد میں آپ کی قبر ہے۔

(٦) شیخ خوندمیر پٹنیؒ (م۸۷۴ھ،۱۴٦۹ء)

فقیہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں، پٹن سے احمد آباد ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ويفيد. إلخ(نزهة الخواطر۳/۱۱۱)

(۷) مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوریؒ

آپ صاحب ''فتاویٰ حمادیہ'' کے صاحب زادہ ہیں، پٹن کے مفتی تھے، ''فتاویٰ حمادیہ'' کی تدوین میں آپ کا بھی حصہ ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں ہے۔(نزہۃ الخواطر،۳/٦۸)

(۸) شیخ رضی الدین عثمان گنج علمؒ (م۷۷۰ھ ۱۳٦۸ء)

علم و فضل میں غیر معمولی دست گاہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت موصوف کے ایک فتوے کی تائید میں جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس سے ان کی جلالت شان اور علمی منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم نے لکھا ہے:اصاب فيما اجاب الاستاذ الاجل المرشدالكامل الاكمل شيخ الشيخ رضى الدين گنج (مشائخ احمد آباد)

(۹)مفتی رکن الدین ناگوریؒ

احد الفقهاء المبرزين فی الفقه و الاصول کان مفتیاً بمدینه نهروالا.

پٹن کے مفتی قاضی حماد الدین بن محمد اکرمؒ کے حکم سے آپ نے اور آپ کے صاحب زادہ داؤد نے ۲۰۴ کتب فقہ، اصول، حدیث اور تفسیر کی مدد سے ''فتاویٰ حمادیہ'' کی تصنیف فرمائی، فتاویٰ حمادیہ کی پہلی عبارت ہے: الحمدلله نور قلوب العارفين بنور التوحيد و الايمان. (نزہۃ الخواطر،۳/۱۷)

پٹن کے مدرسہ کنز المرغوب میں فتاویٰ حمادیہ کی پہلی جلد کا ناقص نسخہ ہے، احمد آباد کے مشہور کتب خانہ ''پیر محمد شاہ'' میں اس کی کامل دو جلدیں محفوظ ہیں، نہایت ہی مستند فتاویٰ ہیں، سنا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین نے ''فتاویٰ حمادیہ'' سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۰)شیخ سراج الدین بن علامہ کمال الدین دہلویؒ (م ۸۱۷ھ،۱۴۱۴ء)

دہلی سے آ کر پٹن کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اپنے دور کے فقیہ تھے، پٹن میں مدفون ہیں۔

(۱۱)مولانا صدر جہاں گجراتیؒ

احد العلماء المبرزين فی الفقه والاصول والكلام۔ (نزہۃ الخواطر۳/۸۹)

(۱۲) شیخ صلاح الدین گجراتیؒ (م۸۹۵ھ ۱۴۹۰ء)

آپ کے والد نو مسلم تھے، شیخ احمد بن عبد اللہ مغربیؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے، اس وقت آپ بطن مادر میں تھے، بعد پیدائش شیخ احمدؒ نے ہی آپ کا نام صلاح الدین رکھا، حصول علم کے بعد بڑا درجہ پایا۔

الشیخ الصالح الفقیه (الی قوله)حتی بلغ رتبة الکمال فی العلم و المعرفة.(نزهة الخواطر،۳/۹۱)

(۱۳) شیخ عبد اللطیف پٹنیؒ

بڑے عالم اور فقیہ تھے، ملتان سے آکر پٹن میں رہنا پسند کرلیا تھا، بڑے زاہد و متوکل تھے،آپ نے نو کتابیں تصنیف کی ہیں،ان کے نام معلوم نہیں۔(نزہۃ الخواطر۳/۹۴)

(۱۴) شیخ عبد اللطیف گجراتیؒ (م۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء)

آپ داور ملک سے مشہور تھے، بڑے نیک اور فقیہ تھے، بادشاہ محمود بن محمد آپ کا فدائی تھا، آپ کی بابرکت صحبت سے اس نے لایعنی امور سے اجتناب کر لیا تھا، آپ بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔(نزہۃ الخواطر،۳/۹۴)

(۱۵) شیخ عثمان حسینی گجراتیؒ (م۸۶۳ھ ۱۴۵۹ء)

شیخ صالح اور فقیہ تھے، سرزمین گجرات میں شہرت یافتہ مشائخ میں آپ کا شمار ہے، عثمان پور (احمد آباد) میں ایک مدرسہ بنایا تھا، سلطان محمود بن محمدؒ کی اکثر کتابیں اسی مدرسہ میں رہتی تھیں۔(نزہۃ الخواطر،۳/۹۹)

(۱۶) قاضی علم الدین شاطبیؒ (م۸۶۰ھ ۱۴۵۶ء)

شیخ صدرالدین حسینی بخاریؒ کے مرید تھے، گجرات میں علماء اور مشائخ کی بڑی جماعت آپ سے مستفید و مستفیض ہوئی۔

احد العلماء المبرزين فى القراءة والتجويد والفقه والعربية.

(نزہۃ الخواطر ۳/۱۰۸)

(۱۷) قاضی عمادالدین گجراتیؒ (م۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء)

بڑودہ کے قاضی تھے، سلطان محمود شاہ ثانی کے ایماء پر ایک جہاد میں شہید ہوئے۔ظهير الشرع السعيد الشهيد. (نزہۃ الخواطر، ۳/۱۱۰)

(۱۸) شیخ غوث الدین گجراتیؒ (م۸۹۵ھ ۱۴۹۰ء)

آپ بغداد سے تشریف لائے تھے اور احمد آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، احمد آباد میں بہت بڑے مدرسہ کے بانی ہیں۔

كان عالما كبيرا محدثا فقيها زاهدا يدرس (نزہۃ الخواطر، ۳/۱۱۱)

(۱۹) قاضی کمال الدین ناگوریؒ (پٹنی)

مشائخ چشتیہ میں سے ہیں، گجرات میں بڑی مقبولیت تھی، جم غفیر آپ سے مستفید ہوا۔

العالم الفقيه.....احدالمشائخ الچشتية. (نزہۃ الخواطر ۳/۱۲۳)

(۲۰) شیخ محمد بن حسین پٹنیؒ

اصلاً سندھی تھے،صوفی تھے،سندھ میں اپنے والدصاحب سے علم حاصل کرکے گجرات آئے تھے،پٹن میں انتقال ہوا۔

کان ممن تفردفی الفقه والحديث والتصوف.(نزهة الخواطر ۳/ ۱۳۵)

(۲۰) قاضی محمد اکرام گجراتیؒ

پٹن کے قاضی تھے،صاحب فتاویٰ حمادیہ نے کتاب کے شروع میں قاضی محمد اکرامؒ کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

الامام العالم ونعمان الثانی وناقد المعقول والمنقول.(نزهة الخواطر ۳/ ۱۵۷)

(۲۱) شیخ محمود بن عبداللہ بخاری ثم گجراتیؒ (م۸۸۰ھ ۱۴۷۵ء)

گجرات کے مشہور شیخ اور فقیہ تھے،کثیر تعداد میں لوگ آپ سے مستفید ہوئے۔(نزہۃ الخواطر ۳/۱۵۹)

(۲۲) شیخ مودود بن محمد گجراتیؒ (م۸۱۱ھ ۱۴۰۸ء)

صوفی،زاہداورفقیہ تھے،پٹن میں رہتے تھے،کبارمشائخ چشتیہ میں شمار ہے۔(نزہۃ الخواطر ۳/۱۷۰)

دسویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ اللہ بخش گجراتیؒ (م۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء)

شیخ محمد غوث گوالیریؒ کے مرید تھے۔

احد العلماء المبرزين فى الفقه والاصول والعربية،درس وافاد زمانا. (نزہۃ الخواطر،۳۹/۴)

(۲) شیخ بدرالدین گجراتیؒ (م۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء)

اپنے والد بزرگوار جلال الدینؒ سے علوم حاصل کئے،صاحب کشف وکرامات بزرگ وفقیہ تھے۔

كان عالماً فقيهاًصوفياً. (نزہۃ الخواطر،۵۱/۴)

(۳) قاضی برہان الدین گجراتیؒ

اپنے دور کے مشہور عالم ہیں،آپ کے ذریعہ گجرات میں خوب علم کی اشاعت ہوئی۔

العالم، المحدث،الفقيه، القاضي برهان الدين النهر والى. (ایضا۵۵/۴)

(۴) شیخ بہاءالدین گجراتیؒ (م۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی،حضرت عمرؓ کی نسل سے تھے، صالح اورفقیہ تھے،برہان پورمیں آپ کی خانقاہ تھی،وہیں انتقال ہوا۔(ایضا۶۲/۴)

(۵) شیخ پیرمحمد گجراتیؒ (م۹۹۹ھ ۱۵۹۱ء)

فقیہ تھے،حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اولاد میں سے ہیں۔(ایضا۶۶/۴)

(۶) شیخ جمال الدین بن محمود گجراتیؒ (م۹۰۴ھ ۱۴۹۸ء)

یکے از مشائخ چشتیہ،فقیہ تھے، گجرات میں پیدا ہوئے،احمد آباد کے کفار نے شہید کردیا تھا،بعض کتب کے مصنف بھی ہیں۔(نزہۃ الخواطر،۴/۷۷)

(۷) قاضی جگن گجراتیؒ (م تقریباً۹۲۰ھ ۱۵۱۴ء)

گجرات کے مشہور حنفی فقیہ ہیں، زندگی بھر علوم حاصل کرتے رہے،فقہ میں آپ کی مشہور کتاب ''خزانۃ الروایات'' ہے،مگراس کتاب میں رطب ویابس کی آمیزش ہے،اس لیے بتصریح علماء اس کتاب کا شمار کتب غیر معتبرہ میں ہے۔ (نزہۃ الخواطر۸۲/۴)

(۸) شیخ حسن بن احمد گجراتیؒ (م۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

احمد آباد مولد ہے،علامہ کمال الدین دہلویؒ کی اولاد میں ہیں۔

كان عالماً كبيراً بارعاً فى الفقه والاصول والعربية والتصوف والتفسير وله مصنفات عديدة. (نزہۃ الخواطر،۸۷/۴)

(۹) شیخ سعید حبشیؒ (م۹۹۱ھ ۱۵۸۳ء)

متعصب حنفی فقیہ تھے،احمد آباد میں مدفون ہیں۔

كان فقيهاً مشاركاً فى كثير العلوم والفنون. (ایضاً ۱۲۵/۴)

(۱۰) شمس الدین محمد بن محمد گجراتیؒ (م۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء)

گجرات ہی میں مولد و مدفن ہے۔

كان من العلماء المبرزين فى الفقه و الاصول و العربية. (نزہۃ الخواطر۳۱۳/۴)

(۱۱) قاضی صدرالدین لاہوریؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

بڑے محقق کثیر المطالعہ عالم تھے، اہل علم کے لیے کشادہ ظرف تھے، کثرت سے روتے تھے، شاہ تیمور نے بھروچ میں منصب قضاء پر فائز کیا تھا، بھروچ میں انتقال ہوا۔

كان من العلماء المبرزين فى الفقه والكلام والاصول والعربية. (نزہۃ الخواطر ۴/۱۵۷)

(۱۲) سید شیخ عبداللہ حضرمی ثم احمد آبادیؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء)

تریم میں پیدا ہوئے، متعدد ملکوں میں متعدد علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد احمد آباد میں آئے تھے، تمام علوم عربیہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، فرائض، حساب میں یگانۂ روزگار تھے، احمد آباد میں ۳۲ سال قیام رہا اور یہیں انتقال ہوا۔ (مشائخ احمد آباد ۲/۱۹۲)

(۱۳) شیخ عبدالملک گجراتیؒ (م ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء کے بعد)

احمد آباد مولد ہے، احمد آباد کے کبار علماء میں آپ کا شمار ہے، حافظ قرآن تھے، صحیح بخاری شریف لفظاً ومعنیً ازبر تھی۔

جيدة فى الفقه والحديث والتفسير والعربية. (نزہۃ الخواطر ۴/۲۱۸)

(۱۷) شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ (م ۹۸۶ھ ۱۵۷۸ء)

علامہ پٹنیؒ کے والد اور دادا کا شمار پٹن کے امیر اور بزرگ تاجروں میں ہوتا ہے، آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں معقول و منقول، اصول وفروع سے فارغ التحصیل ہوئے، پھر درس و تدریس میں مشغول رہے، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا مبارک سلسلہ بھی جاری کیا، ''مجمع البحار'' کے علاوہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، فقہ میں ''احکام بئر'' رسالہ لکھا جو غالبًا کنویں کے احکام ومسائل پر مشتمل ہے، آپ کے فتاویٰ ''مجموعہ فتاویٰ'' چار جلدوں میں ہیں، پتہ نہیں یہ مجموعہ کہاں ہے۔
(مأخوذ از ''ملک المحدثین علامہ محمد بن طاہر پٹنی گجراتی'')

(۱۸) شیخ محمود بن بابو گجراتیؒ (م ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء)

سید محمد بن عبداللہ بخاریؒ کے شاگرد ہیں، اپنے دور کے بڑے عالم وفقیہ تھے۔ انتفع به خلق كثير. (نزهة الخواطر ٤/ ٣٣٤)

(۱۹) قاضی محمود بن حامد گجراتیؒ (م ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء)

مشہور عارف باللہ، حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہیں، کبار مشائخ میں شمار ہے، صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، فقیہ، زاہد اور قاضی تھے، احمد آباد کے قریب پیر پور میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ۴/ ۳۳۵)

(۲۰) ملک محمود بن پیارو گجراتیؒ (م ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء)

گجرات کے علم دوست بادشاہ تھے، آپ کے والد ماجد برہان پور

میں وزیر تھے۔ کان جید المشارکة فی الفقہ والحدیث. احمد آباد میں مدفون ہیں۔(نزہۃ الخواطر،۳۳۵/۴)

(۲۱) قاضی محمود گجراتیؒ

مورپ (احمد آباد) میں پیدا ہوئے، طویل عرصہ تک درس و تدریس میں مصروف رہے، فقیہ اور قاضی تھے۔(نزہۃ الخواطر،۳۴۸/۴)

(۲۲) قاضی نجم الدین گجراتیؒ (م۹۱۱ھ ۱۵۰۵ء)

محمود شاہ ثانی کے دور میں قاضی القضاۃ تھے۔ الشیخ العالم الفقیہ قاضی القضاۃ بگجرات. (نزہۃ الخواطر،۳۷۳/۴)

(۲۳) شیخ نصیر الدین گجراتیؒ (م۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء)

احمد آباد مولد و مدفن ہے، فقیہ اور چشتی سلسلہ کے شیخ ہیں۔(نزہۃ الخواطر ۳۷۴/۴)

(۲۴) علامہ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ (م۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء)

چانپانیر (گجرات) میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، کثیر التصانیف عالم ہیں، علم فقہ واصول میں یہ تصانیف ہیں:

(۱) حاشیة علی هدایة الفقه للمرغینانی (۲) حاشیة علیٰ شرح الوقایه (۳) حاشیة علیٰ التلویح (٤) حاشیة علیٰ اصول البزدوی (٥) حاشیة علیٰ الشرح العضدی و علیٰ المختصر لابن الحاجب.

آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔(نزہۃ الخواطر ۳۸۵/۴، ۳۸۶)(مشائخ احمد آباد، ۲۹۲/۱)

گیارہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابوسعید گجراتیؒ (م ۱۰۹۹ھ)

قاضی عبدالوہاب پٹنیؒ کے داماد تھے، دہلی میں منصب قضاء پر فائز رہے۔

تاریخ وسیرت نگاری میں مرجع کی حیثیت رکھنے والی کتاب نزہۃ الخواطر میں حضرت مولانا عبدالحئیؒ نے آپ کا ذکران الفاظ میں فرمایا ہے: الشيخ العالم الفقيه القاضي. (نزہۃ الخواطر ۵/۱۹)

(۲) شیخ بابو بن شیخ حسینی گجراتیؒ (م ۱۰۰۷ھ)

پٹن میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے تحصیل علم کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، گجرات میں بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔

العالم الفقيه الفتني الگجراتي أحد الرجال المعروفين بالفضل والكمال. (نزہۃ الخواطر ۵/۸۷،۸۸)

(۳) شیخ تاج الدین گجراتیؒ (م ۱۰۰۹ھ)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسل سے ہیں، بہار سے پٹن آئے تھے، صحاح ستہ کے حافظ تھے، پٹن میں وفات پائی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث (نزہۃ الخواطر ۵/۹۸)

(۴) شیخ جعفر بن علی گجراتیؒ (م ۱۰۶۸ھ)

حضرموت سے گجرات آئے تھے، حصولِ علم کے لیے متعدد ملکوں کا سفر کیا، قبولیتِ عامہ حاصل تھی۔ ہندوستان کے بادشاہ شاہ جہاں نے بھروچ کے کئی

گاؤں آپ کو تحفۃً دیے تھے۔ متعدد فنون میں تصنیفات چھوڑیں۔

برع في التفسير والفقه والحديث والتصوف والعربية إلخ .
(نزہۃ الخواطر ۱۰۷/۵)

(۵) شیخ سلیمان کردیؒ

کُردِستان سے ہندوستان آئے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے علم حاصل کر کے گجرات آئے، اور یہیں رہ کر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کرلیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث. (نزہۃ الخواطر ۱۵۹/۵)

(٦) مفتی عبدالکریم گجراتیؒ (م ۱۰۱۴ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، پٹن میں آپ کا گھرانہ علم وتصوف میں معروف تھا، ۹۹۹ھ مدرسہ سلطانیہ مکۃ المکرّمہ میں خطیب مقرر ہوئے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مفتیٔ مکہ بھی رہے۔ مکہ میں انتقال ہوا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔

كان عارفا بالفقه خبيرا بأحكامه وقواعده مطلعا علىٰ نصوصه. (نزہۃ الخواطر ۲۴۵/۵)

(۷) قاضی عبدالوہاب گجراتی (م ۱۰۸۷ھ)

علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی اولاد میں ہیں، متعدد جگہوں میں منصبِ قضاء پر فائز رہے، دہلی میں انتقال ہوا۔

الشيخ العالم الفقيه قاضي القضاة عبدالوهاب الحنفي الأحمدآبادي. (نزہۃ الخواطر ۲٦۷/۵)

(۸) السید غضنفر بن جعفر گجراتیؒ

پٹن کے باشندے تھے، اپنے دور کے علامہ اور محدث تھے۔

أحـد الـعـلـمـاء الـمبرزين في الفقه والحديث والعربية. (نزہۃ الخواطر ۵/۳۰۱)

(۹) شیخ کمال محمد العباسی الگجراتیؒ (م ۱۰۱۳ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، علامہ وجیہ الدین علوی کے شاگرد ہیں، بڑے عبادت گزار عالم تھے۔

الشيـخ الـعـالـم الـكبير المفتي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر ۵/۳۱۶)

(۱۰) قاضی محمد شریف گجراتیؒ

گجرات میں درس وتدریس سے علم کی اشاعت کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۵/۳۷۵)

(۱۱) شیخ محمود بن محمد گجراتیؒ (م ۱۰۴۰ھ)

احمد آباد مولد ومدفن ہے، احمد آباد کے صلحاء وفقہاء میں آپ کا شمار ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۵/۳۹۷)

بارہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابوالحسن ویلورویؒ

اصلاً احمد آباد کے تھے، بعد میں ویلور (مدراس) ہجرت کر کے تشریف لے گئے، مشائخِ چشتیہ میں آپ کا شمار ہے۔

له مصنفات في الفقه والعقائد والتصوف (نزہۃ الخواطر ۵/۶)

(۲) قاضی ابوالفرح گجراتیؒ

فقیہ تھے، عالمگیر کے دور میں احمد آباد کے قاضی رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۱۶/۶)

(۳) شیخ جلال الدین گجراتیؒ (م ۱۱۴۰ھ)

آپ نے اپنے والد ماجد سے علمِ ظاہر و باطن حاصل کیا، زندگی کے اخیر دور میں ایک مرض میں ابتلاء کی وجہ سے میوہ پر گزارہ کر لیتے تھے۔ دو رِسالے تصنیف فرمائے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والتصوف (نزہۃ الخواطر ۵۶/۶)

(۴) قاضی شیخ الاسلام گجراتیؒ (م ۱۱۰۹ھ)

احمد آباد کے مشہور مفتیان میں آپ کا شمار ہے، حق بات ظاہر کرنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے، زاہد اور متقی بزرگ تھے، عہدۂ قضاء آپ کو پیش کیا گیا؛ مگر قبول نہ کیا۔

أحد مشاهير الفقهاء الحنفية انتهت إليه الإمامة في العلم والعمل. (نزہۃ الخواطر ۱۱/۶)

(۵) عارف باللہ سید حضرت پیر مشائخؒ

(مومن قوم کے پیر) (بارہویں صدی کے مجدد)

دیوان مشائخ کی بارہویں اور تیرہویں کتاب عبادت جلد اول ودوم (بزبان گجراتی) فقہ میں آپ کی اہم تصنیف ہے، علاقۂ پالنپور اور کاٹھیاواڑ میں بسنے والی مومن قوم میں آپ کی بڑی خدمات ہیں۔ (مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں)

(۶) قاضی عبدالحمید گجراتیؒ

فضل وصلاح سے آراستہ بزرگ، بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے۔ احمد آباد مولد ومدفن ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۱۴۲)

(۷) قاضی عبدالرسول گجراتیؒ (م ۱۱۳۰ھ)

احمد آباد سے جانبِ مغرب میں واقع کپر نج (کپڑونج) میں پیدا ہوئے، ''دھولکا'' اور ''احمد نگر'' میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ درس وتدریس بھی کرتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۱۴۸)

(۸) قاضی عبداللہ گجراتیؒ (م ۱۱۰۹ھ)

احمد آباد کے قاضی تھے، اسلامی ریاست کے متعدد عہدوں پر فائز رہے۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۶/۱۶۵)

(۹) خواجہ فیض الحسن سورتیؒ (م ۱۱۵۱ھ)

سورت مولد ومدفن ہے، فضل وصلاح میں مشہور عالم وفاضل ہیں، فنِ فقہ

اوراصولِ فقہ میں ممتاز تھے۔آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ "الفتاوی النقشبندية" سے موسوم ہے۔فقہ کی مشہور کتاب "خلاصة الكيداني" کی شرح "فرُّخشاھی" کے نام سے لکھی۔(نزہۃ الخواطر ۶/۲۲۷،۲۲۸)

(۱۰) شیخ محمد بن جعفر گجراتیؒ (م۱۱۱۱ھ)

احمد آباد کے علماء سے حصولِ علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے۔ جلالین کے طرز پر تفسیراور مشکوۃ کی شرح "زينة النكات" تصنیف فرمائی۔احمد آباد میں مدفون ہیں۔العالم، الفقيه.(نزہۃ الخواطر ۶/۲۵۷)

(۱۱) مولانا محمد حسین شافعی گجراتی

گجرات کے ماہر فقہاء میں آپ کا شمار ہے،آپ نے بہ ذاتِ خود امام نوویؒ کی مشہور کتاب "كتاب المنهاج" کی ۱۱۵۸ھ میں کتابت فرمائی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۹۹)

(۱۲) قاضی محمد شفیع گجراتیؒ

سلطان عالمگیرؒ کے دور میں ۱۱۰۱ھ میں احمد آباد کے اطراف میں میرٹھ کے قاضی بنائے گئے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول، وولى القضاء بميرٹھ من أعمال أحمدآباد. (نزہۃ الخواطر ۶/۳۱۹)

نوٹ:''میرٹھ'' احمد آباد کا کوئی دیہات ہوگا،مشہور شہر میرٹھ(یوپی) مراد نہیں۔(مرتب)

(۱۳) مولانا محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۱۲۹ھ)

حجاز کے قبیلہ ''بنوعبید'' سے نسبت ہے، گجرات میں پیدا ہوئے، شیخ زین العابدین احمد آبادی کے شاگرد ہیں۔ تجارت کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا، آپ کی من جملہ تصانیف کے فنِ فقہ میں ''حاشية الدرر'' ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۳۴۲)

(۱۴) سید معظم شاہ سورتیؒ (م ۱۱۳۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے دور کے علماء سے علم حاصل کیا، معروف فقیہ تھے۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول(نزهة الخواطر ٦/٣٧٤)

(۱۵) قاضی نظام الدین گجراتیؒ (م ۱۱۶۵ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، اسی شہر کے علماء سے علم حاصل کرنے کے بعد ممتاز عالم ہوئے، احمد آباد میں منصب قضاء پر بھی فائز رہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کا ایک رسالہ قہوۃ کے متعلق ہے۔

الشيخ العالم الفقيه......فاق أقرانه في كثير من العلوم والفنون إلخ. (نزہۃ الخواطر ۶/۳۸۵)

(۱۶) قاضی نورالحق گجراتیؒ

گجرات کے مشہور فقہاء میں شمار ہے، عالمگیرؒ کے دورِ حکومت میں منصب قضاء پر فائز رہے، نیز ''ماندہ'' مقام کے محتسب بھی۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۳۸۹)

(۱۷) شیخ نورالدین گجراتیؒ (م ۱۱۵۵ھ)

احمد آباد میں پیدا ہوئے، ''گلستاں'' اپنی والدہ سے سات روز میں پڑھ لی،

دیگر علوم علمائے احمد آباد سے حاصل کر کے ممتازِ عصر ہو گئے۔ بڑے زاہد و عابد تھے، سلاطین کے ہدایا قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، بڑے وسیع النظر عالم تھے جیسا کہ اُن کی تصانیفِ کثیرہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی، ''شرح وقایہ'' کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ احمد آباد میں اپنے مدرسہ کے قریب مدفون ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۳۹۱)

تیرہویں صدی کے فقہاء

(۱) شیخ ابراہیم بن عبدالاحمد سورتیؒ (م ۱۲۸۲ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اسی شہر میں حصولِ علم کے بعد بڑے عالم ہوئے۔ بمبئی میں جامع الکبیر کے خطیب اور ''مدرسہ محمدیہ'' میں مدرس رہے۔ آپ شافعی المسلک عالم تھے، فقہِ شافعی میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۵)

(۲) شیخ احمد بن محمد گجراتیؒ (م ۱۲۵۵ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد سید محمد ہادی سے حصولِ علم کے بعد درس وتدریس میں لگ گئے۔ آپ کے علم سے علماء کی ایک جماعت مستفید ہوئی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۳۲)

(۳) قاضی اخی بن محمد سین سورتیؒ

سورت کے مشہور فقیہ عالم ہیں۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۴۹)

(۴) شیخ اسماعیل سورتیؒ (م ۱۲۸۷ھ)

سورت کے مشہور فاضل وقاری ہیں، حصولِ علم کے بعد درس وتدریس کے ذریعے خلقِ کثیر کو مستفیض کیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۶۵)

(۵) مفتی جمال الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی، اپنے والد ماجد سے فنِ فقہ حاصل کیا، بعدہٗ افتاء اور قضاء میں اُن کے جاں نشیں مقرر ہوئے، بعد میں اِس منصب سے الگ ہوگئے، اور عبادت اور افادہ میں اوقات صَرف کرتے تھے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول (نزہۃ الخواطر ۱۲۱/۷)

(۶) شیخ رحمت اللہ لاجپوریؒ (م ۱۲۶۴ھ)

سورت کے قریب ''لاجپور'' گاؤں کے باشندہ تھے، قرآن شریف قرأتِ سبعہ میں تلاوت کرتے، اُس وقت اِن کے جیسا اُس جگہ کوئی قاری نہ تھا۔ درس وتدریس میں طویل عرصہ تک مشغول رہے، دو حج کیے، دوسری مرتبہ حج کے سفر سے واپسی میں غرقِ آب ہوئے اور انتقال فرماگئے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۱۷۴/۷)

(۷) شیخ سراج الدین گجراتیؒ (م ۱۲۱۳ھ)

''چانپانیر'' کے باشندہ ہیں، اپنے عصر کے علماء سے تحصیلِ علم کے بعد تدریسی خدمات میں لگ گئے، متعدد علماء کے استاذ ہیں، احمد آباد میں قبر ہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۱۹۶/۷)

(۸) سید شرف الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۶ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، علمائے وقت سے علم حاصل کیا، بعد فراغت

اپنے وقت کے شیخ مانے گئے،سورت میں مدفون ہیں۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۷/۲۰۷)

(۹) مولانا صالح بن خیرالدین سورتیؒ

سورت میں پرورش پائی، اپنے والد بزرگوار سے طویل عرصہ تک تحصیلِ علم کے بعد سورت ہی میں منصبِ قضاء پر فائز ہوئے، تادمِ آخر اِسی منصب پر قائم رہے۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والحديث (نزہۃ الخواطر ۷/۲۱۸)

(۱۰) شیخ صدیق بڑودویؒ

بڑودہ میں پیدا ہوئے، گجرات کے علماء سے تحصیلِ علم کے بعد حج کا سفر کیا، مدینہ منورہ کو اپنا مَسکَن بنالیا۔ بڑے نیک، صالح اور فقیہ عالم تھے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۲۱)

(۱۱) قاضی عبدالاحمد سورتیؒ (م ۱۲۲۵ھ)

(اصل نام احمد تھا)، قبیلۂ باعکظہ سے تھے، شیخ عبداللہ حسینی لاہوری ثم سورتی کے شاگرد تھے، علمِ ادب وبلاغت اور فنِ شعر کے شناور تھے۔ شہر بھروچ میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۲۳۰)

(۱۲) شیخ عبدالرحمٰن گجراتیؒ

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، سورت میں نشو ونما پائی، شافعی المسلک تھے، اپنے والد ماجد اور دیگر علمائے وقت سے علوم حاصل کیے، بعد میں حیدرآباد تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول (نزہۃ الخواطر ۷/۲۵۳)

(۱۳) مفتی عبداللہ سورتیؒ

اپنے چچا محدثِ سورت شیخ خیرالدین سورتی سے علم حاصل کیا، بعدہٗ سورت میں منصبِ افتاء پر فائز ہوئے اور تادمِ حیات اِسی منصب پر قائم رہے۔

العالم الفقيه، أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول؛ (إلىٰ أن قال:) ثم ولي الإفتاء بمدينة سورت. (نزہۃ الخواطر ۷/۳۰۱)

(۱۴) شیخ غلام احمد سورتیؒ (م ۱۲۷۶ھ)

مولدومسکن اور مدفن سورت ہے، اپنے والد سے علمِ فقہ وحدیث حاصل کیا، بعدہٗ تادمِ حیات تدریس وافادہ میں لگے رہے۔

العالم الفقيه، أحد الفقهاء الحنفية. (نزہۃ الخواطر ۷/۳۴۵)

(۱۵) قاضی غلام علی سورتیؒ (م ۱۲۹۱ھ)

اپنے والد صاحب کے بعد منصبِ افتاء وقضاء پر فائز رہے، درس وتدریس کا بھی مشغلہ تھا۔ سورت ہی میں انتقال ہوا۔

أحد الفقهاء الحنفية ولى الإفتاء والقضاء بعد والده (نزہۃ الخواطر ۷/۳۵۶)

(۱۶) شیخ محمد سورتیؒ (م ۱۲۲۸ھ)

اپنے دور کے مشہور عالم فاضل ہیں، انگریز کے دور میں منصبِ افتاء پر فائز تھے، طویل عرصہ تک بہ ذریعۂ افتاء خلقِ خدا کی رہنمائی کی، متعدد علماء نے

آپ سے علم حاصل کیا۔

ولی الإفتاء في المحكمة العدلية الإنكليزية بسورت. (نزہۃ الخواطر ۷/۴۱۱)

(۱۷) سید محمد بن زین سورتیؒ

سورت کے ماہر فقیہ ہیں، اپنے والد اور دیگر علماء سے علم کی تحصیل کی۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول. (نزہۃ الخواطر ۷/۴۱۶)

(۱۸) شیخ محمد شاکر سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

شیخ عبداللہ حسینی لاہوری کے شاگرد ہیں، اِن سے سورت ہی میں پڑھا، پھر زندگی کے آخری دَم تک درس وتدریس کرتے رہے۔

أحد الفقهاء المعروفين (نزہۃ الخواطر ۷/۴۴۳)

(۱۹) شیخ محمود بن عبدالقادر سورتیؒ (م ۱۲۸۶ھ)

قبیلۂ باعکظہ سے تھے، سورت مولد ہے، اپنے چچا ابراہیم باعکظہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا، تجارت بھی کرتے تھے۔

كان من العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية (نزہۃ الخواطر ۷/۴۶۶)

(۲۰) مولانا مراد اللہ لکھنویؒ (م ۱۲۸۱ھ)

لکھنؤ کے حنفی عالم اور فقیہ تھے، لکھنؤ میں تدریس کے بعد بڑودہ آ گئے، اور بڑودہ میں ایک مدت تک درس وتدریس کی۔ (نزہۃ الخواطر ۷/۴۷۰)

(۲۱)مفتی مصلح الدین سورتیؒ

سورت کے مفتی تھے،تادمِ آخر بہ ذریعۂ افتاءخدمات انجام دیں۔

الفاضل المفتي أحد الفقهاء الحنفية ولی الإفتاء ببلدته. (نزہۃ الخواطر۷؍۴۸۳)

(۲۲)مفتی نظام الدین سورتیؒ (م ۱۲۴۰ھ)

سورت مولدومسکن ہے، اپنے والد صاحب سے پڑھا، درس وتدریس کے ساتھ افتاء کےفرائض انجام دیتے رہے۔

العالم المفتي، أحد الفقهاء الحنفية، (إلیٰ قوله:) ثم ولی الإفتاء ببلدة سورت. (نزہۃ الخواطر۷؍۵۰۳)

چودھویں صدی کے فقہاء

(۱)مولانا مفتی ابراہیم صاحب مانگرولیؒ (کاٹھیاواڑ)

(م۱۳۹۵ھ،۱۹۷۵ء)

اصل وطن احمدآباد تھا،ایک بزرگ کے اشارہ پر مانگرول تشریف لائے تھے،حضرت مفتی سہول صاحب بھاگلپوریؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) سے خاص تعلق تھا،حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی حکمت عملی سے شرک وبدعت کوختم کیا،آپ اپنے زمانہ کے مشہورعالم دین اورفقیہ تھے۔

(۲)مولانا مفتی محمدابراہیم صاحب جام نگریؒ (م۱۳۹۰ھ ۱۹۷۱ء)

(مدرسہ ابراہیمیہ عربیہ جام نگر کے مہتمم)

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل اورحضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ ناصرآباد(بلوچستان) سے جام نگرتشریف لائے تھے،بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔آپ فقیہ وقت تھے،شہرجام نگراوراس کے اطراف میں آپ کی بزرگی اورفقاہت مسلم تھی۔سَوراشٹر جو بدعات ورسومات کامنبع ہے اس کے باوجودایک وقت ایساتھا کہ جام نگراوراس کے قرب وجوانب میں آپ کے فتوے اورفیصلے حرف آخرسمجھے جاتے تھے۔

(۳) قاضی احمدلاجپوری (م۱۳۰۹ھ)

سورت میں پیداہوئے،اپنے دَور کےاساتذہ سے پڑھا،پھر''پارچول'' گاؤں کے قاضی مقررہوئے،فصیح وبلیغ شاعربھی تھے۔

أحد الأفاضل المشهورين. (نزهة الخواطر جديد۸/۱۱۸۳)

(۴) مولانا احمد میاں صوفی صاحب لاجپوریؒ (م ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء)

آپ کو تصنیف وتالیف کا شوق طالب علمی کے زمانہ سے ہوگیا تھا، چند تصانیف یادگار چھوڑیں، فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے تھے، آپ کے بعض فتاویٰ لاجپور میں موجود ہیں۔

(۵) مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب سملکیؒ

(م ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء) (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء فروری تک افتاء کی خدمت انجام دی، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ تا ذی قعدۃ ۱۳۵۴ھ اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی، رنگون اور ڈابھیل کی کل مدت ٦ سال ہوتی ہے، آپ کے فتاویٰ عام فہم ہوتے، ہر شخص بہ آسانی سمجھ لیتا، رنگون کے فتاویٰ سقوط رنگون کے بعد ضائع ہوگئے، مگر ڈابھیل کے فتاویٰ محفوظ ہیں، اس کی ترتیب وتخریج کا کام جاری ہے۔

(٦) مفتیٔ اعظم برما وگجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ (م ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے زیر تربیت فتاویٰ نویسی کی مشق کرنے سے آپ کو افتاء سے کافی مناسبت ہوگئی تھی، مفتی کا لفظ آپ کے نام کا جزو بن گیا تھا اور مفتی گجرات کا خطاب بھی آپ کو عطاء کیا گیا،

زندگی کے آخری لمحات تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے، اس میں آپ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، لوگوں کو آپ کے فتاویٰ پر کامل اعتماد تھا، جواب کا اعتبار پیدا کرنے کے لیے عام طور پر کتب فقہ کے حوالہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، وفات تک ۳۳ سال کی مدت میں کل فتاویٰ کی تعداد ۳۵ ہزار ہوتی ہے۔

آپ کے گجراتی فتاویٰ کی پانچ ضخیم جلدیں ''فتاویٰ سنگرہ'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جسے آپ کے جانشین مولانا مفتی عباس صاحب بسم اللہ زیدمجدہم نے حسن ترتیب سے مزین کیا ہے، باقی گجراتی فتاویٰ اور رنگون وڈابھیل کے اردو فتاویٰ پر کام جاری ہے۔ مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ پر ہندوستان کے بڑے علماء نے بھی اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے آپ کا فتوی دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس آدمی کے فتاویٰ سے تفقہ کی بو آرہی ہے۔ (تاریخ جامعہ: ۲۸۳)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے اپنے ایک شاگرد سے نصیحت کے طور پر فرمایا تھا: ہمارے ساتھی مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب بڑے اونچے فقیہ ہیں، ان کے فتاویٰ دیکھتے رہنا۔ (اجلاس صدسالہ، جامعہ ڈابھیل: ص: ۱۳۲)

(۷) مولانا مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیریؒ (م ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں واقع دارالافتاء کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۳۸۴ھ میں جامعہ ڈابھیل کے صدر مفتی منتخب

ہوئے۔ مفتی صاحب اپنی خداداد قابلیت میں ہندو بیرون ہند میں مشہور تھے، بہت ہی خوبیوں کے مالک اور تواضع کے پیکر تھے، آپ کے فقہی جوابات ''قلّ ودلّ'' کے مصداق ہوتے، گجرات کے مشہور رسالہ ''مسلم گجرات'' میں آپ کے فتاویٰ چھپتے تھے، قیام ڈابھیل کے تمام فتاویٰ جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء میں محفوظ ہیں۔

(۸) حضرت مولانا مفتی اکبر صاحبؒ (م جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء)

حضرت مولانا نذیر صاحبؒ (م رمضان ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء) کے برادر خورد ہیں، ان دونوں بھائیوں کے فتاویٰ پالنپور کے علاقوں اور دینی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، فتاویٰ تفصیل کے ساتھ حوالوں سے مزین ہوتے۔ (مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں)

(۹) مولانا انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ)

''ودوان'' (کشمیر) میں پیدا ہوئے، کشمیر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، بعدِ فراغت مدرسہ امینیہ دہلی پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہٗ ۱۳۴۶ھ میں جامعہ ڈابھیل گجرات منتقل ہوگئے، اور پانچ سال وہاں خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۲ھ میں مرضِ بواسیر میں انتقال ہوا اور دیوبند میں مدفون ہیں۔

آپ اپنے دَور کے محدث اور فقیہِ عصر تھے، آپ کا حافظہ ضربُ المثل تھا، بہ قول مولانا سید احمد رضا بجنوری: ''پوری بخاری شریف کے گویا حافظ تھے''۔ درسِ حدیث کے دوران مسائلِ فقہیہ سے متعلق جس ژرف نگاہی، دیدہ وری، بالغ

نظری اور دقیقہ رسی سے گفتگو کرتے اُس سے محسوس ہوتا کہ فقہِ حنفی کے مسائل خود بہ خود احادیث سے نکل رہے ہیں۔

آپ کی تصانیف اور درسی افادات کی تعداد بہت ہے، فنِ فقہ سے متعلق حسبِ ذیل تصنیفات ہیں:

[۱]تعليقات علىٰ فتح القدير (إلىٰ كتاب الحج)

مندرجہ ذیل رسائل قیام ڈابھیل کے دوران تصنیف فرمائے۔

[۲]نيل الفرقدين في مسئلة رفع اليدين(عربی): اِس میں محققانہ انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ، نماز میں رفعِ یدین میں اختلاف محض اولویت کا ہے۔ کُل صفحات ۱۴۵/ ہیں۔

[۳]بسط اليدين في نيل الفرقدين(عربی): یہ ۶۵/صفحات کا رسالہ "نيل الفرقدين" کا تکملہ وضمیمہ ہے۔

[٤]كشف الستر عن صلاة الوتر(عربی): ۱۰۰/صفحات پر مشتمل ہے، جس میں نمازِ وتر کی بابت اپنے تبحرانہ انداز میں ایسی مدلل بحث کی ہے کہ منصِف مزاج شخص کے لیے احناف کے نقطۂ نظر کی تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

علامہ کشمیری کے علوم کی اشاعت تصنیفات کے ذریعے "مجلسِ علمی ڈابھیل" سے خوب ہوئی۔

الكشميري أحد كبار الفقهاء الحنفية وعلماء الحديث الأجلاء. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۱۹۸/۸)

(۱۰)مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ (م ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء)

جامعہ ڈابھیل میں ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۶۲ھ تدریسی خدمات انجام دیں۔اسی دوران ''زاد الفقیر'' کا حاشیہ ''مستزاد الحقیر'' کے نام سے تحریر فرمایا،شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر کا جو مرتبہ فقہاء میں ہے وہ محتاج بیان نہیں،''زادالفقیر'' حضرت شیخ کی وہ نادرونایاب کتاب ہے جس میں آپ نے ابواب الطہارۃ وابواب الصلاۃ کے تمام ضروری واہم مسائل وجزئیات کونہایت شرح وبسط سے جمع فرمایا ہے۔کتب فتاویٰ میں حضرت شیخ کی اس کتاب کے حوالے بیشتر موجود ہیں۔عہد قدیم کے اندر بعض ممالک میں یہ کتاب درساً بھی پڑھائی جاتی رہی ہے،مگراس کے باوجود اب تک یہ کتاب طبع نہ ہوسکی تھی۔''مجلس علمی''نے حضرت العلامہ مولانا محمد انورشاہ صاحب قدس سرہٗ کے امروارشاد پراس کی طباعت کاانتظام کیا اورمزیدافادہ کے خیال سے جناب مولانا محمد بدرعالم صاحبؒ استاذ الفقہ والحدیث (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) سے اس کاتحشیہ کرایا۔حضرت علامہ کشمیریؒ کی حیات مبارکہ میں تحشیہ کا کام شروع کردیا تھا، مگراختتام پذیرہونے سے پہلے علامہ کشمیریؒ کا ۱۳۵۲ھ میں وصال ہوگیا۔کتاب کے مقدمہ میں حضرت مولانا بدرعالم صاحب تحریرفرماتے ہیں:

''فإني قد كنت شرعت في تعليق رسالة الشيخ ابن الهمام المسماة بزاد الفقير في حياة الشيخ العلامة الاواه السيدمحمدانور شاه نوّرالله ضريحهٗ، وكان قصوى منيتي وغاية بغيتي ان اكملهٗ فاقدمه لحضرته العالية كي تقرعينه ولا يحزن،وليكن حشيشاًفي يد الغريق يوم

القيامة،ولكن لقلة بضاعتي وقصورباعي على ماعانيه من شواغل المدرسة مازلت اترددواحيل الامرمن اليوم على الغد،فمضى على هذاالحال برهة ماوجدفرصة ....فلماكدت اَنْ اُهَنِّأَ نفسي بتكميله فإذا الشيخ قدمضى لسبيله".(زاد الفقير مع حاشية مستزاد الحقير: ۲)

شروع کتاب میں حضرت علامہ شبیراحمدعثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ کی تقاریظ بھی ہیں،مجلس علمی ڈابھیل سے کتاب طبع ہوئی۔

(۱۱) مولانا برکت اللہ سورتیؒ

سورت کے حنفی فقیہ عالم ہیں،حدیث وفقہ شیخ محمدسعید عظیم آبادی سے حاصل کیا،سورت میں درس وتدریس میں مصروفِ عمل رہے،متعددعلماء کے استاذ ہیں۔

أحدالعلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید۸/۱۲۰۳)

(۱۲) قاضی سیدرحمت اللہ لاجپوری محدث راندیرؒ (م۱۳۴۲ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، آپ کے جدِ امجد گجرات کے بڑے عالم تھے، فارسی وعربی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور شیخ پیر محمد سے حاصل کی، پھر بھوپال چلے گئے، وہاں کبارِعلماء سے پڑھا۔

قاضی صاحب حاویٔ معقول ومنقول، جامعِ فروع واصول، ادیبِ لبیب اور گجرات کے مایۂ نازمحدث تھے،قراءت سبعہ،فقہ اوراصولِ عربیہ سے خاص مناسبت تھی، پچاس سال ''دارالعلوم اشرفیہ راندیر''میں شیخ الحدیث کے منصب پرفائز رہے۔

درس وتدریس وافتاء کے ساتھ تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق تھا، نوشتہ فتاویٰ کے علاوہ کئی مفید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

[۱] كحل البصر في ذكر وقت العصر

[۲] كحل العينين في ترك رفع اليدين

[۳]سبع سنابل في تصريح المسائل

[٤]غنية المهتدي في حكم قراء ة المقتدي

[٥]ترتيب المسائل في أقوى الدلائل

[٦]تلك عشرة كاملة

[٧]تحقيق المسائل عن عمدة الوسائل

[٨]نور العينين

[٩]هداية البرايا في أحكام الضحايا

[۱۰]اسلامی ضرورت اوراوقاف کی فاضل آمدنی

(ماخوذاز: ذکرصالحین، جلداول ص:۱۷۵غیرمطبوعہ)

(۱۳) حضرت صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ (م۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء)

باغِ عارف کا پہلا حصہ:

علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ نے اس کتاب کوملاحظہ فرما کرفرمایا تھا:

حضرت صوفی صاحب صرف ولیٔ کامل ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑے عالم بھی ہیں کہ گجرات میں جن کی نظیرملنی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔(مقدمہ باغ عارف ۲۲)

(۱۴)مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ (م۱۳۷۸ھ ۱۹۵۸ء)

آپ نے جامعہ حسینیہ راندیر-سورت میں دوسری مرتبہ ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۶۳ھ تک تدریس کی ہے اوراس زمانہ میں تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دی ہیں، اللہ تعالی نے آپ کوقوت تحقیق واستنباط اور تعمق نظر کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔(سوانح مولانا سید شمس الدین بڑودویؒ :ص:۲۲)

(۱۵)مولانا مفتی صدیق صاحب بڑودویؒ

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۵ء تک ایک سال فتاویٰ نویسی کی،مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۶)مفتی عبدالحمید شافعی سورتیؒ (م۱۳۰۸ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور دیگر علماء سے حصولِ علم کے بعد ''مدرسہ محمدیہ بمبئ'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔فنِ فرائض اورحساب میں یدِ طولیٰ حاصل تھا،متعدد اشخاص نے اِن سے فیض اٹھایا۔بمبئ میں انتقال ہوا۔

أحد كبار الفقهاء. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۲۶۵/۸)

(۱۷)علامہ محمد عبدالحی کفلیتویؒ (م۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء)

اپنے دور کے علامہ تھے،علوم دینیہ میں بیش بہا ذخیرہ تالیف فرمایا،آپ کی تصنیف کردہ کتابیں ۲۳ ہیں،جن میں فقہ کے موضوع پر حسب ذیل ہیں:

(۱)اجابة السائل عن القنوت فی النوازل ...(اردو)...مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کا حکم۔

(۲)القول المجلّی: عیدگاہ میں نمازعیدین کی مسنونیت کے موضوع پر۔
(۳)نسیم الصبا: سود کی حرمت کے بیان میں۔

آخر حیات میں رویت ہلال کے بارے میں ٹیلیگراف کی خبر کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟اس سلسلے میں بہ زبان عربی ایک سوال مرتب کرکے ہندوستان، عرب،استنبول کے علما کے جوابات حاصل کیے،لیکن اس کے شائع ہونے سے پہلے ہی پیام صادق آپہنچا۔

(۱۸)مفتی سید عبدالحی قاضی صاحب لاجپوریؒ

(حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے خسر صاحب)

افریقہ (ڈربن ناٹال) میں فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔

(۱۹) شیخ عبدالقادر سورتیؒ

مولد سورت ہے،شافعی المسلک فقیہ ہیں،اپنے دَور کے مشہور علماء اور شیخ محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے علم حاصل کیا،حرمین شریفین کے کبارِ علماء سے بھی فیض اٹھایا،بعد میں بمبئی میں مقیم ہوگئے تھے۔فنِ فقہ میں ”تحفة المشتاق في أحكام النكاح والإنفاق“نامی کتاب تصنیف کی۔

الشيخ العالم الفقيه، كان من العلماء الأتقياء. (نزہۃ الخواطر جدید۸/۱۲۸۷)

(۲۰)مولانا علی محمد تراجوی سورتیؒ (م۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء)

تقریبا دوسال سورتی جامع مسجد رنگون (برما) کے صدر مفتی رہے،آپ

کے فتاویٰ محفوظ نہیں ہیں، وہاں کے مشہور رسالہ ''المحمود'' میں شائع ہوتے تھے، اس سے آپ کی سوانح میں نمونہ کے طور پر چند فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ''فخر گجرات'' ص: ۱۳۰ تا ۱۴۵۔

(۲۱) سید عماد الدین سورتیؒ (م ۱۳۱۰ھ)

سورت میں پیدا ہوئے، علمائے مصر سے حصولِ علم کے بعد بمبئی تشریف لے گئے، وہیں انتقال ہوا۔ متعدد علوم کے ماہر تھے۔

أحدالعلماء المبرزين في النحو والعربية والفقه والكلام. (نزہۃ الخواطر جدید ۸/۱۳۱۴)

(۲۲) مولانا غلام محمد صادق صاحب راندیریؒ (م ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۶ء)

آپ کی تالیفات کی تعداد ۲۴ ہے، آپ نے عقائد وفقہ کی بہت سی کتابوں کا گجراتی میں ترجمہ کیا اور چھپوا کر شائع کیا، فقہ میں بہشتی زیور اور زبدۃ المناسک کا ترجمہ کیا۔

(۲۳) مولانا غلام نبی صاحب تاراپوریؒ (۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ء)

سورتی جامع مسجد رنگون (برما) میں افتاء کے منصب پر ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء ایک سال فائز رہے۔

(۲۴) مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ (م ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء)

آپ نے رنگون (برما) میں سورتی جامع مسجد میں دارالافتاء قائم کیا، جس میں ایک قابل مستند مفتی رہ کر عوام کی رہنمائی فرماتے رہے۔ (البلاغ بمبئی، شمارہ ۷-۸)

(۲۵) شیخ محمد بن ہاشم سورتیؒ (م ۱۳۱۰ھ)

''سامروڈ'' (ضلع سورت) کے باشندہ ہیں، متعدد شہروں کے کبارِ علماء سے علم حاصل کیا، درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا، کتابیں جمع کرنے کا خوب شوق تھا۔ کئی تصانیف چھوڑیں جن میں دو یہ ہیں:

[۱]نیل المنیٰ في تقصیر الصلاۃ بمنیٰ

[۲]تحریم الرجعة في تحریم المتعة. (نزہۃ الخواطر ۱۳۴/۷/۸)

(۲۶) مولانا مفتی محمد سعید صاحب راندیریؒ

(م ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) (جامعہ حسینیہ راندیر)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے ان سے فتاویٰ نویسی میں مہارت حاصل کی تھی جامعہ حسینیہ کے مفتی تھے، درس وتدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داریاں بھی بحسن وخوبی انجام دیں۔

(۲۷) شیخ محمد فاضل سورتیؒ (م ۱۳۰۲)

سورت میں پیدا ہوئے، سورت اور دہلی کے علماء سے حصولِ علم کے بعد سورت میں اپنے والد صاحب کے جانشین مقرر ہوئے، بڑے بڑے علماء ومشائخ نے آپ سے علم حاصل کیا۔

أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية. (نزہۃ الخواطر جدید ۱۳۷/۱/۸)

(۲۸)مولانا مفتی محمد حسین صاحب راندیریؒ (شیر گجرات)

(م۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء)

جامعہ حسینیہ راندیر میں دارالافتاء کا شعبہ قائم کیااور بذات خودفتاویٰ تحریر فرماتے تھے، یہ فتاویٰ گجراتی اخبار ’’ہمدرد‘‘میں شائع ہوتے رہتے تھے،آپ کے فتاویٰ گجراتی میں ’’فتاویٰ حسینیہ‘‘ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں، فتاویٰ کا یہ مجموعہ بے حد مقبول ہوا، جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔(البلاغ بمبئی، جلد ا؍شمارہ ۷-۸)

(۲۹) شیخ محمود بن حسام الدین گجراتیؒ

احمدآباد میں پیدا ہوئے، اپنے عصر کے علماء سے علم حاصل کیا، اپنے والد سے علم طریقت حاصل کرنے کے بعداُن کے جانشین بنے، سورت اور حیدرآباد میں علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم حاصل کیا۔ احمدآباد میں انتقال ہوا۔تصوف میں ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

الشیخ العالم الفقیه. (نزہۃ الخواطر جدید ۸؍۱۳۷۶)

(۳۰)مفتی اعظم برما حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ

(م۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء)

آپ گونا گوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کی خصوصیت کے حامل تھے، جس کے شاہد آپ کے وہ فتاویٰ ہیں جو آپ نے رنگون میں سورتی جامع مسجد میں خدمت دارالافتاء کے موقع پر تحریر فرمائے۔فقیہ عصر مفتی اعظم

گجرات حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ رقمطراز ہیں: ''حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری نوّر اللہ مرقدہٗ وسیع النظر، عالم با عمل تھے، قرآن کریم وحدیث وفقہ پر بڑی گہری نظر تھی۔ آپ کے فتاویٰ مدلل وفقہی بصیرت کے حامل ہوتے تھے۔'' (تذکرۃ المرغوب غیر مطبوعہ: ص:۵۹)

آپ کے فتاویٰ ''مرغوب الفتاویٰ'' کے نام سے آپ کے قابل حفید مولانا مرغوب احمد صاحب زید مجدہم مقیم ڈیوزبری (برطانیہ) نے حوالجات کی تخریج کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں مرتب کیے ہیں، تین جلدیں زیر طبع ہیں۔

مجیب مرغوب، محشی مرغوب، فتاویٰ کا نام مرغوب، بس اب رغبت کی آنکھیں دیکھنے کی منتظر ہیں۔

(۳۱) مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ

(م ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) (دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، مدرسہ امینیہ سے فراغت کے بعد حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے آپ کو مدرسہ اشرفیہ راندیر (سورت) بھیج دیا، راندیر میں مدت تک افتاء وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اہل گجرات پر آپ کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا، فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء رجال پر بھی آپ کی نظر بڑی گہری تھی۔ مفتی صاحبؒ کئی اہم کتابوں کے مصنف ہیں، فقہ میں امام محمدؒ کی ''کتاب الحجۃ'' جو چار جلدوں میں ہے ان کی تصحیح وتعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف میں اس کی

ابتدائی دوجلدیں چھپی ہیں، یہ کتاب بڑی نایاب تھی اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجودتھا، یہ فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں سے ہے، مفتی صاحب نے اس کے مسودہ کی تصحیح وتعلیق میں ۲۰ ؍سال صرف کیے ہیں، امام محمد کی ''کتاب الآثار'' پران کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔(تارخ دارالعلوم دیوبند۲؍۲۵۸)

(۳۲) مولوی وصی احمد سورتیؒ

سورت میں پیدا ہوئے، کانپوراورسہارن پور کے متعدد علماء سے حصولِ علم کیا، طبیعت میں تشدد تھا۔''سنن نسائی'' اور''شرحِ معانی الآثار'' کا حاشیہ لکھا۔

الشیخ العالم الفقیہ، کان من الفقھاء المتعصبین علیٰ من یعمل بنصوص الحدیث. (نزہۃ الخواطر جدید۸؍۱۴۰۰)

(۳۳) مولانا محمد یوسف دیوان صاحب لاجپوریؒ (م ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء)

علم فقہ پرمہارت تامہ حاصل تھی، اپنی خداداد صلاحیت سے فتاویٰ کے جوابات بڑے مدلل ومفصل تحریر فرماتے تھے(گلشن یوسفی:ص:۳۹)

آپ نے نورالایضاح کا اردو میں ترجمہ شروع فرمایا تھا، مگر مکمل نہ ہوسکا، کتاب الصلاۃ تک ترجمہ کیا تھا جس کی تکمیل رفیق محترم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب زید مجدہم (مقیم برطانیہ) نے فرمائی جو ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ھ میں ''سرورالنجاح ترجمہ نورالایضاح'' کے نام سے شائع ہوا۔

کتاب کی تقریظ میں فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''بزرگ

صفت، عالم باعمل تھے،شب وروز کتب بینی اوردرس وتدریس میں مشغول رہتے تھے،فقہ سے خاص مناسبت تھی‘‘(سرورالنجاح کی تقریظ:ص:۱۱)

(۳۴)حضرت مولانامحمد یوسف صاحب بنوریؒ(م۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء)

حضرت مولاناؒنے تدریس ڈابھیل کے دوران ایک صاحب کے چند استفسارات کے جواب میں ’’بغية الاريب فى احكام القبلة والمحاريب‘‘ نامی رسالہ تحریرفرمایا۔

علامہ بنوریؒ نے اپنی اس تالیف کی تدوین کے وقت ہندوستان کے متعدد مشہورکتب خانوں کے نادرمخطوطات اورنایاب وکمیاب مطبوعات کامطالعہ عرصہ تک جاری رکھا،حدیث،تفسیر،فقہ ولغت اورعلوم متفرقہ کی تقریباً۱۰۰گراں قدرکتابوں کواپنے مذکورہ رسالہ کامأخذقراردیا،اصولِ تعیینِ سمت قبلہ پرسیرحاصل کلام کیااوران تمام شکوک وشبہات کاعمدہ طورپرحل فرمایاجومسئلۂ استقبال قبلہ کے متعلق اب تک لوگوں کوپیش آئے۔یہ رسالہ ۱۳۵۷ھ میں پہلی مرتبہ قاہرہ سے طبع ہوا،مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کیا۔

پندرہویں صدی کے فقہاء

(۱) مولانا مفتی احمد اشرف راندیریؒ

(دارالعلوم اشرفیہ کے مہتمم) (م ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء)

گجرات کی اہم علمی شخصیات میں مولانا مفتی احمد اشرف صاحبؒ کا شمار ہوتا ہے، آپ بیک وقت عالم، مفتی، مصنف اور صاحب نسبت عالم دین تھے۔ رنگون (برما) اور دارالعلوم اشرفیہ میں فتاویٰ نویسی کی بہترین خدمات انجام دیں، چھوٹے بڑے کئی رسائل مختلف موضوعات پر بزبان گجراتی تحریر فرمائے اور چھپوائے۔ آپ کے فتاویٰ (گجراتی) "فتاویٰ اشرفیہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ

(م ۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ء) کرمالی، بھروچ

فتاویٰ نویسی کی مشق مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کی خدمت میں کی، چالیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ڈابھیل اور ترکیسر میں تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں۔ (دہشت گرد اور اسلامی تعلیمات: ۴)

(۳) مفتی ابراہیم سنجالوی صاحبؒ (م ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء)

جامعہ ڈابھیل کے فارغ تھے، افریقہ کے سرخیل علماء میں شمار تھا، زندگی کے آخری دم تک افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، لوگوں کو آپ کے فتاویٰ پر کافی اعتماد تھا۔ (تاریخ جامعہ ۲۳۱)

(۴) مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ (م۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء) راندیر، سورت

دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات ۳۰ سال تک انجام دیں، آپ کے یہ فتاویٰ ماہنامہ وہوراویلفیر (گجراتی) میں شائع ہوتے تھے اور مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں، آپ کے گجراتی فتاویٰ سے ایک جلد ''فتاویٰ عبدالغنی'' کے نام سے مطبوع ہے۔ (فضلائے جامعہ ۲۲۴)

(۵) مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب راندیریؒ

(م۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء)

۵۱ر سال کی طویل تدریسی خدمات جامعہ حسینیہ میں انجام دیں، اسی دوران چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک افتاء کی زریں خدمات انجام دیں۔

آپ کے فتاویٰ ہفتہ وار اخبار ''امید'' میں شائع ہوتے تھے، فتاویٰ کا مجموعہ گجراتی زبان میں ''روضۃ الفتاویٰ'' کے نام سے دو جلدوں میں منظر عام پر آ کر خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔

(٦) وقار سادات مفتیٔ گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری ثم راندیریؒ (۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء)

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ گجراتی ماہنامہ پیغام اور مجاہد میں کئی سال تک شائع ہوتے رہے، قدرداں احباب کی فرمائش پر ان کو کتابی شکل میں گجراتی و اردو زبان میں شائع کیا گیا، اردو میں دس جلدیں اور گجراتی میں پانچ جلدیں اور

انگریزی میں تین جلدیں منصۂ شہود پر آکر مقبول عام وخاص ہیں۔ ہندو پاک کے فتاویٰ میں یہ خصوصیت صرف اور صرف ''فتاویٰ رحیمیہ'' کے حصہ میں آئی کہ وہ انگریزی، گجراتی اور اردو زبان میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، ہندو پاک کا شاید ہی کوئی دارالافتاء ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے خالی ہو، صاحب فتاویٰ کی حیات ہی میں اسے وہ قبولیت نصیب ہوئی کہ شاید و باید کسی اور فتاویٰ کے حصہ میں آئی ہو، بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام نے ''فتاویٰ رحیمیہ'' پر اپنی آراء کا اظہار فرمایا جو جلد اول کے شروع میں موجود ہیں۔ یہاں چند مؤقر مفتیان کرام کے آراء کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

حضرت مفتی سید حسن مہدی صاحبؒ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند):

''بہت محنت اور کاوش سے جوابات دئے گئے ہیں، خصوصاً جوابات میں نقول معتبرہ کو پیش کیا گیا ہے، بعض مختصر جوابات پر بھی نظر ڈالی جو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں، جس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے فتاویٰ رحیمیہ عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ اہل علم کے لئے بھی بغیر محنت کے مفید ہے''۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ:

''ماشاءاللہ آپ نے بہت شرح وبسط اور تحقیق سے جوابات لکھے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ:

''حضرت کے فتاویٰ بڑے مدلل اور بڑے محققانہ اور مسلک حق کے صحیح ترجمان ہوتے ہیں''۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم :

''فتاویٰ رحیمیہ انمول ہیروں کا ہار ہے، گلہائے رنگارنگ کا نہایت حسین گلدستہ ہے، اس میں عام مسلمانوں ہی کے لیے سامان تسلی نہیں ہے، بلکہ دریائے علم وفن کے شناوروں کے لیے بھی غیر معمولی غذا ہے، ہر فتوی علم و تحقیق کی داد طلب کرتا ہے''۔ (حیات عبدالرحیم، ۱/۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳)

(۷) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب دیوبندیؒ (م ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴ء)

جامعہ ڈابھیل میں تدریس کے ساتھ افتاء کی ۵/سال خدمت انجام دی،

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مفتی صاحبؒ کے بارے میں بلند الفاظ سنے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے والد ماجد) کو مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی فقہی صلاحیت اور نظر پر بڑا اعتماد تھا اور وہ ان کے فقہی جوابات سے مطمئن ہوتے تھے، مجھے ان کا فقہ وافتاء کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ ان کو اس فن سے خصوصی مناسبت اور امتیاز حاصل ہے۔ (پرانے چراغ ۳/۱۰۰)

مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کے بعض فتاویٰ پر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تائیدی دستخط ثبت ہیں، مفتی صاحب کے فتاویٰ جامعہ ڈابھیل میں محفوظ ہیں۔

تمت وبالفضل عمت

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحة و الفراغ (صحیح بخاری)

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار
کہ آنا نہ ہوگا یہاں بار بار

فُرصتِ زندگی

☆ تالیف ☆

سعد احمد ابن مولانا رحمۃ اللہ مجدد باری

پالن پور، گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

کتاب	:	فرصت زندگی
مؤلف	:	مفتی سعید احمد ابن مولانا رحمۃ اللہ مجادری
صفحات	:	۱۱۲
سن طباعت	:	سنہ۱۴۳۷ھ
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	

* رابطہ کے لئے *

مفتی سعید احمد مجادری، قاسمی، پالن پور گجرات ۹۹۹۸۴۹۵۳۳۵

مولانا شعیب صاحب مجادری، احمد آباد ۹۸۹۸۷۳۹۵۰۵

مکتبۂ ابوہریرہ کھروڈ، گجرات (مولانا جاوید صاحب) ۹۹۲۵۶۵۲۴۹۹

مدنی کتب خانہ پانولی (مولانا لقمان صاحب) ۹۹۰۹۶۰۵۹۷۱

الامین کتابستان دیوبند ۹۵۵۷۵۱۵۱۹۹

المحتویات

حالی کے اشعار جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں

جتائی انہیں وقت کی قدر و قیمت * دلائی انہیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت * ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا
غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے * فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے * اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

کلمات بابرکت

عالم ربانی عارف باللہ جامع شریعت وطریقت شیخ الحدیث حضرت مفتی آدم صاحب (دامت فیوضہم وبرکاتہم العالیہ)

الحمد للہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، وعلی آلہ وصحبہ امابعد : زندگی کے اوقات کی قدرواہمیت کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالی نے اپنے مقدس کلام میں مختلف اوقات کی قسمیں کھائی ہیں، اوررسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو صراحۃ اوقات کو اچھے کاموں میں مشغول رکھنے کا حکم دیا ہے۔

لہذا ہمیں اپنے اوقات کو ضائع اور بے کار نہیں کرنا چاہئے، اس سے دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کرنے چاہئے، اس کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے عزیزم مولوی مفتی سعید احمد صاحب مجادری سلمہ نے بہترین مضامین جمع فرمائے ہیں، احقر نے ان کو پڑھا اور بہت ہی مفید اور مؤثر پایا۔

جو شخص اپنے اوقات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ چوبیس گھنٹے کا نظام الاوقات بنالے، اس کی وجہ سے اعمال کی پابندی آسان ہوگی، اور اوقات میں خوب برکت بھی ہوگی، ہمارے اکابرین کا یہی معمول رہا ہے، اللہ تعالی اس کتاب کو لوگوں کے لئے نافع بناوے، اور مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بناوے، آمین۔ واللہ الموفق فقط والسلام

احقر آدم بھیلونی ٢٨ ر ذی الحجہ ١٤٣٥ھ

خادم شعبۂ افتاء وحدیث جامعہ نذیریہ کاکوسی

تاثرات

حضرت مولانا محمد شعیب صاحب مجادری (دامت برکاتہم العالیہ)

استاذ جامعہ فیضان القرآن احمد آباد

حامداومصلیا۔۔۔

جہد مسلسل، جوش عمل، مستی کرداراور حرارت وحرکت کا نام زندگی ہے، جب حرارت اور حرکت نہ رہے تو وہ ایک بے جان جسم رہ جاتا ہے، جوزندگی کے تقاضوں اور بلند مقاصد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، دانشوروں کے یہاں سانس چلنے کا نام حیات نہیں ہے بلکہ سانس وصول کرنے کا نام ہے، خواجہ مجذوبؒ فرماتے ہیں:

میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو　　بڑھاپا نہ بچپن نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یاد دلبر میں گذریں　　وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

علامہ اقبالؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے، حرارت وحیات سے پُران کے اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہرایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا　　حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں
رگوں میں گردش خون ہے اگر تو کیا حاصل　　حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا تو حفظ خودی سے ہے ورنہ　　گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

زندگی کا لمحہ لمحہ ایسے لازوال بے مثال نعمائے جنت اور اسباب فرحت ولذت کا معدن ہے جس کا تصور میدان عمل میں ناممکن کر دیا گیا ہے، احاطۂ جائے عمل سے نکلنے کے بعد جب نتائج پیش کئے جائیں گے تب احساس ہوگا کہ زندگی کا ایک لمحہ دنیا بھر کے ان خزانوں سے قیمتی تھا جن کے حصول کے لئے کوئی دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، کوئی معیاری زندگی کا ایک خیالی خاکہ بنا کر اس

کے حصول کے لئے دن رات پریشان نظر آتا ہے، اور بے شمار لوگ اس کو حاصل کرنے اور لاکھ کے دو لاکھ کرنے بلکہ کروڑ سے کروڑوں کا مالک بننے کے لئے اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ اسی تگ ودو میں اپنی قیمتی زندگی کو الوداع کہہ دیتے ہیں، اور جو خزانے، جائداد اور سیاہ و سفید زندگی کی ایک سانس کی قیمت بھی نہیں چکا سکتے ان کے پیچھے پوری زندگی برباد کر دیتے ہیں۔

اسی چیز کا احساس دلانے کے لئے ایک نوجوان فاضل کی یہ بیش بہا کتاب ہے، ایسے دور میں جب عوام بلکہ کچھ خواص بھی بے توجہی اور بے فکری کے شکار ہو چلے ہیں اگر کوئی شخص اٹھ کے قلم تھام کر وقت کی اہمیت پر کلام کرتا ہے تو واقعی اس کے قلم کو چومنے کو جی چاہتا ہے۔

موصوف کے دو کام قابل ذکر ہیں، ایک تو وقت جیسے اہم موضوع کو کتاب کا عنوان بنایا، اور دوسرے یہ کہ سلسلۂ کلام میں دلچسپی کی رعایت کرتے ہوئے وقت کی اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی، الفاظ و عبارت کی روانی بھی کتاب کو پرکشش اور دلچسپ بناتی ہے، کتاب کا مسودہ ہرچند کہ مجھے مطالعہ اور تأثرات کے لئے دیا گیا مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس میں سے جابجا موتی چنے ہیں، اور کئی پہلے سے معلوم باتیں حافظہ میں گویا نئے سرے سے روشن ہو گئیں، اللہ مؤلف کی محنت میں اخلاص و قبولیت کا رنگ بھر دے، اور موصوف کے قلم کو روحانیت، تازگی اور روانی عطا فرمائیں کہ جس کے ذریعہ وہ اسلام کی ترجمانی اور دین کی خدمت انجام دے، اور آپ کی تحریر کا نور چہار دانگ عالم میں پھیلے۔

محمد شعیب مجادری

محرم الحرام ۱۴۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا ومصلیا

آغاز

آدمیت کو داغدار بنانے والے امراض میں سے ایک شدید مرض بے کاری ہے، یہ دامن انسانیت پر ایک بدنما داغ ہے، اور بے کاری صرف یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے معاش کی فکر نہ کرے، اور کمانے کھانے کے وسائل اختیار کرنے سے گریز کرے، بلکہ بے کاری کی ایک شاخ یہ بھی ہے کہ معاشی جد وجہد سے فرصت ملنے کے بعد کسی دوسری مشغولی سے جی چُرائے، اپنی ذات کو سنوارنے اور علم وعمل میں ترقی کرنے لئے کسی طرح کی حرکت نہ کرے، فکر معاش کے متعلق اور چند اہم دینی فرائض کے متعلق جو روزانہ کا معمول ہے اس سے ذرہ بھی آگے قدم اٹھانے کی فکر نہ کی جائے، کبھی انسان کو یہ خیال نہ آئے کہ فرصت کے اوقات میں کچھ ایسے کام کر جاؤں جس سے دوسروں کو نفع حاصل ہو، یا اپنی ذات کو کمال حاصل ہو، یہ بیکاری اور پست خیالی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بے کاری انسان کی صلاحیتوں کو خاک میں ملا دیتی ہے، فکر وعمل کی طاقتیں جو قدرت نے ہر انسان کے اندر رکھی ہیں ضائع ہو جاتی ہیں، اور لمبی مدت دنیا میں رہنے کے باوجود انسان اپنے اندر چھپے انمول جواہرات کی قیمت وصول نہیں کر پاتا، اور اللہ تعالی کی دی ہوئی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا ہے، بیکاری اور بے حسی کی راکھ قوت تسخیر کو مغلوب کر دیتی ہے، اور باطن میں مخفی عظیم طاقتیں ایک عضو معطل کی طرح مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں، جن صلاحیتیوں کو بروئے کار لا کر خالق کائنات کا محبوب بن سکتا تھا، ملائکہ کا مخدوم بن سکتا تھا، کائنات کے ذرے ذرے کا دلربا ہو سکتا تھا، دنیا میں اپنے نام کی خوشبو پھیلا سکتا تھا، اپنے پیچھے اپنی یادوں کی زندہ علامات چھوڑ سکتا تھا، بڑوں کی آنکھوں کا تارہ اور چھوٹوں کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکتا تھا، اور جن صلاحیتوں میں نانوتویؒ، گنگوہیؒ

اور تھانویؒ کی صف میں کھڑا کرنے کی طاقت تھی، علم وعمل، زہد وورع سے آراستہ کرنے کی قوت تھی، اور جنت کی وہ نعمتیں ان میں مخفی تھیں جن کا کسی سکندر نے بھی تصور نہیں کیا ہوگا، بے کاری و بے حسی کی راکھ کے نیچے ایسی سرد ہوگئیں گویا ان صلاحیتوں میں سے کچھ حصہ نہیں پایا تھا، اگر ان فطری طاقتوں کو نیست ونابود کر کے کوئی زندگی جیا تو کیا جیا، کسی نے لمبی عمر پائی تو کیا کمال کیا، ایسی زندگی کو کیوں کر زندگی کا نام دیا جائے، اسی لئے ابن زبیرؓ نے بڑی قوت سے کہا ہے: **أشر شيء في العالم البطالة**، سب سے بدتر چیز بیکاری ہے۔

بعض مشاغل ایسے ہوتے ہیں جو دنیوی اور اخروی فوائد سے بالکل خالی ہوتے ہیں، جن میں مشغول ہونا بھی ایک قسم کی بے کاری ہے، اگر غور کیا جائے تو ہم مشغول ہوتے بھی ہیں تو اکثر ایسے ہی کاموں میں جو بالکل لغو اور فضول ہوتے ہیں، ہمارے کان اور ہماری زبانیں ان جیسے جملوں سے بہت مانوس ہے؛ یہ کب ہوا؟ یہ کب ٹوٹا؟ وہ کب بنا؟ یہاں کون آیا؟ وہ کس نے کیا؟ فلاں کے بیٹے نے اور فلاں کے بھائی نے ایسا کیا، فلاں نے فلاں جگہ ایسا ایسا بنایا، وہ خریدا، اتنے میں بیچا، وہ مہنگا ہوگیا، یہ سستا تھا، دن رات انہیں لایعنی باتوں میں زندگی برباد ہوتی ہے۔

ایک خوبصورت اور مضبوط مکان ہے، جس کی عام قیمت پچیس لاکھ روپئے ہیں، لیکن مالک مکان کو کسی ضرورت سے اس کو فروخت کرنے کی نوبت آگئی، جلد بازی میں پچیس لاکھ کے بجائے بیس لاکھ میں مکان فروخت ہوا، تو اب یہ کہا جائے گا کہ مالک مکان کو پانچ لاکھ کا گھاٹا آیا، مالک مکان بھی اپنے ہمدردوں سے اس نقصان کی شکایت کر کے اپنا غم ہلکا کرے گا، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بیس لاکھ روپئے اپنی ذات میں کچھ کم نہیں ہے، اگر کسی فقیر کو ایکدم دے دیئے جائیں تو ممکن ہے وہ خوشی کو ضبط نہ کر سکے، اور دماغی توازن کھو بیٹھے، لیکن اتنی رقم حاصل ہونے پر مالک مکان کو افسوس ہے، کیوں کہ جس مکان کے عوض میں اس کو یہ رقم ملی ہے وہ اس کی پوری قیمت وصول

نہیں ہوئی، اسی کو کھوٹ اور گھاٹا کہتے ہیں، ایک ایسی ہی بھاری کھوٹ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو آگاہ کیا ہے حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ والفراغ۔ (صحیح بخاری)

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں ایک تندرستی دوسری فراغت''۔

عافیت والی زندگی سے انسان اس دنیا سے سینکڑوں گنا بڑی جنت حاصل کر سکتا ہے، قرب الہی کے بلند مراتب حاصل کر کے مقربین میں شامل ہو سکتا ہے جن کے لئے اللہ کے یہاں خصوصی انعامات ہیں، طاعت وعبادت سے اعلی منازل کی طرف پرواز کر سکتا ہے، اور اس جنت الفردوس کا وارث بن سکتا ہے جو اعلی ترین مقام ہے، جس کی چھت رحمن کا عرش ہے، اگر کوئی شخص فرائض پر اکتفا کرتا ہے تو اگر چہ یہ فی نفسہ اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیا میں اس کا تصور بھی ناممکن ہے، لیکن وقت کی قدر و قیمت کو دیکھ کر یہ انسان بھی کھوٹ میں ہے، مکان میں صرف بیس فیصد کے نقصان پر انسان بے چین ہو جاتا ہے، وقت کی ثمنیت کے لحاظ سے ہر انسان بڑے بھاری نقصان میں جا رہا ہے، اکثر لوگ پچاس فیصد سے بھی زیادہ کھوٹ میں ہے۔

وتعجب ممن باع شیئا بدون ما * یساوی بلا علم وامرل اعجب

لانك قد بعت الحیاۃ وطیبھا * بلذہ حلم عن قلیل سیذھب

''تجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو ناواقفیت سے کسی چیز کو اس کے مساوی قیمت سے کم میں بیچ دیتا ہے، حالانکہ تیرا معاملہ اس سے زیادہ عجیب ہے، اس لئے کہ تو نے حیات جاویدہ اور اس کی پاکیزہ اور پر لطف چیزوں کو ایک ایسے خواب کے عوض بیچ دیا ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا''۔

آیئے عزم سفر پیدا کریں

اس رسالے میں وقت کی قدر و قیمت کے متعلق احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اقوال علماء اور

حکماء اور صوفیائے کرام کی زریں باتیں جمع کی گئی ہیں تاکہ اتنے بھاری خسارے سے ہم لوگ آگاہ ہوں، اور فلاح وصلاح کی شاہراہ پر اپنی حیات کا رخ موڑ دیں، اور نیا عزم سفر لے کر سستی و کاہلی سے ہمیشہ کے لئے ناطہ توڑ کر شوق ورغبت سے، سرور وفرحت کے ساتھ، حدی خوانی اور نغمہ سنجی سے روح کے لئے وجد اور قلب کے لئے حرارت واضطراب کا سامان کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوں، ممکن ہے کہ یہ چند صفحات ہماری کی زندگی کو زندگی بنانے میں مددگار ثابت ہوں، اور سفر اس طرح پورا ہو کہ منزل پر پہنچنے کے بعد کوئی حسرت نہ رہ جائے۔

مقدس ہستیوں کے اقوال دل کی کھیتی کے لئے بارش کا پانی ہیں جن سے دل سرسبز و شاداب ہوتا ہے، عمل کو تازگی اور ارادوں کو نئی قوت ملتی ہے، اس لئے دل ودماغ کے استحضار کے ساتھ اس طرح مطالعہ کیا جائے کہ ہر اچھی بات کو آپ کے دل میں اترنے کا موقع ملے، اور ہر حکمت کی بات کے لئے آپ کا دل فراخ اور اس سے اثر لینے کے لئے مستعد ہو، دعا کریں کہ اللہ تعالی مرتب کو اور تمام قارئین کو زندگی کو صحیح کام میں لگانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نایاب تحفہ

ہر انسان کو اپنے رب کی طرف سے بہت ساری ایسی چیزیں انعام میں دی گئی ہیں جن کا بدل دنیا میں نہیں مل سکتا، ان میں ایک بہت بڑی نایاب چیز وقت اور زندگی ہے، یہ وہ نعمت ہے جس کو انسان اپنی پوری جائداد بلکہ دنیا کے خزانے لٹا کر بھی خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، ضائع ہونے والا ایک گھنٹہ دنیا بھر کا سونا خرچ کرنے پر بھی واپس نہیں مل سکتا، اس کے ذریعہ ہر خیر کی طرف قدم بڑھا کر آخرت کے لامحدود اور غیر فانی انعامات حاصل کئے جاسکتے ہیں، ابو کریمہ العبدیؒ فرماتے ہیں: **ابن آدم ليس لما بقي من عمرك ثمن** (اے ابن آدم! تیری عمر کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے دنیا میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں لگا سکتا)۔

جميع المصالح تنشأ من الوقت * فمن اضاعه لم يستدركه ابدا

''تمام مصالح وقت ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں، جس نے وقت کو ضائع کر دیا وہ دو بارہ کبھی بھی اس کو حاصل نہیں کر سکتا''۔

شیخ جمال الدین قاسمیؒ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپؒ قہوہ خانے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے، نہایت حسرت کے ساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا: آہ! کم اتمنّٰی ان یکونَ الوَقتُ مِمّا یُباعُ لاَشْتری مِنْ ھولاءِ جمِیعًا اوْقاتھُم۔ ''آہ! بارہا ایسی تمنا ہوتی ہے کہ وقت کوئی ایسی شئے ہوتی جو فروخت کی جا سکتی تو میں ان سب لوگوں سے ان کے اوقات خرید لیتا۔

حفاظتِ وقت کامیابی کی کنجی ہے

جو قوم اور جو لوگ وقت کی قدر دانی کا سبق یاد کر لیتے ہیں وہ کامیابی کی شاہراہ پر منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، اور کامیابی اور سرخروئی ان کے قدم چومتی ہے، وہ دارین کی سعادتوں کو سمیٹ لیتے ہیں، وہ زندگی بھی باعزت بن کر گزارتے ہیں اور موت بھی ان کے پاس آتے ہوئے اکرام واحترام کے اصول ملحوظ رکھتی ہے، سلسلۂ روز وشب انسان کا بہترین زیور ہے جس سے انسان آراستہ اور مزین ہو سکتا ہے، لیل ونہار کی گردش ترقی کا زینہ ہے جس کے سہارے انسان اپنی ذات کو باکمال بنا سکتا ہے، شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

سلسلۂ روز وشب، نقش گر حادثات　　سلسلۂ روز وشب، اصل حیات وممات
سلسلۂ روز وشب، تار حریر دو رنگ　　جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز وشب، ساز ازل کی فغاں　　جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ　　سلسلۂ روز وشب، صیرفی کائنات

اسی شاعر اسلام نے کیا خوب حقیقت کا نقشہ کھینچا ہے:

واقف ہو اگر لذت بیداریٔ شب سے ✷ اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار

وقت کی اہمیت قرآن میں

اللہ تعالی نے اپنے مبارک کلام میں مختلف اوقات کی قسم کھائی ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے ان کی اہمیت وعظمت کو ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی جس چیز کی قسم کھالے اس کی عظمت میں کیا شک ہوسکتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

﴿والعصر﴾ (قسم ہے زمانے کی)

﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾

''فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب جانے لگے''۔

اور بھی مختلف اوقات کی اور شب وروز کی قسم کھائی ہے جس سے وقت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے دوسری نعمتوں کے ساتھ رات اور دن کو بھی بیان فرمایا ہے، اور رات دن کو مسخر کرنے اور تابع بنانے پر اپنے بندوں پر احسان جتایا ہے، ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِىَ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراھیم)

''خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس

سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کئے۔ اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیر فرمان کیا تا کہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں، اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کیا، اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا کہ دونوں ایک دستور پر چل رہے ہیں، اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا، اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔ اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو، کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔

خیر وسعادت

وقت مومن کے لئے حسنات میں اضافے کا سبب ہے، اپنے اصلی وطن کو خوب مزین کرنے اور باغات ومحلات کو بڑھانے میں ممد ومعاون ہے، اسی مختصر زندگی میں مومن اخروی انعامات اور لازوال نعمتوں کو اپنے نصیب میں لکھوا کر دائمی سعادت کا حقدار بن سکتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی زندگی کو ایک خیر وبرکت کی چیز فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الا أنبئكم بِخَيْرِكُمْ قَالُوا نعم قَالَ خياركم أطولكم أعمارا وَأَحْسَنُكُمْ أعمالا۔ (مسند احمد)

''میں تم میں سب سے بہتر انسان نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں زیادہ عمر والے اور اچھے اعمال والے ہیں''۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

إِن من سعادة المرءِ أَن يطولَ عمره ويرزقهُ الله الانابةَ۔ (المستدرك)

''بے شک آدمی کے لئے یہ سعادت کی بات ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ تعالی اسے (اپنی طرف اور آخرت کی طرف) متوجہ رہنے کی توفیق عطا فرمائیں''۔

خیر وبرکت کی چیز ضائع نہیں کی جاتی، بلکہ اس کی حفاظت کرکے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی دعا کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لا يتمنّى أحدكم الموت ولا يدعو به من قبل أن يأتيه وإنه إذا مات انقطع عمله وإنه لا يزيد المؤمن عمره إلا خيراً۔ (صحيح مسلم)

''تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی موت کو اس کے وقت سے پہلے پانے کی دعا کرے اسلئے کہ جب موت آجاتی ہے تو انسان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، نیز مومن کی عمر اس کے خیر ہی میں اضافہ کرتی ہے''۔

حضرت ام الفضلؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عباسؓ بیماری کی وجہ سے موت کی تمنا کررہے تھے اس حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا! موت کی تمنا نہ کرو، اس لئے کہ اگر آپ نیکوکار ہیں تو آپ کی زندگی آپ کے لئے خیر کا باعث ہے کہ وہ آپ کی نیکیوں میں اضافہ کا سبب بنے گی، اور اگر آپ گنہگار ہیں تب بھی آپ کی زندگی آپ کے لئے خیر کا باعث ہے کہ آپ اپنی برائی سے باز آسکتے ہیں، لہذا آپ موت کی تمنا نہ کیجئے۔ (مستدرک حاکم)۔

بازی لگانے کا میدان

یہ زندگی دوڑ کا میدان ہے، دوڑ کے میدان میں انسان سب لوگوں پر سبقت لے جانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگاتا ہے تاکہ وہ آگے بڑھ کر عزت واکرام اور نیک نامی حاصل کرے، آج عمل کے میدان میں جتنی محنت وکوشش کی جائے گی حشر کے میدان میں اسی جیسا بہترین نتیجہ سامنے آئے گا، اور اکرام واعزاز سے سرفراز ہوگا، اور اگر آج دوڑ کے میدان میں سستی اور کاہلی

سے کام لیا تو ہلاکت مقدر بن جائے گی، طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الیوم الرِّھانُ، وغدًا السِّباقُ، والغایۃُ الجنۃُ، والھالِکُ منْ دخلَ النّارَ۔

''آج دوڑ لگانی ہے، کل کو آگے بڑھنا ہے، جنت آخری حد ہے، اور ناکام ہونے والا وہ ہے جو جہنم میں داخل ہو گیا''۔

زندگی کو غنیمت جانو

زندگی ایک قیمتی نعمت ہے اس سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ نعمت موت تک ہے، موت کے بعد یہ قیمتی سرمایہ چھین لیا جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے عمل کا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لئے موت سے پہلے اس سے جتنا نفع اٹھایا جائے اور جس قدر محنت وکوشش کی جائے کم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اغتنم خمسا قبل خمس: شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک وفراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک۔ ترمذی

''پانچ کی پانچ سے پہلے قدر کرلو، اپنی جوانی کی بڑھاپے سے پہلے، صحت کی بیماری سے پہلے، غِنی کی فقر سے پہلے، فرصت کی مشغولی سے پہلے، اور زندگی کی قدر کرلو موت سے پہلے''۔

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے * فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے * اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت

موانع سے کسی وقت اطمینان نہیں

ہر انسان بے شمار رکاوٹوں میں محصور ہے، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان بڑے اچھے

ارادے رکھتا ہے اور نیک کام کرنے کی تمنائیں رکھتا ہے لیکن کوئی ایسی رکاوٹ اچانک پیش آجاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے پورے نہیں کرسکتا، پھر انسان کو بڑی حسرت اور بڑا افسوس رہ جاتا ہے کہ میری سستی وکاہلی کی وجہ سے ارادے ارادے ہی رہ گئے، آج ان ارادوں کی تکمیل میں مجبوریاں حائل ہوگئیں، مثلاً آدمی کبھی ایسا محتاج ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی ضروریات کے علاوہ کچھ یاد نہیں رہتا، اسی طرح کبھی ہضم کی طاقت سے زیادہ مال مل جاتا ہے جس سے آدمی اپنی خواہشات کے پیچھے تمام شرعی حدیں پار کرجاتا ہے، کبھی بیماری انسان کو بے بس کردیتی ہے، لہٰذا عوارضات کے لاحق ہونے سے پہلے وقت کا بھرپور فائدہ اٹھالینا دانشمندی کا تقاضا ہے، جب رکاوٹیں پیش آجائیں گی تب وقت وصول کرنے کا موقع ختم ہوجائے گا، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَادروا بالأعمال سبعاً: هل تنتظرون إلا فقرا مُنْسِيا، أَوْ غِنى مُطْغيا، أَوْ مرضًا مُفْسِدًا، أَوْ هرَما مفندًا، أَوْ مَوْتًا مجهِزًا أَوِ الدّجالَ فَشر غائبٍ يُنْتَظَرُ أَوِ الساعَةَ فَالساعَةُ أَدْهَى وَ أَمَرُّ۔ (شعب الایمان)

''سات چیزوں کے آنے سے پہلے اعمال کرلو (جو شخص صحت وفراغت کے زمانے میں بھی اعمال صالحہ کی طرف نہیں بڑھتا ایسے شخص کو بطور زجروتوبیخ کے ارشاد فرمایا) کیا تمہیں ان سات چیزوں ہی کا انتظار ہے، ایسے فقر کا جو ہر چیز بھلادے یا ایسی مالداری کا جو سرکشی پر آمادہ کرے یا ایسے مرض کا جو (بدن یا دین کو) تباہ کردینے والا ہو یا ایسے بڑھاپے کا جو بدحواس کردے یا اچانک آنے والی موت کا یا دجال کا پھر تو بہت بری غیر موجود شر کا انتظار کیا جاتا ہے یا قیامت کا اور وہ تو بڑی سخت اور بہت ہی تلخ ہے، (یعنی کیا ان عوارض کا انتظار ہے کہ ابھی موقع ملنے کے باوجود اعمال سے پیچھے ہٹ رہے ہو)''۔

خُـذِ الْوَقْـتَ أَخْـذَ اللّـص وَاخْتَلِسْ * فَوَائِـدَهُ قَبـلَ الْمَنايَـا الـدَّوَائِبِ
وَلاتَتعلـل بِالامَـانِي فَانَّهـا * عَطَايَا أحادِيثِ النفُوسِ الْكَوَاذِبِ
ودُونَـكَ وِردُ الْعُمـرِ مَـا دامَ صَـافِيا * فَخُـذ وتَـزَوّدْ مِنـه قَبـلَ الشـوائِبِ

(١) چور کی طرح وقت کو اچک لے، اور اس کے باقی رہنے والے فوائد کو چھین لے موت سے پہلے۔ (٢) اور امیدوں کے مرض میں مبتلا نہ ہو، کیوں کہ وہ جھوٹے نفوس کے خیالات کی دَین ہے۔ (٣) زندگی کا وظیفہ تھام لے جب تک وہ باقی رہے، تو (اس کے فوائد) حاصل کر، اور اس سے زادِراہ تیار کر عوارضات کے لاحق ہونے سے پہلے۔

بَادِرْ شَـبابَكَ أَنْ تهرمَـا * وَصِـحَّةَ جِسْـمِكَ أَنْ تَسْـقَمَا
وَأَيـامَ عَيشِـكَ قَبْـلَ الْمَمَـاتِ * فَمَـا دهـرُ مَـنْ عَـاشَ أَنْ يَسْـلمَا
وَوَقْـتُ فَرَاغِـكَ بَـادِرْ بِـهِ * لَيَـالِي شُـغْلِكَ فِـي بَعْـضِ مَـا
وقـدم فكـل امـرئ قـادم * علـى بعـض ماكـان قـدم

”بڑھاپا آنے سے پہلے جوانی سے جلدی فائدہ اٹھاؤ، اور بیماری سے پہلے بدن کی صحت سے کام لو، موت سے پہلے ایامِ زندگی کی قدر جانو، کیوں کہ کسی بھی زندہ شخص کی زندگی سالم رہنے والی نہیں ہے، اور فرصت کے اوقات میں دوڑ لگاؤ مشغولی کی راتوں سے پہلے، اور اپنے لئے اعمال کا ذخیرہ آگے روانہ کر اس لئے کہ ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال کی طرف آنے والا ہے“۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی نصیحت

عبداللہ بن عکیمؓ کہتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خطبہ دیا:

أوصِيكُمْ بتقوى الله، وسابقُوا في مهلِ اجالِكُمْ قَبلَ أَنْ تَنقضي اجالكُمْ، فيردّكُمْ إِلَى أَسوءِ أَعْمالكُمْ، فِإِنَّ أقواما جَعلُوا اجالَهمْ لغَيرِهمْ، وَنسُوا

اَنفُسهِمْ، فأنْهاكُمْ أَن تكُونُوا أمْثالَهِمْ، الوحَا الوحَا، النجَا النجَا، إن وَرَاءَكُمْ طَالبا حَثِيثًا، مَرُّهُ سَرِيعٌ۔ (حفظ العمر)

''میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، تم سب دوڑو (اعمال خیر کی طرف) زندگی کی فرصت میں قبل اس کے کہ تمہاری عمر ختم ہو جائے اور تمہیں تمہارے اعمال سیئہ کی طرف لوٹا یا جائے، اس لئے کہ بعض قوموں نے اپنی زندگیاں غیروں کی فکر میں لگا دیں اور خود کو بھول گئے، میں تمہیں ان کے جیسا ہونے سے روکتا ہوں، جلدی کرو جلدی کرو، پھرتی کرو پھرتی کرو، بے شک تمہارے پیچھے جلد باز طلبگار لگا ہوا ہے جس کی رفتار تیز ہے''۔

حساب کتاب

موت کے بعد حساب وکتاب اور اعمال کے وزن کا معاملہ ہر مومن کا عقیدہ ہے، اور یہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ وہ ایک خطرناک گھاٹی ہے، اس کو آسان بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں اعمال کا حساب کتاب ہوتا رہے، اور انسان خود اپنی نگرانی کرتا رہے، اگر زندگی بغیر کسی لگام کے گذرتی رہی تو کل بڑی عدالت میں رسوائی کا سامنا ہوگا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

حَاسبوا انفُسكُمْ قَبلَ ان تُحاسَبوا، وزِنُوا انفسَكُم قَبلَ أَن تُوزَنُوا، فانه اهْونُ عَليكُمْ فِي الحساب غدا اَنْ تُحاسِبوا انفسكم اليومَ، وَتزينوا للعَرضِ الاكبرِ، يومئذٍ تعرضون لا تخفى منكم خافية۔ (حفظ العمر)

''اپنا محاسبہ کیا کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اور اپنے اعمال کا وزن کیا کرو قبل اس کے کہ کل قیامت کے دن تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے، اس لئے کہ آج اپنا محاسبہ کرنے سے کل حساب دینے میں آسانی ہوگی، اور بڑی پیشی کے لئے آراستہ ہو جاؤ، جس دن تمہاری پیشی ہوگی تمہاری کوئی بات مخفی نہ رہے گی (بلکہ زندگی بھر کے اچھے برے اور چھوٹے

بڑے اعمال سامنے آجائیں گے)''۔

آدمی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے زندگی کے ایام شمار کرے تو حقیقت سامنے آئے گی کہ اس نے بے شمار دن غفلت و معصیت میں نکال دیئے، اور اس کے پاس اتنے سارے دنوں کا کوئی حساب نہیں ہے جو کل اللہ کے سامنے پیش کر سکے، ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتا تھا، ایک دن اس نے اپنے زندگی کے ایام شمار کئے تو بیس ہزار پانچ سو دن ہوئے، یہ دیکھ کر ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا، جب ہوش آیا تو کہنے لگا: ہائے افسوس! میں اپنے رب کے پاس بیس ہزار پانچ سو گناہ لے کر جاؤں گا (اگر روزانہ کا صرف ایک گناہ شمار کیا جائے) پھر کہنے لگا: مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے دنیا تو آباد کی لیکن آخرت کو ویران کر دیا، اب مجھے بغیر اعمال اور ثواب کے کیسے حساب و کتاب اور عذاب و عتاب کے گھر کی طرف جانے کی کیسے خواہش ہوگی۔

حضرت علیؓ کا فرمان

آج کام ہی کام ہے، عمل کا موقع ہے، اگر عمل میں کوتاہی ہوئی تو اس پر آج کوئی باز پرس نہیں ہوگی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ آزادی ہمیشہ رہے گی، ابھی سب کچھ لکھ کر محفوظ کیا جا رہا ہے، حساب کا دفتر اس وقت کھلے گا جب کہ حساب کتاب سے سامنے آنے والی کمی کو مکمل کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوگا، حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابٌ وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ۔ (الزہد الکبیر)

''بے شک آج عمل کا موقع ہے، حساب کچھ نہیں، کل حساب ہوگا اور وقتِ عمل نہیں''۔

حضرت ابن مسعودؓ کا گرانقدر ارشاد

إنكُمْ فِي مَمَرِّ الليلِ وَالنهارِ، في آجالٍ منقوصةٍ، وأعمالٍ محفوظةٍ، والْمَوْتُ يأتِي بغتةً، فَمنْ زَرعَ خَيْرًا يُوشِكُ أَنْ يَحصُدَ رَغْبةً، ومن زرعَ

شرًّا یُوشِكُ أَنْ یَحصدَ نَدامةً، وَلِکلِّ زَارِعٍ ما زَرعَ۔ (حفظ العمر)

''تم سب شب وروز کی گذرگاہ میں ہو معمولی عرصے کے لئے، اعمال محفوظ ہو رہے ہیں، اور موت اچانک آجائے گی، پس جو آج اچھائی بوئے گا وہ عنقریب اپنی خواہشات کی فصل کاٹے گا، اور جو شر کو بوئے گا وہ عنقریب حسرت وندامت کی فصل کاٹے گا''۔

حضرت ابن عمرؓ کی نصیحت

إِذَا أَصبحتَ فَلَا تحدِّثْ نفسك بِالمسَاءِ وإذَا أمْسيتَ فلَا تحدّثْ نفسَكَ بِالصّبَاحِ وَخُذْ مِن صِحّتكَ قبْلَ سقمِكَ وَمِنْ حياتِكَ قبلَ موتكَ فَإِنك لَا تدْرِي يا عبدَ اللّٰه مَا اسمكَ غدًا۔ (الترمذی)

''جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، جب شام کرے تو صبح کا خیال دل میں مت لا، اور بیماری سے پہلے اپنی صحت میں سے حصہ لے لے، اور موت سے پہلے زندگی سے فائدہ اٹھالے، کیوں کہ اے عبداللہ! تو نہیں جانتا کہ کل تیرا نام کیا ہوگا، مردہ یا زندہ''۔

انسان مجموعۂ ایام

انسان گویا چند ایام سے مرکب ہے، ہر دن اس کا ایک حصہ اور جزو ہے، جیسے انار کی حقیقت یہی ہے کہ وہ چند میٹھے رسیلے دانوں کا مجموعہ ہے، اگر ایک ایک دانہ گرتا رہے تو ایک وقت سارے دانے گر جائیں گے، پھر وہ انار انار نہیں رہے گا، انسان بھی چند ایام کا مجموعہ ہے، روزانہ ایک ایک دن ختم ہوتا ہے ایک وقت آخری قطرہ بھی گر جائے گا اور زندگی کا چراغ بجھ جائے گا، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: **یا ابن آدم! انما انت ایام، فاذا ذهب یوم ذهب بعضك۔**

''اے ابن آدم! تو چند ایام کا مجموعہ ہے جب ایک دن گزر گیا تو تیرا کچھ حصہ ختم ہو گیا''۔

حضرت رابعہ بصریہؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: انما انتَ

أيام معدُودَة، فاذَا ذهبَ يوُمك ذهبَ بعضك، ويوشك إذَا ذهب البعض ان يذهبَ الكلّ، وانتَ متى تَعْلمُ فاعملْ۔ ''آپ محض چند ایام کا مجموعہ ہیں، جب آپ کا ایک دن گذر گیا تو آپ کا بعض حصہ ختم ہو گیا، جب بعض حصہ چلا گیا تو قریب ہے کہ آپ کا پورا وجود ختم ہو جائے، اور جب آپ صاحب علم ہیں تو اس پر عمل شروع کر دیجئے''۔

حضرت ابوعلی الدقاقؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

کل یوم یمر یاخذ بعضی ✷ یورث القلب حسرة ثم یمضی

''ہر نکلنے والا دن میرے بعض حصے کو لے لیتا ہے، اور دل کو (زندگی سے ایک دن کم ہونے کا) رنج و ملال دیتا ہے اور نکل جاتا ہے''۔

مومن کا رأس المال

کسی بھی تجارت کے لئے انسان کو سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے جس میں محنت کر کے وہ بڑے بڑے منافع حاصل کرتا ہے، آخرت کی تجارت کے لئے وقت مومن کا سرمایہ ہے، اس سرمایہ کو اگر صحیح جگہ لگا دیا تو غیر محدود منافع حاصل ہوں گے، حضرت عیسی بسطامیؒ فرماتے ہیں: إن اللّيْلَ وَالنّهَارَ رَأسُ مَالِ المُؤمِنِ، ربحهَا الجنّةُ وَخسرانُهَا النّارُ (الزهد) ''بلاشبہ شب و روز مومن کا اصل سرمایہ ہے، اس کا نفع جنت اور اس کا خسارہ جہنم ہے''۔

إنما الدنيَا إلى الجنةِ والنارِ طريقُ ✷ والليالي متجرُ الإنسانِ والايامُ سُوقُ

''بے شک دنیا جنت اور جہنم کی طرف جانے کا راستہ ہے، اور راتیں انسان کی تجارت کے اوقات ہیں اور دن بازار''۔

وقت ایک کھیت ہے

کھیت میں فصل بونے کے وقت اگر کسان سوئے گا تو جب دوسرے کھیتوں میں کھیتی

لہلہائے گی اور دوسرے کسان اپنی فصل کاٹیں گے اس وقت اس سونے والے کسان کو بہت ہی زیادہ ندامت ہوگی، یہ دنیوی زندگی بھی آخرت کی کھیتی ہے، کہا جاتا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) اگر آج وقت میں اچھے اعمال کے بیج ڈالے گئے تو کل جنت اور اس کے بلند درجات کی شکل میں اس کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔

غدا توفی النفوس ما کسبت ✵ ویحصد الزارعون ما زرعوا

ان احسنوا احسنوا لانفسھم ✵ وان اساؤوا فبئس ما صنعوا

''کل ہر نفس کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، اور لوگ اپنی لگائی ہوئی فصل کاٹیں گے، اگر اچھے کام کئے ہیں تو اپنے لئے اچھا کر گئے، اور اگر برے اعمال کئے تو انہوں نے بہت برا کیا''۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: **مَن لعبَ بعُمرِہ ضیعَ ایامَ حرثِہ، و منْ ضیعَ ایامَ حَرْثہ نَدمَ ایامَ حَصَادِہ۔ (حفظ العمر)** ''جو اپنی زندگی میں لہو ولعب میں مشغول ہو جائے گا وہ اپنے کھیت بونے کے ایام کو ضائع کر دے گا، اور جو اپنے کھیت بونے کے ایام کو ضائع کرے گا وہ کھیتی کاٹنے کے ایام میں حسرت وندامت کا سامنا کرے گا''۔

إذا اَنتَ لمْ تَزرَعْ وابصَرتَ حاصِدًا ندمتَ عَلى التّفْريطِ في زَمنِ البَذرِ

''جب تو کاشتکاری نہیں کرے گا اور پکی ہوئی فصل کاٹنے والے کسی کسان کو دیکھے گا تو بیج بونے کے وقت میں جو تو نے کوتاہی کی اس پر ندامت کرے گا''۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز ✵ جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقاں

حفاظت وقت میں فلاح دارین مضمر ہے

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

سچی بات یہ ہے کہ وقت بڑی قدر کی چیز ہے، بلکہ یوں سمجھئے کہ دین و دنیا کی

دولت یہی وقت ہے، جس نے وقت سے فائدہ اٹھایا اس کے دین کا بھی نفع ہوا اور دنیا کا بھی۔ (متاع وقت اور کاروان علم)

حضرت ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں: **منْ حفظ علی نفسه او قاتَه، فلا یضیّعها بما لا یر ضاه اللّٰہ عز و جل فیه حفِظ اللّٰہ دینَه و دنیاه۔ (الزهد الكبير)** ''جو اپنی ذات پر اپنے اوقات کی حفاظت کرے گا اور اسے اللہ تعالی کو ناراض کرنے والے مواقع میں ضائع نہیں کرے گا تو اللہ اس کے دین اور دنیا کی حفاظت فرمائیں گے''۔

ہر سانس ایک خزانہ ہے

انسان کے ہر سانس میں لازوال نعمتیں مدفون ہیں، ذراسی توجہ سے اس کے قیمتی دفینے حاصل کئے جا سکتے ہیں، کسی حکیم کا قول ہے: **وقدقیلَ: ان الانسان یتنفسُ کل یومٍ و لیلة اربعًا و عشرین الفَ نفسٍ، اثنا عشر تدخلُ و اثنا عشر تخرج، و کل نفَسٍ کخزَانةٍ، فانظرْ ماذا تجعلُ فیها۔** ''دن رات میں انسان چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے، بارہ ہزار مرتبہ داخل ہوتا ہے اور بارہ ہزار مرتبہ نکلتا ہے، اور ہر سانس ایک خزانہ ہے، پس تو ذرا غور کر لے تیرا اس خزانے کے ساتھ کیا معاملہ ہے''۔

ولی کامل شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کی تو قضا ہو سکتی ہے، یعنی جب بندہ چاہے اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے کر پچھلے گناہ معاف کرا سکتا ہے مگر سانس کی قضا نہیں ہو سکتی، اس لئے جو سانس ایک دفعہ جا چکا اس کا دوبارہ لانا مشکل ہے، جب آئے گا دوسرا ہی آئے گا۔ (مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حیرت انگیز واقعات ۳۲۰)

وقت ہر چیز سے قیمتی ہے

ایک حکیم نے اپنے دوستوں سے سوال کیا کہ بتاؤ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز کیا

ہے؟ سب نے الگ الگ جواب دیا، کسی نے کہا سونا، کسی نے کہا جواہرات، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا، حکیم نے سب کے جواب کو رد کر کے از خود جواب دیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز وقت ہے، بالکل صحیح کہا کیوں کہ سونا خرچ کر کے وقت نہیں خریدا جا سکتا لیکن وقت سے سونا کمایا جا سکتا ہے عربی کا مقولہ ہے الوقت اثمن من الذهب (وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے)۔

بقية العمر عندي مالها ثمن ✵ وإن غداً ليس محسوباً من الزمن

يستدرك المرء فيها كل فائتة ✵ من الزمان ويمحو السوء بالحسن

''میری باقی زندگی کا کوئی بدل نہیں ہے، اور آئندہ کل میری زندگی میں شمار نہیں ہوتا ہے، انسانیت اور حرارت زندگی کا احساس رکھنے والا اپنی بقیہ عمر میں فوت شدہ زمانے کی کوتاہیوں کا تدارک کرتا ہے، اور سیئات سرزد ہو جانے کے بعد حسنات کی بجا آوری سے ان کو مٹا دیتا ہے''۔

ابن عقیلؒ نے خلیفہ مقتدی کے وزیر ابوشجاع کو ایک خط لکھا، اس میں یہ مضمون بھی ہے۔

''حمد وصلوۃ کے بعد! پس بلاشبہ عقلاء کے نزدیک بالاتفاق سب سے اہم پونجی وقت ہے، وہ ایک غنیمت کی چیز ہے جس سے کام کے مواقع حاصل کئے جاتے ہیں، پس اس کی قدر کرنی چاہئے کیوں کہ ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور اوقات ختم ہونے والے۔ (قیمۃ الزمن)

تعجب کی بات

محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ کسی حکیم نے کہا ہے:

عَجِبْتُ مِمنْ يَحزنُ على نُقْصَانِ مَالِهِ وَلَا يَحزَنُ مِنْ فَنَاءِ عُمرِهِ، وَعجِبْتُ ممن الدنْيَا مُوَلِّية عَنهُ وَالآخِرَةُ مُقْبِلَةٌ إِلَيهِ يَشتَغلُ بالمُدبرَةِ، وَيعْرِضُ عَنِ المُقْبِلَة۔ (الزهد الكبير)

''مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو مال کے نقصان پر غمزدہ ہوتا ہے اور عمر کے فنا ہونے پر غم

نہیں کرتا، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس سے دنیا منہ موڑ کر جارہی ہے اور آخرت اس کی طرف بڑھ رہی ہے، وہ جانے والی چیز میں مشغول ہوتا ہے اور آنے والی چیز سے اعراض کرتا ہے"۔

کتاب زندگی

زندگی ایک کتاب ہے اس کا ہر دن ایک صفحہ ہے، ہر آنے والی صبح آپ کے سامنے ایک نیا صفحہ کھولتی ہے، آپ کے اعمال اس کی تحریر ہیں، جیسا لکھو گے ایسا اس میں محفوظ ہو جائے گا، پھر دن کے مکمل ہو جانے پر وہ صفحہ بند ہو جائے گا، اس میں لکھنے کا موقع اب کبھی نہیں ملے گا، واپس اس صفحہ کو کھولنے کا کوئی امکان نہیں ہے، جو کچھ وقت پر لکھ دیا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا، اور اگر اس صفحہ کو کھالی جانے دیا تو اس کی تلافی کا کوئی طریقہ نہیں ملے گا، اس طرح صفحات کھلتے جائیں گے یہاں تک کہ ملک الموت اس کتاب کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیں گے، پھر حشر کے میدان میں ہماری یہ کتاب ہمارے سامنے کھولی جائے گی، اور ایک ایک صفحہ بھرنے پر بڑے بڑے انعامات سنائے جائیں گے اس وقت جب اس میں خالی صفحات نظر آئیں گے تو پشیمانی اور شرمندگی کا کیا عالم ہوگا اس کا اندازہ اسی وقت ہوگا، کسی حکیم کا مقولہ ہے: **الایّام صَحائِف اعْمَار کم فخلدوھا بأحسن اعمالکم۔** "ایام زندگی تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں پس ان میں اچھے اعمال تحریر کر کے محفوظ کر لو (کیوں کہ وہ ہی دفاتر محفوظ رکھے جاتے ہیں جن میں قیمتی مضامین ہوں)۔

آمد و رفت کی کیفیت

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہر آنے والا دن اپنی زبان حال سے یہ کہتا ہے:

یا أیھا الناسُ إني یوم جدید وأنا علی ما یعملُ في شھید وإني لَو قدْ افلتُ شمسِي لمْ ارْجعْ إلیکمْ إلی یومِ القِیامۃِ۔ (حفظ العمر)

"دنیا کا جو دن بھی آتا ہے وہ کلام کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے: اے لوگو! میں نیا دن

ہوں، اور مجھ میں جو کچھ بھی عمل کیا جائے گا میں اس پر گواہ رہوں گا، اور اگر آج میرا سورج غروب ہو گیا تو میں قیامت کے دن تک تمہاری طرف لوٹ کر نہیں آؤں گا‘‘۔

اور یہ دن چوبیس گھنٹے آدمی کے پاس مہمان رہ کر جب رخصت ہوتا ہے اس وقت یا تو تعریف کر کے نکلتا ہے یا برائی کر کے نکل جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا:

نَهَارُكَ ضَيْفُكَ فَأَحْسِنْ إِلَيْهِ فَإِنَّكَ إِنْ أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ ارْتَحَلَ بِحَمْدِكَ وَإِنْ أَسَأْتَ إِلَيْهِ ارْتَحَلَ بِذَمِّكَ وَكَذَلِكَ لَيْلُكَ۔

’’تیرا دن تیرا مہمان ہے، تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، کیوں کہ اگر تو اچھا سلوک کرے گا تو وہ تیری تعریف کرتا ہوا رخصت ہوگا، اور اگر تو اس کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو وہ تیری مذمت کرتے ہوئے رخصت ہوگا، یہی حالت رات کی ہے‘‘۔

کل کا دن واپس نہیں آئے گا

آج کا دن نکلنے کے لئے کمر بستہ ہے، جب یہ ایک مرتبہ نکل جائے گا تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گا، البتہ صحیح استعمال کی صورت میں اس کا نفع باقی رہے گا،

مضى امسك الماضي شهيدًا معدَّلًا ❊ وأعقبه يوم عليك شهيدُ
فان كنتَ اقترفتَ بالامس اساءةً ❊ فثنِّ باحسان وانت حميدُ
فيومك إن اعتبته عاد نفعُه ❊ عليكَ، وماضي الامسِ ليس يعودُ
ولا ترجِ فعل الخير يوما إلى غد ❊ لعل غدًا يأتي وأنتَ فقيدُ

’’گذشتہ کل نکل گیا تجھ پر ایک معتبر گواہ بن کر، اس کے پیچھے آج کا دن آیا ہے وہ بھی تجھ پر گواہ ہوگا، اگر کل تو نے کوئی برائی کی ہے تو آج نیکی کر کے قابل تعریف بن جا، کیوں کہ اگر تو آج کے دن کو مشقت میں ڈالے گا تو کل اس کا نفع مل جائے گا، اور گیا ہوا کل واپس نہیں لوٹے گا، کسی

دن آئندہ کل کے لئے کسی اچھے کام کو مؤخر نہ کر، ممکن ہے کل کا دن اس حال میں آئے کہ تو نہ ہو‘‘۔

وقت زبانِ حال سے کہتا ہے:

ولست بمدرك ما فات مني بلهف ولا بليت ولا لواني

’’میرا وہ حصہ جو تجھ سے فوت ہو گیا تو اس کو نہیں پا سکتا‘‘ وا ویلاہ، اے کاش، کاش کہ میں ایسا کرتا‘‘ کے الفاظ سے‘‘۔

اشعار

خُذْ مَا صَفَا لَكَ فَالْحَيَاةُ غُرُورُ ✻ وَالْمَوْتُ آتٍ وَاللَّبِيبُ خَبِيرُ

تَعْفُو السُّطُورُ إِذَا تَقَادَمَ عَهْدُهَا ✻ وَالْخَلْقُ فِي رِقِّ الْحَيَاةِ سُطُورُ

كُلٌّ يَفِرُّ مِنَ الرَّدَى لِيَفُوتَهُ ✻ وَلَهُ إِلَى مَا فَرَّ مِنْهُ مَصِير

فَانْظُرْ لِنَفْسِكَ فَالسَّلامَةُ نُهْزَةٌ ✻ وَزَمَانُهَا صَافُّ الجناح يطير

مرآة عيشك بالشباب صَقِيلَةٌ ✻ وَجَنَاحُ عُمْرِكَ بِالْمَشِيبِ كَسِيرُ

بَادِرْ فَإِنَّ الْوَقْتَ سَيْفٌ قَاطِعٌ ✻ وَالْعُمْرُ جَيْشٌ وَالشَّبَابُ أَمِيرُ

① تو اپنے لئے مفید چیز کو حاصل کر لے اس لئے کہ زندگی ایک دھوکہ ہے، اور موت آنے والی ہے، اس صورت حال میں عقلمند باخبر رہتا ہے۔ ② مرور ایام کے ساتھ لکیریں ختم ہو جاتی ہیں، مخلوق بھی صفحۂ زیست پر لکیریں ہیں۔ ③ ہر ایک موت سے بھاگتا ہے تا کہ اس سے بچ نکلے، لیکن جس سے بھاگتا ہے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ④ پس تو اپنے لئے فکر کر اس لئے کہ موانع اور موت سے سلامتی (یعنی تندرستی اور زندگی) اپنی فکر کرنے کا ایک مختصر موقع ہے، اور اس کا زمانہ اپنے پر پھیلائے اڑ رہا ہے (عنقریب یہ ہاتھ سے نکل جائے گا)۔ ⑤ تیری عمر کا آئینہ جوانی سے چمکدار ہے (یعنی زندگی کی چمک جوانی کی کدو کاوش پر موقوف ہے) اور تیری زندگی کا بازو بڑھاپے سے

ٹوٹا ہوا ہے (یعنی قوت وارادے کی کمی اور عوارض کی کثرت کی وجہ سے بڑھاپے میں زندگی کو وصول کرنے کا موقع نہیں رہتا)۔ ۞ اے مخاطب! قدم بڑھا، اس لئے کہ وقت ایک تیز تلوار ہے (اگر اس کو صحیح استعمال نہیں کیا تو وہ تجھے ہی کاٹ دے گی) اور عمر ایک لشکر ہے جس کا امیر جوانی ہے۔

زندگی بڑی مختصر ہے

دنیا میں انسان کی زندگی بہت ہی مختصر ہے، موت کے بعد دنیوی زندگی ایک دن سے بھی زیادہ مختصر معلوم ہوگی، اللہ پاک کا مبارک فرمان ہے:

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَىٰهَا

''جب وہ اس (قیامت) کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے''۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا کہ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ سے پوچھا گیا کہ اے نبیوں میں سب سے لمبی عمر پانے والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپؑ نے فرمایا: **كدارٍ لها بابانِ دخلتُ من أحدهما وخرجتُ من الآخر۔** ''میں نے دنیا کو اس گھر کی طرح پایا جس کے دو دروازے ہوں ایک سے میں داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا''۔

کچھ لوگ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے گئے، ان میں سے کسی نے پوچھا کہ آپ پر کتنے سال گذر گئے، اس اعرابی نے کہا ایک سو پچاس سال، لوگوں نے کہا واللہ یہ تو بڑی لمبی عمر ہے، اس اعرابی نے کہا: **لَا تَقولُوا ذَاكَ فَوَاللهِ لَوِ اسْتَكْملتمُوهَا لَاسْتَقْللتُمُوهَا۔** ''ایسا مت کہو، واللہ! اگر تم اس عمر کو بھی پورا کر لو گے تو اسے بھی کم سمجھو گے''۔ (العمر والشیب)

ایک آدمی نے لمبی عمر پائی، جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس کے بھائی نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ آخری نصیحت کیجئے، اس پر اس نے یہ اشعار کہے:

كَأَنَّ الْمَوْتَ يَا ابْنَ أَبِي وَأُمِّي * وَإِنْ طَالَتْ حَيَاتُكَ قَدْ أَتَاكَا
أَتَنْعِي الْمَيِّتِينَ وَأَنْتَ حَيٌّ * إِذَا حَيٌّ بِمَوْتِكَ قَدْ نَعَاكَا
إِذَا اخْتَلَفَ الضُّحَى وَالْعَصْرُ * دَأْبًا تَسُوقُهُمَا الْمَنِيَّةُ أَدْرَكَاكَا

''اے میرے بھائی! یوں سمجھ گویا تیری موت آگئی اگرچہ تیری عمر لمبی ہو، کیا تو زندہ رہ کر مرنے والوں کے موت کی خبر دیتا ہے جبکہ کوئی دوسرا زندہ شخص تیرے موت کی خبر دے چکا ہے، جب صبح اور شام مسلسل گردش میں ہیں جن کو موت ہانک رہی ہے تو وہ تجھے ضرور پالیں گے''۔

اس مختصر زندگی کے راحت وآرام کے لئے ابدی زندگی کی دائمی نعمتوں سے غافل رہنا کس قدر خسارہ کی بات ہے، اس مختصر زندگی کے لئے ہمارا یہی فیصلہ ہونا چاہئے:

یہ کہاں کا فسانۂ سود وزیاں ✲ جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم ✲ جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

وقت میں فضول حصہ نہیں ہے

بعض لوگ فارغ اوقات سے اکتاتے ہیں، اور جن اوقات میں کوئی مشغلہ نہیں ہوتا ان کو نکالنے کے لئے (ٹائم پاس کرنے کے لئے) کوئی فضول مشغلہ تلاش کرتے ہیں، لیکن یہ بہت بڑی بے وقوفی ہے، وقت کا ہر حصہ کارآمد ہے، اس کا کوئی حصہ فضول اور بیکار نہیں کہ غفلت وسستی میں یا لغو کام میں ضائع کیا جائے یا کسی دوسرے وقت کے انتظار میں موجودہ وقت کو بیکار نکال دیا جائے، ''الزہد الکبیر'' میں بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

العُمرُ قَصير، وَالوَقتُ ضيقٌ، وَالايامُ تقضى وليسَ في الوَقتِ فضلٌ۔

''عمر مختصر ہے، اور وقت تنگ ہے، اور ایام زندگی فنا ہو رہے ہیں، اور وقت کا کوئی حصہ فضول نہیں ہے''۔

وقت کا ضیاع موت سے بھی سخت ہے

علامہ ابن قیم جوزیؒ اپنی کتاب الفوائد میں لکھتے ہیں:

إِضَاعَةُ الْوَقْتِ أَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ لِأَنَّ إِضَاعَةَ الْوَقْتِ تَقْطَعُكَ عَنِ اللّٰهِ وَالدَّارِ الْآخِرَةِ وَالْمَوْتُ يَقْطَعُكَ عَنِ الدُّنْيَا وَأَهْلِهَا، الدُّنْيَا مِنْ أَوَّلِهَا إِلَى آخِرِهَا لَا تَسَاوِي غَمَّ سَاعَةٍ فَكَيْفَ بِغَمِّ الْعُمُرِ، أَعْظَمُ الرِّبْحِ فِي الدُّنْيَا أَنْ تَشْغَلَ نَفْسَكَ كُلَّ وَقْتٍ بِمَا هُوَ أَوْلَى بِهَا وَأَنْفَعُ لَهَا فِي مَعَادِهَا كَيْفَ يَكُونُ عَاقِلًا مَنْ بَاعَ الْجَنَّةَ بِمَا فِيهَا بِشَهْوَةِ سَاعَةٍ۔

''وقت کا ضائع کرنا موت سے بھی زیادہ سخت ہے، کیوں کہ وقت کا ضائع کرنا تجھے اللہ سے اور آخرت سے دور کر دے گا، اور موت تجھے دنیا اور اہل دنیا سے کاٹ دے گی، دنیا اول سے لے کر آخر تک اس لائق نہیں کہ اس کے لئے ایک گھڑی کا غم برداشت کیا جائے، پس اس کے لئے زندگی بھر کا غم کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے، دنیا میں سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ تو ہر وقت نفس کو ایسے کام میں مشغول رکھے جو اس کے لئے آخرت میں مناسب اور سودمند ثابت ہو، وہ شخص کیسے عقلمند ہو سکتا ہے جو جنت کو اس کی تمام نعمتوں سمیت ایک گھڑی کی شہوت کے بدلے میں بیچ دیتا ہے''۔

کہا جاتا ہے: من علامة المقت، إضاعة الوقت۔ ''مبغوض اور ناپسندیدہ ہونے کی ایک علامت وقت کو ضائع کرنا ہے''۔

تن پروری انسانیت کے لئے عار ہے

کیا کھانا، پینا اور سونا یہی زندگی ہے؟ ایک انسان کما کر اہل خانہ کے لئے وسائل کا انتظام کرتا ہے، گھر میں وقت پر کھانا تیار ہوتا ہے، سب مل کر شکم سیر ہو جاتے ہیں، یہی روزانہ کا نظام بنا ہوا ہے، کیا ایسے شخص نے اپنی منزل تک رسائی حاصل کر لی؟ کیا انسان محض کھانا ہضم

کرنے کی مشین کا نام ہے، نہیں ہرگز نہیں، انسان کی زندگی کا مقصد بہت بلند ہے، خوردن و خفتن تو بہائم کا طرز زندگی ہے،

نَهَارُكَ يَا مَغْرُورُ سَهْوٌ وَغَفْلَةٌ * وَلَيْلُكَ نَوْمٌ وَالرَّدَى لَكَ لَازِمُ

وَتَعْمَلُ فِيمَا سَوْفَ تَكْرَهُ غِبَّهُ * كَذٰلِكَ فِي الدُّنْيَا تَعِيشُ الْبَهَائِمُ

''اے فریب خردہ انسان! تیرا دن سہو اور غفلت میں گذرتا ہے، اور رات نیند میں، اس حال میں تیرے لئے ہلاکت ضروری ہو چکی ہے، تو ایسے کاموں میں لگا ہوا ہے جن کا نتیجہ عنقریب تجھے برا لگے گا، تیرا جو یہ طرز زندگی ہے اس طرح تو دنیا میں جانور زندگی گزارا کرتے ہیں''۔

فراغت بھی عیب ہے

حضرت عمر فاروقؓ کو بیکاری پسند نہیں تھی، آپؓ فرماتے ہیں:

إني لا كره ان ارى احد كم سبهللا (فارغا) لا في عمل دنيا و لا في عمل آخرة

''میں ناپسند کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فارغ دیکھوں، وہ نہ دنیا کے کام میں مشغول ہو اور نہ آخرت کے کام میں مشغول ہو''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا یہی خیال ظاہر کرتے ہیں:

إني لابغضُ الرجلَ فارغًا ليسَ في شيءٍ منْ عملِ الدنيا و لا من عَملِ الاخرةِ

''میں ایسے فارغ اور بے کار آدمی کو ناپسند کرتا ہوں جو نہ دنیا کے کسی کام میں مشغول ہو اور نہ اعمال آخرت میں مصروف ہو''۔

حضرت مالک بن دینارؒ اکثر فرمایا کرتے تھے: مَنْ عَرَفَ اللهَ فهوَ في شغلٍ شاغلٍ، ويل لمنْ ذهبَ عمرُهُ بَاطِلًا۔ (العمر و الشيب) ''جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ کسی مفید کام میں مشغول رہتا ہے، ہلاکتی ہے اس شخص کے لئے جس کی عمر بیکار چلی جائے''۔

ایک اللہ والے اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک آدمی بیکار بیٹھا ہوا تھا آپ اس کے پاس سے بغیر سلام کئے نکل گئے، واپسی پر جب اس آدمی کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے اسے سلام کیا، کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے جاتے ہوئے سلام نہیں کیا، اور واپس آتے ہوئے سلام کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جاتے ہوئے وہ فارغ بیٹھا تھا اور فارغ انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہوتا ہے، اور واپسی میں وہ زمین پر کچھ لکھ رہا تھا، وہ مشغلہ بھی فضول تھا لیکن مشغولی کی وجہ سے شیطان بہکانے اور وساوس ڈالنے سے عاجز تھا۔

محرم اسرار حیات

اسی عالم غفلت میں بسنے والے انسانوں میں ہمیں بہت سے لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں اپنی زندگی کا راز پالیا، ان کی نگاہوں کے سامنے مقصد حیات آفتاب کی طرح روشن تھا، ان کی زندگی کا ایک ایک عمل مقصد حیات کی تشریح کرتا ہے، ان کے پر حکمت ارشادات راز حیات کا آئینہ سامنے کر دیتے ہیں، ان میں سے ایک ابوالدرداءؓ ہیں، آپ کا ارشاد ہے کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو مجھے زندگی سے کوئی محبت نہ ہوتی، ایک گرمیوں کے روزے، قیام لیل میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا، اور ایسے لوگوں کی صحبت جو عمدہ کلام کو اس طرح چنتے ہیں جس طرح عمدہ پھل چھانٹے جاتے ہیں، اور یہ خلیفۂ ثانی عمر بن الخطابؓ فرما رہے ہیں کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں اللہ سے مل جانے کو پسند کرتا، ایک اللہ کے راستے میں نکلنا، اپنی پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدہ میں رکھنا، اور ایسے لوگوں کی صحبت جو عمدہ کلام کو اس طرح اچک لیتے ہیں جس طرح عمدہ پھل اچک لئے جاتے ہیں (الزہد لاحمدؒ) معضد بن یزید عجلیؒ فرماتے ہیں کہ اگر گرمیوں کا روزہ، موسم سرما کی راتوں کا قیام اور تہجد میں میں کتاب اللہ کی تلاوت کی لذت نہ ہوتی تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ میں شہد کی مکھی ہوتا (صفۃ الصفوۃ) حضرت ثابت بنانیؒ ایک مرتبہ فرمانے لگے: ہائے میرے عزیزوں! میں

کل رات روزانہ کے معمول کی طرح نماز نہیں پڑھ سکا، اور نہ میں روزہ رکھ سکا، اور نہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس ذکر کی مجلس میں شریک ہو سکا، اے اللہ! جب تو نے مجھے ان چیزوں سے روک دیا ہے تو اب مجھے دنیا میں ایک گھڑی بھی زندہ مت رکھ، حضرت مالک بن دینارؒ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا: اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ مجھے زندگی سے محبت پیٹ اور شرمگاہ کی شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے نہیں تھی (بلکہ تیری بندگی اور تجھے راضی کرنے کے لئے زندگی سے محبت کرتا تھا) (منجد الخطیب) کئی اولیاء کرام کے متعلق مروی ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ قیامت آ گئی، یا ملک الموت دروازے پر کھڑے ہیں تب بھی ان کو اپنے عمل میں اضافہ کرنے کی گنجائش نہ ملے، ان کی پوری زندگی اسی مشغولیت میں نکل گئی، اور کسی نے کہا ہے اگر میں جنت و جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی میرے عمل میں مزید کی گنجائش نہیں ہے، جس طرح ایک عام انسان کے سامنے روٹی کا نام لینے سے فوراً یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ وہ بھوک ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، اس مقصد کو سامنے لانے یا ذہن کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لئے یاددہانی کی یا ذہن کے بیدار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ غفلت میں، نیند کے غلبہ کے وقت، گہری فکروں میں مستغرق ہونے کی حالت میں بھی روٹی کا نام لینے سے فوراً ذہن میں مقصد کا استحضار بھی ہو جاتا ہے، اسی طرح ان حضرات کے سامنے زندگی کا نام آتے ہی بے تکلف ذہن میں اس بات کا استحضار ہو جاتا تھا کہ آخرت کی تیاری کا وقت ہے، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک مزدور سے کہا جائے کہ دس گھنٹے کا موقع آپ کو دیا جاتا ہے اس میں جتنا کام ہوگا اسی قدر آپ کو عزت و مال سے نوازا جائے گا، ظاہر بات ہے وہ مزدور ان دس گھنٹوں میں بالکل آرام و راحت کی فکر نہیں کرے گا، اور نہ کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرے گا، بلکہ مسلسل اپنے کام میں مصروف رہے گا، بالکل اسی طرح ان اولیاء کرام نے اپنی عمر عزیز کے لمحات گزار دیئے، وہ بظاہر عام انسانوں کے ساتھ رہتے تھے، لیکن

اپنی توجہ اپنی دھن کے اعتبار سے عام انسانوں میں اوران میں بے انتہاء مسافتوں کی دوری تھی، گویا دونوں کا عالم ہی جدا تھا، وہ حضرات جس عالم میں بستے تھے وہاں الفاظ تو وہ ہی رہتے تھے معانی بدل جاتے تھے، نظر وہ ہی رہتی تھی، غرض وغایت بدل جاتی تھی، دل تو وہ ہی رہتا تھا تمنائیں بدل جاتی تھی، دماغ وہ ہی رہتا تھا خیالات بدل جاتے تھے، ان کے یہاں کامیاب تجارت کرنے والے، علوم وفنون میں ہمعصروں پر فوقیت لے جانے والے، اپنے حریف کو مسکت جواب دینے والے کو عقلمند نہیں کہا جاتا، بلکہ ان کے یہاں عقلمند کا ایک ہی معنی تھا، وہ ہے موت سے پہلے موت کے بعد کی تیاری کرنے والا، اسی طرح عافیت کا معنی ان کے یہاں ایمان واعمال کی سلامتی ہے، اگر ایمان واعمال میں کوتاہی ہے تو وہ خود کو عافیت میں نہیں سمجھتے تھے، تجارت سے ان کا ذہن اخروی تجارت کی طرف ہی منتقل ہوتا تھا، ابو مسلم خولانیؒ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج مقابلے میں فلاں شخص آگے بڑھ گیا، ابو مسلمؒ نے اس سے کہا کہ نہیں سبقت کرنے والا تو میں تھا، اس شخص نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کیسے؟ آپؒ فرمایا کہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھ سے پہلے آنے والا کوئی نہیں تھا میں ہی پہلے داخل ہوا تھا، اسی طرح قوت وبہادری، خوبصورتی، میراث، کامیابی و ناکامی اور دیگر بہت سے الفاظ کے معانی متعین کرنے میں ان کے دل ودماغ کا معیار عام انسانوں سے مختلف ہوتا تھا، ''فرصت نہیں ہے'' کا معنی عام انسانوں کے نزدیک یہ ہے کہ دنیوی مشاغل کی کثرت نے دینی امور سے مشغول کردیا، لیکن ان کے یہاں اس کا کچھ اور ہی معنی مراد ہوتا ہے جس کو شاعر نے اچھی طرح واضح کیا ہے؛

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے * نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

گویا وہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے،

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں * گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہر دم رواں ہے زندگی

زندگی ایک سفر ہے، اور انسان مسافر ہے، یہ سفر ہر آن ہر لمحہ جاری رہتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ انسان جاتا ہے تو اس کو سفر کا احساس ہوتا ہے، لیکن جب ایک وقت کو پار کر کے دوسرے وقت کی طرف جاتا ہے تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ میں نے سفر کیا، حالانکہ کل اور آج میں بہت دور کا فاصلہ ہو گیا، کل کی جو منزل تھی اب وہ بہت پیچھے رہ گئی اور ہم بہت آگے بڑھ گئے۔

وَمَا الْمَرْءُ إِلَّا رَاكِبٌ ظَهْرَ عمرِهِ ☆ عَلَى سَفَرٍ يفنيه بِاليومِ وَالشَّهْرِ
يَبِيْتُ وَيُضْحِي كل يَومٍ ولَيلَةٍ ☆ بَعِيْدًا عَنِ الدُّنْيا قَرِيبًا إِلَى القَبْرِ

''آدمی سوار ہے اپنی زندگی کی پیٹھ پر ایک ایسے سفر کے لئے جو اسے دن اور مہینوں کی منزلوں سے فنا کی طرف لے جا رہا ہے، وہ ہر روزانہ صبح کرتا ہے اور شام کرتا ہے دنیا سے دور جاتے ہوئے اور قبر سے قریب آتے ہوئے''۔

نسير إلى الآجال في كل لحظة ☆ وأيامنا تطوى وهن مراحل
ولم أر مثل الموت حقا كأنه ☆ إذا ما تخطته الأماني باطل
وما أقبح التفريط في زمن الصبا ☆ فكيف به والشيب للرأس شاعل

''ہر لمحہ ہم موت کی طرف جا رہے ہیں، اور ہمارے دن گویا مراحل سفر ہیں جو سمٹتے جا رہے ہیں، میں نے موت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ حق ہونے کے باوجود جب امیدیں اس سے آگے بڑھ جاتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ایک باطل چیز ہو، سستی و کاہلی تو بچپن میں بھی بہت بری چیز ہے، پھر وہ اس وقت جب کہ سر میں سفیدی پھیلنے لگے کیسے گوارا ہو سکتی ہے!''۔

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے ☼ طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے
اک دن یہاں تو آیا اک دن ہے تجھ کو جانا ☼ رکنا نہیں یہاں پر جاری تیرا سفر ہے

مسافر خواہ اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور چلا جائے لیکن وطن اور اہل وعیال کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا، اس کو ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ سفر کامیاب ہو اور جلدی سے اپنے اہل و عیال سے جاملوں، وہ جس مقصد کے لئے آیا ہے اس میں کوتاہی نہیں کرتا، دن رات میں جب بھی موقع ملتا ہے محنت وکوشش سے گریز نہیں کرتا، یہی حال ایک مسلمان کا اس دنیوی سفر میں ہوتا ہے، وہ اپنے وطن جنت کی تیاری کے لئے یہاں آیا ہے، اس لئے وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں لگا رہتا ہے، ایک پردیس کی طرح وہ بھی دنیا میں راحت وآرام کی فکر نہیں کرتا بلکہ سفر کی ناکامی کے خطرے سے ہر وقت خوفزدہ رہتا ہے، اور جب بھی موقع ملتا ہے اپنا اصلی وطن سنوارنے میں لگ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیفیت کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے: **من خافَ ادلجَ و من أدلجَ بلغَ المنزِل الا إنّ سلعةَ الله غاليةٌ الا إنّ سلعة الله الجنّةُ (ترمذی)** ''جو ڈرتا ہے وہ ابتدائے شب سے سفر شروع کر دیتا ہے، اور جو ابتدائے شب سے سفر شروع کرتا ہے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان مہنگا ہے، سنو! بے شک اللہ کا سامان جنت ہے''۔

مسافر شب کو اٹھتا ہے جو جانا دور ہوتا ہے ✷ جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل

جو یہاں رک کر سیر وسیاحت میں اور آرام وراحت میں مشغول ہو گیا، وطن کو بھول کر پردیس کی رنگ وبو میں محو ہو گیا اس کو وطن واپسی کے وقت بڑی شرمندگی ہوگی، بڑا افسوس ہوگا، ایک شخص دہلی یا بمبئی کسب معاش کے لئے گیا لیکن ایک سال رہ کر جب گھر واپس آیا تو کچھ بھی لے کر نہیں آیا، گھر والوں کی ساری امیدیں خاک میں ملادیں، کیا ایسے شخص کو گھر واپسی کی کوئی خوشی ہوسکتی ہے، اور کیا گھر والوں کو اس سے ملنے کی خوشی ہوسکتی ہے، لیکن اس کی تلافی دوسرے سفر میں ممکن ہے جبکہ اخروی سفر تو ایسا ہے کہ ایک ہی مرتبہ موقع ملے گا، اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تو دوبارہ سفر کی اجازت نہیں ملے گی۔

میرے دوستو زندگی اک سفر ہے * کہیں ٹھہر جانے کی کوشش نہ کرنا
یہ دنیا بڑی بے وفا ہے سنبھلنا * یہاں دل لگانے کی کوشش نہ کرنا

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ سفر جاری ہو، یہاں سے کوچ کا نقارہ بجایا جا چکا ہو، لیکن مسافر بے فکر بیٹھا اپنی دھن میں مست ہو۔

وما هذه الأيام إلا مراحل * يحث بها داعٍ إلى الموت قاصد
وأعجب شيءٍ لو تأملت أنها * منازل تطوى والمسافر قاعد

امام شافعیؒ اپنے ہاتھ میں ہمیشہ عصا رکھتے تھے، آپؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ ضعیف تو ہے نہیں، پھر عصا کیوں رکھتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں عصا اس لئے رکھتا ہوں تا کہ مجھے یاد رہے کہ میں مسافر ہوں (منجد الخطیب)۔

کچھ لوگ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے گھر کا ساز و سامان دیکھا جو بہت ہی معمولی تھا، انہوں نے بزرگ سے عرض کیا: آپ کا گھر تو ایسا ہے گویا مسافر کا گھر ہو، آپؒ نے فرمایا: میں سفر کرنے والا نہیں ہوں بلکہ میں یہاں سے دھکے دے کر نکالا جاؤں گا۔

ایک شخص حضرت ابوذرؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا اے ابوذر! آپ کا سامان کہاں ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہمارا ایک گھر ہے ہم وہاں توجہ دیتے ہیں، سارا سامان بھی وہاں مہیا کیا ہے، اس نے کہا: جب تک اس مکان میں قیام رہے کچھ تو سامان ضروری ہے، آپؓ نے فرمایا: إن صاحب المنزل لا يدَعنا ههنا (صاحب منزل ہمیں یہاں نہیں رہنے دے گا)۔ صفة الصفوة

وقت مصروفِ کار ہے

وقت میں ٹھہرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، وہ ہمیشہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے کسی کے انتظار میں رکنا اس کی عادت نہیں، وقت علامہ اقبال کی زبانی اپنا دستور بیان کرتا ہے،

نہ تھا اگر تو شریک محفل، قصور تیرا ہے یا کہ میرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

وقت برف کی طرح ہے کہ برف کو استعمال کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ خود بہ خود پگلنا شروع ہو جائے گا، اور بیکار ضائع ہو جائے گا، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: **ان اللیل والنھار یعملان فیک فاعمل فیھما۔** (قیمۃ الزمن) ''رات اور دن تیرے اندر عمل کر رہے ہیں (یعنی تیری عمر فنا کر رہے ہیں) تو بھی ان کے اندر کچھ عمل کر لے''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

صحبت الصوفية، فلم أستفد منهم سوى حرفين، أحدهما قولهم: الوقت سيف، فإن لم تقطعه قطعك، (وذكر الكلمة الأخرى) ونفسك إن شغلتها بالحق وإلا شغلتك بالباطل۔ (قيمة الزمن عند العلماء ۲۵)

''میں صوفیائے کرام کی صحبت میں رہا، میں نے ان سے صرف دو باتیں سیکھیں، ان میں ایک بات یہ ہے کہ وقت ایک تلوار ہے اگر تو اس کو (مفید اور کارآمد مشاغل سے) قطع نہیں کرے گا تو وہ تجھے (ناکامی اور حسرت وندامت سے اور عمر کو فنا کر کے) کاٹ دے گا، دوسری بات یہ کہ اگر نفس کو کسی اچھے کام میں مشغول کرے گا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ تجھے باطل میں مشغول کر دے گا''۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی * گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

کسی کا پڑھا یا خاموش نصیحت ہے

وقت کی رفتار کے نتائج کے لئے ذرا دیدۂ عبرت وا کیجئے، اور ایک نظر اپنے پاس کھڑے عمر رسیدہ انسان کو دیکھئے، اس کے ہاتھوں میں رعشہ طاری ہے، قدم بھی لڑکھڑا رہے ہیں، اسے فلاں دکان پر جانا ہے لیکن سہارے کا انتظار ہے، لیجئے سہارا مل گیا لیکن پھر بھی طبیعت ہاری ہوئی ہے،

بیسیوں مرتبہ سوچ کر اب قدم اٹھایا ہے، دکاندار سے کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن دکاندار سمجھ نہیں پاتا، دیکھئے اسے قدم قدم پر پریشانیاں ہیں، کیوں کہ اس کے جسم پر ضعف و امراض کی حکمرانی ہے، اب ذرا اپنے دل سے سوال کیجئے کیا اس انسان نے صحت کے دن پائے تھے؟ کیا اسے بھی کبھی قوت حاصل تھی؟ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل پر خود قادر تھا؟ کیا اس نے بچپن و جوانی دیکھی؟ کیا اس کے پیروں میں کبھی ایسی طاقت تھی کہ وہ پچاس قدموں کی جگہ سو قدم چل کر پہنچتا تھا، سینکڑوں قدم چلنے کے بعد بھی اسے تکان کا احساس تک نہ ہوتا تھا؟ اور کیا وہ ہاتھ سے وزنی چیزیں بھی اٹھا لیتا تھا؟ کیا وہ اس دور سے گذرا ہے جس دور سے ابھی ہم گذر رہے ہیں؟ اندر سے جواب آئے گا کہ ہاں یہ سب کچھ تھا اور ایسا تھا کہ اسے ضعف و امراض کی باتوں پر یقین نہ آتا تھا، اور اب یہ حال ہوا ہے کہ گذشتہ کی قوت و توانائی اور صحت ایک خواب نظر آنے لگی، وقت کی رفتار نے غیر محسوس طور سے ایک ایک نعمت اس سے چھین لی۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں جوانی کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی چیز جیب میں تھی اور وہ گر گئی (جوانی اس طرح چلی جائے گی کہ احساس بھی نہیں ہوگا)۔

اجڑی زندگیوں میں درس عبرت

اور آگے بڑھ کر گردش زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس نے رواروی میں کتنی زندگیاں کچل ڈالی، کرۂ ارض پر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے، زمین پر بسنے والے ہم پہلے انسان نہیں ہیں، ہم سے پہلے اربوں کھربوں انسان لمبی عمریں گزار کر گئے ہیں جنہوں نے اس دنیا میں مختلف حالات کا سامنا کیا، کبھی رنج والم اور خوف و ہراس کی وادی میں سرگرداں رہے، کبھی فرحت و سرور کے باغات میں شاداں و رقصاں رہے، کسی نے راحت و آرام کا شیوہ اختیار کیا تو کسی نے جہد مسلسل سے اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کی، موت نے ان کی زندگی کو

اوران کی زندگی کے تمام واقعات کواس طرح سمیٹ دیا کہ وہ سب ایک خواب بن کر رہ گئے گویا وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے، کسی شاعر نے کہا ہے:

مرت السنین بالوصال وبالهناء * فکأنها من قصرها ایام

ثم انثنت ایام هجر بعدها * فکأنها من طولها اعوام

ثم انقضت تلك السنون واهلها * فکأنها وکأنهم احلام

''کچھ سال دوستوں سے وصال اور خوشگواری کے ساتھ گذرے جو اتنے مختصر لگے کہ گویا وہ چند ایام ہوں، پھر اس کے بعد جدائی کے دن آئے جو اتنے طویل معلوم ہوئے گویا کئی سال گذر گئے، پھر وہ سال اور سال والے اس طرح گذر گئے گویا وہ (سال) اور وہ (سال والے) سب خواب ہوں''۔

ضمیر کو چھونے والے شیخ سعدیؒ کے اشعار:

بسا پادشاہان سلطان نشاں * بسا پہلوانان کشور ستاں

بسا تند گردان لشکر شکن * بسا شیر مردانِ شمشیر زن

بسا ماہرویان شمشاد قد * بسا نازنینانِ خورشید خد

بسا ماہرویان نو خاستہ * بسا نوعروسانِ آراستہ

بسا نامدار و بسا کامگار * بسا سروقد و بسا گلعذار

کہ کردند پیراہن عمر چاک * کشیدند سر در گریبان خاک

چناں خرمن عمر شاں شد بباد * کہ ہرگز کسے زاں نشانے نہ داد

ثباتے نہ دارد جہاں اے پسر * بہ غفلت مبر عمر در وے بسر

''بہت سے دبدبہ والے بادشاہ، بہت سے حکومت چھین لینے والے پہلوان، بہت سے

لشکر کو شکست دینے والے سخت لوگ، بہت سے شمشیر چلانے والے بہادر، بہت سے چاند سے مکھڑے والے شمشاد جیسے قد والے، بہت سے نازوں میں پلے ہوئے آفتاب جیسے رخسار والے، بہت سے ماہتاب کی سی صورت والے نوجوان، بہت سی نئی سجی دلہنیں، بہت سے نامور اور کامیاب لوگ، بہت سے سرو جیسا سیدھا اور لمبا قد رکھنے والے پھول جیسے نرم اور خوش رنگ رخسار والے، ان تمام لوگوں نے زندگی کا پیرہن چاک کیا اور موت کی آغوش میں چلے گئے، اور مٹی کے گڑھے میں جا بسے، ان کی زندگی کا کھلیان اس طرح ہوا کی زد میں آ گیا کہ پھر کبھی کسی کو ان کا نشان تک نہ ملا، اے بیٹے! دنیا کو قرار نہیں ہے، اس میں عمر عزیز کو غفلت میں مت گنوا دینا''۔

قد نادت الدنيا على نفسها ✲ لو كان في العالم من يسمعُ
كم واثقٍ بالعمر افنيتُه ✲ وجامعٍ بددتُ ما يجمعُ

جی ہاں! رفتار زمانہ کی زد میں آ گئے، ہم بھی اس کی دسترس سے محفوظ نہیں ہے، کاش ان کی کہانی ہمارے لئے درس عبرت ثابت ہو۔

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا ✲ جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا ✲ اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

نوحہ کرنے کی نوبت نہ آجائے

سفر زندگی جب اختتام پذیر ہوگا، اور زندگی چراغِ سحر کی طرح ٹمٹما کر ہمیشہ کے لئے بجھ جانے پر آمادہ ہوگی، جب جوانی اور عمل کا موقع نکل چکا ہوگا، اس وقت انسان زندگی کی آخری سرحد پر کھڑا رہ کر اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالے گا تو اسے وقت اور زندگی کی بربادی پر بڑا افسوس ہوگا، اور یہ اشعار یاد آ جائیں گے:

أعَينايَ! هَلا تبكيانِ عَلى عُمرِي ✲ تَناثرَ عُمرِي من يَدِي ولا أدرِي

إِذَا كُنتُ قَدْ جَاوزْتُ سِتينَ حجةً * ولَم اتَاهّبْ لِلمَماتِ فَمَا عُذرِي

''اے میری آنکھو! تم میری عمر پر کیوں نہیں روتی ہوں، میری عمر میرے ہاتھ میں سے بکھر گئی اور مجھے اس کا احساس بھی نہیں ہوا، جب میں ساٹھ سال سے تجاوز کر گیا پھر بھی میں نے مرنے کی تیاری نہیں کی تو اب میرے لئے کونسا عذر رہ گیا''۔

اور یہ اشعار بھی وردِ زبان ہو جائیں گے:

عشتُ وظل الزمان ممدود * والغصن يهتز والصبا رودُ

فأقبل الشيب في عساكره * أسود غابٍ فغابت السودُ

قد يبس الغصن في نضارته * ومال بعد استقامةٍ عودُ

وجاءك الموت فانتظره، وذا الْ * عمر يسيرٌ والسير معدودُ

① میں نے اس حال میں زندگی بسر کی کہ زمانے کا سایہ لمبا تھا، اور زندگی کی شاخ لہلہاتی تھی، اور بادِ صبا خوشگوار تھی۔ ② پھر جب بڑھاپا آیا جس کے لشکر میں جنگل کے شیر تھے تو بالوں کی سیاہی غالب آ گئی۔ ③ جوانی کی شاخ جو کبھی ہری بھری تھی خشک ہو گئی اور جو پہلے سیدھی تھی اب جھک گئی۔ ④ موت کا وقت قریب آ گیا اب اس کا انتظار کر، عمر تھوڑی ہے اور زندگی کا سفر بھی تھوڑا رہ گیا ہے۔

کسی شاعر کے یہ اشعار بھی اپنے حسب حال معلوم ہوں گے:

أهل يعود ما مضى لي راجعا؟ * أم هل أرى نجومه طوالعا

إذا تذكرت زماناً ماضياً * جدد حزناً أنقض الأضالعا

يا حسرتي على زمانٍ قد مضى * وذهبت أيامه ضوائعا

بادر بذي الباقي وأدرك ما مضى * لعل ما يبقى يكون نافعا

① کیا میرے لئے گذرا ہوا زمانہ واپس آئے گا، کیا پھر سے زندگی کے ستارے طلوع ہوں گے۔

② جب میں گذرا ہوا زمانہ یاد کرتا ہوں تو پسلیوں کو توڑنے والا غم تازہ ہو جاتا ہے۔③ ہائے افسوس! زمانۂ گذشتہ پر اور ایسی زندگی پر جس کے ایام ضائع ہو گئے۔④ اب بقیہ زندگی میں دوڑ لگا اور ماضی کے نقصان کی تلافی کر، ممکن ہے باقی ماندہ زمانہ سودمند ثابت ہو۔

ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک عابد شخص کی عیادت کے لئے گئے، وہ کسی چیز پر افسوس کر رہا تھا اور لمبی آہیں بھر رہا تھا، میں نے کہا یہ افسوس کس چیز پر ہے؟ اس نے کہا: مجھے دنیا میں رہنے کا افسوس نہیں ہے، مجھے افسوس ہے اس رات پر جس میں میں سو گیا اور اللہ کے سامنے کھڑا نہیں ہوا، اور اس دن پر جس میں میں نے روزہ نہیں رکھا، اور اس گھڑی پر جس میں میں نے اللہ تعالی کی یاد سے غفلت کی۔(تبصرہ لابن جوزی)

ابو محمد عجلیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک شخص کے پاس گیا وہ مرض الموت میں مبتلا تھا، جب میں اس کے پاس گیا تو وہ افسوس کے ساتھ مجھ سے کہنے لگا: سَخِرَتْ بِيَ الدُّنْيَا حَتَّى ذهبت أيامي (دنیا میرے ساتھ مذاق کرتی رہی حتی کہ میری زندگی کے سارے ایام ختم ہو گئے)۔

عمر رفتہ کی قیمت

زندگی کا جو حصہ نکل گیا اس کی قیمت اس میں کئے جانے والے اعمال ہیں، اگر اچھے اعمال سے اس کا حق وصول کیا ہے تو آدمی کو اس کے نکل جانے پر کوئی افسوس نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنی پچھلی زندگی کی کامیابی پر دل فرحت وسرور سے لبریز ہو جاتا ہے، اور بدن کا ہر حصہ اللہ کے شکر کے احساس میں ڈوب جاتا ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ عمر کا جو حصہ نکل چکا ہے اس کو معدوم سمجھا جائے، اور آج سے آپ کی زندگی کا حساب شروع کیا جائے، یا یوں کہئے کہ آپ کو نئی زندگی دی جائے تو کیا اس پر راضی ہو؟ تو وہ جواب نفی میں دے گا، کیوں ان ایام میں جواہرات مدفون ہیں، اس کی کوششوں اور محنتوں سے کتنے درخت تیار کھڑے ہیں، اس کے ماضی کی زمین گویا ایک سرسبز و

شاداب گلشن ہے جس کی فضا ہر طرح کی خوشبو سے معطر اور مناظر دلکش اور جاذب نظر ہیں، عمدہ اور لذیذ ماکولات ومشروبات کی بہتات ہے، اور اگر زندگی خواب غفلت میں نکل گئی تو آدمی اس کو اپنی زندگی کہتے ہوئے بھی شرماتا ہے، جب بھی اس کو اپنی کوتاہیاں یاد آتی ہیں تو اسے خود اپنی زندگی سے نفرت ہوتی ہے، اگر اس سے بھی اوپر والا سوال کیا جائے تو وہ اثبات میں جواب دے گا، اور اپنی پوری رضامندی بلکہ طلب کا اظہار کرے گا، کیوں کہ ماضی کا میدان پتھروں، کانٹوں بلکہ شکاری اور زہریلے جانوروں سے خوفناک اور ہلاکت خیز بن گیا ہے، خواجہ صاحبؒ کہتے ہیں:

میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو ❁ بڑھاپا نہ بچپن نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں ❁ وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

حجاج بن ابی عیینہ کہتے ہیں کہ جابر بن زیدؒ ہماری مسجد میں نماز کے لئے آیا کرتے تھے، ایک دن ہمارے پاس پرانے بوسیدہ جوتے پہن کر آئے، اور فرمانے لگے: میری عمر کے ساٹھ سال گذر چکے، اگر میں نے ان میں کوئی خیر کے کام نہیں کئے تو میرے یہ دو پرانے جوتے ان ساٹھ سالوں سے بہتر ہیں۔

اس کے برخلاف وہ زندگی جو اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری میں گذری اس کی قیمت کے متعلق ایک اللہ والے کا ارشاد ملاحظہ کیجئے: **لو بعت لحظة من إقبالك على الله بمقدار عمر نوح في ملك قارون لكنت مغبونًا في العقد.** (مفتاح الافکار) ''اگر تو اس ایک گھڑی کو جو اللہ کی یاد میں گذری فروخت کر دے، اور اس کے عوض میں عمر نوحؑ (ایک ہزار سال) کے برابر زندگی اور اس کے ساتھ قارون کا خزانہ خرید لے تب بھی تو اس سودے میں کھوٹ میں رہے گا''۔

وقت کی قیمت کا صحیح اندازہ

کسی بھی چیز کی قدر وقیمت اس کے منافع اور فوائد سامنے آنے کے بعد معلوم ہوتی ہے،

موت کے بعد جب زندگی میں کئے ہوئے اعمال پر جو اجر وثواب حاصل ہوگا، اور وہ بڑے انعامات ہمیشہ کے لئے بندے کے سپرد ہوں گے تب اس دنیوی زندگی کے قیمتی لمحات کی حقیقی قیمت سامنے آئے گی، اس وقت ایک ایک لمحہ دنیا کی تمام نعمتوں سے گراں قدر معلوم ہوگا، وہ اعمال جن میں پانچ منٹ بھی صرف نہیں ہوتے دنیا بھر کے سونے چاندی اور جواہرات سے وزنی اور قیمتی نظر آئیں گے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گذرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کس صاحب کی قبر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کی قبر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **رَكْعَتَانِ أَحَبُّ إِلَى هَذَا مِنْ بَقِيَّةِ دُنْيَاكُمْ** (المعجم الاوسط)۔ (دو رکعتیں اس قبر والے کو تمہاری باقی دنیا سے زیادہ محبوب ہیں)۔

ایک روایت میں یہ مضمون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی قبر کے پاس سے تشریف لے گئے جس میں مردے کو دفن کئے زیادہ وقت نہیں گذرا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہلکی ہلکی دو نفل رکعتیں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو اس قبر والے کو تمہاری باقی دنیا سے زیادہ پسند ہیں۔ (الزھد)

مروی ہے کہ ایک آدمی قبرستان گیا، وہاں دو رکعات پڑھ کر ایک قبر کے پاس پہلو کے بل لیٹ گیا اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی، اس نے خواب میں قبر والے کو دیکھا، وہ قبر والا کہہ رہا تھا:

إنكم تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نعمل ولأن تكون ركعتان في صحيفتي أحب إليّ من الدنيا وما فيها۔ (العاقبة)

”تم عمل پر قادر ہو لیکن اس کی اہمیت سے ناواقف ہو، ہم جانتے ہیں لیکن عمل سے عاجز ہیں، میرے نامۂ اعمال میں دو رکعتیں ہوں یہ مجھے دنیا وما فیہا کے مل جانے سے زیادہ پسند ہیں“۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا ایک دینی بھائی انتقال کر گیا، میں نے اس کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے کہا کہ الحمد للہ تم نے اچھی زندگی گذاری، اس نے مجھے جواب دیا کہ (اب

میرے سامنے ساری حقیقت کھل گئی ہے) یہ جو تم نے ''الحمدللہ'' کہا یہ کلمہ میرے نزدیک اب دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (العاقبة فی ذکر الموت)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے ''اھوال القبور'' میں لکھا ہے کہ مطرف بن عبداللہ حرشیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازے میں شریک ہوا، قبرستان جا کر میں ایک کونے کی طرف چلا گیا، وہاں میں نے دو رکعات پڑھیں جن کو میں نے بہت خفیف سمجھا اور وہ دو رکعات مضبوطی اور کامل ہونے میں میری پسند کے موافق نہیں تھی، میں ان کو ناقص خیال کرتا تھا، میں نماز پڑھ کر اسی جگہ سو گیا، میں نے قبر والے کو خواب میں دیکھا، اس نے مجھ سے کہا کہ تو نے دو رکعات پڑھیں اور تو نے اسے ناقص سمجھ کر اس کی کمی کوتاہی کو پسند نہیں کیا، میں نے کہا کہ ایسا ہی ہوا ہے، اس نے کہا: تعملون ولا تعلمون ونحن نعلم ولا نستطيع أن نعمل لأن أكون ركعت مثل ركعتيك أحب إلي من الدنيا بحذافيرها۔ ''تم عمل کرتے ہو لیکن اس کی اہمیت سے ناواقف ہو، اور اب ہم واقف تو ہو گئے لیکن عمل نہیں کر سکتے، میں تیری دو رکعات جیسی نماز پڑھوں یہ مجھے دنیا اور اس کی تمام انواع واقسام کی نعمتوں سے زیادہ پسند ہے''۔

ایک شخص نے خواب میں مردوں کو دیکھا جو یہ کہہ رہے تھے: ما عندكم أكثر من الغفلة وما عندنا أكثر من الحسرة۔ (تمہارے (زندوں کے) پاس غفلت سے زیادہ کوئی چیز نہیں، اور ہمارے (مردوں کے) پاس حسرت سے زیادہ کوئی چیز نہیں)۔

عبداللہ ابن مبارکؒ کسی جنازے میں تھے کہ اس وقت ایک آدمی ان سے کوئی سوال کرنے آیا، آپؒ نے اس سے کہا کہ ابھی تسبیح پڑھو، (اور اس مردے سے عبرت لو) اس جنازے میں سونے والا اب تسبیح سے روک دیا گیا۔

ایک شخص کی بیٹی طاعون میں انتقال کر گئی، اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھا،

باپ نے کہا: بیٹی! آخرت کے بارے میں کچھ بتاؤ، بیٹی نے کہا: **یا أبت! قدمنا علی أمر عظیم، نعلم ولا نعمل وتعملون ولا تعلمون والله لتسبیحة أو تسبیحتان أو رکعة في عملي أحب إلي من الدنیا ومافیھا. (اھوال القبور)** ''ابا جان! ہم عظیم الشان معاملے کی طرف آئے ہیں، ہم نے سب کچھ جان لیا، لیکن عمل نہیں کر سکتے، اور تم عمل کر سکتے ہو لیکن جانتے نہیں ہو، اللہ کی قسم! میرے اعمال میں ایک دو تسبیح کا یا ایک رکعت کا اضافہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے''۔

الزہد والرقائق میں ابن مبارکؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعات نماز پڑھی، لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے ابھی جو عمل کیا وہ کوئی نیا عمل معلوم ہوتا ہے، آپ ایسا نہیں کرتے تھے، آپؓ نے جواب دیا: **ذَکَرْتُ أَھْلَ الْقُبُورِ، وَمَا حِیلَ بَیْنَھُمْ وَبینہُ، فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَتَقربَ إِلَی اللّٰہِ بِھِما۔** ''(قبر دیکھ کر) مجھے قبر والوں کی حالت یاد آئی کہ ان قبر والوں اور اعمال کے درمیان آڑ کر دی گئی، (آج وہ لوگ چاہتے ہوئے بھی نماز پڑھنے سے عاجز ہیں) اس لئے میں نے یہ دو رکعات پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہا''۔

صفۃ الصفوۃ میں ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن قتیبہ بن فرقدؒ رات کے وقت اپنے گھوڑے پر نکلتے، اور قبرستان کی طرف جاتے، اور قبر والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے: **یَا أَھْلَ الْقبور، قَدْ طُوِیَتِ الصحُفُ، وَقَدْ رُفِعَتِ الْأَعْمالُ۔** (اے قبر والوں! تمہارے صحیفے لپیٹ لئے گئے، اور اعمال اٹھا لئے گئے)، پھر آپ پر گریہ طاری ہو جاتا، اور پوری رات وہاں پیروں پر کھڑے گزار کر فجر کی نماز میں شریک ہو جاتے۔

موت کے بعد حسرت رہ جائے گی

مثل مشہور ہے ''قدرِ نعمت بعد زوالِ نعمت'' یعنی جب تک نعمت رہتی ہے اس وقت اس

کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی پھر جب وہ نعمت چلی جاتی ہے تب آنکھیں کھلتی ہیں کہ ہم نے کتنی بڑی قیمتی چیز کھودی، آج زندگی ہے، اعمال صالحہ کا موقع ہے، ایک وہ دن آئے گا کہ یہ نعمت ہمیشہ کے لئے چھین لی جائے گی پھر اس وقت حسرت وافسوس کی کوئی انتہاء نہ رہے گی، ندامت سے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، مروی ہے کہ کل قیامت کے دن انسان کی زندگی کے سال، پھر اس کے مہینے، پھر اس کے ہفتے، پھر ہفتے کے دن سامنے کئے جائیں گے، جب ان کو کسی عمل خیر سے خالی دیکھے گا تو حسرت وندامت کی تصویر بن جائے گا، پھر اگر گناہوں سے پُر دیکھے گا تو افسوس کا کیا عالم ہوگا! حسن بصریؒ فرماتے ہیں: يُعْرَضُ عَلَى ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَاعَاتُ عُمُرِهِ، فَكُلُّ سَاعَةٍ لَمْ يحدِثْ فِيهَا خَيرا تقطّعتْ نفسُه عليهَا حَسرات. ''ابن آدم پر قیامت کے دن اس کی زندگی کے لمحات پیش کئے جائیں گے، پس ہر وہ گھڑی جس میں کوئی خیر کا کام نہیں کیا ہوگا اس پر اس کا دل حسرت وندامت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا''۔

پھر انسان یہ تمنا کرے گا کہ کاش پھر سے زندگی مل جائے، تاکہ اس میں اعمال صالحہ کر کے اخروی انعامات کا حقدار بن جائے، لیکن اب زندگی کیسے میسر آسکتی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ۔ (الفجر)

''انسان اس دن متنبہ ہو جائے گا مگر اب تنبہ کا موقع کہاں رہا، کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی) کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا''۔

وہ بارگاہ الٰہی میں نئی زندگی کی درخواست کرے گا جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۔

’’(یہ لوگ اسی طرح غفلت میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے، تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں (اللہ کی طرف سے جواب ملے گا) ہرگز نہیں، یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا‘‘۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ۔ (فاطر)

’’اے پروردگار! ہم کو نکال لے اب ہم نیک عمل کیا کریں گے ان برے اعمال کے علاوہ جو ہم پہلے کرتے تھے (اللہ کی طرف سے جواب ملے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا‘‘۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔ (السجدۃ)

’’(گنہگار کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں‘‘۔

نیک لوگوں کو بھی حسرت رہے گی

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يموتُ إِلَّا نَدِمَ قَالُوا وَمَا نَدَامَتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ إِنْ كَانَ محسِنًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونَ ازْدَادَ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونَ نَزَعَ (الترمذی)

’’ہر مرنے والا افسوس کرتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کس بات کا افسوس کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر نیکوکار ہوتا ہے تو اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس نے نیک اعمال اور زیادہ نہیں کئے، اور اگر بدکار ہوتا ہے تو افسوس کرتا ہے کہ بداعمالیوں سے باز نہیں آیا‘‘۔

جنت کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی حسرت

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے زندگی سے بالکل ہی فائدہ نہیں اٹھایا، اور ان کے لئے جہنم کا فیصلہ ہو گیا، رہی ان لوگوں کی بات جنہوں نے اپنا سارا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ کچھ وقت کام میں بھی لگایا، ان کو بھی حسرت رہ جائے گی کہ کاش کچھ اور کر لیتے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیسَ یَتحَسر اَھْلُ الجنة إلّا علی سَاعةٍ مرّتْ بِھمْ لم یَذ کرُ و االلہ فِیھَا۔

''جنت والوں کو کسی چیز پر بھی حسرت نہ ہوگی سوائے اس گھڑی کے جوان کو دنیا میں ملی لیکن اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا''۔ (شعب الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَا یَذْکُرُونَ فِیہِ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ، وَیُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، إِلَّا کَانَ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّۃَ لِلثَّوَابِ۔

''کوئی قوم کسی بھی ایسی مجلس میں جمع ہوں جس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجیں، ان لوگوں پر وہ مجلس قیامت کے دن حسرت کا سبب بنے گی، اگرچہ وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں''۔ (مسند احمد)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آدمی مجلس میں بیٹھے یا بستر پر لیٹے یا راستہ چلتے ذکر اللہ سے غفلت کرے گا تو قیامت کے دن اس کی وہ حالت حسرت وندامت میں اضافہ کرے گی، اور اس کے لئے نقصان کا سبب بنے گی۔

اس وقت انسان کے سامنے آئے گا کہ مجھ سے ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' زیادہ کہنے والے مجھ سے بہت آگے بڑھ گئے، صرف ایک سکنڈ کی غفلت نے اپنے ساتھیوں سے بہت پیچھے کر دیا،

ماندم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر * یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد

اگر کوئی ایک سانس بھی ضائع نہ کرے

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پوری زندگی سجدہ میں گزار دے، اور پیدائش سے لے کر موت تک ایک لمحہ بھی غفلت نہ کرے تب بھی جب قیامت میں اعمال صالحہ کا اجروثواب سامنے آئے گا اس وقت اسے اپنی زندگی بھر کی عبادت کم نظر آئے گی اور وہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں جانے کا ایک موقع اور مل جائے تا کہ مزید اجر و انعام حاصل کروں، حضرت عتبہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَو أَنّ رجلاً يَخِرُّ عَلى وَجْهه مِن يَوْمِ وُلِدَ إِلَى يَوْمِ يموتُ هَرَمًا فِي مَرْضَاةِ اللهِ لحقَّرَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مسند احمد)

''اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے پیدائش سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک چہرے کے بل سجدہ میں پڑا رہے تب بھی قیامت کے دن اس کو معمولی سمجھے گا''۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

لَوْ أَنّ عَبْدًا خَرّ عَلى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلى أَنْ يموتَ هَرَمًا في طاعةِ الله لحقَّرَهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ ولَوَدّ أنّه رُدّ إِلى الدُّنْيا كَيما يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثّوابِ۔

''اگر کوئی شخص پیدائش سے اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کے بل پڑا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر مر جائے تب بھی اس دن اس کو معمولی سمجھے گا، اور تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے تا کہ مزید اجروثواب حاصل ہو''۔ (مسند احمد)

اسلاف کی حرص

ہمارے اسلاف وقت کے بڑے قدردان تھے، زندگی کے ایک ایک لمحے کو تول تول کر

استعمال کرتے تھے، عام انسان جس طرح سونے چاندی کی حفاظت کرتا ہے اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ حضرات اپنے وقت کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے، اور جس طرح درہم و دینار اور کسی بھی قیمتی چیز کے ضائع ہونے سے انسان غمزدہ ہو جاتا ہے اسی طرح ہمارے اکابر وقت کے بے کار نکل جانے پر افسوس کیا کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے:

أَدْرَكْتُ أَقْوَامًا كَانَ أَحَدُهُمْ أَشَحَّ عَلَى عُمُرِهِ مِنْهُ عَلَى دَرَاهِمِهِ وَدَنَانِيرِهِ۔

''میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے دراہم و دنانیر سے زیادہ اپنی عمر کا حریص تھا''۔ (الزہد والرقائق)

جو دن گذر گیا اس پر افسوس

عبداللہ بن مسعودؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں:

ما ندمت على شيء ندمي على يوم غربت شمسه نقص فيه أجلي ولم يزد فيه عملي۔ (قيمة الزمن عند العلماء)

''مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کہ اس دن پر ہوتا ہے جو میری زندگی سے کم ہو گیا اور اس میں میرے عمل میں اضافہ نہیں ہوا''۔

نہ ہو کام کچھ اور دن ہو تمام * تو ڈوبا وہ دن اور اجڑی وہ شام

عمر رفتہ پر آنسو

''ابو اسمہ مصری کہتے ہیں: کہ ابو شریح ایک مرتبہ چلتے چلتے بیٹھ گئے، اور اپنے چہرے پر چادر ڈال کر رونے لگے، ہم نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: تَفَكَّرْتُ فِي ذَهَابِ عُمُرِي، وَقِلَّةِ عَمَلِي، وَاقْتِرَابِ أَجَلِي۔ (مجھے یہ بات یاد آ گئی کہ میری عمر چلی گئی، اور اعمال کم رہ گئے، اور موت قریب آ گئی)۔

عبداللہ بن مبارکؒ جب طرسوس میں داخل ہوئے تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے پوچھا اے ابوعبدالرحمن! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: بَكَيتُ عَلَى فَنَاءِ عُمرِي وَ ضيعتِه۔ ''میں اپنی عمر کے فنا ہونے اور اس کے ضائع ہونے پر رو رہا ہوں''۔ (العمر والشیب)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے زندگی میں بہت کام کیا، اور بڑی اہم دینی خدمات کر کے اس زندگی کو محفوظ کر دیا، اگر یہ کہا جائے کہ زندگی کا حق ادا کر دیا تو بے جا نہ ہوگا، آپ اپنے اوقات میں سے ایک منٹ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے، ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود جب آپ کی عمر کے پچھتر سال پورے ہوئے تو زندگی کی مہلت کے ضائع ہونے کے احساس سے غمزدہ ہو کر یہ اشعار کہے جو مجالس حکیم الامتؒ (ص ۱۵۳) میں تحریر فرمائے ہیں:

پنج و ہفتاد آمد از عمر عزیز * بے عمل بے علم بے رشد و تمیز
وائے بر من فرصت عمر دراز * دادہ ام در غفلت و در حرص و آز

''عمر عزیز کے ۷۵ سال ہو گئے لیکن اب تک بے عمل بے علم اور رشد و تمیز سے تہی دامن رہا، مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے لمبی عمر غفلت اور حرص و طمع میں گذار دی''۔

شیخ سعدیؒ نے بھی اپنی عمر کے ضائع ہونے پر نفس کو ملامت کی ہے، فرماتے ہیں:

چہل سال عمر عزیزت گذشت * مزاج تو از حال طفلی نہ گشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی * دمے با مصالح نہ پرداختی
مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار * مباش ایمن از بازیٔ روزگار

''تیری زندگی کے چالیس سال گذر چکے لیکن تیرے مزاج میں لڑکپن ہی رہا، ساری عمر خواہشات کی بھینٹ چڑھا دی ایک دم بھی مفید کاموں میں نہیں لگا، تو ختم ہونے والی عمر پر بھروسہ مت کرنا اور گردش زمانہ سے مطمئن نہ ہونا''۔

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے

وقت کی قدردانی کا ایک گُر یہ ہے کہ انسان ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرے، حضرت معاذہ عدویہؒ ایک نیک اور ولیہ خاتون گذری ہیں، آپؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جب دن آتا تو فرماتیں: هذا يومي الذي أمُوتُ فيه (یہ میری زندگی کا وہ دن ہے جس میں میری موت آئے گی) پھر وہ شام تک نہ سوتیں، اور جب رات آتی تو فرماتیں: هذه ليلتي التي أمُوتُ فيها (یہ میری وہ رات ہے جس میں میرا انتقال ہوگا) پھر وہ صبح تک آرام نہ فرماتی تھیں، ٹھنڈی کے موسم میں باریک کپڑے زیب تن فرماتیں تاکہ ٹھنڈی کی وجہ سے نیند نہ آسکے۔

بڑا کارآمد نکتہ ہے، اگر انسان یہی سبق یاد کرلے کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے تو یہی خیال زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے کافی ہے۔

ایام خالیہ کو وصول کر رہا ہوں

(ایام خالیہ (بہ معنی گذرے ہوئے دن) کا لفظ ذکر قرآن میں آیا ہے، اس سے مراد دنیوی زندگی ہے، دنیوی زندگی میں جو نیک اعمال کئے تھے ان کی بنیاد پر قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ سنایا جائے گا: كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ''جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلہ میں مزے سے کھاؤ اور پیو''۔)

حضرت نافع علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے، وہاں انہوں نے دسترخوان بچھایا، اس وقت وہاں سے ایک چرواہا گزرا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ آجاؤ، تم بھی کھانے میں شریک ہوجاؤ، اس چرواہے نے کہا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: کیا ایسی شدید گرمی میں روزہ رکھا ہے جبکہ آپ کا کام بھی ایسی وادی میں ہے (جہاں سایہ بھی نصیب نہیں)؟ اس نے کہا: إني و الله أبادرُ الايامَ الخاليةَ (اللہ کی قسم میں

ایام خالیہ میں سبقت لے جانا چاہتا ہوں)۔

روح بن زنباع کہتے ہیں کہ میں سفر میں ایک منزل پر اترا، اور کھانا حاضر کیا گیا، اس وقت وہاں ایک چرواہا آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ، اس نے کہا میں روزہ دار ہوں، میں نے کہا: کیا ایسی گرمی کے دن روزہ؟ اس نے کہا: افادَعُ اَیامی تذھبُ باطلا (تو کیا میں اپنے زندگی کے ایام کو یوں ہی بیکار جانے دوں) اس پر میں نے یہ شعر کہا:

لقدْ ضَننْتَ بایامك یا رَاعِي ٭ إِذْ جادَ بها رَوحُ بنُ زِنبَاع

''اے چرواہے! تو نے اپنے ایام زندگی کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا، جبکہ روح بن زنباع نے ان کے ساتھ سخاوت کا معاملہ کر کے ان کو ضائع کر دیا''۔

وقت کی رفتار کا احساس

عامر بن عبد قیس تابعین میں بڑے زاہد گزرے ہیں ان سے کسی نے کہا: مجھ سے کچھ بات کیجئے، آپؒ نے اس سے فرمایا: فَامسك الشّمسَ (سورج کو روک دے تو بات کروں گا)۔

حضرت معروف کرخیؒ بھی بڑے اولیاء اللہ میں سے شمار ہوتے ہیں، لوگ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت کے پاس کچھ زیادہ وقت تک بیٹھے رہے تو آپؒ نے فرمایا: اَما تُریدُونَ اَنْ تقومُوا؟ إن ملكَ الشّمسِ لا یفتر عنْ سوقھَا۔ (کیا تم لوگوں کا ارادہ اٹھنے کا نہیں ہے؟ بیشک سورج کا فرشتہ اس کو ہانکنے میں کوتاہی نہیں کر رہا ہے)۔

ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ایک راہب کے پاس رک گئے، اور ان سے عرض کیا کہ ہم آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں کیا آپ ہمیں جواب دیں گے؟ اس راہب نے فرمایا کہ پوچھو لیکن بقدر ضرورت ہی پوچھنا، زیادہ سوالات مت کرنا، اس لئے کہ گیا ہوا دن ہرگز نہیں لوٹے گا، اور عمر واپس نہیں ملے گی، اور موت بغیر کاہلی کے طلب میں لگی ہوئی ہے۔ (المدہش)

عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: النھارُ یعْملُ عمله (دن اپنا کام کر رہا ہے)۔

اذا کنت اعلم علما یقینا ✵ بان جمیع حیاتی کساعة
فلم لا اکون ضنینا بھا ✵ واجعلھا فی صلاح وطاعة

”جب میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کی طرح ہے تو کیوں میں اس کے متعلق بخیل نہ بنوں، اور اس کو صلاح وطاعت میں نہ لگاؤں“۔

محمد بن واسعؒ بہت بڑے عبادت گذار متقی اور زاہد تھے، علم وعمل میں امام تھے، آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ کس حال میں صبح کی؟ تو آپؒ نے فرمایا: ما ظنك برجل يرتحل كل يوم إلى الآخرة مرحلة۔ (تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو ہر دن آخرت کی طرف ایک منزل طے کرتا ہو (یعنی اس حال میں کیسے اطمینان مل سکتا ہے)۔ (احیاء العلوم)

عوض یک دو نفس قبر کی شبہائے دراز

حضرت حسان بن سنان کی بیوی کہتی ہے کہ آپ رات کو میرے پاس آتے اور بستر پر میرے ساتھ سو جاتے، اور جس طرح عورت اپنے بچے کو سلانے کے لئے خود بھی سونے کی شکل بناتی ہے اسی طرح آپ بھی مجھے سلانے کے لئے سو جاتے، جب آپ کو یقین ہو جاتا کہ میں سو گئی ہوں تو آہستہ سے اٹھ جاتے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے، میں نے آپ سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! کب تک اپنے نفس کو عذاب دیتے رہو گے، اپنے نفس پر نرمی کیجئے، تو آپ نے فرمایا: اسكتي ويحك فيوشك أن أرقد رقدة لا أقوم منها زمانا. (تو خاموش ہو جا، تجھ پر افسوس ہے، میں عنقریب ایسی نیند سوؤں گا کہ ایک زمانے تک اس سے نہیں اٹھوں گا)۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ پوری رات نماز پڑھتی رہتی تھیں،

جب صبح صادق ہو جاتی تو تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتیں تا کہ صبح صادق اچھی طرح روشن ہو جائے، پھر جب صبح روشن ہو جاتی تو ایکدم اٹھ جاتیں، اور اپنے نفس سے خطاب کر کے فرماتیں: یا نفسُ کمْ تنامِین؟ وإلى کمْ لا تقومین؟ یوشكُ أن تنامي نومةً لا تقُومین منهَا إلا لصَرختِهِ یومِ النّشورِ۔ (اے نفس! تو کتنا سوئے گا، اور کب تک کھڑا نہیں ہوگا، قریب ہے کہ تو ایسی نیند سو جائے جس سے قیامت کی صور سے پہلے اٹھنا نصیب نہیں ہوگا)۔

ضروریات میں وقت لگانے میں بخل

جو وقت کی قدر جان لیتا ہے اس سے تو یہ بعید ہے کہ فضولیات اور بیکار کاموں میں وقت ضائع کرے، مگر کتنے اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو ضروریات میں بھی وقت کو کم از کم استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے، اپنی تمام خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اسی قدر طبعی ضروریات میں مشغول ہوتے تھے جس سے زندگی باقی رہے، ان ہی بلند ہمت جواں مردلوگوں میں ایک حضرت داود طائیؒ ہیں، آپ پانی میں ستو ملا کر پی لیا کرتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو روٹی کھانے کی خواہش نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا: بینَ مضغِ الخبزِ وشربِ الفتیتِ قراءةُ خمسین ایةً۔ (روٹی چبانے اور ستو پینے کے درمیان میں پچاس آیتوں کا فرق ہے)۔

سبحان اللہ! یہی تو ہے وقت کی صحیح قدر و قیمت کی پہچان، جس نے ایسے باریک حساب کی طرف بھی ذہن متوجہ کیا، یہ تو آپ کی حالت تھی کہ آپ نے اپنی طبعی ضرورت میں سے پچاس آیتوں کا وقت بچا لیا، اور ہمارا یہ حال ہے کہ عبادت کے اوقات میں سے پچاس لقموں کا وقت بچانے کی فکر لگی رہتی ہے۔

ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ علامہ شمس الدین محمود بن عبد الرحمن اصفہانیؒ کی علمی پیاس اور حفاظت اوقات کے اہتمام کے متعلق جو باتیں منقول ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ زیادہ

کھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے، تاکہ زیادہ پانی پینے کی ضرورت نہ پڑے تاکہ بار بار پیشاب کے لئے نہ جانا پڑے اور وقت ضائع نہ ہو۔ (الدرر الکامنۃ)

امام نوویؒ بڑی سادگی کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، کھانے پینے اور پہننے میں ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، آپؒ نے شادی بھی نہیں کی تھی، دنیوی مشاغل سے خود کو فارغ کرکے تمام اوقات دینی کاموں میں صرف فرماتے تھے۔

ابوالحسن بن عطارؒ کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاذ امام نوویؒ کے بارے میں بتایا گیا کہ آپؒ کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہ دن میں اور نہ رات میں، بلکہ ہر وقت علمی مشغلہ رہتا تھا حتی کہ راستہ میں بھی تکرار کرتے ہوئے یا مطالعہ کرتے ہوئے چلتے تھے، اور پورے دن میں صرف ایک مرتبہ عشاء کے بعد کھاتے تھے، اور ایک مرتبہ صبح سحری کے وقت پانی پیتے تھے، اور میوے اور پھل کھانے سے پرہیز کرتے تھے، آپ کہا کرتے تھے کہ مجھے ان کے کھانے سے ڈر رہے کہ کہیں میرے جسم میں رطوبت بڑھ نہ جائے جس کی وجہ سے نیند زیادہ آنے لگے۔ (قیمۃ الزمن)

ابن عقیلؒ کہتے ہیں: **انا اقصر بغاية جهدي أوقات أكلي حتى أختار سف الكعك وتحسيه بالماء على الخبز لأجل ما بينهما من تفاوت المضغ۔** ''میں حتی الوسع اپنے کھانے کے اوقات میں کمی کرنے کی کوشش کرتا ہوں، یہاں تک کہ میں روٹی کا چورہ پانی میں ملا کر پی لینے کو روٹی کھانے کے مقابلے میں پسند کرتا ہوں، کیوں کہ دونوں کے درمیان چبانے کا فرق ہے''۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی جو مطالعہ گاہ تھی اس کے تین دروازے تھے، آپؒ کے والد نے تینوں دروازوں پر جوتے رکھوائے تھے، تاکہ اگر ضرورت کے لئے باہر جانا پڑے تو جوتے کے لئے ایک آدھا منٹ بھی ضائع نہ ہو۔

حضرت شیخ زکریا صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں کسی عزیز کو لکھتے ہیں ''میں آپ سے سچ

کہتا ہوں کہ میں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھاتا ہوں، کیوں کہ میرے پاس وقت نہیں'' اور اپنی حالت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

بسا اوقات رات دن میں ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ سونا نصیب نہیں ہوتا تھا، اور بلا مبالغہ کئی مرتبہ بلکہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ روٹی کھانا یاد نہ رہا، عصر کے وقت جب ضعف معلوم ہوتا تھا تو اس وقت یاد آتا کہ دوپہر کی روٹی نہیں کھائی، اور رات کو کھانے کا معمول تو اس سے پہلے ہی چھوٹ گیا تھا، تیس پینتیس گھنٹے روٹی کھائے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ (تحفۂ وقت ۱۴۳)

ضروریات میں جو وقت صرف ہوا اس پر بھی ندامت

عثمان بن عیسیٰؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے تھے، لیکن غروب آفتاب کے وقت روزہ افطار کرنے میں ذکر لسانی بند کرنا پڑتا اس پر فرماتے ہیں: إِذَا كانَ وَقت غروبِ الشمسِ أَحْسستُ بِروحي كَانهَا تَخرجُ لاشْتِغاله في تلك السَّاعَةِ بِالافْطَار عَنِ الذكر۔ (جب غروب آفتاب کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت افطار میں مشغولی ذکر میں رکاوٹ بنتی ہے جس کی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روح نکل رہی ہے)۔

امام فخر الدین رازیؒ جنہوں نے اسلامی کتب خانے میں بڑی قیمتی کتابوں کا اضافہ کیا ہے فرماتے ہیں: وَالله انني أتاسف فِي الفَوات عَن الِا شْتِغَال بِالْعلمِ فِـي وَقـت الْأكـل فَـان الْوَقْت وَالزمان عَزِيز۔ (واللہ! بے شک مجھے کھانے کے وقت علمی مشغولیت کے فوت ہوجانے پر افسوس ہوتا ہے، اس لئے وقت اور زمانہ بڑا عزیز اور گراں قدر ہے)۔ (عیون الانباء)

فن نحو کے بڑے امام خلیل احمد نحویؒ فرماتے ہیں: اثقلُ ساعاتٍ عليَّ ساعة آكل فيها (مجھ پر تمام اوقات میں سب سے زیادہ مشکل وقت وہ ہوتا ہے جب میں کھانا کھاتا ہوں)۔

ضروریات کے ساتھ بھی مشغولی

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے دادا مجد الدین ابن تیمیہؒ کو اپنے اوقات کی اتنی قدر تھی کہ جب قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جاتے تو جتنی دیر بیت الخلاء میں رہتے اتنی دیر کے لئے بھی وقت کا ضائع ہونا آپ کو گوارا نہیں تھا، اور بیت الخلاء میں بیٹھ کر تو کوئی کام نہیں کیا جا سکتا اس لئے آپ نے وقت کی حفاظت کے لئے یہ صورت نکالی تھی کہ آپ کسی شاگرد سے فرما دیتے: اقرأ فِي هذَا الكتاب، وارفع صوتك حَتى أسمع. (اس کتاب میں دیکھ کر پڑھتے رہنا، اور بلند آواز سے پڑھنا تا کہ میں سن سکوں)۔ (ذیل طبقات الحنابلة لابن رجبؒ)

عبید بن یعیشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا میں حدیث لکھتا رہتا اور میری بہن لقمے بنا کر کھلاتی رہتی تھی، یہ معمول تیس سال تک رہا۔

امام ثعلب نحویؒ کا یہ حال تھا کہ آپ کو اگر کوئی کھانے کی دعوت دیتا تو اس شرط پر دعوت قبول کرتے تھے کہ آپ کے یہاں مطالعہ کرنے کے لئے مجھ کو جگہ دینی پڑے گی، اور جتنی دیر تمہارا کھانا تیار ہوگا میں مطالعہ کرتا رہوں گا۔ آپ کی وفات بھی اسی علمی مشغولی کی وجہ سے ہوئی، آپ راستہ چلتے ہوئے کتاب کے مطالعے میں مشغول تھے کہ ایک گھوڑے نے آپ کو ٹھوکر ماری، یہ حادثہ آپ کی موت کا سبب بنا۔ (قيمة الزمن عند العلماء)

حاکم شہیدؒ صاحبِ مستدرک ان کے پاس لوگ ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ اپنی لکھائی جاری رکھتے تھے، اور اس سے کہتے تھے کہ بھئی آپ بات کرتے رہو میں آپ کی بات بھی سنتا رہوں گا، اس طرح ایک وقت میں دو کام کیا کرتے تھے۔ (خطبات فقیرؒ)

ابو حاتم رازیؒ کے صاحبزادے عبد الرحمن رازیؒ فرماتے ہیں: کبھی ایسا ہوتا کہ والد صاحب کھانا کھا رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں اور میں ان سے

پڑھ رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلا میں داخل ہو رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ہم مصر میں طالب علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ سات ماہ رہے، دن پورا کا پورا شیوخِ احادیث کی مجلس میں تقسیم تھا، دن کو پڑھتے اور رات لکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شیخ کے علیل ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا وقت ملا تو مچھلی خرید کر لائے لیکن پکانے سے پہلے دوسری مجلس کا وقت ہو گیا، ہم مجلس میں شریک ہو گئے، پھر تین دن تک اسے پکانے کا موقع نہیں ملا، آخر تین دن کے بعد کچی ہی کھالی۔ (طلباء کے لئے تربیتی واقعات ۴۷)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی حالت

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے بارے ''میرے والد میرے شیخ ص ۱۵۱''میں لکھتے ہیں:

حضرت والد صاحب کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا، اور آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے، اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول جانے نہیں دیتے تھے، آپ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے۔

ایک روز ہم لوگوں کو وقت کی قدر پہچاننے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہے تو بظاہر ناقابل ذکر سی بات، لیکن تمہیں نصیحت دلانے کے لئے کہتا ہوں کہ مجھے بے کار وقت گزارنا انتہائی شاق معلوم ہوتا ہے، انتہاء یہ کہ جب میں قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہوں تو وہاں بھی خالی وقت گزارنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ جتنی دیر بیٹھنا ہوتا ہے، اتنے اور کوئی کام تو ہو نہیں سکتا اگر لوٹا میلا کچیلا ہوتا ہے تو اسے دھو لیتا ہوں۔

حضرت مفتی اعظمؒ ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں: اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں، یاد رکھو! ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے، اس

کو یوں ہی نہ گزارو۔(طلباء کے لئے تربیتی واقعات ٤٦)

فراغت کو گناہ سمجھنا

ابن عقیلؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک گھڑی بھی ضائع نہیں فرماتے تھے، آپؒ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا جائز نہیں سمجھتا ہوں، یہاں تک کہ جب علمی مذاکروں اور مناظروں سے زبان کو فراغت مل جاتی ہے اور آنکھوں کو مطالعہ سے فرصت ملتی ہے تو اس راحت و آرام کے وقت میں لیٹے لیٹے دماغ کو تفکر و تدبر میں مشغول کر دیتا ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میں جب اٹھتا ہوں تو کوئی نہ کوئی بات لکھنے کے لئے میرے ذہن میں ہوتی ہے، آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب میں بیس سال کا تھا اس وقت میرے اندر جو علم کی پیاس محسوس کرتا تھا آج اسّی کی دہائی میں اس سے بھی زیادہ علم کی حرص محسوس کرتا ہوں، آپؒ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ عقلاء کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی چیز وقت ہے۔(قیمۃ الزمن)

فراغت سے تکلیف کا احساس

سحیم کا بیان ہے کہ میں عامر بن عبداللہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے، نماز پوری کر کے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: أرِحْني بحاجتِك فاني ابادرُ (تم جس مقصد سے آئے ہو وہ جلدی بیان کرو اور مجھے راحت دو، کیوں کہ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں) میں نے کہا کہ کس چیز سے آپ سبقت لے جانا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: ملكَ الموتِ رحِمكَ اللهُ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں ملک الموت سے) میں آپ کے پاس سے اٹھ گیا اور آپ پھر سے نماز میں مشغول ہو گئے۔

عبادت کر کے بھی حسرت

انسان کے دل میں جس چیز کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے اسی قدر وہ اس کا حریص ہوتا

ہے، اور جس قدر بھی حاصل ہو جائے اسے کم سمجھتا ہے، اور ہمیشہ اس کو یہی حسرت رہتی ہے کہ اگر میں اور زیادہ محنت کرتا تو اور زیادہ حاصل کرتا، دنیا کے شیدائی مال و دولت کی کسی بھی مقدار پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ جتنا بھی حاصل ہو جائے مزید حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اپنے سے زیادہ دولت مند انسان کو نشانہ بنا کر سوچتے ہیں کہ ابھی تو مجھے اس کے برابر مالدار بننا ہے، کئی انسان ایسے دیکھے ہیں کہ اگر وہ معاش کی فکر بالکل چھوڑ دے اور اپنی زندگی دینی کاموں کے لئے وقف کر دے تب بھی پوری زندگی آرام سے اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں، بلکہ ان کی جمائی ہوئی تجارت ان کی اولاد کے لئے بھی کافی ہو سکتی ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیشہ تجارت میں ترقی اور اضافے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں، ہمیشہ اسی منصوبے میں دماغ دوڑتا رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے شیدائی ہیں اس کی قدر و منزلت نے دل و دماغ پر قبضہ جما یا ہے۔

ٹھیک یہی حالت انسان کی وقت کے متعلق بھی ہو جاتی ہے جب وقت کی قدر و قیمت اس کے دل میں جانشیں ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو عبادت میں صرف کرنے کے باوجود اپنی حالت پر ندامت کرتا ہے کہ میں نے محنت میں کوتاہی کر لی، کاش میں مزید محنت کرتا تو اور آگے بڑھتا، پھر یہی احساس انسان کو ایک پل بھی غافل ہونے نہیں دیتا۔

حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یزیدؒ سے زیادہ جاگنے والا اور لمبا قیام کرنے والا نہیں دیکھا، آپؒ اتنا روتے تھے کہ آنسوں بہنے کی جگہ نشانات پڑ گئے تھے، آپؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ رونے سے نہیں اکتاتے؟ آپؒ نے فرمایا: میں تو چاہتا ہوں کہ اتنا روؤں کہ آنسوں کی جگہ خون بہنے لگے، پھر اتنا روؤں کہ خون کی جگہ پیپ بہنے لگے، اشعث بن سوار کہتے ہیں کہ حضرت یزید رقاشیؒ نے چالیس سال روزے رکھے، اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی آپؒ فرمایا کرتے تھے: **سَبَقَني العابِدُونَ و قُطعَ بي وَ الهفَاه** (ہائے افسوس! عبادت گزار مجھ سے

آگے بڑھ گئے، اور میں پیچھے رہ گیا)، آپؒ حسرت کے ساتھ اپنے نفس سے خطاب کر کے کہتے تھے: اے یزید تجھ پر افسوس ہے، کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے نماز پڑھے گا؟ کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے روزہ رکھے گا؟ کون ہے جو موت کے بعد تیری طرف سے تیرے رب کو راضی کرے گا؟ (صفۃ الصفوہ، العاقبہ)

حضرت ثابت بنانیؒ ہر رات تین سو رکعات پڑھا کرتے تھے، پھر بھی جب صبح ہوتی تو یہ فرماتے تھے: **مَضى العَابدُونَ و انقطعَ بي و الهفاه** ''عابدین تو راستہ پار کر گئے اور میں پیچھے رہ گیا، بڑا افسوس ہے''۔

حضرت رحلہ عابدہؒ کی عجیب بات

حضرت رحلہ عابدہؒ کے پاس چند علماء گئے تا کہ ان کو نفس پر نرمی کرنے کے متعلق سمجھائے، جب انہوں نے ان سے نرمی کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا:

مالي وللرِفقِ بهَا، إنماهيَ ايامُ المبادرةِ فمنْ فاتهُ اليومَ شيءٌ لمْ يدركهُ غدًا، و اللهِ يا إخوتاه لا صلِين للهِ ما اَقلّتني جوارحي، و لا صومنّ لهُ اَيامَ حياتي، وَ لأبكين لهُ ما حملتِ الماءَ عيني۔

''میرا نفس پر نرمی سے کیا تعلق؟ یہ تو آگے بڑھنے کے دن ہیں، آج اگر کسی سے کوئی عمل فوت ہو گیا وہ کل اس کی کمی کو پورا نہیں کر سکے گا، برادران من! واللہ جب تک میرے اعضاء مجھے اٹھائے رکھیں گے ضرور بالضرور میں اللہ کے لئے نماز پڑھتی رہوں گی، اور میری زندگی کے دنوں میں اسی ذات کے لئے ضرور بالضرور روزے رکھوں گی، اور جب تک میری آنکھوں میں آنسوؤں کا ذخیرہ رہے گا اسی پاک ذات کے لئے روتی رہوں گی''۔

پھر آپ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے

غلام کو کسی بات کا حکم کرے، پھر یہ چاہے کہ وہ اس میں کوتاہی کرے (بلکہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ میرا حکم اچھی طرح پورا کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی یہی پسند ہے کہ میرے بندے میرے احکامات کی بجا آوری میں اور میری عبادت میں چستی سے کام لیں)۔

مشغولی کی نرالی مثال

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطیؒ ہمیشہ اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میرے معمولات میں سے کوئی معمول کسی عذر سے چھوٹ جاتا ہے تو میں بعد میں اس معمول کو پورا نہیں کرسکتا ہوں (معمولات کی کثرت کی وجہ سے فوت شدہ معمول کو پورا کرنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا)۔

یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ شب و روز میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہوتا ہو، واقعی اپنا نصیب تو ان حضرات ہی نے چمکایا، دنیا سے وہ چلے گئے اور ان کے وہ معاصرین بھی جنہوں نے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے لئے اپنی زندگی کو قربان کردیا، لیکن کل قیامت میں دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کا فرق ہوگا، یہ فرحت و سرور کی انتہاء کو پہنچے ہوں گے اور وہ حسرت و ندامت سے خود اپنے وجود سے نفرت کرتے ہوں گے۔

حضرت عثمان بن عیسی باقلانیؒ اور وقت کی قدر

ابو محمد بن محمد العباسیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دن میرے ماموں کے ساتھ عثمان بن عیسی باقلانیؒ کی صحبت میں رہا، وہ مسجد سے اپنے گھر کی طرف جارہے تھے اس حال میں ہم ان سے ملے، آپ اس وقت تسبیح پڑھ رہے تھے، میرے ماموں نے ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیجئے، آپ نے فرمایا کہ ابو عبداللہ! آپ نے مجھے مشغول کردیا، آپ بھی اس کام میں مشغول ہوجاؤ جو آپ میرے اندر گمان کررہے ہو، اور آپ میرے لئے دعا کرو، پھر میں نے حضرت سے

عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیجئے، تو آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ آپ کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں، میں نے مزید دعا کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا: **الزمانُ یَذھب وَالصحائفُ تُختمُ۔** (زمانہ نکلتا جا رہا ہے، اور اعمال ناموں پر مہر لگائی جا رہی ہے)۔

اس سے زیادہ فرصت نہیں

حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتیؒ کو تحصیل علم میں اتنا انہماک تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں اگر کوئی ہم عمر یا عزیز دہلی ملاقات کے لئے جاتا تو اس سے السلام علیکم یا سرسری ملاقات کے بعد صاف طور پر فرما دیتے کہ اس سے زیادہ فرصت نہیں، جب اللہ تعالی بامراد ملائے گا اس وقت ملیں گے۔ (طلباء کے لئے تربیتی واقعات ۴۴)

مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ جب شاہ عبد الغنیؒ کے پاس پڑھتے تھے اس وقت جہاں کھانا مقرر تھا وہاں آتے جاتے راستہ میں ایک مجذوب ہوا کرتے، ایک دن کہا کہ میں تجھے سونا بنانے کا نسخہ بتاتا ہوں، کسی وقت میرے پاس آجانا، آپؒ نے حاضری کا وعدہ فرمایا مگر پڑھنے لکھنے میں انہماک کی وجہ سے بعد میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن مجذوب نے پھر یاددہانی کی، آپؒ نے کہا پڑھنے سے فرصت نہیں، جمعہ کے دن کوئی وقت نکال کر آؤں گا، جمعہ آیا تو مطالعہ میں مشغولیت کی وجہ سے یاد نہیں رہا، مجذوب پھر ملے، کہا کہ تم حسب وعدہ نہیں آئے، آپؒ نے بھولنے کا عذر کیا اور آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا، لیکن مطالعہ میں مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن یاد ہی نہیں رہتا تھا، اسی طرح کئی جمعے گزر گئے، آخر ایک جمعہ کو مجذوب خود آپؒ کے پاس آئے، اور سونا بنانے کا طریقہ سکھایا، اور سونا بنا کر بھی دکھایا، اور وہ سونا آپؒ کو دے کر کہنے لگے، یہ بیچ کر اپنے کام میں لانا، لیکن آپؒ کو کتاب کے مطالعہ سے اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ وہ سونا بازار جا کر بیچتے، پھر

ایک دن مجذوب نے خود جا کر وہ سونا بیچا اور اس کی رقم لا کر آپؒ کو دی۔ (ایضا ۵۲ تغیر کے ساتھ)

حضرت تھانویؒ کی گھڑی پر نظر

حضرت ڈاکٹر عبد الحئیؒ اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرتؒ کو وقت کی بڑی قدر تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالی نے ان کی فطرت ہی میں وقت کی اہمیت کو مضمر کر دیا تھا، وقت کے ایک ایک لمحے کو صحیح اور برمحل استعمال کرنے کا اس قدر اہتمام تھا کہ ہر وقت ان کی نظر گھڑی پر رہتی تھی، اور نہایت ہی سہولت اور بے تکلفی سے نظام الاوقات کے تحت ہر کام کو انجام دیتے تھے۔ (متاع وقت ۹۵)

حضرت تھانویؒ مرض الموت میں تھے، طبیبوں نے آپ کو بات کرنے سے منع کر دیا تھا، اس وقت بھی آپؒ بعض اصحاب کو باری باری بلاتے اور ان کو کوئی کام یا کوئی ذمہ داری سپرد فرماتے، آپ سے عرض کیا گیا کہ طبیبوں کے منع کرنے پر بھی آپ لوگوں سے باتیں کرتے رہتے ہیں، آپؒ نے فرمایا بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہو، اگر کسی کی خدمت کے اندر عمر گذر جائے تو یہ خدا کی نعمت ہے۔

حضرتؒ خود فرماتے ہیں کہ مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے، جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے، میں ایک لمحہ بھی بیکار رہنا برداشت نہیں کرتا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمدؒ جنجھانوی کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی، اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے، بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے، اور اس سے کہتے کہ تم خود اس میں سے پیسے نکال لو، اس لئے کہ اگر میں نکالوں گا اور اس کو گنوں گا تو وقت لگے گا، اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

حضرت فقیہ الامت اور وقت کی قدر

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں بھی حفاظت اوقات کا بڑا اہتمام تھا، حتی کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، چوبیس گھنٹے کی زندگی مشین کی طرح متحرک رہتی تھی۔ کوئی وقت بھی بیکار نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ مغرب کے بعد ایک طالب علم حاضر خدمت ہوئے، حضرت اس وقت کھانا تناول فرمارہے تھے، وہ سلام کرکے خاموش گردن جھکا کر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا نوراللہ! کیا خاموش بیٹھے ہو؟ عرض کیا جی نہیں حضرت! قرآن شریف پڑھ رہا ہوں تو فرمایا ہاں! وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ (ماہنامہ دارالعلوم، رجب ۱۴۲۷ھ)

اسلاف کی محنت

سلف صالحین کے واقعات سے کتابوں کے صفحات مزین ہیں، انہوں نے عبادت میں اور اللہ کو راضی کرنے والے اعمال میں ایسی محنتیں کیں کہ آج ہم اس کی تمنا بھی نہیں کرسکتے، حضرت سعید بن مسیبؒ نے پچاس سال عشاء کے وضوء سے فجر پڑھی، اور دن میں مسلسل روزے رکھتے تھے، عامر بن عبد قیسؒ پورا دن نماز میں اور درس دینے میں نکال دیتے تھے، حضرت عمیر بن ہانی ہر روز ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے، حضرت کرزؒ ایک دن میں تین قرآن ختم کرتے تھے، منصور بن معتمرؒ نے چالیس سال تک روزے رکھے، دن میں روزہ رکھتے، اور رات میں نوافل میں مشغول ہوتے، ابوبکر بن عیاشؒ نے اپنی زندگی میں اٹھارہ ہزار سے زائد قرآن ختم کئے ہیں، اسلاف میں کتنے علماء ایسے ہیں جو تصانیف کی اتنی بڑی تعداد چھوڑ کر گئے ہیں کہ عقلیں حیران ہیں، وہ حضرات جو علمی ورثہ چھوڑ کر گئے ہیں ہم اپنی زندگی میں آسانی سے مکمل پڑھ بھی نہیں سکتے، علاقۂ پالن پور گجرات کے تبلیغی ذمہ دار مرحوم یوسف بھائیؒ (چنگواڑا والے) کے متعلق ایک معتبر معتمد عالم دین

اور ولیٔ کامل نے کہا تھا کہ مرحوم تقریباً پچاس سال کی عمر میں اتنا کام کر گئے کہ عام آدمی اس کو دوسو سال میں کر سکتا ہے علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری اپنی طالب علمی کے زمانے میں صرف روٹی لیتے تھے، سالن نہ لیتے تھے، روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے، جب موقع ہوتا کھالیتے اور فرماتے روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے، قاری صدیق صاحبؒ باندوی کے یہاں بھی اوقات کا بڑا اہتمام تھا، ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے تھے۔

غیروں کی قدردانی

مغربی ممالک میں وقت کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، اور اس کو کام میں لگانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اور وقت کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے میدان میں بہت ہی زیادہ ترقی کر گئے، اگرچہ روحانیت سے بے پرواہی، مذہب سے دوری اور خدا بیزاری نے سکون وچین کا نام ونشان ختم کر دیا ہے اور بہت سی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو جنم دیا ہے لیکن اس بات کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ انہوں نے مادہ کو اپنی محنت کا محور بنا کر اس کی مخفی طاقتوں اور صلاحیتوں کو ظاہر کیا، یقیناً وہ اپنے میدان میں بہت دور پہنچ چکے ہیں، یہ سب وقت کی حفاظت اور اس کو کام میں لگانے کا کرشمہ ہے، ان کے یہاں وقت کو صحیح استعمال کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی تعلیم کے لئے مستقل کورس ہے جس میں پیسے دے کر لوگ داخلہ لیتے ہیں۔

انہوں نے وقت کی قیمت کا یہاں تک احساس کیا کہ خود تو اپنے اوقات کی حفاظت کی، لیکن دوسری طرف اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے دوسری اقوام کے اوقات کو ضائع کرنے اور فضول کاموں میں برباد کرنے کو ضروری سمجھا، اور دیگر اقوام کے اوقات ضائع کرنے کے منصوبے بنا کر اپنے مقاصد میں کامیابی کو یقینی بنانے کی فکر کی، تحفۂ وقت کے مصنف لکھتے ہیں:

ہم خواہ اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں، لیکن یہ ایک پختہ حقیقت اور ٹھوس سچائی ہے

کہ موجودہ دور میں نوجوانوں کے اوقات ضائع کرنے میں ساٹھ فیصد حصہ عالمی یہودی اور عیسائی سازشوں کا ہے، ہمارے دشمن یہود ونصاری نے وقت کی اہمیت کا خوب اندازہ لگایا، اور اسے اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنے، اور باقی امتوں کو اس اہمیت سے بیگانہ اور دور رکھنے کے لئے سازشیں کیں۔

یہودیوں کی ''پروٹوکول'' نامی ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے مستقبل میں عالمی استعمار کی منصوبہ بندی کی ہے، پورے عالم اور تمام اقوام عالم پر غلبہ حاصل کرنے اور دنیا کو اپنا غلام بنانے کے لئے جو منصوبہ تیار کیا گیا ہے اس میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو کھیل تماشے اور دیگر تفریحی پروگرام میں اور فضولیات میں مشغول کر دیا جائے، جب لوگ فضولیات میں مشغول ہو کر اپنے اوقات کو ضائع کرنے میں لگ جائیں اس وقت ہم اپنے مقصد کی طرف بڑھتے رہیں، اور جب وہ بیدار ہوں گے اس وقت ہم بہت آگے نکل چکے ہوں گے۔ (ماخوذ از تحفۂ وقت ۱۶۶)

فرصت زندگی کی قدر کیجئے

اپنے ضمیر کو حرکت دیجئے، اپنی آنکھیں کھولئے، غفلت کی چادر چاک کیجئے، عقل وخرد بیدار کیجئے، اپنے پروں کو پھڑ پھڑائیے، پرواز کا عزم وحوصلہ پیدا کیجئے، دیکھئے! زندگی کا پانی گھٹ رہا ہے، ہر دن تیزی سے نکل رہا ہے، موت گھات میں بیٹھی ہے، ادھر ادھر کہیں چھپی ہوئی ہے، موقع پاتے ہی حملہ کے لئے تیار ہے، اس سے پہلے جو بھی موقع مل گیا اس سے نفع اٹھا لیجئے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جو وقت کو ضائع کرتا ہے اسے وقت ضائع کر دیتا ہے، جو زمانۂ حال کو برباد کرے گا مستقبل اس کے بربادی کے فیصلہ کر دے گا، زندگی کا ایک ایک لمحہ انمول ہے، شعر:

نگہداشت فرصت کہ عالم دمے است * دمے پیش عالم بہ از عالمے است

حقیقت شناس انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو کام میں لگاتا ہے۔

نہ کر عمر کی اک بھی ضائع گھڑی * کہ ٹوٹی لڑی جب کہ چھوٹی کڑی
گنوائے گا عاقل نہ بے کار دن * کہ انسان کی ہے زندگی چار دن

ہمیں آج زندگی کی فرصت میسر ہے، جس طرح انسان سونے چاندی اور جواہرات کا استعمال کرتا ہے اسی طرح زندگی کے لمحات بھی استعمال کیجئے، کسی چیز کو خریدنے کے لئے انسان سو روپئے کی جگہ دوسو روپئے خرچ نہیں کر دیتا، بلکہ دس روپئے بھی زائد دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، ہزاروں کی قیمت کی کوئی چیز خرید لیتا ہے لیکن اس میں بھی سو روپئے بچانے کی فکر کرتا ہے، اور بیچنے والے شخص سے سو روپئے کم قیمت لگانے کی ضد کرتا رہتا ہے، آپ وقت کو اسی طرح استعمال کیجئے، جو کام آپ کے دس منٹ مانگ رہا ہو اس کو دس منٹ ہی دیجئے، دس منٹ کا کام بیس منٹ میں پورا کرنے سے وقت کا نقصان ہوجائے گا، پھر بچا ہوا وقت کسی مفید وکارآمد مشغولی میں لگایئے۔

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

زندگی جہد مسلسل اور جستجوئے منزل کا نام ہے، تقاضائے خودافزائی اور احساس سود وزیاں سے عبارت ہے، سوز جگر، آرزوئے نشوونما اور مستئ کرادر ہی زندگی کی حقیقت ہے، حرارت و حرکت زندگی کی علامت ہے، علامہ اقبال کا سحر آفرین اور مست کردینے والا کلام ملاحظہ کیجئے:

فریب نظر ہے سکون وثبات ۞ تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود ۞ کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی ۞ فقط ذوق پرواز ہے زندگی
سفر زندگی کے لئے برگ وساز ۞ سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

اگر ذوق سفر اور سوز جگر نہیں تو محض رگوں میں گردش خوں سے کیا حاصل؟

ہر ایک مقام سے آگے مقام ہے تیرا ۞ حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

رگوں میں گردش خون ہے اگر تو کیا حاصل ✻ حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا تو حفظ خودی سے ہے ورنہ ✻ گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

عربی اشعار

اصحاب ذوق کی خدمت میں ترغیبی اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

فدع الصبا فلقد عداك زمانه ✻ وازهد فعمرك مر منه الأطيب
ذهب الشباب فما له من عودة ✻ وأتى المشيب فأين منه المهرب
دع عنك ما قد كان في زمن الصبا ✻ واذكر ذنوبك وابكها يا مذنب
واذكر مناقشة الحساب فإنه ✻ لا بد يحصي ما جنيت ويكتب
لم ينسه الملكان حين نسيته ✻ بل أثبتاه وأنت لاه تلعب
والروح فيك وديعة أودعتها ✻ ستردها بالرغم منك وتسلب
وغرور دنياك التي تسعى لها ✻ دار حقيقتها متاع يذهب
والليل فاعلم والنهار كلاهما ✻ أنفاسنا فيها تعد وتحسب
وجميع ما خلفته وجمعته ✻ حقا يقينا بعد موتك ينهب
تبا لدار لا يدوم نعيمها ✻ ومشيدها عما قليل يخرب
لا تأمن الدهر الخؤون فإنه ✻ ما زال قدما للرجال يؤدب
وعواقب الأيام في غصاتها ✻ مضض يذل له الأعز الأنجب
فعليك تقوى الله فالزمها تفز ✻ إن التقي هو البهي الأهيب
واعمل بطاعته تنل منه الرضا ✻ إن المطيع له لديه مقرب
فلقد نصحتك إن قبلت نصيحتي ✻ فالنصح أغلى ما يباع ويوهب

بقدرِ ہمت اہداف کا تعین

’’زندگی کی قدر‘‘ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی میں بہت ہی گنجائش اور وسعت ہے، جن افراد پر وہ صادق آتا ہے ان میں باہم اتنا تفاوت ہے جتنا زمین و آسمان میں، اور اتنی دوری ہے جتنی مشرق و مغرب میں، اصطلاحی زبان میں کلی مشکک ہی کہہ دیجئے، جیسے سفیدی ایک حقیقت ہے لیکن اس کے افراد میں واضح فرق ہوتا ہے، جیسے ایک کیلو سونا بھی سونا ہے، اور ایک ٹن سونا بھی سونا ہے، لیکن دونوں کی مالیت میں فرق کسی سے مخفی نہیں ہے، یا یوں سمجھئے کہ لوہا بھی ایک دھات ہے، سونا بھی ایک دھات ہے لیکن اگر کسی کے سامنے دونوں چیزیں رکھی جائے اور کسی ایک کے لینے کا اختیار دیا جائے تو کیا وہ یہ کہہ کر لوہے پر قناعت کرے گا کہ یہ بھی تو ایک دھات ہے، پنچگانہ فرائض کا با جماعت اور سنن و نوافل کے ساتھ اہتمام کرنا، ان کے بعد تسبیحات کی پابندی کرنا، دن میں ایک پارہ تلاوت کرنا، اور صبح و شام کی تسبیحات مکمل کرنا، یہ مجموعہ بھی ’’زندگی کی قدر‘‘ میں شامل ہے، اور ’’زندگی کی قدر‘‘ میں یہ بھی شامل ہے کہ مذکورہ بالا عبادتوں کے ساتھ تہجد، اوابین، اشراق اور چاشت کا اہتمام کرنا، دن میں تین پارے تلاوت کرنا، تعلیم و تعلم میں، تربیت و تزکیہ میں بھی کچھ وقت لگانا، اور ’’زندگی کی قدر‘‘ کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ پورے دن دل و دماغ میں عبادت، آخرت کی فکر اور رضائے الٰہی کی طلب کے خیالات گردش کرتے ہوں، ایک عمل سے فارغ ہو کر دوسرا عمل شروع کر دیا، نماز سے فراغت پا کر تلاوت، اس سے فارغ ہو کر اذکار، ان کو مکمل کر کے قرآن و حدیث اور شریعت و سنت کی تحصیل اور فہم میں مشغول ہو گیا، رات کو ذرا لمبا ہوا تو اس لئے کہ اخیر رات میں اچھی طرح عبادت ہو، اللہ کے سامنے قیام میں شوق و ذوق باقی رہے، کھانا کھایا تو اسی لئے کہ عبادت و بندگی کے حقوق کی ادائیگی ممکن ہو، یہ تمام صورتیں ’’زندگی کی قدر‘‘ میں شامل ہیں۔

جب لوگوں میں ’’زندگی کی قدر‘‘ کا جذبہ بیدار ہوتا ہے یا بیدار کیا جاتا ہے اس وقت اپنی

منزل متعین کرنے میں ہمت کا بڑا دخل ہوتا ہے، ہمت پست ہوتی ہے تو معمولی اعمال کی بجا آوری سے دل کو سکون مل جاتا ہے، اور جو اس سے کچھ بلند ہے وہ اپنی بلندی کے حساب سے اعمال میں اضافہ کرتا ہے، اور اس حد تک پہنچنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے، کسی کو چند نوافل اور کچھ حصہ تلاوت کا متعین کر کے قرار آ گیا، کسی کو تہجد پڑھ کر سکون مل گیا، تو کوئی دن بھر کے نوافل اور مسنون اوراد کی بجا آوری پر مسرور ہو گیا، لیکن یہ محدود ہمتوں کا حال ہے، جو محدود اعمال پر قناعت کر لیتی ہیں، جب ان کے سامنے آخرت کی تیاری کی یا جنت کی طرف دوڑ لگانے کی بات آتی ہے تو ان کا ضمیر حرکت میں نہیں آتا، ان کے اندر سے جواب آتا ہے کہ الحمدللہ ہم اس سے غافل نہیں ہے، ایسے لوگوں کو جنت کے بلند درجات اور قرب الٰہی کے اعلیٰ مقامات کی طرف مسابقت کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ان بلند مقامات کے الطاف و انوارات، عجائب و برکات کا تذکرہ انہیں اس راستے پر نہیں ڈالتا جس سے منزل تک رسائی حاصل ہو، وہ صرف تمناؤں اور سرسری دعاؤں سے ہی ان تذکروں کا حق ادا کر دیتے ہیں، یہ سب اس لئے کہ ہمت میں کوتاہی ہے، ان کی ہمت میں وہ وسعت و طاقت اور بلندی نہیں ہے جس سے آفاق گیری کے ولولے پیدا ہو، اور ایک بہت بڑا ہدف طے کر کے اس کی طرف دوڑ لگانے کی کوشش ہو۔

عالی ہمتی اور بلند حوصلگی جس کو نصیب ہو جاتی ہے اس میں گویا جذبات کا ایک ایسا بحر متلاطم پنہا ہوتا ہے جو ہر چیز پر چھا جانے لئے بے قرار ہو، وہ جس منزل پر پہنچتا ہے **ھل من مزید** کا نعرہ لگاتا ہے، کسی بلند سے بلند منزل تک پہنچنے کے باوجود اس کا ضمیر اس کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے

مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں ✿ خودی کی یہ ہے منزل اولیں
طلسم زمان و مکاں توڑ کر ✿ بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر

یہ وہ نہیں جو ایک دو قطرے پی کر نشے میں آ جاتی ہے، چند اعمال پر نظر جانے لگتی ہے، بلکہ اس کی

شان یہ ہوتی ہے کہ سمندر پی کر بھی پیاس نہیں بجھتی، بے قراری کا یہ عالم کہ پورے دن کی مشغولی بھی اس کی بے چینی کو تسکین کا سامان فراہم نہیں کرسکتی۔

''زندگی کی قدر'' کے لئے ہم جس منزل کا انتخاب کریں اس میں اپنی علوّ ہمت کا ثبوت دیں، کیوں کہ معمولی منزل پر قناعت کرنا، چند قطروں سے مست ہوجانا، تھوڑے بہت اعمال پر مطمئن ہوجانا اپنی موجودہ حالت پر قرار آجانا جواں مردوں کے لئے عار ہے۔

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر ✽ چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ✽ تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا ✽ کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

بہترین نمونہ

ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مناسب کونسا نمونہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند ہمتی اور اللہ تعالی کی تعلیم دیکھئے، اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول کو حکم فرمایا:

فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب۔

''پس جب آپ فارغ ہوجائیں تو محنت کیجئے، اور اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے''۔

دعوت و تبلیغ کے فرائض اور رسالت کی ذمہ داریاں کچھ کم نہ تھیں، پورے دن کی فکری اور عملی قوتیں بندگان خدا کو راہ راست پر لانے اور ان کو شریعت کے مزاج و مذاق سے واقف کرنے اور تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں پیش آنے والے موانع کو رفع دفع کرنے کے لئے لگتی تھیں، ایک بالکل جاہل بلکہ انسانیت سے بھی عاری قوم کو ایک سماوی دین کا علمبردار بنانا اور دیگر قوموں کے لئے ایک مکمل اور معیاری نمونہ تیار کرنا جس مشقت اور مجاہدے کا متقاضی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس قدر مشقت اور تکان کے باوجود اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ

دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں سے فارغ ہوکر آرام کا خیال خاطر میں نہ لائیے، بلکہ آپ باقی اوقات میں دوسری عبادات میں مشغول ہوکر اپنے آپ کو تھکائیں، اور کب تک اور کتنا تھکانا ہے اس کی کوئی حد نہیں بتائی ہے بلکہ فرمایا کہ اپنا ہدف قرب الٰہی کو بنایئے، اور جس طرح قرب الٰہی کے درجات کی کہیں انتہا نہیں آپ کے جدوجہد اور محنت ومشقت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ہر منزل پر پہنچ کر اگلی منزل تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں لگنا چاہئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کو اتنا تھکاتے اور اتنا طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک متورم ہوجاتے، کبھی آرام فرمانے کے لئے بستر پر تشریف لے جاتے، لیکن پھر بے قرار ہوکر اٹھ جاتے اور مصلی پر اپنے رب کے سامنے راز ونیاز میں مشغول ہوجاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ اس قدر کیوں مشقت اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالی نے آپ کی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کو بھی چاہئے کہ آپ کی سیرت کو اختیار کرتے ہوئے فرصت کے اوقات میں عبادت اور آخرت کی تیاری میں خود کو تھکائیں، تھکانے کا مطلب یہ ہے کہ چند اعمال پر قناعت نہ کریں، بلکہ جب تک تھکن کا احساس نہ ہو وہاں تک بلند مراتبِ قرب کی طرف رغبت کرنے سے عاجز نہیں ہونا چاہئے۔

مسارعت ومسابقت

زندگی میدان عمل ہے، اس میں اللہ کی طرف دوڑ لگانی چاہئے، قرب الٰہی کے مراتب لامحدود ہیں، اور زندگی محدود اور مختصر ہے، اس مختصر زندگی میں جس نے تیز رفتاری سے مسافت قطع کی وہ اعلی مراتب تک ترقی کرے گا، جنت کی نعمتوں کے لئے اور اس کے بلند درجات کے لئے جس قدر بھی حرص کی جائے کم ہے، اللہ تعالی اپنے بندوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ آل عمران: ۱۳۳

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف دوڑ و جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ الحدید: ۲۱

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے (یعنی اس سے کم کی نفی ہے زیادہ کی نفی نہیں)۔

جنت کی طرف دوڑ لگانے والے، امور آخرت میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنے والے اللہ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ﴾ الواقعة

''اور جو سبقت لے جانے والے ہیں وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے، وہی ہیں جو اللہ کے خاص مقرب بندے ہیں، وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے، ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا، اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے''۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ المؤمنون ۶۱

''یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی اُن کے لئے آگے نکلنے والے ہیں''۔

قرآن کریم نے جنت کے درجات اور ان کی عمدہ نعمتوں کا ذکر کھول کھول کر بیان کیا ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ انسان اس کی طرف دوڑ لگائے، اس کی طرف سبقت کرے، بے شک و

شبہ جنت ہی اس لائق ہے کہ اس کے لئے دوڑ لگائی جائے، اس کی طرف آگے بڑھنے کی حرص کی جائے، اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

''اوراسی میں حرص کرنے والوں کوحرص ورغبت کرنی چاہئے''

پس نیک اعمال کی طرف دوڑنا، اللہ کی خوشنودی والے کاموں کی طرف لپکنا اوران میں رغبت کرنا اپنی زندگی کا مقصود بنا دینا چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سستی وکاہلی اور غفلت وخدا فراموشی سے اپنا دامن زندگی کو بچانا چاہئے، حضرت تھانویؒ ایک وعظ میں فرماتے ہیں: صاحبو! وطن جارہے ہو اور اتنی سست رفتار کہ بیٹھ بیٹھ کر چل رہے ہو، صاحبو! سستی نہ کرو، تیزی کے ساتھ چلو، تمہارا اصلی وطن آگے ہے، تم دنیا میں کہاں پھنسے رہ گئے اس کے ساتھ کیوں دل لگایا۔ (انفاسِ عیسیٰ)

اسلام کا حسن

آدمی کے اسلام کوحسن وکمال تک پہنچانے والی ایک چیز لایعنی کوترک کرنا ہے، جب کوئی بندہ لغو اعمال وافعال، افکار وخیالات اور بے فائدہ حرکات سے اعراض کرتا ہے تب ہی وہ کامل مومن شمار ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **من حسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنیہ۔** (مشکوۃ) ''آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہراس چیز کو چھوڑ دے جس میں اس کو (دینی یا دنیوی) کوئی فائدہ نہیں ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے کامیاب مومن کی صفات میں فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المؤمنون)

''بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جونماز میں عجز ونیاز کرتے ہیں، اور جو بیہودہ

باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں''۔

لغویات میں وہ تمام اعمال واقوال اور خیالات وتفکرات شامل ہیں جن میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو اور نہ دنیوی، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لغو اس کام کو اور ایسی بات کو کہتے ہیں کہ اگر وہ کام نہ کیا جائے یا وہ بات نہ کہی جائے تو کوئی گناہ نہ ہو، اور اس کو فی الحال یا مستقبل میں کوئی نقصان نہ ہو، جیسے کسی نے سفر کیا، اور سفر کے بعد دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر سفر میں جو کچھ دیکھا حسین پہاڑ، دلکش نہریں، کھانے پینے اور پہننے کی نئی چیزیں بیان کرنے لگا، تو یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ بیان نہ کی جاتیں تب بھی کوئی نقصان ہونے والا نہیں تھا، اس لئے یہ لغو کام ہے، اور وقت کی بربادی ہے، اگر اس وقت کو تسبیح یا کسی ذکر میں صرف کرتا تو جنت میں لمبے اونچے درخت اور خوبصورت صاف شفاف محلات تیار ہوتے۔ (ماخوذ از مرقاۃ)

اگر فرصت سے اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے تو لایعنی مشاغل کے بجائے کوئی کارآمد مشغلہ تلاش کرنا چاہئے، سب سے بہترین مشغلہ عبادت ہے جو کہ انسان کا مقصد حیات ہے، حضرت عمار بن یاسرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے: **كفى بالعبادةِ شغلًا (المقاصد الحسنة)** ''مشغولی کے لئے عبادت کافی ہے''۔

بدنما داغ

جہاں مقاصد جلیلہ کی طرف توجہ کرنا انسانیت کے لئے ایک کمال ہے کیوں کہ وہ بلند ہمتی کا نتیجہ ہوتا ہے، وہیں معمولی مقاصد میں کھوجانا آدمیت کے لئے ایک بدنما داغ ہے، کیوں کہ جو طبیعت پستی مائل ہوتی ہے اسے بلند مقاصد کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا، اس کے متعلق حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں دوٹوک الفاظ میں مذمت ملتی ہے، فرماتے ہیں:

اگر کسی آدمی کے اندر حقیقی کمالات پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ خود بہ خود فضولیات اور عبث

سے بیگانہ ہو جاتا ہے، اس کو رسمیات کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی، اور میں تو جس کو بناؤ سنگار اور چٹک مٹک کرتا ہوا دیکھتا ہوں فوراً ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ شخص کمالات سے کورا ہے، جب ہی تو عبث اور فضول کی طرف متوجہ ہے، اور اکثر تجربہ سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے، اہل کمال کو اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اور ایک مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں:

میں جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس و پوشاک میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں، ایک یہ کہ یہ نکمّا آدمی ہے، دوسرے یہ کہ بہت پست حوصلہ ہے، کیوں کہ اگر یہ کام کا ہوتا اور کسی بڑے مقصد کی طرف اس کی نظر ہوتی تو اس میں وقت ضائع نہ کرتا۔

آپؒ کے ملفوظات میں یہ بھی ہے:

سادگی علو اور عظمت کی دلیل ہے، میں جب کسی کو بنا ٹھنا دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ نہایت پست خیال شخص ہے، اگر بلند ہمت ہوتا تو اس کو فرصت ہی نہ ملتی۔۔ جو لوگ ہر وقت مزین اور آراستہ رہتے ہیں اکثر ان میں عقل اور بیداری نہیں ہوتی، کیوں کہ توجہ ایک ہی طرف ہوتی ہے، یا تو جسم کو آراستہ کرلو یا قلب کو آراستہ کرلو۔ (آداب المعاشرۃ ۲۵۹)

کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا کرنے والی نوائے اقبالؒ سنئے:

ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول * غنچہ سا غافل تیرے دامن میں شبنم کب تلک

جب تیرے بازو میں ستاروں تک پرواز کرنے کی طاقت ہے تو شاخسار میں کیوں الجھ گیا،

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغ چمن کب تک * تیرے بازو میں ہے پروازِ شاہین قہستانی

عجیب بات ہے کہ لوہا تو موجود ہے لیکن تیرے مقناطیس میں کشش نہیں:

تیرا اے قیس کیوں کر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا * کہ لیلا میں تو اب تک ہے وہی اندازِ لیلائی

ہمارا معاشرہ اور وقت

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جنہوں نے اپنی زندگی کو ٹھکانے لگا دیا، ایک نظر ہم اپنے حال پر کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا معاملہ وقت کے ساتھ بڑا افسوس ناک ہے، عام طور پر اس کے ساتھ لوگوں کا معاملہ بڑی ناقدری کا ہے، چوبیس گھنٹے میں کتنے گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم بے کار نکال دیتے ہیں، سال میں کتنے دن بے سود نکل جاتے ہیں، بازاروں اور ہوٹلوں پر مجلس جما کر بیٹھنا ہمارے معاشرے کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے، آج کل چیزوں کی مہنگائی کا بڑا شکوہ کیا جاتا ہے، لیکن وقت جو انمول چیز ہے اس کو اس قدر سستا سمجھ لیا ہے جیسے کوئی چند ٹکوں کی چیز ہو، ہمارے یہاں دس روپئے کے برابر بھی وقت کی قدر نہیں ہے، دس روپئے ضائع ہونے پر دل میں اتنا خیال تو آتا ہے کہ میرا کچھ نقصان ہو گیا اگر چہ اس کو معمولی سمجھ کر اس کا زیادہ غم نہ کرے، لیکن وقت جیسی انمول چیز ضائع ہونے پر نقصان کا احساس بھی دل پر نہیں گزرتا، ابن جوزیؒ کے کلام میں کس قدر سچائی ہے! آپؒ لکھتے ہیں: اکثر لوگ وقت کو بیکار کاموں میں ضائع کرتے ہیں، میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ لوگ عجیب طریقے سے وقت کو نکال دیتے ہیں، اگر رات کو دیر تک بیدار رہتے ہیں تو ایسی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں جن کا کوئی حاصل نہیں، اور صبح دیر تک سوتے ہی رہتے ہیں، اور دن کے باقی حصوں میں سیر گاہوں اور بازاروں اور نہروں پر نظر آتے ہیں۔ (قیمۃ الزمن)

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا * کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حد تو یہ ہے وقت کو نکالنے کے لئے بے فائدہ مشاغل کو تلاش کیا جاتا ہے، بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اپنے فارغ اوقات میں اچھے کاموں کی تلاش میں رہتے ہوں، اور اگر کبھی وقت ضائع ہو گیا تو دل نے ملامت کرتا ہو، ایسے لوگوں کو اگر تلاش کیا جائے تو سینکڑوں میں بھی ایک ملنا مشکل ہے، ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ کبریت احمر کی طرح نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

وقت ضائع ہونے کی وجوہات

ایمان ویقین کی کمزوری

آخرت کے وعدوں پر جیسا ہونا چاہئے ویسا یقین نہیں ہوتا ہے،جس طرح دنیا کے کسی کام پر دنیوی نفع سامنے ہوتا ہے اوراس کے ملنے کا یقین ہوتا ہے ایسا یقین اوراستحضار دینی کاموں میں نہیں ہوتا، یہ یقین کی کمزوری وقت کوآخرت کی تیاری میں لگانے اوراس کی نعمتیں حاصل کرنے کی کوشش کرنے سے مانع بنتی ہے،کسی انسان کووعدوں کا پورا یقین ہواور یہ جان لے کہ ایک سکنڈ میں ایک بہت بڑا درخت لگ جاتا ہے اور پورے دن میں اور پورے مہینے میں تو جنت کے بہت زیادہ اور بہت بڑے انعامات حاصل کئے جاسکتے ہیں اس کے لئے ایک ایک سکنڈ کی قیمت دنیا کے دراہم ودنانیر سے بڑھ جائے گی، پھر دنیا کے بجائے اخرت کے کاموں میں لگنا پسند کرے گا، حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کونصیحت کرتے ہوئے فرمایا: یا بنی! **العمل لا یستطاع الا بالیقین ومن یضعف یقینه یضعف عمله** ۔(اے بیٹے! یقین ہی سے عمل پرقوت ملتی ہے،اور جس کا یقین کمزور ہوتا ہے اس کا عمل بھی کمزور ہوجاتا ہے)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

ان الناس لم یؤتوا فی هذه الدنیا خیرا من الیقین والعافیة فسلوهما الله تعالی۔

’’بیشک لوگوں کواس دنیا میں یقین اور عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی، پس اللہ تعالی سے یقین اور عافیت مانگا کرو‘‘۔(مسند احمد)

عافیت کے بغیر دنیا کا کام نہیں ہوسکتا،اوریقین کے بغیر آخرت کا کام نہیں ہوسکتا،مذکورہ حدیث پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: صدق رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالیقین طلبت الجنة، وبالیقین هرب من النار وبالیقین اوتیت الفرائض وبالیقین صبر علی الحق (بیهقی) ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا،یقین ہی کی وجہ سے جنت طلب کی جاتی ہے،یقین

ہی کی وجہ سے جہنم سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یقین ہی کی وجہ سے فرائض ادا کئے جاتے ہیں، اور یقین ہی کی وجہ سے حق پر صبر کیا جاتا ہے''۔

حضرت حسن بصریؒ کا یہ بھی فرمان ہے: ما ایقن عبد بالجنة والنار حق یقینهما الا خشع ووجل، وذل واستقام، واقتصر حتی یأتیه الموت۔ (الیقین) ''جب بندہ جنت وجہنم کا ایسا یقین کرتا ہے جیسا کہ یقین کا حق ہے تو وہ خشیت وتقوی سے مزین، تواضع کا پیکر، استقامت کا پہاڑ اور قناعت کا عادی بن جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے''۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا * تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

بے فکری

وقت کی بربادی کا ایک سبب بے فکری کا مرض ہے، وقت کیا چیز ہے، اس کی کیا قیمت ہے، اس میں کتنے بڑے فوائد مخفی ہیں، ان باتوں کو سوچنے کی نوبت ہی نہ آئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وقت غفلت کی رَو میں بہہ جائے گا، جب تک ذہن نفع ونقصان سے بے پرواہ ہوگا اور لذت نشو ونما اور تقاضائے خود افزائی سے محروم ہوگا اس وقت تک کچھ حاصل ہونے کی امید بے کار ہے، جب دماغ اپنے منافع کے حصول کے لئے مستعد نہ ہو تو ترغیب وترہیب کی عبارتیں اور حکمت بھری باتیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں، اندر کا تقاضا نہ ہو تو کلی پھول نہیں بن سکتی:

کلی زورِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی * جہاں ہر شے ہو محروم تقاضائے خود افزائی

بے فکری کا نتیجہ ذلت وپستی، حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں، یہ آدمی کو نکما بنا دیتی ہے، آدمی کی عظمت ورفعت پر بے فکری ایک بدنما داغ ہے، اس کے اعلی مقاصد کی راہ میں سنگ گراں ہے۔

لمبی امیدیں

لمبی زندگی کی امید، یا زندگی میں لمبی امیدیں دونوں اوقات کے ضائع ہونے کا سبب

ہیں، جب دل میں نیک عمل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو نفس یہ بہانہ کرتا ہے کہ ابھی زندگی باقی ہے، ابھی آرام کر، بعد میں خوب محنت کرکے زندگی کا حق ادا کردینا، اور زندگی میں لمبی امیدیں بھی مقصد سے ہٹا کر فضول کاموں میں لگا دیتی ہیں، اور کبھی انسان نیک ارادوں سے بھی محروم ہوجاتا ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں: طُولُ الأملِ یُنْسِي الآخِرةَ۔ ''لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں''۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں: لَایَزَالُ العبدُ مَقرونًا بِالتواني مَا دامَ مُقیمًا علی وعدِ الاماني (الزهد الكبير) ''بندہ اس وقت تک سستی میں مبتلا رہتا ہے جب تک اس کا قیام امیدوں پر رہتا ہے''۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے: مَاأطالَ عبدٌ الأملَ إلا أساءَ العَملَ۔ ''جو بندہ لمبی امیدیں کرتا ہے وہ اپنے اعمال کو خراب کردیتا ہے''۔

محمد بن ابی توبہ کہتے ہیں کہ حضرت معروف کرخیؒ نے نماز کھڑی کی اور امامت کے لئے مجھے آگے کیا، میں نے عرض کیا کہ یہ نماز تو میں پڑھا لوں گا لیکن پھر کسی نماز میں امام نہیں بنوں گا، اس پر حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا: وَأَنتَ تحدّث نَفسكَ أَن تصَلّي صَلاة أُخْرى؟ نَعوذُ بِالله مِن طُولِ الأَملِ فَانه یمنعُ خَیرَ العَملِ۔ ''تو کیا آپ یہ خیال کررہے ہیں کہ آپ دوسری نماز پڑھیں گے؟ (کیا معلوم اس سے پہلے موت آجائے) ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں لمبی امیدوں سے، اس لئے کہ یہ نیک اعمال میں رکاوٹ بنتی ہیں''۔

درد کا درماں

کفی بالموت واعظا، یعنی موت کے بعد کسی واعظ کی ضرورت نہیں، اگر انسان موت کے احوال پر غور کرے کہ موت کے لئے نہ کوئی زمانہ متعین ہے اور نہ کوئی حالت اس کے لئے خاص ہے، وہ بچپن میں بھی آسکتی ہے اور عنفوان شباب میں بھی پکڑ سکتی ہے، اور جس طرح وہ بیماروں کو پکڑتی ہے تندرست کو بھی اپنے چنگل میں لے سکتی ہے، تو لمبی امیدوں کے لئے دل میں کوئی گنجائش

باقی نہیں رہے، عربی شاعر اس مضمون کو اس طرح گنگناتا ہے:

تزود من التقوی فانک لا تدری اذا جن لیل ھل تعیش الی فجر

فکم من صحیح مات من غیر علۃ وکم من علیل عاش حینا من الدھر

وکم من صبی یرتجی طول عمرہ وقد نسجت اکفانہ وھو لا یدری

وکم من عروس زینوھا لزوجھا وقد قبضت روحا ھما لیلۃ القدر

''تقوی کو سفر آخرت کے لئے زادراہ بنا لیجئے، کیوں کہ آپ کو کیا خبر کہ رات کے چھا جانے کے بعد صبح تک آپ کی زندگی رہے گی یا نہیں، کتنے صحیح سالم لوگ بغیر کسی بیماری کے لقمۂ اجل بن گئے، اور کتنے بیمار مدت دراز تک زندہ رہے، کتنے بچے ایسے ہیں جن کے عمروں کی درازی کی امید کی جاتی ہے جبکہ ان کا کفن تیار ہو چکا ہوتا ہے اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا، کتنی دلہنیں ایسی ہیں جن کو ان کے شوہروں کے لئے آراستہ کیا گیا جبکہ لیلۃ القدر میں ان کی موت کا فیصلہ ہو چکا تھا''۔

حضرت عون بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: **ما انزلَ الموتُ کنهَ منزِلته منْ عدَّ غدًا مِنْ أجلهِ، وَکَمْ مستقبلٍ یَوما لا یَستکملُهُ، وَکَمْ مُؤمّلٍ لِغدٍ لا یدْرکهُ، لو رَأیتمُ الاجلَ ومسِیرهُ، لابغضتمُ الاملَ وَغرورَهُ۔** ''جو شخص آنے والے کل کو اپنی زندگی میں شمار کرتا ہے وہ موت کے حقیقی مقام کو نظرانداز کر رہا ہے، آج کے دن کو پانے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو مکمل نہیں کر سکے، اور آئندہ کل کو پانے کی امید رکھنے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو نہ پا سکے، اگر تم موت اور اس کی رفتار کو دیکھ لو تو امیدوں سے اور اس کے دھوکے سے تم خود نفرت کرنے لگو''۔

پس جب موت نہ کسی عمر کی پابند ہے اور نہ کوئی حالت اس کی آمد کے لئے ضروری ہے، وہ ہر حال میں ہر وقت آسکتی ہے تو کسی عمل کو بعد میں کرنے کے ارادہ سے مؤخر کرنا دانشمندی کے خلاف ہے، آدمی کو سوچنا چاہئے کہ یہ میری زندگی کا آخری دن ہے، حضرت ابن عمرؓ کا قول پہلے

گذر چکا ہے کہ تو صبح کرے تو شام کا خیال دل میں مت لا، اور شام کرے تو صبح کا تصور چھوڑ دے۔

اعمل لدنیاک کأنک تعیش ابدا * واعمل لآخرتک کأنک تموت غدا

''دنیا کے لئے اس طرح عمل کر جیسے تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور اپنی آخرت کے لئے اس طرح عمل کر گویا کل ہی تجھے موت آئے گی''۔

کسی حکیم نے کہا ہے کہ امیدوں کا بندہ نہ بن، کیوں کہ امیدیں مفلس لوگوں کا سرمایہ ہیں، اور کسی دانا کا قول ہے: امیدوں سے بچوں، کیوں کہ امید احمقوں کی وادی ہے جہاں وہ اترتے ہیں، واللہ! امیدوں میں نہ تو دنیا کی بھلائی ہے نہ آخرت کی، شاعر کہتا ہے:

ولاأُؤخر شغل الیوم عن کسلٍ * إلی غد إن یوم العاجزین غد

''میں آج کے کام کو سستی وکاہلی کی وجہ سے کل تک مؤخر نہیں کرسکتا، کیوں کہ ''کل'' تھکے ہارے اور عاجز لوگوں کا دن ہے''۔

یا عامرًا الخراب الدّار مجتهدا * بِاللہ هل لخراب العمر عمرانُ

دع التکاسل فی الْخیرات تطلبها * فلیس یسْعد بالخیرات کسلانُ

لاتغترر بشباب ناعم خضل * فکم تقدم قبل الشیب شبّانُ

سوف کا فریب

سوف (بعد میں کروں گا) بہت بڑا دھوکہ اور نفس وشیطان کا پھندا ہے جس میں آسانی سے لوگوں کو پھنسا دیتا ہے، ابن جوزیؒ نقل کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ملی ہے: انّ اکْبر جُنودِ إبلیسَ سوفَ ''سوف ابلیس کے لشکروں میں سب سے بڑا لشکر ہے''، وعدۂ فردا کے پانی سے احساسِ زیاں کی سوزش کو ختم کردیتا ہے، جب درد کا احساس نہ رہا تو علاج کیسے ہوگا، اسی کی آڑ میں آدمی اپنی شکست کو چھپاتا ہے، انسان کی بہت سی ناکامیوں، حماقتوں اور غفلتوں کا ذمہ دار

’’کل‘‘ کا لفظ ہے، ابھی تو جوانی ہے، ابھی زندگی باقی ہے، ان خیالات سے شیطان نے ایسی ضرب لگائی کہ پھر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آئی اور وقت موعود آ پہنچا، اسی لئے بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ دشمن کے اس حربے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ہے: اِحْذَرُوا سَوْفَ (سوف سے بچ کر رہنا)۔

قبیلۂ عبد قیس کا ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیں کچھ آخری نصیحت کیجئے، اس نے کہا: أَنْذَرْتُكُمْ سَوْفَ (میں تم کو ’’سوف‘‘ سے ڈراتا ہوں)۔

ابن جوزیؒ نے کسی عمل کو کل پر ٹالنے کی مثال دی ہے جیسے کوئی شخص ایک تن آور درخت کاٹنے کے لئے گیا، لیکن زیادہ محنت دیکھ کر اس نے اس کام کو ایک سال تک ٹال دیا، اور یہ سوچ کر چلا گیا کہ میں ایک سال کے بعد آ کر اس کو کاٹوں گا، لیکن ایک سال کے بعد یہ درخت اور زیادہ مضبوط ہوگا، اور وہ شخص ایک سال کے بعد حال کی بہ نسبت کمزور ہو جائے گا، پھر اس وقت مشقت زیادہ ہوگی، بہت سے لوگ کام کو مستقبل پر ٹال کر ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ کام کو ٹالنے سے مشقت بڑھتی ہے۔

تن آسانی

تن آسانی بھی انسان کی زندگی کی بربادی کا ایک سبب ہے، محنت سے پیچھے ہٹنا، جدوجہد کرنے سے جی چرانا اور آرام وراحت کے مواقع تلاش کرتے رہنا ایسی صفت ہے جو ہلاکت کے لئے کافی ہے، بدن کی راحت میں لگا رہنے والا انسان کسی بھی بڑے کارنامے کو انجام نہیں دے سکتا ایسا انسان کسی بھی اچھے کام اور بہترین عمل پر سوتے رہنے اور بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتا ہے، اس کو سختئ منزل سے اور راستے کی صعوبتوں سے وحشت ہوتی ہے، اقبالؒ کا نوحہ سنئے:

جو سختئ منزل کو سامان سفر سمجھے ✵ اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی

تن آسانی انسان کو حیوانیت کی سرحد سے ملا دیتی ہے، حیوانات کو سوائے کھانے پینے اور

سونے کے اور کچھ کام نہیں ہوتا، ان کی ساری محنت حال ہی کے لئے ہے، وہ مستقبل کی کامیابی کو سوچ کر کسی طرح کا قدم نہیں اٹھاتے، یہ انسان کی خاصیت ہے کہ وہ مستقبل کی کامیابی کے لئے زمانۂ حال کے راحت وآرام کو ترک کر کے کام میں مصروف رہتا ہے، شعر:

یا خادم الجسم کم تسعی لخدمتہ ✲ وتطلب الربح بما فیہ خسران

علیک بالنفس فاستکمل فضائلھا ✲ فانت بالنفس لا بالجسم انسان

''اے بدن کے پیچھے محنت کرنے والے! کب تک اس کی خدمت میں لگا رہے گا، اور نقصان کی جگہ سے نفع کی توقع رکھے گا، تو اپنے نفس کی طرف توجہ کر اور اس کے اچھے صفات کو کمال تک پہنچا، کیوں کہ تو نے نفس کی وجہ سے انسانیت کا رتبہ پایا ہے جسم کی وجہ سے نہیں''۔

محنت کرنے والا بدن بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَربع من أعطيهن فقد أعطي خير الدُّنيَا وَ الْآخِرَةِ، قَلْبٌ شَاكِرٌ وَلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيهِ خَوْنًا فِي نفسهَا وَ لَا ماله۔ (مشکوۃ)

''چار چیزیں جس کو مل گئیں اس کو دنیا وآخرت کی تمام خیر مل گئی، شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، احکامات شرعیہ اور مصائب کونیہ پر صبر کرنے والا بدن، اور ایسی بیوی جو اپنی ذات میں اور شوہر کے مال میں خیانت کا موقع تلاش نہ کرے''۔

انسان کے لئے تن آسانی اور راحت طلبی راہزن طریق ہے؛

رہزنِ ہمت ہوا ذوق تن آسانی تیرا ✲ بحر تھا صحرا تو، گلشن میں مثلِ جو ہوا

یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا میں آرام اسی کو ملتا ہے جس میں دو بڑے عیب ہوں، بے عقلی اور بے حسی، دنیا میں دانشمند اور حساس آدمی کو کبھی سکون نہیں ملتا، وہ ہمیشہ کمال کی طرف بڑھنے اور خود کو عیوب ونقائص سے اور اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ہر وقت فکر مند رہتا

ہے، گویا آرام وراحت اور ظاہری و باطنی کمالات ان دونوں میں تضاد ہے، پس دنیا میں جو آرام کا طالب ہوا سے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ خلل کہاں واقع ہوا ہے۔

جس قدر بلندیاں مطلوب ہوتی ہیں اسی قدر قربانیاں شرط ہیں، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النارِ نَامَ هَارِبُهَا وَ لَا مِثْلَ الْجَنةِ نَامَ طَالِبُهَا۔ (ترمذی)** ''میں نے نہیں دیکھی جہنم جیسی کوئی چیز جس سے بھاگنے والا سو گیا ہو، اور نہ جنت جیسی کوئی چیز جس کا طلب گار سو گیا ہو''۔

بقدر الکد تکتسب المعالی ✲ من طلب العلی سهر اللیالی
من رام العلی من غیر کد ✲ اضاع العمر فی طلب المحال

''بلندیاں بقدر محنت حاصل ہوتی ہیں، بلند مقامات کا طالب راتوں کو جاگتا ہے، جس نے بغیر محنت کے مقام بلند کی خواہش کی اس نے محال چیز کی طلب میں عمر ضائع کر دی''

یہی قانون فطرت ہے کہ قربانی و محنت کے بعد کسی چیز کا جمال و کمال آشکارہ ہوتا ہے، لوہے کو گھسا جاتا ہے تب اس میں چمک پیدا ہوتی ہے، کسی بھی دھات کو آگ میں گرم کر کے اس کو خوبصورت شکل میں ڈھالا جاتا ہے، دانہ جب زمین میں ڈالا جاتا ہے تب اس سے کھیتی لہلہاتی ہے، اور باغات تیار ہوتے ہیں، ہر چیز قربانی دینے کے بعد قیمتی بنتی ہے، پس؛

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے ✲ کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

جو زندگی کے میدان میں دوڑ لگانے کی کوشش کرتا ہے وہ خالق ومخلوق کا پیارا ہوتا ہے،

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے ✲ جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

محنت وکوشش سے پہلوتہی دامنِ حیات پر شکست کا داغ ہے؛

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی ✲ اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست

عشرتِ امروز

انسان کی طبیعت لذت حاضرہ کی طرف مائل ہوتی ہے، وہ موجودہ لذت وسرور کی خاطر بعد میں ملنے والے بڑے منافع بھی کھو دیتا ہے، کتنی کھانے کی چیزیں نقصان دہ ہے لیکن وقتی لذت کی خاطر انسان ان کو کھاتا ہے اور مستقبل کا نقصان برداشت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے، یہی طبیعت انسان کو آخرت کے اعمال میں لگنے سے مانع بنتی ہے، اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾

’’ہرگز نہیں، پر تم چاہتے اس کو جو جلد آئے، اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے‘‘۔

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا﴾

’’یہ لوگ چاہتے ہیں جلدی ملنے والے کو، اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو‘‘

ان آیات میں اللہ نے انسانوں کی اس خصلت کی برائی بیان کی ہے کہ وہ جلدی ملنے والے نفع کو ترجیح دیتے ہیں اور بعد میں ملنے والے نفع کو نظر انداز کردیتے ہیں، چاہے وہ جلد ملنے والے نفع سے بدرجہا بہتر ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے اللہ نے اس کو عجول (بڑا جلد باز) فرمایا، کہیں فرمایا کہ اس کی پیدائش ہی گویا جلد بازی سے ہوئی ہے، علامہ اقبالؒ نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

نہ مجھ سے کہہ کہ اجل ہے پیام عیش وسرور ✵ نہ کھینچ نقشۂ کیفیتِ شرابِ طہور
فراق حور میں ہو غم سے ہمکنار نہ تو ✵ پری کو شیشۂ الفاظ میں اتار نہ تو
مجھے فریفتۂ ساقی جمیل نہ کر ✵ بیان حور نہ کر، ذکر سلسبیل نہ کر
مقام امن ہے جنت، مجھے کلام نہیں ✵ شباب کے لئے موزوں تیرا پیام نہیں
شباب آہ! کہاں تک امیدوار رہے ✵ وہ عیش عیش نہیں جس کا انتظار رہے
وہ حسن کیا کہ جو محتاج چشم بینا ہو ✵ نمود کے لئے منت پذیر فردا ہو

عجیب چیز ہے احساس زندگانی کا
عقیدہ عشرتِ امروز ہے جوانی کا

موت کے بعد کے وہ فوائد جو آج کی کد وکاوش پر موعود ہیں اگر ذہن میں مستحضر رکھ کر نفس کو اس کی لالچ دی جائے، اور دل کو اس طرح سمجھایا جائے کہ اگر چہ ان نعمتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے قدرے انتظار کی ضرورت ہے، لیکن ان کا حصول یقینی ہے، اور حاصل ہوجانے کے بعد پھر ان میں کمی یا زوال یا فنا کا کوئی خطرہ نہیں، اور زمانہ کے گذرنے سے اس سے دل میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوگی، نعمتوں میں ترقی ہی ہوتی رہے گی اور ایسا عیش اور ایسی فرحت نصیب ہوگی جس میں کسی طرح کا غم یا خوف ملا ہوا نہیں ہوگا، خدا کی ناراضگی کا ڈر نہیں ہوگا، اس طرح سوچنے سے لازمی طور پر دل میں رغبت پیدا ہوگی، اور آخرت کی تیاری کے لئے قدم اٹھانے کی ہمت ہوگی، اس کے ساتھ دنیوی نعمتوں کا انجام پیش نظر رکھا جائے، یہ خیال کرے کہ دنیوی نعمتوں میں اگر چہ فوری طور پر تھوڑی دیر کے لئے لذت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ لذت بہت ہی جلد ختم ہونے والی ہے، کچھ وقت گذرنے کے بعد لذت کا ایسا نام ونشان ختم ہوجاتا ہے کہ گویا کبھی ہم نے اس نعمت سے فائدہ اٹھایا ہی نہیں، نیز دنیا کی لذت وسرور میں غم وخوف کی آمیزش ہوتی ہے، اس کی صفائی میں بھی کدورت ہوتی ہے، اس کی عزت بھی ذلت کے خطرات سے خالی نہیں ہوتی، قرآن کریم کی ان آیات میں غور کریں جن میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو دنیوی زندگی کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ أَتٰىهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا

اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ یونس۲۴

''دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے آسمان سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کے نباتات جس کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے، یہاں تک کہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی، اور آراستہ ہو گئی، اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں، ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا، تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں''۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ التوبۃ:۳۸

''مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے) زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو، دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں''۔

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ القصص۶۰

''اور جو چیز تم کو دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے، اور جو خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، کیا تم سمجھتے نہیں''۔

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ

الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ العنكبوت٦٤

''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔کاش یہ (لوگ) سمجھتے''۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ الكهف:٤٦

''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی زینت ہیں، اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں''۔

جب دنیوی زندگی کی یہ حقیقت ہے تو اس کی فانی لذتوں کے بہ جائے وقت کو کسی دائمی نعمت کے حصول کے لئے استعمال کرنا چاہیے، ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: انسان کو چاہیے کہ اس بات میں غور کرے کہ ایک روزہ دار شام کے وقت افطار کے لئے بیٹھا، اس کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی کھانے بیٹھا جو روزہ دار نہیں تھا، وہ دونوں اس وقت سیر ہو کر کھاتے ہیں، روزہ دار کے روزے کی تھکن بھی گئی اور روزہ نہ رکھنے والے کی راحت بھی گئی، لیکن ثواب میں دونوں کا حال بہت الگ ہو گیا، روزہ دار بڑے ثواب کا حقدار ہو گیا اور روزہ نہ رکھنے والا اس ثواب سے محروم رہا۔

ایک ابوبکر صدیقؓ بھی گذرے ہیں اور ایک ابوجہل ملعون بھی گذرا ہے، ایک کی زندگی عمل اور آزمائشوں سے پُر ہے اور دوسرے کی زندگی ہر طرح کی مذہبی قیود سے آزاد ہے، خواہشات کی پیروی ہی اس کی زندگی کا عمل ہے، لیکن موت نے ابوبکر صدیقؓ کے مصائب کا خاتمہ کر دیا اور ان کو ہمیشہ کے لئے کامیابی کا پروانہ مل گیا، دوسری طرف موت نے ابوجہل کے آرام کا خاتمہ کر دیا، اب اسے ہمیشہ کے لئے ناقابل برداشت عذاب کا سامنا ہے، دنیا میں جو اسے راحت و آرام اور آزادی کی طلب تھی اور جو اسے ملی، موت کے بعد اس سے کئی گنا بڑھ کر تکالیف و آلام

سے دوچار ہوا، پس اس بات کا دھیان رکھا جائے کہ آج کی لذت کل کی تکلیف کو جنم دے گی، آج کا آرام کل کے آلام کا مقدمہ ہے، اور آج کی محنت کل کی راحت کا سبب بنے گی۔

جنت کی لذت تمام تکلیفوں کو بھلا دے گی، دنیا میں کئے ہوئے مجاہدات کے سارے آثار مٹ جائیں گے، اصل ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوگا جیسے کبھی کوئی مجاہدہ کیا ہی نہیں تھا، دنیا میں سب سے زیادہ مصائب میں زندگی گذارنے والا اور پوری زندگی آنسو بہا کر نکالنے والا جنت میں پہنچ کر اپنی دنیوی تکلیفوں کا انکار کر دے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النارِ صَبْغَةً، ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللهِ! يَا رَبِّ وَيؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا، مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ، فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللهِ! يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ، وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ (رواہ مسلم)

’’قیامت کے دن جہنم والوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا والوں میں سب سے زیادہ خوشحال تھا، پھر اس کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہے؟ کیا تیرے پاس کبھی کوئی نعمت آئی ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! واللہ میں نے کوئی بھلائی نہیں دیکھی، اور اہل جنت میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ پریشان رہا ہوگا، پھر اسے ایک مرتبہ جنت میں غوطہ دے کر پوچھا جائے گا اے ابن آدم! کیا کبھی تو نے کوئی پریشانی دیکھی ہے؟ کیا کبھی تجھ پر شدید حالات آئے ہیں؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! واللہ میں نے کوئی پریشانی نہیں دیکھی، اور نہ کبھی مجھ پر سخت حالات آئے‘‘۔

ماضی اور مستقبل کی فکر

انسان سے کوتاہی ہو ہی جاتی ہے لیکن انسانی ضمیر زندگی کو اصل مقصد کی طرف رواں دواں کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے، کبھی کسی کتاب یا خطاب سے دل نرم ہو جاتا ہے اور اپنی آئندہ کی زندگی کو درست کرنے کا عزم کرتا ہے، ایسے وقت میں کبھی انسان اپنی پچھلی کوتاہیوں کو دیکھتا ہے تو حسرت وندامت کی کیفیت اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ مایوسی کے عالم میں چلا جاتا ہے، یہ مایوسی عمل سے فارغ کردیتی ہے، اور کبھی مستقبل کی فکر بھی انسان کو مستغرق کردیتی ہے، وہ اسی فکر میں محو رہتا ہے کہ میں آئندہ بھی راہ راست پر رہوں گا یا نہیں، میری توبہ کو دوام ملے گا یا نہیں، میں نے جو خیر کی طرف قدم بڑھایا ہے یہ بڑھتا رہے گا یا پیچھے ہٹ جائے گا، الغرض کبھی ماضی اور مستقبل کی فکر بھی انسان کو تفکرات وخیالات میں مشغول کرکے عمل سے دور کردیتی ہے۔

اکابرین نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ ماضی کی کوتاہیوں پر سچے دل سے توبہ کرلے، پھر بار بار ان کا خیال نہ لائے، اور مستقبل کی سلامتی کے لئے اللہ سے دعا کرتا رہے، اس کے علاوہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ لگے، بلکہ زمانۂ حال کو سنوارنے کی فکر کرے، صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ ماضی اور مستقبل بھی حجاب ہیں، اس کی فکر میں انسان اصل کام سے محروم رہ جاتا ہے، انسان کو حال کی فکر کرنی چاہئے، ہمارے اختیار میں فقط حال کا زمانہ ہے، اگر ماضی و مستقبل کی فکر میں لگا رہا تو حال کا زمانہ بھی بیکار جائے گا، بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ کل مر گیا، آئندہ کل پیدا نہیں ہوا، اور آج کا دن دوڑ میں لگا ہے، پس اسی کی فکر کرنی چاہئے، شعر:

نہ تو کل کے افسوس میں آج رو　　کہ کل رونے بیٹھے گا آج کو

حوادث

انسانی زندگی کا سفر ایک ناہموار راستہ پر ہوتا ہے، نشیب وفراز سفر حیات کا لازمی جزء ہے،

انسان اپنی زندگی میں بار ہا ہموم وغموم کے بھنور میں پھنستا ہے، اور بار ہا مصائب وآلام کا شکار ہوتا ہے، بہت سے انسانوں کے لئے ناگوار حالات سدراہ بن جاتے ہیں، وہ آنے والی پریشانیوں سے ذہنی طور پر تھک جاتے ہیں، اور کسی عمل کی طرف توجہ کرنا ہی نہیں چاہتے، یا اگر عمل کی طرف توجہ ہوتی ہے تو خیال کر لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ٹلنے کے بعد اعمال میں مشغول ہو جاؤں گا، اور پھر مصیبت ٹلنے کے انتظار میں اعمال سے چھٹی کر لیتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ مصائب وحالات سے انسان کو کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہوسکتا ہے، ایک کے بعد ایک مصیبت آتی رہتی ہے، پس ان حالات میں اعمال سے چھٹی کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ انسان اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دے، اس لئے ضروری ہے کہ ہموم وغموم اور مصیبت وتکلیف کے وقت بھی ہمت کر کے خود کو اعمال میں لگائے رکھنے کا عادی بنائے، اور ذہنی انتشار پر قابو پا کر خود کو اعمال کی طرف متوجہ رکھے، بادِ مخالف تو عقاب کی پرواز کو بلند کر دیتی ہے، حالات ومصائب سے انسان میں پختگی آتی ہے، اور اس کے اندر استقامت اور استقلال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے،

حادثاتِ غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال غازہ ہے آئینۂ دل کے لئے گردِ ملال

غم غفلت زدہ طبیعت کو ہوش میں لانے کا ایک سبب ہے،

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے * ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
طائر دل کے لئے غم شہپر پرواز ہے * راز ہے انسان کا دل غم انکشاف راز ہے
غم نہیں غم، روح کا ایک نغمۂ خاموش ہے
جو سرود بربط عالم سے ہم آغوش ہے

جو انسان مصائب اور غموں کے اوقات میں مناسب حالات کے انتظار میں رہا وہ نفس کی

جال میں پھنس گیا، کیوں کہ نفس ارادوں پر مطمئن کر دیتا ہے، پھر ہم نیک کام کا صرف ارادہ کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ میں اچھی حالت میں ہوں، اور زندگی کا حق وصول کر رہا ہوں۔

نتیجہ میں جلد بازی

راہ عمل پر ایک بہت بڑا خطرہ جلد بازی ہے، یہ صفت آدمی کو اعمال و کردار میں سرگرم ہونے کے بعد عمل سے دور کر دیتی ہے، ہوتا یہ ہے کہ آدمی کسی عمل کو شروع کر کے اس کے نتائج اور فوائد کے حصول میں جلد بازی سے کام لیتا ہے، اس کی یہ حرص ہوتی ہے کہ اس عمل پر جو منافع اور عمدہ نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ کم سے کم مدت میں مجھے حاصل ہو جائے، اور ان نتائج کے مرتب ہونے لئے جتنی مدت درکار ہوتی ہے اتنی مدت صبر و انتظار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے، اور عمل سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر آدمی کو دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، اول یہ کہ عمل انسان کی قدرت میں ہے، نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں، اور اللہ کا وعدہ ہے کہ آدمی کو اس کی محنتوں کا پھل اس کی نیتوں کے مطابق ضرور ملے گا، پس اپنا عمل اور اپنی نیت صحیح کر لیں، نتیجہ کی اللہ سے دعا اور امید کرنی چاہیے، اگر دنیا میں ہمارا مجوزہ نتیجہ حاصل نہیں ہوا تب بھی آخرت میں ثواب تو مل ہی جائے گا، بلکہ دنیا میں اس کا بدل نہ ملنے پر آخرت کا اجر بڑھ جائے گا، اور مومن کی نگاہ میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہی نہیں، دوسری بات یہ کہ اگر مقصود آخرت میں کوئی خاص مقام و مرتبہ یا کوئی بڑی فضیلت یا ولایت تقرب اور صلاح و تقوی میں کوئی اونچا مقام یا کوئی دینی خدمت ہے، اور جد و جہد کے باوجود وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا تو فکر کی بات نہیں، کیوں کہ اچھی نیت کے ساتھ عمل میں لگا رہنے والا شخص قیامت کے دن اپنی نیت کی وجہ سے انہیں کاملین کی جماعت میں شامل ہوگا، اور یہ بات دین میں بدیہیات کا درجہ رکھتی ہے جس کے لئے حوالہ یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔

کمال کی حرص

کمال کی حرص بھی بسا اوقات عمل سے مانع بنتی ہے، آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں اسی وقت عمل کا آغاز کروں گا جب میرے لئے عمل کو تمام نقائص سے بچاتے ہوئے کمال تک پہنچانے کی گنجائش ہوگی، پس اگر طبیعت میں سستی ہے، یا اسباب پورے مہیا نہیں ہیں، یا ذہن منتشر ہے، یا اور کوئی ایسی رکاوٹ ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی عمل میں لگ تو سکتا ہے لیکن اس عمل کو بہ حسن و خوبی انجام تک نہیں پہنچا سکتا، ایسے موقع پر وہ شخص عمل کے لئے آمادہ نہیں ہوتا جو ہمیشہ کمال کی حرص کرتا ہے، ایسے لوگ کبھی اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''جی میں یا تو کام میں لگتا ہی نہیں، اور جب لگتا ہوں تو اس کو اچھے طریقے سے انجام دیتا ہوں''، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اسی وقت سفر کرتا ہوں جب سواری بہت تیز رفتار ہو، اور اگر سست رفتار ہو تو میں سفر روک دیتا ہوں، بتائیے! یہ مسافر اپنا نقصان کر رہا ہے یا نہیں، پھر جس کو اکثر سست رفتار سواری ملے، اور تیز رفتار کبھی کبھی مل جائے اس کے لئے یہ اصول کس قدر ضرر رساں ہوگا، اگر نفس پر قابو نہ کیا جائے تو یہ سواری سست رفتار ہی ثابت ہوگا، پس کامل کی حرص میں ناقص کو ترک کرنا جہالت ہے یا فریب نفس۔

منصوبہ بندی کا فقدان

مقاصد واہداف کا کوئی تعین نہ ہو، اور ترجیح وترتیب اور تقدیم وتاخیر کے متعلق کوئی منصوبہ ذہن میں نہ ہو تو وقت برباد ہوتا ہے، ایک ڈبے میں کچھ چیزیں بے ترتیب ڈال دی جائیں تو اس میں خلا رہ جائے گا، اور اگر ترتیب سے رکھی جائیں تو خلا کم از کم رہے گا اور چیزیں زیادہ مقدار میں رہیں گی، اس کی حسی مثال سمجھئے کہ جو شخص اپنی چیزیں گھر میں بے ترتیب اِدھر اُدھر رکھ دیتا ہے، جب اس کو کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو گھر کا نقشہ قابل دید ہو جاتا ہے، بیوی تجوری دیکھ رہی ہے، بیٹی الماری میں محوِ جستجو ہے، اور جناب بھی اِدھر اُدھر پریشان ہو رہے ہیں، یہ ہے وقت کی بربادی۔

ضیاع وقت کے مواقع

موبائیل

آج کل جن چیزوں نے ہمارا وقت برباد کیا ہے ان میں سے ایک ''موبائیل'' ہے، اس کا نشہ ہم میں سے اکثر لوگوں پر ایسا چڑھ گیا ہے کہ کسی دن اس کے استعمال کے بغیر سکون نہیں ملتا، دن میں ذرا بھی اپنے کام سے فرصت ملی موبائیل ہاتھ میں آجاتا ہے، پھر انٹرنیٹ میں، یا دوستوں کے ساتھ باہمی پیغام رسانی میں ایسے منہمک ہوجاتے ہیں کہ گھنٹے نکل جاتے ہیں لیکن نہ موبائیل سے جی بھرتا ہے اور نہ وقت کی رفتار کا احساس ہوتا ہے، نہ ان میں کوئی ضروری بات ہوتی ہے اور نہ کوئی اہمیت کا حامل پیغام ہوتا ہے، کئی لوگ رات کو نیند آنے تک موبائیل میں مشغول رہتے ہیں، اور صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے موبائیل ہاتھ میں آتا ہے، کئی لوگ اپنے ساتھیوں کو نیا مسیج بھیجنے کے شوق میں انٹرنیٹ پر تلاش کرنے میں یا خود کوئی کاریگری دکھانے اور کوئی عجوبہ تیار کرنے میں بہت سا وقت برباد کرتے ہیں، کبھی خوبصورت عنوان سے بھی اس میں وقت کی بربادی ہوتی ہے، مثلا پڑھا لکھا طبقہ فضول مباحثہ کو علمی تحقیقات کا عنوان دے کر اس میں ایسا مشغول ہوتا ہے گویا وہ کوئی اہم اور ضروری مسئلہ کی تحقیق میں لگا ہو، ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جن مسائل کا کوئی فائدہ نہ ہو ان میں لمبی لمبی بحثیں ہورہی ہیں، ہر ایک اپنی فتح کا پرچم لہرانے کی فکر میں موضوع سے ایسا چپک جاتا ہے کہ اس کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، یہ شیطان کا کھلواڑ نہیں تو اور کیا ہے! کتنے دن اور کتنی راتیں اور عمر عزیز کے کتنے انمول لمحات موبائیل کی بھینٹ چڑھ گئے۔

صرف وقت کا ضائع ہونا ہی موبائیل کا نقصان نہیں ہے، بلکہ اس نے اسلامی قدروں پر جو کاری ضرب لگائی ہے، اور اسلامی اخلاق وکردار، ایمانی جذبات وخیالات اور دینی ذہنیت میں جو انقلاب اور بگاڑ برپا کیا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، ایک تصویر کشی ہی کو لے لیجئے، آج سے

تقریبا بیس سال پہلے چھوٹے بچوں کے دلوں میں تصویر کی اتنی نفرت بیٹھی ہوئی تھی کہ جب اسکول میں نصاب کی کتابیں ملتیں تو پہلے دن مسلم بچوں کا یہ کام ہوتا تھا کہ پوری کتاب میں ذی روح کی تصاویر تلاش کرکر کے ان کی آنکھیں یا پورا چہرہ قلم یا پنسل سے مسخ کردیتے، بازار سے جو چیز خرید کر گھر لائی جاتی اس پر بھی ذی روح کی تصویر برداشت نہ کی جاتی، اس پر نظر پڑتے ہی بچہ اپنا پہلا فرض یہ سمجھتا تھا کہ اس تصویر کا سر کاٹ دیا جائے، لیکن آج کا ماحول دیکھئے کہ سو میں نوّے موبائیل تصاویر سے بھرے نظر آئیں گے، ذرہ بچے کو کودتے ہوئے دیکھا کیمرہ کھل گیا، کسی نئی جگہ پہنچ گئے اپنی اور دوستوں کی تصاویر سے موبائیل بوجھل ہوگیا، اس کے علاوہ بھی دنیا بھر کے لوگوں کی تصاویر سے موبائیل کو سجا رکھا ہے، مسینجر میں اپنے پروفائل پر اپنی یا بیٹے کی تصویر رکھی ہوئی ہے، سوال یہ ہے کہ تصاویر سے شریعت نے جو نفرت پیدا کی تھی وہ کہاں گئی؟ کس وادی میں کھوگئی؟ ہاں وہ اس موبائیل کے سیلاب میں بہہ گئی، عورتوں کی تصاویر میں دوہرا گناہ ہے، عورتوں کی تصاویر دیکھنا پہلے بھی گناہ تھا اب بھی گناہ ہے، پہلے بھی یہ گناہ لوگوں سے ہوتا ہوگا، اب بھی ہورہا ہے، لیکن پہلے دیکھنے والا لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دیکھتا تھا، اگر کوئی مطلع ہوگیا تو اس پر بڑا شاق گذرتا تھا، اور شرم محسوس کرتا تھا، مطلع ہونے والا بھی دیکھنے والے کی اس حرکت سے نفرت کرتا تھا، لیکن آج لطیفوں، خبروں اور تماشوں کے بہانے بھری محفل میں عورتوں کی تصاویر اور متحرک تصاویر دیکھی جاتی ہیں، گویا اہم خبروں کے لئے عورتوں کی تصویر دیکھنے میں کوئی قباحت ہی نہ ہو، بھری مجلس میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوتا جس کے اندر ایمانی حیاء جوش میں آئے، اور وہ خود بھی دیکھنے سے شرمائے اور دوسروں کو بھی شرم دلائے، گویا شرم وحیا کی چیزوں میں اس فعل کا شمار ہی نہ ہو، ان محفلوں کی شرم وحیاء پر کس نے جھاڑو پھیر دیا، مجلسوں کو بے حیائی کی اس حد تک کس نے لا کھڑا کیا؟ اس کا ذمہ دار بھی موبائیل ہے، اللہ امت کو اس کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔

مجلس سازی

ہمارے معاشرے میں وقت کی تباہی کا ایک اہم سبب مجلس سازی ہے، دوستوں کی مجلسوں میں ہمارا بہت وقت ضائع ہوتا ہے، مجلسوں میں بیٹھنے کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ ان میں شرکت کئے بغیر دن ادھورا لگتا ہے، اتنی پابندی سے ان فالتو مجالس میں شریک ہوتے ہیں گویا اس کے بغیر کوئی دنیوی یا دینی نقصان ہونے کا اندیشہ ہو، اتنی پابندی سے کسی دینی مجلس میں شریک ہونا بھی نصیب نہیں ہوتا، مجلس میں شرکت کر کے سکون محسوس ہوتا ہے، اور گھر اور مسجد میں کڑھن سی محسوس ہوتی ہے، ابن جوزیؒ اپنے زمانے کے لوگوں کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ زندگی کی معنویت سے بے خبر ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالی نے مال دے کر طلب معاش سے بے فکر کر دیا ہے، وہ لوگ دن میں بازار میں بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں، پس وہ کتنے منکرات و آفات میں مبتلا ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل میں منہمک ہو جاتے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو سلاطین اور حکمرانوں کے واقعات و حالات اور گرانی اور ارزانی وغیرہ کے مذاکرے میں وقت گزاری (ٹائم پاس) کرتے رہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ اللہ نے زندگی کی قدر و قیمت سے ہر کسی کو آگاہ نہیں کیا۔ (قیمۃ الزمن)

پھر ان مجلسوں میں مذاق مستی، ایران تران کی باتیں، غیبت اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہوتا، گویا غیبت اور بہتان ان مجالس کی روح ہے، جھوٹ اور بے حیائی کی باتیں ان محفلوں کی زینت ہیں، زبان قابو سے باہر نکل جاتی ہے، جو کچھ دل میں آیا نکال دیا، جو چاہا بول دیا، ہمارے ایمان کی گرفت بھی اس وقت کمزور ہو جاتی ہے، کسی بات پر بھی ہمارا کمزور ایمان ہم کو ملامت نہیں کرتا، ضمیر پشیمان نہیں ہوتا، نہ دوستوں میں سے کوئی کسی منکر بات کو سن کر روکنے کی کوشش کرتا ہے،

بلکہ ان مجلسوں کا گویا دستور ہی یہی ہے کہ ہاں میں ہاں اور ہنسی میں ہنسی ملاتے جاؤ۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اب تو مجلس میں شرکت نہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے گھر میں رہتا ہے اور بازاروں اور فضول محفلوں میں شریک نہیں ہوتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی ہے، اور اس ''گناہ سے توبہ'' کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، دوستی اور قدیم تعلقات کا حق ادا کرتے ہوئے بڑی ہمدردی سے کہتے ہیں کہ جناب! پورا دن گھر میں ہی رہتے ہو کیا، کبھی باہر بھی نکلا کرو، گھر سے نہ نکلنے والے کو کمزور اور غبی اور زمانے کے حالات اور وقت کے تقاضے سے بے خبر خیال کیا جاتا ہے۔

غفلت کی نیند

جو لوگ معاش کی فکر سے بے نیاز ہیں، یا معمولی کام کے بعد فرصت ہی فرصت ہے ان لوگوں میں سے ایک بڑی تعداد نے فارغ اوقات کے لئے نیند کا انتخاب کیا ہے، جیسے ہی کام سے فرصت ہوئی بستر اور چارپائی دماغ میں رقص کرنے لگتی ہے، جس صبح کو اللہ نے امت مسلمہ کے لئے بابرکت بنایا ہے اس میں یہ عالمِ خواب کا سفر کرتے ہیں، یہ زندگی برباد کرنے والا قدم ہے، -خاکم بدہن- ائمۂ کرام میں بھی یہ غفلت نظر آتی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ جن کو اللہ نے خدمت دین کا موقع دیا اور بڑے مقام سے نوازا وہ اس غفلت میں مبتلا ہیں، صبح سے دو پہر تک سوتے رہنا خون کے آنسو رُلانے والی بات ہے، میری اس تلخ نوائی کو تنقید و تحقیر مت سمجھنا، اگر میں نے خود کو پاک اور بڑا تصور کرتے ہوئے لکھا ہے تو مجھ سے بڑا بدبخت کوئی نہیں، یہ سراسر خیرخواہی ہے، ہمیں انبیاء کرام، صحابہ اور اولیاء کی زندگی پیش نظر رکھنی چاہئے، ان کی توصیف میں قرآن کا بیان ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔ ''وہ لوگ رات کو کم سوتے تھے''۔ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ ''اُن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں''۔ فکفی بھم قدوۃ۔

حفاظت وقت کے وسائل

* فکر وتدبر : سب سے پہلے اپنے دماغ کو بیدار کرنا ضروری ہے، آدمی کی فکر عملی صلاحیتوں کے لئے مہمیز ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے بارہا قرآن کریم میں تفکر وتدبر کی دعوت دی ہے، جب دماغ سوجاتا ہے تو عملی قوتیں بھی شل ہوجاتی ہیں، اللہ نے عقل اسی لئے دی ہے کہ انسان نفع نقصان میں تمیز کرے، اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر کامیاب بنائے، غور وفکر کی عادت ایک ایسا باطنی نگہبان ہے جو اضاعت اوقات سے بچاتا ہے۔

* عزم وارادہ: قوت ارادی بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، انسان جس چیز کو ٹھان لیتا ہے اس کو انجام تک پہنچا کر رہتا ہے، اگر ہمارے اوقات ضائع ہورہے ہیں تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے اوقات کی حفاظت کا عزم اور ارادہ ہی نہیں کیا، نفس وشیطان کے خلاف فاتح بننے کا راز قوت ارادی میں پوشیدہ ہے، دنیا میں ہلچل مچادینے اور انقلاب لانے والے افراد کا بنیادی جوہر ان کی قوت ارادی تھی، اسی طاقت کو بروئے کار لاکر انسان نے ناممکن نظر آنے والے کام کو ممکن کردکھایا، پس تو بھی ''عزائم کو سینوں میں بیدار کردے''۔

* قلت اختلاط: لوگوں سے اختلاط اور ملنا جلنا کم کردینا بھی حفاظت وقت کے لئے ضروری ہے، گھر میں اور خلوت میں رہنے کی عادت بنائی جائے، حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ نجات کا کیا راستہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

املکْ علیکَ لسانکَ ولْیسعکَ بیتکَ وابکِ علی خطیئتکَ۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو، اور چاہئے کہ تمہارا گھر تمہیں گنجائش دے (یعنی اپنے گھر کو لازم پکڑو، بغیر ضرورت کے باہر مت نکلو) اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو''۔ (ترمذی)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں: **نعم صومعة الرجل المسلم بیته، یکف فیه نفسه**

وبصره وفرجه، واياكم والمجالس في السوق فانها تلغي وتلهي۔ (الزھد الکبیر)

''مومن کے لئے اس کا گھر کیا ہی اچھا عبادت خانہ ہے، جس میں وہ اپنے نفس اور آنکھ اور شرمگاہ کو گناہوں سے روکتا ہے، تم لوگ بازار میں مجلسیں لگانے سے پرہیز کیا کرو، کیوں کہ یہ مجالس لغویات اور غفلت میں ڈال دیتی ہیں''۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: هَذَا زَمَانُ السُّكُوتِ وَلُزُومِ الْبُيُوتِ۔ ''یہ خاموش رہنے اور گھروں کو لازم پکڑنے کا دور ہے''۔ دو آدمی حضرت ابوسنانؒ کے پاس آئے تو آپؒ نے فرمایا کہ تم دونوں الگ کیوں نہیں ہوتے ہو، تم دونوں کو الگ ہوجانا چاہئے اس لئے کہ تم دونوں ساتھ ہوتے ہو تو باتیں کرتے ہو اور جب الگ ہوجاتے ہو تو اللہ کو یاد کرتے ہو۔ (الزھد الکبیر)

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ اپنے اصحاب کو یہ وصیت کیا کرتے تھے: إذا خرجتم من عندي فتفرقوا، لعل أحدكم يقرأ القرآن في طريقه ومتى اجتمعتم تحدثتم۔ ''جب تم میرے پاس سے نکلو تو الگ الگ ہوجاؤ، شاید اس طرح راستے میں قرآن پڑھنے کی نوبت آجائے، اور جب مل کر جاؤ گے تو راستے میں باتیں کرو گے''۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اکثر گھر میں رہا کرتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو گھر میں اکیلے رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟ تو آپؒ نے فرمایا: كيف استوحش وانا مع النبي صلى الله عليه وآله وسلم واصحابه۔ ''مجھے کیسے وحشت ہوسکتی ہے جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ ہوتا ہوں'' (آپؒ حدیث میں مشغول رہتے تھے)۔ (الزھد الکبیر)

* لغویات سے پرہیز کرنے والوں کی صحبت: صحبت سے صفات منتقل ہوتی ہیں، پس اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو اپنے اوقات کو ضائع نہیں کرتا، اور ہر وقت کام میں لگے رہنے کو پسند کرتا ہے تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور اس شخص کو اپنا دوست بنانا چاہئے، اس

سے بہت جلد تبدیلی شروع ہو جائے گی، اور غیر محسوس طریقے سے وقت کی قدردانی کی صفت ہمارے اندر بھی منتقل ہوگی، کسی بھی اچھی صفت کو پیدا کرنے کے لئے سب سے آسان اور سب سے زیادہ کامیاب راستہ یہی ہے کہ ان صفات والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔

* اولیاء اللہ کے حالات کا مطالعہ: اولیاء اللہ کے حالات زندگی سے بھی ہمت اور ارادے میں قوت پیدا ہوتی ہے، اور دل میں حرارت اور حرکت محسوس ہوتی ہے، دل میں عمل کا تقاضا پیدا ہوتا ہے، اور آدمی اپنے گردوپیش کے ماحول سے اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے اولیاء اللہ کے حالات کا مطالعہ بھی بے حد نافع ہے۔

اور اگر کوئی ایک وقت نکال کر گھر میں چند افراد مل کر اس کی تعلیم کیا کریں تو اس سے اور زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس طرح تعلیم کرنے سے دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے، اور اس کے برکات زیادہ محسوس ہوتے ہیں، بزرگوں کے ارشادات میں بھی اس کی اہمیت ملتی ہے، یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اکابر کے یہاں خانقاہوں میں کتابوں کی تعلیم کا رواج ہے۔

لیکن خیال رہے کہ ایسے اولیاء کے حالات کا مطالعہ کیا جائے جو شریعت وسنت کے پابند تھے، ان کی ہر بات سے شریعت کی عظمت ظاہر ہوتی ہو، نیز ان کے کشف وکرامات سے زیادہ ان کے مجاہدات اور اتباع شریعت کے واقعات کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

* وقت برباد کرنے والے افراد اور ماحول سے دوری: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بعض جگہ اپنے عمل کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا ہے، مثلاً مدرسہ، مسجد یا دار المطالعہ میں کتاب کا مطالعہ یا اور کوئی کام خوبی سے ہوتا ہے، لیکن اپنے گھر پر وہ کام خوبی سے نہیں ہوتا، ذہن منتشر ہو جاتا ہے، یا کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس جانے سے یا ان کے ہمارے پاس آنے سے کام میں حرج ہوتا ہے، ایسے موقع پر انسان کو غور کر کے اپنے لئے اچھے مقام کا انتخاب کرنا

چاہئے، اور وقت برباد کرنے والوں سے دور رہنا چاہئے، اگر وہ خود ہمارے پاس آئیں تو اس وقت اخلاق ومروت دکھانے کے بجائے صاف کہہ دینا چاہئے کہ ابھی میں آپ سے نہیں مل سکتا، یہ کہہ کر اپنے کام میں مصروف ہوجانا چاہئے، ہمارے بہت سے اکابرؒ اسی طریقہ پر گامزن تھے۔

* قیود سے آزادی اور سادگی: اپنے آپ کو سادہ زندگی گذارنے کا عادی بنائیے، آدمی کا رہن سہن جتنا سادہ ہوگا، اور دل اشیاء کی محبتوں اور لمبی تمناؤں سے آزاد ہوگا اسی قدر اس میں طاقت پرواز پیدا ہوگی، ورنہ جس کی زندگی تکلفات کے احاطے میں محصور ہوجاتی ہے اور جس کی پسند کا دائرہ وسیع ہوتا ہے کہ میرے کپڑے ایسے ہوں، میرا گھر ایسا ہو، اس میں ایسی ایسی چیزیں ہوں، میرا کھانا ایسا ہو، میری سواری ایسی ہو، وہ انہیں تقاضوں کو پورا کرنے میں مقصد سے غافل ہوجاتا ہے یا عاجز ہوجاتا ہے۔

* اہداف کا تعین: وقت کو کام میں لگانے کے لئے اپنا نصب العین اور طریقۂ کار متعین کرنا ضروری ہے، یعنی میری منزل کیا ہے، اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے مجھے کونسا راستہ اختیار کرنا ہے، اس طرح مقاصد ووسائل کا تعیّن بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے، اس کے بغیر اکثر داعیہ پیدا نہیں ہوتا، اور اگر ہوگیا تب بھی کوئی دلچسپ اور مفید مشغلہ نہ ملنے سے وہ داعیہ ختم ہوجاتا ہے۔

چند اہم اعمال جو اعلی مقاصد کے لئے وسائل ہیں یہ ہیں، قرآن کی تلاوت، حدیث حفظ کرنا، معتمد علماء کے بیانات سننا، کوئی مضمون لکھنا، کسی موضوع پر مواد جمع کرنا، کتاب کا مطالعہ بہترین مشغلہ ہے، اور نیک نیتی کے ساتھ اہم ترین عبادت ہے، ایک بہترین ساتھی ہے، اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، فکر وتدبر کو نئی راہیں ملتی ہیں، سوچنے کے نئے انداز ملتے ہیں، قلب کو تازگی ملتی ہے، نیا جذبہ اور نیا حوصلہ ملتا ہے، قلب کو سخت ہونے سے بچاتا ہے، نیک کاموں میں رغبت اور برے کاموں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

* نظام الاوقات: وقت کی حفاظت کے لئے نظام الاوقات اکابر کا مجرب نسخہ ہے، نظام الاوقات سے وقت بیکار نہیں جاتا، اور اللہ کی طرف سے اس میں برکت ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ عمر بھر کے تجربہ کی ایک بات بتاتا ہوں کہ اپنے نظام الاوقات کی پابندی کرو، وقت بڑا گراں قدر سرمایہ ہے، اگر وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس پر مداومت حاصل کر لی تو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا، حضرت اپنے معمولات وقت پر ادا کرنے کی ایک مثال تھے، حتی کہ ایک مرتبہ آپ کو تلاوت میں مشغول دیکھ کر ایک طالب علم اپنی گھڑی اس بنیاد پر درست کرنے لگا اور وقت ملانے لگا کہ آپؒ روزانہ ٹھیک اسی وقت تلاوت کرتے تھے۔ (سوانح وتعلیمات حضرت عارفیؒ ۲۱۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر کو بھی نظم اوقات اور معمولات کی پابندی کا بہت ہی پابند پایا، میرے والد صاحب کا تو خاص معمول تھا کہ اپنے مخصوص شاگردوں سے سب سے پہلے کام جو لیتے وہ یہ تھا کہ نظام الاوقات ان سے ہی بنوا کر اس میں مطالعہ، کھانا، سبق سب آجاوے اس کو ملاحظہ فرما کر اگر اصلاح کی کوئی ضرورت سمجھتے تو اصلاح کر کے اس کے حوالے فرما دیتے، اور پھر اس پر پابندی کی تاکید فرماتے، اور نگرانی بھی فرماتے تھے، اس کے بعد حضرت شیخؒ نے اکابر کے چند واقعات نظام الاوقات اور اس کی پابندی کے تحریر فرمائے ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے: حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ میرے اوقات ایسے گھرے ہوئے اور بندھے ہوئے ہیں کہ پانچ منٹ کا بھی حرج ہو جاتا ہے تو دن بھر کے کاموں کا سلسلہ گڑبڑ ہو جاتا ہے، پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: حضرت حکیم الامتؒ نے صحیح فرمایا انضباط اوقات سے جتنا کام عمدہ اور اچھا ہو سکتا ہے بغیر انضباط کے نہیں ہوتا، پھر اس کے بعد حضرت شیخؒ نے خود اپنے مریدین اور شاگردوں سے اس کی تاکید کی تفصیل تحریر فرمائی ہے۔

نظام الاوقات کا مطلب ہے دن بھر کے معمولات کے لئے اوقات طے کرنا، مثلاً صبح صادق سے ۴۰ یا ۵۰ منٹ پہلے اٹھ جاؤں گا، یا جماعتِ فجر سے ۳۰ یا ۴۰ منٹ پہلے اٹھ جاؤں گا، پھر نماز کے بعد تلاوت قرآن کروں گا، پھر ضروریات سے فراغت کے بعد اتنے بجے معاشی ذمہ داری میں مصروف ہو جاؤں گا، نماز ظہر سے ۳۰ منٹ پہلے نماز کی تیاری شروع کروں گا، نماز کے بعد کوئی ذمہ داری ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ایک گھنٹہ کتاب کا مطالعہ کروں گا یا معمولات پورے کروں گا، پھر عصر تک خانگی ضروریات کی تکمیل کروں گا، عصر کے بعد تسبیحات سے فارغ ہو کر اہل خانہ کو وقت دوں گا، مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو کر عشاء سے پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤں گا، عشاء کے بعد معمولات وضروریات سے فارغ ہو کر سو جاؤں گا، یہ پورے دن کے نظام الاوقات کی ایک مثال ہے، اس طرح ہر شخص اپنے حساب سے اپنا نظام الاوقات طے کر سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں سونے اٹھنے کا نظام ہی بگڑ چکا ہے، رات کو دیر تک محفلیں لگتی ہیں، رات کو بہت دیر سے سونا اور صبح بہت دیر سے اٹھنا معمول بن گیا ہے، اس طرح آدمی رات میں فضول گوئی اور غیبت میں ملوث ہوتا ہے اور صبح کی برکتوں سے بھی محروم رہ جاتا ہے، اور بعض مرتبہ تو اس کی نحوست سے فجر کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، یہ ماحول اسلام کے مزاج سے بالکل مختلف ہے، اس لئے اپنے نظام الاوقات میں اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

نظام الاوقات کو لکھنا چاہئے، صرف ذہن میں طے کر لینے سے نہ اس کی اہمیت دل میں آتی ہے اور نہ یاد رہتا ہے، اور لکھا ہوا دیکھنے سے ایک تقاضا بھی پیدا ہوتا ہے، اور تحریر یاددہانی کا کام بھی دیتی ہے، نظام الاوقات طے کرنے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور یہ بات خاص طور سے ذہن نشین کر لی جائے کہ نظام الاوقات میں کامیابی ایک دم نہیں ملتی، آدمی نظام الاوقات بناتا ہے لیکن اس کے مطابق کام نہیں ہو پاتا، پختہ ارادہ کرتا ہے لیکن کسی

عذر سے یا کاہلی سے وقت پر وہ عمل نہیں ہوتا، اس سے ہرگز ناامید ہوکر ہمت نہیں ہارنی چاہئے، کیوں کہ ہر نئے مرحلے میں انسان پہلے ٹھوکر کھاتا ہے اور ہر میدان میں پہلے گرتا ہے پھر کامیاب ہوتا ہے، پس آدمی کو چاہئے کہ بار ہا نظام کے خلاف ہوجانے پر بھی مایوس نہ ہو اور کوشش کرتا رہے، اور چیونٹی سے سبق لے کہ وہ بارہا گرنے کے بعد بھی اپنا ارادہ نہیں بدلتی اور مایوس نہیں ہوتی یہاں تک کہ دیوار پر چڑھ کر رہتی ہے، ایک معتدبہ مدت تک کوشش کرنے کے بعد استقامت نصیب ہوجاتی ہے، اور یہ بھی یاد رہے کہ صادق ومخلص کو ان ناکامیوں میں بھی قیمتی جواہر ہاتھ لگتے ہیں۔

ہیں عقدہ کشا یہ خار صحرا ✵ کم کر گلۂ برہنہ پائی

* **کسی کو اپنا معاون بنایئے:** ایک مسافر کے لئے رفیق سفر بہت اہمیت رکھتا ہے، نیکیوں کی طرف اور اعلی مدارج کی طرف قدم اٹھانے اور تعمیر حیات کا قصد کرنے والے کے لئے ایک معاون ترقی اور کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے، بہتر تو یہ ہے کہ دونوں ساتھی معمولات ووظائف میں مشترک رہیں، اور مسابقت کی کوشش کریں، کیوں کہ مسابقت ومسارعت ولولہ وشوق کا سبب ہے، اسلاف میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ دوست آپس میں نیکیوں میں مقابلہ کرتے تھے، لیکن آج اس کا کہیں نام ونشان نہیں، اگر مسابقت کے لئے کوئی ساتھی میسر نہ ہو تو اپنے کسی بے تکلف دوست کو اپنا محاسِب بنادیجئے جو آپ کے معمولات ووظائف کا محاسبہ کرتا رہے، اور کوتاہی پر آپ کو متنبہ کرے، وہ محاسب بے تکلف دوست ہو کہ آپ کی کوتاہیاں اس کے سامنے آنے سے آپ کو شرمندگی نہ ہو، آپ کا خیر خواہ ہو، اس کی خیر خواہی پر یقین ہو، تاکہ تنبیہ کے وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو، آپ کی ترقی سے اس کو دلچسپی ہو، محض خانہ پُری کرنے والا مددگار ثابت نہیں ہوتا، اور آپ کی ناگواری پر بھی آپ کا مکمل محاسبہ کرنے والا ہو، اگر مزاج دیکھ کر محاسبہ کیا گیا تو اس کو دوام نہیں مل سکتا، کیوں کہ کیفیات کو بقا نہیں، اگر کوئی ایسا معاون مل جائے تو اس کو اپنے درد کا مسیحا تصور کیجئے۔

عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ کی نصیحت پلے باندھ لیجئے

حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ نے اپنی ایک مجلس فرمایا:

یہ تمام عمر کا تجربہ ہے اور اتنی عمر کو پہنچنے کے بعد کہتا ہوں کہ ایک چیز جو بڑی قابل قدر، اور اس کی قدر جان لینا اور پہچان لینا یہی خلاصہ ہے شریعت وطریقت اور سنت کا وہ ہے ''وقت'' جو گرانمایہ چیز ہے، جس نے وقت کی قدر کر لی اس نے سب کچھ حاصل کر لیا، ہمارے پاس جو عمر ہے وہ بہہ رہی ہے پانی کی طرح، ہر لمحہ قیمتی سے قیمتی ہے، اور برق رفتاری سے گزرتی چلی جارہی ہے۔

یقین رکھو سرمایہ حیات وہی لمحات ہیں جو اللہ کی یاد میں گزر جائیں، اللہ کے ذکر میں گزر جائیں، دنیا کی دولت ہیچ ہے ان لمحات زندگی کے مقابلے میں جس میں اللہ کا بندہ اللہ کے سامنے بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا ایک بندۂ عاجز اور اس کے نبی ﷺ کا امتی چند لمحے کے لئے بھی بیٹھ جائے تو بس اس کے لئے سرمایہ ہے، اور ایمان کا حاصل ہے، تو بھائی وقت کی قدر کرو، وقت بڑی قدر کی چیز ہے۔ (سوانح وتعلیمات حضرت عارفیؒ ۲۱۸)

حضرت شیخ ؒ کے مختصر جملے دستور زندگی بنا دیجئے

اوقات بہت قیمتی ہیں، زندگی کا جو وقت مل گیا ہے، اس کی قدر پہچاننی چاہئے، حدیث میں آتا ہے ''**فلیتزود العبد من نفسه لنفسه ومن حیاته لموته ومن شبابه لکبره ومن دنیاه لآخرته**'' بندے کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے اور زندگی میں موت سے پہلے، اور جوانی میں اپنے بڑھاپے سے پہلے، اور اس دنیا میں آخرت سے پہلے زادراہ تیار کرلے۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ ۲۵۷)

اے مہربان رب! اپنے لطف وکرم سے ہم سب کو زندگی کی قدردانی کرنے، اور آخرت کے گھر کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔